بسلسلۂ جشنِ الماسی
(۱۹۴۷ء۔۲۰۲۲ء)

مکالماتِ افلاطون

(جلد چہارم)

مترجم: عبدالحمید اعظمی

ادارۂ فروغِ قومی زبان
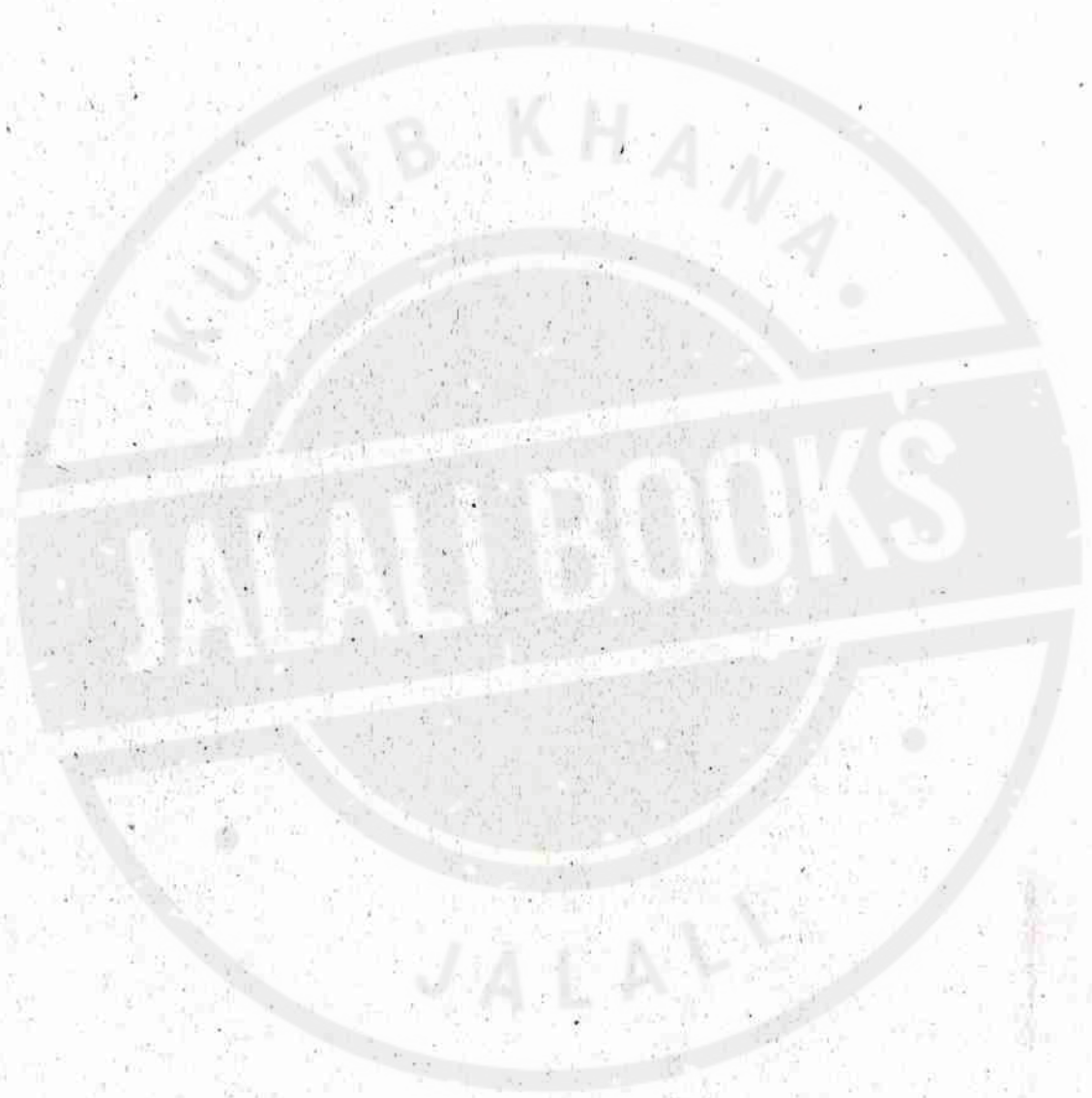
۲۰۲۲ء

مکالماتِ افلاطون

(قوانین)

(جلد چہارم)

مترجم

عبدالحمید اعظمی

ادارۂ فروغِ قومی زبان

۲۰۲۲ء

بسلسلہ درسیات: فلسفہ

سلسلۂ مطبوعات: ۶۳۲

عالمی معیاری کتاب نمبر ISBN ۹۷۸-۹۶۹-۴۷۴-۱۹۷-۵

☆

طبع اوّل ۲۰۰۸ء

طبع دوم ۲۰۲۲ء

تعداد ۵۰۰

قیمت .... =/۱۰۰۰ روپے

فنی تدوین .... عبدالرحیم خان/ ڈاکٹر انجم حمید

ترتیب وصفحہ بندی .... منظور احمد

اہتمامِ اشاعت .... مشتاق انجم

نگرانِ اشاعت .... ڈاکٹر انجم حمید

طابع .... پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان، اسلام آباد

ناشر .... ڈاکٹر رؤف پاریکھ

ڈائریکٹر جنرل،
ادارۂ فروغِ قومی زبان،
قومی ورثہ وثقافت ڈویژن، حکومت پاکستان،
ایوانِ اُردو، پطرس بخاری روڈ، ایچ۔۸/۴،
اسلام آباد، پاکستان۔
فون: ۰۵۱-۹۲۶۹۷۶۰-۶۲
فیکس: ۰۵۱-۹۲۶۹۷۵۹
برقی ڈاک: matboaatnlpdisd@gmail.com
ویب گاہ: www.nlpd.gov.pk.

☆

مطبوعات ترقیاتی منصوبہ : ۸

''سائنسی، تکنیکی و جدید عمومی موادِ خواندگی کی قومی زبان (اُردو) میں تیاری''

فہرست

☆☆☆

عرضِ ناشر

افلاطون (Plato) کا شمار ان فلسفیوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے نہ صرف قدیم یونان اور مغرب کے فلسفے پر گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ اسے ان اہم ترین شخصیات میں بھی شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے پوری انسانی تاریخ و تہذیب کو اپنے فکر و فلسفے سے متاثر کیا۔

افلاطون کا زمانہ لگ بھگ ۴۲۷ قبلِ مسیح سے ۳۴۷ قبلِ مسیح تک بتایا جاتا ہے۔ اس کی زندگی کے ابتدائی حالات سے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہو سکی ہیں لیکن جن فلسفیوں نے افلاطون کو بہت زیادہ متاثر کیا ان میں خاص طور پر اس کے استاد سقراط (Socrates) نیز فیثا غورث (Pythàgoras) کا نام لیا جاتا ہے۔ افلاطون کو بعض فلسفیانہ نظریات کے بنیاد گذاروں میں شامل کیا جاتا ہے اور ان فلسفیانہ نظریات میں مذہبیات اور سیاسیات کے علاوہ اخلاقیات، شعر و فنون لطیفہ اور بعض دیگر موضوعات بھی شامل ہیں۔

افلاطون کو جدلیات (dialectics) اور مکالمے (dialogue) کا بانی بھی کہا جاتا ہے، لیکن افلاطون سے پہلے بھی کچھ فلسفیوں کے ہاں جدلیات کے تصورات ملتے ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانا تو ممکن نہیں اور ویسے بھی مارکسی فکر میں جدلیات کی اصطلاح کسی اور مفہوم میں بھی برتی جاتی ہے، لیکن مختصراً عرض ہے کہ افلاطون کے ہاں جدلیات سے مراد ہے:

''مختلف و متضاد آرا پر بحث کر کے حقیقت کو تلاش کرنے کا فن۔''

یہ مختلف نظریات رکھنے والے افراد کے درمیان ایسی گفتگو ہوتی ہے جس کا مقصد فکری و علمی سچائی تک پہنچنا ہوتا ہے اور جس میں عقلی دلائل کی بنیاد پر بحث ہوتی ہے۔ جدلیات کی اصطلاح بظاہر مباحثے کے مفہوم سے مماثل نظر آتی ہے لیکن اس میں مباحثے کے برعکس جذباتیت، موضوعی باتوں اور لفاظی سے گریز کیا جاتا ہے۔ مکالمہ بنیادی طور پر باہمی گفتگو ہوتی ہے لیکن اس میں عقل اور دلائل کی مدد سے تبادلۂ خیال کر کے اپنی بات واضح کی جاتی ہے۔ چنانچہ افلاطون کے مکالمات کی زیرِ نظر جلدوں میں کئی مقامات پر قارئین کو شرکائے گفتگو کے باقاعدہ نام اور سوال جواب بھی نظر آئیں گے۔ اس گفتگو اور سوال جواب کا مقصد فکری مغالطوں کو دور کر کے حقائق تک رسائی ہے۔

مکالمہ مغربی ادب میں ایک باقاعدہ نثری صنف بھی رہا ہے۔ اس کی ابتدا کا سراغ تو سقراط کے ہاں بھی ملتا ہے لیکن افلاطون نے مکالمے کو ایک ایسی باقاعدہ فلسفیانہ یا جدلیاتی شکل دی جس میں ایک گفتگو کرنے والا گفتگو میں شامل کچھ دوسرے لوگوں سے بات کرتا ہے، سوالات قائم کرتا ہے اور دلائل، منطق اور عقل کے ذریعے حقیقت یا سچائی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کام افلاطون نے اپنے مکالمات میں کیا جو فلسفے کی دنیا میں بہت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اگر چہ اس کے بعض مباحث سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

افلاطون کے فلسفے کی اہمیت کے پیش نظر ادارہ فروغ قومی زبان (سابقہ مقتدرہ قومی زبان) نے افلاطون کے مکالمات کو اپنے ایک اہم منصوبے بعنوان ''سائنسی، تکنیکی وجدید عمومی موادِ مطالعہ کی قومی زبان میں تیاری'' کو شامل کیا اور اس کی چھے (۶) جلدوں کا ترجمہ کروا کے شائع کیا۔ تراجم کے سلسلے کی ان چھے جلدوں کے مترجمین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

پہلی جلد	پروفیسر اے ڈی میکن
دوسری جلد	جناب عبدالحمید اعظمی
تیسری جلد	ڈاکٹر ذاکر حسین
چوتھی جلد	جناب عبدالحمید اعظمی
پانچویں جلد	جناب عارف حسین
چھٹی جلد	جناب عارف حسین

ان تراجم کی تیاری میں خطیر رقم، وقت اور محنت صرف ہوئی ہے اور جن مختلف مترجمین نے ان تراجم میں حصہ لیا ان کا شکریہ واجب ہے۔ ادارے کے افسران و کارکنان نے جس محنت سے ان تراجم کے مسودے کو مختلف مراحل سے گزار کر طباعت تک پہنچایا اور اس کی اشاعت کے لیے کاوش کی اس کا اعتراف نہ کرنا ناسپاسی ہو گی۔

ان چھے (۶) جلدوں کے تراجم، طباعت اور اشاعت کا کام محترم پروفیسر فتح محمد ملک اور محترم افتخار عارف کے دور میں ہوا تھا اور باوجود اس کے کہ ان کو خاصی بڑی تعداد میں شائع کیا گیا تھا یہ جلد ہی فروخت ہو گئیں اور ان میں سے بعض جلدوں کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے تا کہ یہ اہم فلسفیانہ مباحث مکمل طور پر قارئین کی دست رس میں رہیں۔

—— رؤف پاریکھ

پیش لفظ

وطنِ عزیز میں علم وحکمت اور عقل ودانش کی روایات کوفروغ دینے کی خاطر مقتدرہ قومی زبان کے شعبۂ درسیات نے اپنے نئے ترقیاتی منصوبے ''سائنسی، تکنیکی وجدید عمومی موادِ خواندگی کی قومی زبان (اُردو) میں تیاری'' میں فلسفہ ونفسیات کے بنیادی تصورات پرمبنی دائمی اہمیت کی کتابوں کے اُردو تراجم کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ ''مکالماتِ افلاطون (چھ جلدیں)'' اِس سلسلۂ کتب کی پہلی کڑی ہیں۔ ''مکالمات افلاطون'' ایک اعتبار سے دُنیائے انسانیت کو مسلمانوں کی عطا ہے۔ یہ مسلمان اہلِ علم ہی تھے جنھوں نے پہلے پہل یونانی دانش کو عربی زبان میں منتقل کیا، اُسے رد وقبول کی چھلنی سے گزارا اور اُس پر تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی کتابیں لکھیں۔ مسلمانوں کے یہ علمی کمالات پہلے پہل لاطینی زبان میں اور پھر لاطینی سے مختلف مغربی زبانوں میں منتقل ہو کر مغربی علم ودانش کا سب سے بڑا سرچشمہ بن گئے۔

افلاطون (۴۲۷-۳۴۷ قبل از مسیح) ایتھنز کی اشرافیہ کا ایک نامور فرد تھا۔ اِس کا دورِ حیات معاشرتی اور سیاسی بے چینی کا دور تھا۔ افلاطون اوّل اوّل سیاسی عزائم کا حامل تھا مگر جب سن ۳۹۹ قبل از مسیح میں عہد کے عظیم ترین مفکر اور اُستاد سقراط کو سزائے موت دی گئی تو افلاطون ایتھنز کو خیرباد کہہ کر مدت تک یہاں وہاں پناہ کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ وہ یونان، مصر، اٹلی اور سِسلی وغیرہ میں مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر ۳۸۷ قبل از مسیح میں اُس نے واپس ایتھنز آکر سائنس اور فلسفہ میں ریسرچ کی خاطر اکادمی قائم کی۔ ''مکالماتِ افلاطون'' اِسی دور کی یادگار ہے۔ ترقیاتی منصوبے کے تحت مقتدرہ قومی زبان یونانی دانش کے اِس عظیم شاہکار کی چھ کی چھ جلدوں کو پہلی بار اُردو دُنیا کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اِن مکالمات کی اشاعت ہمارے ہاں عقل ودانش کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرے گی۔

—— پروفیسر فتح محمد ملک

۱
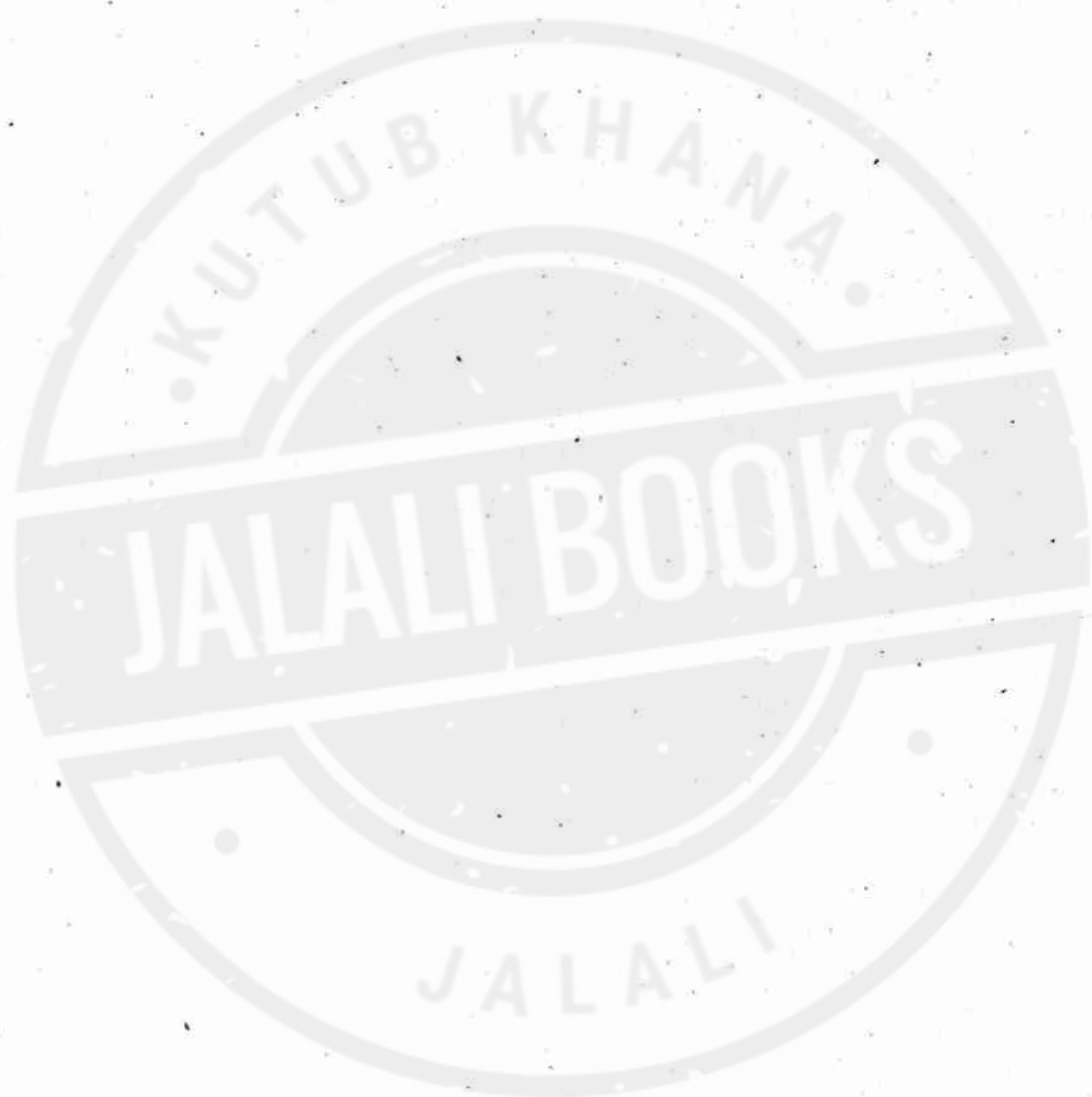
پہلی کتاب

شرکائے گفتگو:

ایتھنز کا ایک اجنبی، کریٹ کا کلینیاس (Cleinias)

لیسی ڈیمون (Lacedaemon) کا مجی لس (Megillus)

اجنبی : انجان دوستو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمھارے قوانین دیوتا کے بنائے ہوئے ہیں یا کسی انسان کے؟

کلینیاس: ایک دیوتا کے اور ہم کریٹ باشندوں میں یہی تسلیم شدہ امر ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زیوس (Zeus) ہے لیکن لیسی ڈیمون میں جہاں میرا یہ دوست رہتا ہے یہ مانا جاتا ہے کہ یہ قوانین دیوتا اپالو (Apallo) کی عطا ہیں۔ کیوں یہی بات ہے نا مجی لس۔

مجی لس: یقیناً۔

اجنبی: اب یہ بتایئے کلینیاس صاحب کہ کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بقول ہومر (Homer) ہر نو سال کے بعد دیوتا مینوس (Minos) اولمپک کے عظیم دیوتا کے حضور پیش ہو کر آپ کے شہروں کے لیے نئے قوانین کی تحریک حاصل کرتا ہے۔

کلینیاس: جی ہاں، یہی ہماری روایت ہے، اور اسی دیوتا کا ایک بھائی رادامینتھس (Rhadamanthus) تھا۔ جس کے نام سے آپ واقف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا منصف ترین انسان تھا۔ اور ایتھنز کے باشندوں کا یہ یقین ہے کہ اسے یہ شہرت اس لیے نصیب ہوئی کہ اس نے اپنی زندگی مین عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔

اجنبی: بجا ارشاد! اس کی یہ نیک نامی دیوتا زیوس کے فرزند کے شایان شان تھی۔ چونکہ آپ اور مجی لس

اسی روایت کے پابند رہتے ہیں۔ آپ دونوں کو اپنی حکومت اور قوانین کے بارے میں بتانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ اس طرح ہمارا راستہ بھی مزے سے کٹ جائے گا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ کنوسس (Cnosus) سے زیوس کے غار اور مندر کا فاصلہ اچھا خاصا ہے۔ یہ درست ہے کہ راہ میں شجر سایہ دار بہت ہیں جن کے نیچے ہم سورج کی تمازت سے پناہ لے سکتے ہیں۔ ہم جوان تو رہے نہیں اس لیے ان کے سایے میں آرام کرتے جائیں گے اور اسی طرح ہم باتیں کرتے کرتے اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔

کلینیاس: اجنبی تمھاری بات درست ہے۔ ہم آگے چلیں گے تو بلند و بالا اور دلکش سرو کے درختوں کے جھنڈ اور سرسبز و شاداب گھاس کے قطعات نظر آئیں گے، جہاں ہم کمر کھول کر بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے۔

اجنبی: بڑی اچھی بات ہے۔

کلینیاس: واقعی یہ اچھی خبر ہے مزہ تو جب آئے گا جب ہم وہاں پہنچیں گے آیئے ہم یہی سوچ سوچ کر چلتے ہیں۔

اجنبی:۔ میں تو تیار ہوں۔ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کے قانون میں یہ کیوں پابندی ہے کہ آپ کا مشترکہ دسترخوان ہوگا۔ اکھاڑوں میں ورزش کرنی ہوگی اور سب ہمہ وقت مسلح رہیں گے۔

کلینیاس: اجنبی دوست میرا خیال ہے کہ ہمارے اداروں کے مقاصد سے سب واقف ہیں۔ کریٹ تو تھیسالی کی طرح میدانی علاقہ نہیں ہے۔ اسی سبب وہاں گھڑسواری عام ہے۔ جب کہ ہمارے یہاں لوگ پیدل چلتے ہیں بلکہ دوڑتے ہیں۔ ہماری اونچی نیچی زمین پیدل چلنے ہی کے لیے موزوں ہے، اب اگر لوگ پیدل چلیں گے تو اس کے لیے اسلحہ بھی ہلکا ہونا چاہیے۔ دوڑنے بھاگنے کے لیے وزنی اسلحہ تو بالکل ہی مناسب نہیں ہوگا۔ ہلکے ہونے کے سبب تیر کمان بہت ہی مناسب ہوتے ہیں۔ یہ تمام قوانین جنگ کے مدِ نظر تیار کیے گئے ہیں اور قانون سازوں نے ان تمام پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ اسی صورت حال کے پیش نظر مشترکہ دسترخوان کی بھی پابندی عائد کی گئی۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو اس نے یہ دیکھا کہ لوگ کھیتوں میں مصروف رہتے ہیں ان کے تحفظ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ یکجا ہو کر ایک دسترخوان پر کھانا کھائیں۔ مجھے تو یوں دکھائی پڑتا ہے کہ

دنیا اگر یہ تسلیم نہ کرے کہ انسان ہمیشہ ایک دوسرے سے مصروف جنگ وجدل ہوتا تو وہ احمق ہے اور اگر وہ مصروف جنگ ہوں تو پھر دستر خوان کا مشترکہ ہونا ضروری ہے۔ اگر دوسرے علاقوں میں جنگ کے دوران فوجوں کی حفاظت کے لیے کچھ لوگ ملازم رکھے جاتے ہیں تو زمانہ امن میں بھی یہ طریق کیوں نہیں جاری رکھا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ عموماً جسے زمانہ امن کہا جاتا ہے وہ اس کی نظر میں برائے نام ہی ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شہر ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ حالت جنگ میں رہتا ہے۔ قائدین جس کا اعلان نہیں کرتے لیکن یہ حالت دائمی ہوتی ہے اگر آپ سوچیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ عظیم قانون ساز کی غایت بھی یہی تھی۔ انھوں نے سرکاری اور غیر سرکاری تمام ادارے جنگ کے نقطہ نظر ہی کے تحت تشکیل دیے ہیں۔ اس قانون کو عطا کرتے وقت ان کا یہ تاثر تھا کہ جنگ میں شکست کے مقابلے میں ان اداروں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ شکست کے نتیجے میں مفتوح کی ساری اچھی چیزیں فاتح کے ہاتھ لگ جاتی ہیں۔

اجنبی: میرے دوست، میں سمجھتا ہوں آپ کو اپنے اعلیٰ قانون کا پورا پورا علم ہے۔ کیا آپ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کون سے اصول ہیں جنھیں آپ اپنی حکومت کے لیے متعین کرتے ہیں۔ آپ غالباً یہ سوچتے ہیں کہ اگر مملکت کو اچھی طرح چلایا جائے تو وہ جنگ میں دیگر مملکتوں کو ختم کرسکتی ہے۔ میں نے یہ غلط اندازہ تو نہیں لگایا؟

کلینیاس: یقیناً لیسی ڈیمون کے میرے دوست بھی اس سے متفق ہوں گے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟

مجی لس: ارے بھئی میرے عزیز دوست! لیسی ڈیمون کا کوئی باشندہ اس بات سے اختلاف نہیں کرسکتا۔

اجنبی: جو باتیں آپ نے بتائی ہیں، کیا ان کا اطلاق صرف شہروں پر ہی ہوتا ہے یا دیہات بھی اس کے تابع ہیں۔

کلینیاس: دونوں ہی یکساں طور پر۔

اجنبی: دونوں کے حالات کیا ایک ہی جیسے ہیں؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: کیا دیہاتوں میں بھی خاندان خاندان سے اور افراد افراد سے باہم دست وگریبان رہیں گے؟

کلینیاس: بالکل یہی بات ہے۔

اجنبی : اور کیا ہر فرد اپنے آپ کو خود اپنا دشمن سمجھے گا؟ کیا کہا جا سکتا ہے؟

کلینیاس: حیف اے ایتھنز کے اجنبی اٹیکا کے رہنے والے میں تمہیں برا بھلا نہیں کہوں گا۔ کیونکہ تم نے قانون کی دیوی کو اپنی باتوں سے ناراض کیا ہے وہی تم سے حساب لے گی۔ تم نے بنیادی اصول پر ضرب لگائی ہے کہ تم نے میری دلیل کو روشنی بخشی ہے۔ تم نے اچھی طرح میری بات کو سمجھ لیا ہوگا کہ لوگ کھلم کھلا ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ہر فرد بھی خود اپنا دشمن ہے۔

اجنبی : (میرے عزیز دوست آپ کیا کہہ رہے ہیں)۔

کلینیاس: اس کے علاوہ فتح و شکست کا بھی قصہ ہے۔ اعلیٰ ترین اور بدترین فتوحات، بدترین شکستیں جو انسان کو کسی دوسرے کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے ہم حالت جنگ میں ہیں جو ہمارے اندر خود اپنے ہی خلاف جاری ہے۔

اجنبی : آیئے اس دلیل پر دوسرے پہلو سے غور کریں۔ جب یہ نظر آئے کہ ہر فرد یا تو اپنا خود حاکم ہے یا ماتحت ہے تو کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہی اصول گھر، شہر اور گاؤں پر بھی لاگو ہوں گے۔

کلینیاس: آپ کا مطلب ہے کیا ان میں سے ہر ایک میں اپنے لیے برتری اور کمتری کا اصول کارفرما ہے؟

اجنبی: جی ہاں۔

کلینیاس: آپ اس سوال کے پوچھنے میں بالکل حق بجانب ہیں کیونکہ یقیناً ان میں اور سب سے بڑھ کر ریاست میں یہ اصول موجود ہے اور جس ریاست میں بہتر شہری ہجوم اور کم تر درجے والوں پر فتح حاصل کرتے ہیں۔ اسے سچ مچ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود سے بہتر ہے اور جب ایسی فتح حاصل ہو یا اس کے برخلاف مورد ملامت ٹھہرے تو یقیناً وہ تعریف و توصیف کی مستحق ہے۔

اجنبی: کیا بدتر طبقے، بہتر طبقے کو کبھی زیر کر سکتے ہیں۔ یہ سوال مزید بحث و تمحیص چاہتا ہے۔ اسی لیے فی الحال اس بحث میں الجھنا فضول ہے لیکن اب میری سمجھ میں آپ کی یہ بات آ گئی ہے کہ شہری جن کا تعلق ایک ہی نسل سے ہو، ایک شہر میں رہائش پذیر ہوں تو وہ بجا طور پر سازش میں مصروف ہو سکتے ہیں اور اگر اکثریت میں ہوں تو انصاف پسندوں کی اقلیت پر غالب آ سکتے ہیں اور اس غلبے کی صورت میں ریاست کو صحیح معنوں میں کمتر سمجھا جائے گا۔ اس لیے وہ ناقص ریاست ہوگی اور جب وہ بہتر

سے شکست کھا جائیں گے تو بذاتہ برتر یعنی بہتر ہوگی۔

کلینیاس: آپ کی یہ بات بڑی الٹی نظر آتی ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

اجنبی: ایک دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ خاندان میں متعدد بھائی ہو سکتے ہیں جو ایک ہی والدین کے صلب سے ہیں۔ ممکن ہے ان کی اکثریت ناانصاف ہو اور انصاف پسند گنتی کے چند ہوں۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی: ایسی صورت میں آپ کو اور مجھے زیب نہیں دیتا کہ الفاظ کے پیچ میں الجھ کر یہ کہیں کہ جب وہ فاتح ہوں تو بہتر ہیں اور جب مفتوح ہوں تو کمتر ہیں کیونکہ ہمارے زیر بحث یہ بات نہیں ہے کہ مناسب یا روایتی طرز گفتگو کیا ہونا چاہیے۔ بلکہ ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ قانون کے لحاظ سے مناسب اور غیر مناسب کے فطری اصول کیا ہیں۔

کلینیاس: اجنبی آپ کی بات سو فی صد درست ہے۔

مجی لس: میں سمجھتا ہوں یہ بڑے کمال کی بات ہے کہ بحث یہاں پہنچی ہے۔

اجنبی: اس بات کو یوں بھی آگے بڑھایا جاسکتا ہے کہ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ان بھائیوں کے درمیان فیصلہ کوئی حکم کرے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ بہتر حکم کون ہوگا وہ جو بدتر کا خاتمہ کر کے حکومت کے لیے بہتر کو مقرر کرے گا یا وہ جو بہتر کو حکومت دے گا۔ بدتر کو زندہ رہنے کا حق اور انھیں رضا کارانہ طور پر ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار کرے گا۔ یا میرے خیال میں ایسا کوئی تیسرا فرد جو فضیلت کے معیار کے مطابق حکم بنایا جائے۔ جو یہ دیکھ کر کہ اس طرح تو خاندان کا خاندان برباد ہو جائے گا ان میں ہمیشہ کے لیے مصالحت کرا دے اور ایسے قوانین بنا دے جس پر وہ مل جل کر عملدرآمد کریں اور انھیں دوستی کے ازلی رشتے میں پرو دے۔

کلینیاس: آخری الذکر بہترین حکم اور قانون ساز ہوگا۔

اجنبی: تاہم وہ جتنے قانون بنائے گا اس کی غایت جنگ نہیں بلکہ امن ہوگا۔

کلینیاس: درست فرمایا۔

اجنبی: یہ بتایئے کہ کیا ایسا شخص جو ریاست کو تشکیل دیتا ہے اور عوام کی زندگی کو مرتب کرتا ہے اس کی نظر میں بیرونی دشمنوں سے جنگ ہے یا محض باہمی آویزش برادر کشی ہوتی ہے۔ اس صورت حال کو سب روکیں گے اور اپنی ریاست کو اس کا شکار ہونے سے بچائیں گے اور اگر ایسا ہو بھی جائے پھر بھی ہر شخص یہی چاہے گا کہ اس جنگ کا جتنی جلد ہو سکے خاتمہ ہو جائے؟

کلینیاس: اس کی نظر جنگ کے خاتمے ہی پر ہوگی۔

اجنبی: کیا اسے یہ بات پسند ہوگی کہ یہ خانہ جنگی اس طرح ختم ہو کہ دوسرا فریق نیست و نابود ہو جائے یا یہ کہ ایک کے فاتح ہونے کی صورت میں امن و امان دوبارہ قائم ہو اور مصالحت کے نتیجے میں سب کے سب بیرونی دشمنوں پر توجہ دینے کے قابل ہو جائیں۔

کلینیاس: ہر فرد اپنی ریاست کے لیے یہی بات پسند کرے گا۔

اجنبی: اور کیا یہی قانون ساز کی خواہش نہیں ہوگی؟

کلینیاس: بالکل ہوگی کیوں نہیں۔

اجنبی: کیا ہر ایک کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قانون کے نفاذ سے بہتر صورت حال پیدا ہو؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: لیکن خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی کبھی بہتر صورت نہیں ہوگی اور ہر دو صورت قابل نفرین ہوگی لیکن باہمی امن و سلامتی اور خیر خواہی ہمیشہ بہتر ہوتے ہیں اور نہ ہی ریاست کی خود اپنے ہی لوگوں پر فتح کو اچھی بات سمجھا جا سکتا ہے۔ ہاں اسے ناگزیر سمجھا جائے گا۔ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بیماری اور علاج کے دوران جسم اپنی بہترین حالت میں ہوتا ہے۔ اس وقت اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ جسم کی ایک حالت ایسی بھی ہوتی ہے جب اسے نہ دوا درکار ہوتی ہے نہ علاج۔ اسی طرح کوئی فرد اس وقت تک مدبر کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا جب تک اس کی توجہ صرف بیرونی جنگ ہی پر مرکوز رہے، خواہ اس میں عوام کا فائدہ ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ایسا فرد معتبر قانون دان ہو سکتا جو امن کے لیے جنگ کا حکم دے، بجائے اس کے کہ جنگ کے لیے امن کا۔

کلینیاس: میں سمجھتا ہوں یہ بات دل کو لگتی ہے اجنبی آپ کی یہ بات سچ ہے اور یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اگر ہمارے اور لیسی ڈیمون کے بھی تمام اداروں کا مقصد بجز جنگ کچھ اور نہیں۔

اجنبی: میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ کے قانون سازوں کے بارے میں لمبی چوڑی بحث کی کیا ضرورت ہے۔ ان سے تو بڑی نرمی سے سوال کرنا چاہیے کیوں؟ ہم دونوں ہی اس معاملے میں بہت سنجیدہ ہیں۔ آپ میری بات سمجھیے اور میری دلیلوں پر پوری توجہ دیجیے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا نام ٹائرٹیئس (Tyrtaeus) کا ذہن میں آتا ہے جو پیدا تو ایتھنز میں ہوا تھا مگر اس کا تعلق سپارٹا سے تھا۔ جو سب سے زیادہ جنگ کا رسیا تھا۔ ''میں گاتا ہوں تو کیا ہوا اگر کوئی فرد دولتمندی میں سب سے آگے ہے (وہ ایسے افراد کی فہرست دیتا ہے) لیکن بہادر سپاہی نہیں ہے تو میری نظر میں اس کی وقعت کچھ نہیں''۔ کاش آپ نے اس کی نظمیں سُنی ہوتیں۔ لیسی ڈیمون کے میرے دوست نے شاید اس کی کافی نظمیں سُنی ہوں گی۔

مجی لس: جی ہاں آپ نے درست فرمایا۔

کلینیاس: اور یہ نظمیں لیسی ڈیمون سے کریٹ تک پہنچ گئیں۔

اجنبی: چلیے اب ہم سب ٹائرٹیئس کے بارے میں چند سوالات پر غور کریں۔ ان سے ہم یہی کہیں گے کہ خداداد صلاحیتوں کے حامل شعرا میں سے آپ ہی ہیں جس نے سب سے زیادہ ان کو سراہا ہے جنھوں نے میدان جنگ میں دادِ شجاعت دی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ بڑے دانا ہیں۔ میں، مجی لس اور کلینیاس سب ہی آپ سے متفق ہیں۔ لیکن ہم نے اس بات کو یقینی بنایا کہ سب کا موضوع گفتگو ایک شخصیت ہے۔ اب یہ بتائیں کہ آپ بھی ہماری طرح یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ٹائرٹیئس سے کمتر درجے کا انسان ہوتا تو یہی کہتا کہ جنگیں دو قسم کی ہوتی ہیں اول وہ جسے سب خانہ جنگی کہتے ہیں اور جیسا کہ ہم لوگوں نے کہا ہے، یہ بدترین قسم کی جنگ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں ہم دوسری قوموں اور نسلوں کے ساتھ دست وگریبان ہوتے ہیں اور یہ جنگ بڑی ہلکی قسم کی ہوتی ہے۔

کلینیاس: واقعی نسبتاً بہت ہی ہلکی ہوتی ہے۔

اجنبی: اس موقع پر جب آپ لوگ جنگ کی توصیف وتحقیر اتنی بلند آہنگی سے کر رہے ہیں یہ بتایئے کہ آپ کس قسم کی جنگ کی توصیف اور کس کی تحقیر کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ کے ذہن میں غیر ممالک سے جنگ ہوتی ہے جسے آپ قابل نفرت گردانتے ہیں۔ وہ افراد ہیں:

''جوخون آلود میدان جنگ پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے اور نہ تو دشمن کے قریب جائیں گے اور نہ اس پر وار کریں گے''۔

اب ہم ٹائرٹیئس سے یہ گزارش کریں گے کہ آپ ان کے ہی قصیدے کہتے ہیں جو دوسری قوموں کے ساتھ جنگ میں نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسے اس کا اقرار کرنا ہی پڑے گا۔

کلینیاس: صاف ظاہر ہے۔

اجنبی: وہ بڑے عمدہ لوگ ہیں لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان سے بھی بہتر لوگ ہیں جن کے اوصاف عظیم ترین جنگوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ہمارا بھی ایک شاعر ہے جسے ہم بطور گواہ پیش کریں گے جو سسلی (Sicily) کے شہر میگارا (Megara) کا باشندہ تھیوگنس (Theogins) ہے جس نے کہا تھا کہ:

''سرنس (Cyrnus) جو خانہ جنگی میں ثابت قدم اور وفادار رہا اسے سونے چاندی میں تولنا چاہیے''۔

ہم بھی تو یہی مانتے ہیں کہ ایسا فرد اس سے کہیں بہتر ہوتا ہے جو زیادہ سنگین قسم کی جنگ میں ملوث ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے تحمل اور دانائی جب شجاعت کے ساتھ مل جاتی ہیں تو وہ صرف شجاعت سے کہیں بہتر ہوتی ہیں۔ کیونکہ خانہ جنگی میں کوئی فرد اس وقت تک ثابت قدم اور وفادار نہیں ہوسکتا جب تک اس میں ساری خوبیاں یکجا نہ ہوں۔ لیکن ٹائرٹیئس جس جنگ کا حوالہ دے رہا ہے، اس میں بے شمار کرایے کے سپاہی شامل ہو کر اس کی چوکیوں پر جان دینے پر تیار ہو جائیں گے تاہم وہ سارے کے سارے عموماً بلا استثنا گستاخ، ظالم اور تشدد پسند ہوں گے۔ آپ کہیں گے تو آخر اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے اور میں ثابت کیا کرنا چاہتا ہوں۔ میرا یہ کہنا ہے کہ کریٹ کے الوہی قانون ساز ایسے قانون سازوں کی طرح جو قابل توجہ ہوتے ہیں، ہمیشہ قانون سازی کے دوران دیگر امور سے قطع نظر کر کے ان خوبیوں کا لحاظ رکھیں گے جو تھیوگنس کے خیال کے مطابق خطرات میں وفاداری ہے جسے صحیح معنوں میں عدل کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جس خوبی کا ذکر ٹائرٹیئس کرتا ہے، جس کی تعریف میں رطب اللسان ہے، وہ درست ہوسکتی ہے۔ شاعر کی یہ توصیف بڑی باموقع ہوسکتی ہے تاہم جہاں تک اس کے مقام اور منصب کا تعلق ہے وہ چوتھے درجے میں شمار ہوگی، [اس کا درجہ عدل، اعتدال اور دانائی کے بعد کا ہے]۔

کلینیاس: اجنبی یہ کیا بات ہوئی ہم اپنے قانون ساز کو اس کے اصل درجے سے، بہت نیچے گرا رہے ہیں۔

اجنبی : جی نہیں۔ میرا تو خیال ہے ہم اس کو اس کے درجے سے نیچے نہیں بلکہ خود کو نیچے گرا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ لائی کرگس (Lycurgus) اور مینوس نے لیسی ڈیمون اور کریٹ دونوں ریاستوں میں قانون سازی جنگ کے نقطۂ نظر سے کی ہے۔

کلینیاس: آخر ہمیں اور کیا کہنا چاہیے؟

اجنبی : اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو سوچتا ہوں کہ صداقت اور عدالت کا یہ تقاضا ہے کہ خداداد شرف کا تذکرہ کرتے وقت ہم یہ بھی تسلیم کریں کہ قانون سازی کے دوران قانون ساز صرف کسی جز و کو ذہن میں نہیں رکھتا۔ یہ جز و بڑے نیچے درجے کی خوبی ہوگا، مکمل خوبی نہیں۔ اس نے تو قوانین کا ایک سلسلہ تشکیل دیا ہے جو ہر طرح کی خوبیوں پر محیط ہے۔ ان کا طریق کار اس سے بالکل مختلف ہے، جس پر جدید دور کے قانون ساز عمل پیرا ہیں کیونکہ وہ تو اسی وقت قانون بناتے ہیں جب اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایک جائیداد کی تحویل اور وراثت کا قانون بناتا ہے تو دوسرا حملۂ مجرمانہ پر، دیگر یعنی ہزاروں دوسرے افراد اسی طرح کے معاملات پر قانون بناتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارا ادّعا تو یہ ہے کہ قوانین کا جائزہ لینے کا صحیح طریقہ وہی ہے جس طرح ہم اس وقت باتیں کر رہے ہیں اور میں آپ کے اظہار حقیقت کا قائل ہوں کیوں کہ آپ نے خوبیوں سے اور یہ کہہ کر کہ قانون سازوں کا اصل ہدف بھی یہی تھا، ہماری بحث کا آغاز بہت اچھی طرح کیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں آپ نے اس وقت غلطی کی جب آپ نے یہ فرمایا کہ قانون ساز کا اصل مقصد محض ایک جز و تک ہی محدود تھا جو کمترین درجے کا تھا۔ اسی لیے مجھے اس پر تبصرہ کرنا پڑا جسے آپ سن چکے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ بتانے کی جسارت کروں کہ آپ کو یہ معاملہ کس طرح بیان کرنا چاہیے تھا۔

کلینیاس: بخوشی جناب۔

اجنبی : آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اجنبی دوست، کریٹ کے قوانین ان اسباب پر مبنی ہیں جو ہیلینا کے باشندوں میں مقبول ہیں۔ کیونکہ وہ قوانین کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں، یعنی وہ لوگ خوش و خرم ہیں جن پر ان کا اطلاق ہوگا اور جن سے ان کو طرح طرح کے فوائد حاصل ہوں۔ یہ فوائد دو طرح

کے ہوتے ہیں، کچھ انسانی فوائد ہیں اور کچھ الوہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسانی فوائد جن فوائد پر منحصر ہوتے ہیں وہ الوہی ہوتے ہیں اور جو ریاست بڑے فوائد کے ساتھ ساتھ کمتر درجے کے فوائد سے بھی استفادہ کرتی ہے اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا، کمتر درجے کے فوائد میں اوّل صحت ہے، دوسرا خوبصورتی ہے اور تیسرا قوت ہے، جس میں تیز دوڑنا اور جسمانی چستی شامل ہیں۔ چوتھا فائدہ دولت ہے نہ کہ نابینا دیوتا (پلوٹو)۔ بلکہ ایسا دیوتا جس کی بصارت تیز ہو اور اپنے رفقا کے لیے دانائی کے استعمال سے واقف ہو۔ کیونکہ دانائی اصل ہے اور الوہی فوائد میں افضل ترین۔ اس کے بعد اعتدال کی باری آتی ہے اور جب یہ فوائد شجاعت سے ملتے ہیں تو عدل ظہور میں آتا ہے۔ خوبیوں کی میزان میں شجاعت کا درجہ چوتھا بنتا ہے۔ یہ تمام خوبیاں دیگر خوبیوں سے مقدم ہوتی ہیں اور یہی وہ ترتیب ہے جس کا قانون ساز کو لحاظ رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد وہ شہریوں کے قوانین وضع کرتا جائے تاکہ انسان کی نظر الوہی قوانین پر ہو اور الوہی قوانین کی توجہ اس دماغ پر ہو جو ان کا قائد ہے۔ چند قوانین کا تعلق شادی اور نکاح کے روابط سے ہوگا جو دو جوڑے کے لیے اور نسل انسانی کی تولید اور بچوں کی تعلیم سے متعلق ہوتے ہیں۔ جن میں بچے بچیاں سب شامل ہوتے ہیں۔ قانون ساز کا یہ فرض ہوگا کہ وہ جوانی، بڑھاپے غرضیکہ زندگی کے ہر مرحلے پر اپنے شہریوں کا ذمہ دار ہو۔ انھیں جزا بھی دے اور سزا بھی اور ان کے باہمی روابط اور تعلقات کے ضمن میں ان کے مصائب، مسرتوں، خواہشات، توقعات اور ان کے جذبات کا شدت سے لحاظ رکھے۔ اسے چاہیے کہ وہ ان کی نگرانی کرے اور قانون کے ذریعے جزا و سزا کا مستوجب گردانے۔ علاوہ بریں غیض اور خوف جیسی روحانی ابتری کے جذبوں پر بھی نظر رکھے کیونکہ یہ ناپسندیدہ جذبے بدبختی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اسے یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ ان مصائب سے نجات کا راستہ خوشحالی ہے۔ بیماری، جنگ، غربت یا ان کی مخالف صورتوں میں انسان کو سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ان تمام حالات کے ضمن میں اسے اچھی اور بری باتوں سے آگاہ کرتا رہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قانون ساز کو پوری احتیاط سے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ عوام کس طرح روزی کماتے ہیں، اسے کیسے خرچ کرتے ہیں، اسے ان معاہدوں کا بھی نگران رہنا چاہیے جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں یا مجبوراً بہ طیبِ خاطر توڑ دیتے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ لوگ

اس پر کس طرح عملدرآمد کر رہے ہیں اور یہ بھی نگرانی کرے گا کہ لوگ اپنے معاملات میں کب اور کس طرح ناانصافی سے کام لیتے ہیں اور قانون کی پابندی کرنے والوں کی تکریم کرے، قانون شکنوں کو مقررہ سزائیں دے یہ کام اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک وہ زندہ ہیں اور متوفی کی تجہیز و تکفین اور عزت و تکریم کا مرحلہ درپیش ہو۔ قانون ساز اس کی زندگی کے معمولات کا جائزہ لے کر ان پر عملدرآمد کے لیے متولی مقرر کر دے گا ان میں کچھ ایسے ہوں گے جو دانائی سے اور چند ایک محض درست رائے کے بل بوتے پر کام کو آگے بڑھائیں گے۔ اس کے بعد عقل ہی تمام قوانین کو شیرازہ بند کر کے یہ بتا دے گی کہ وہ اعتدال اور عدل سے ہم آہنگ ہیں، ان کا دولت یا آرزومندی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اجنبی دوست یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت میں چاہتا ہوں کہ آپ بحث کو آگے بڑھائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان تمام باتوں کی کیفیت مجھے اچھی طرح معلوم ہو جائے اور یہ بھی پتا لگے کہ زیوس کے قوانین میں ان کو کس طرح مرتب کیا گیا ہے اور کن الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ اسی طرح پائتھی کے اپالو کے قوانین میں ان کی کیا صورت ہے جنھیں لائی کرگس اور مینوس نے عطا کیا ہے اور ان کی ترتیب اسے کس طرح کی نظر آتی ہے۔ جنھیں ان قوانین کے مطالعے سے یا عادتاً تجربہ حاصل ہوا ہے۔ ہمارے جیسے دنیا بھر کے لوگوں کو یہ علم نہیں کہ یہ بذاتہ کتنے بدیہی ہیں۔

کلینیاس: اجنبی دوست! اب ہم بات کو کس طرح آگے بڑھائیں۔

اجنبی: میرا خیال ہے کہ ہمیں پہلے ہی کی طرح سے اولاً شجاعت کی عادت پر بات کرنا پڑے گی۔ اس کے بعد دوسری خوبی اور پھر ایک اور خوبی، علیٰ ھذٰ القیاس اس طرح ہم کل کا نمونہ حاصل کر لیں گے۔ اس اور اسی طرح کے دیگر مذاکرات کے ساتھ ساتھ راستہ کٹتا جائے گا اور جب ہم ساری خوبیوں پر جی کھول کر بحث کر لیں گے تو ہمیں نظر آئے گا کہ خدا کے فضل سے وہ تمام ادارے جو ہمارے زیر بحث رہے ہیں سب کا موضوع یہی فضائل ہیں۔

مجی لس: واہ واہ! فرض کیجیے آپ سے پہلے زیوس کے اس مداح اور کریٹ کے قوانین کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اجنبی: میں آپ پر بھی تنقید کروں گا اور اپنے آپ پر بھی اور اس دوست پر بھی کیونکہ بحث میں سب ہی

شریک ہیں۔ ذرا یہ تو بتائیے کہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پہلے مشترکہ دسترخوان اور اس کے بعد اکھاڑوں کے تصور آپ کے قانون ساز کی اختراع جنگی نقطۂ نظر سے نہیں ہیں؟

مجی لس: بجا ارشاد۔

اجنبی: اور چوتھا کس کا مقام ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ ایک ایسی درجہ بندی ہے جس میں بقیہ اوصاف کو بھی شامل کر لینا چاہیے۔ خواہ انھیں بھی اجزا کہیں یا کوئی اور نام دیں مقصد تو یہ ہے کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

مجی لس: اگر یہ بات ہے تو میں یا لیسی ڈیمون کا کوئی اور باشندہ یہی کہے گا کہ شکار تیسرے درجے میں ہے۔

اجنبی: آیئے کوشش کر کے دیکھتے ہیں کہ چوتھے اور پانچویں درجے میں کیا ہے؟

مجی لس: میں تو بس چوتھے درجے کا اندازہ لگا سکتا ہوں جو اکثر و بیشتر مصائب کو برداشت کرتا ہے۔ جس سے سپارٹا کے ہم جیسے باشندوں کا دست بدست جنگ میں اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ سخت جسمانی سزا کے خطرے کے باوجود چوری چکاری بھی جاری رہتی ہے۔ علاوہ ازیں خفیہ پولیس کا بھی اندیشہ ہوتا ہے جو جاری رہتا ہے۔ ہمارا عام آدمی دن رات ملک بھر میں گھومتا ہے، نہ گرمی دیکھتا ہے نہ سردی، نہ پاؤں میں جوتا ہوتا ہے، نہ بدن پر ڈھنگ کے کپڑے، نہ بستر کہ گھڑی دو گھڑی کو کمر ہی سیدھی کر لے۔ اسے تو بس اپنی دیکھ بھال خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ ہمارے عوام کی قوت برداشت دیدنی ہوتی ہے جب وہ چلچلاتی دھوپ میں ننگے بدن ورزش اور جنگی مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کے ان گنت معمولات ہیں جن کی تفصیلات کی کوئی انتہا نہیں۔

اجنبی: بہت خوب! لیسی ڈیمون کے میرے اجنبی دوست۔ لیکن یہ بتائیے کہ شجاعت کا کیا مفہوم ہے۔ کیا ہمیشہ اسے خوف اور درد یا لالچ، مسرت اور خوش آمد کا مقابلہ کرنے کا جذبہ سمجھ لیا جائے۔ کون ہے جو ایسی زبردست قوت کا اظہار کرے جس سے اشراف کا پتہ بھی پانی ہو جائے۔

مجیلس: میں تو کہوں گا کہ ثانی الذکر۔

اجنبی: آپ کو یاد ہو گا کہ ابھی تھوڑی دیر قبل ہمارے کنوسی (Cnosian) دوست نے ایسے فرد یا ایسی ریاست کا ذکر کیا تھا جو خود اپنے آپ سے کمتر ہے۔ یاد ہے نا آپ کو۔

کلینیاس: یاد ہے۔

اجنبی: یہ بتائیے کہ صحیح معنوں میں کون کمتر ہے۔ وہ فرد جو عیش وعشرت کا رسیا ہو یا جو مصائب میں مبتلا ہو؟

کلینیاس: میں تو کہوں گا کہ وہ آدمی جو عیش وعشرت کا رسیا ہے کیونکہ ایسے شخص کو یہ آدمی کمتر سمجھتا ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مصائب میں مبتلا آدمی کو نہیں۔

اجنبی: لیکن میرا یہ یقین ہے کہ کریٹ اور لیسی ڈیمون کے قانون سازوں نے کسی ایسی شجاعت کے بارے میں قانون سازی نہیں کی ہے جو ایک ٹانگ سے لنگڑی ہو، وہ صرف ایسے حملوں کا مقابلہ کر سکتی ہے جو بائیں جانب سے کیے جائیں لیکن دائیں پہلو والی عیارانہ خوش آمد کے آگے بے بس ہو؟

کلینیاس: میرے خیال میں ایسی جو دونوں پہلو سے مقابلہ کر سکے۔

اجنبی: چلیے میں ایک اور سوال کرتا ہوں، مجھے بتائیے آپ دونوں دوستوں کی ریاست میں وہ کون سے ادارے ہیں جو مسرت کا مزہ تو چکھتے ہیں مگر مصائب سے گریز کرتے ہیں لیکن فرد کو درمیانی راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ اور اسے سزا و جزا کے ذریعے بہتر راہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں آپ کے قوانین میں مسرت ہی کی طرح مصائب کے لیے کون کون سی دفعات ہیں۔ ذرا یہ بھی فرمائیے کہ آپ میں اس طرح کا فطری رجحان موجود ہے یا نہیں۔ آپ کے یہاں وہ کون سے قوانین ہیں جو مسرت اور مصائب دونوں پر یکساں حاوی ہیں۔ جس پر قابو پانا چاہیے اسی پر قابو پاتے ہیں اور ان دشمنوں سے افضل تر ہیں جو بہت زیادہ خطرناک اور بہت زیادہ قریب ہیں؟

مجی لس: اجنبی دوست میں ایسے بہت سے قوانین گنوا سکتا ہوں جو مصائب کے خلاف ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو بڑے اور قابل توجہ اداروں کی نشاندہی کس طرح کروں جو مسرت سے متعلق ہیں۔ تاہم ایسی چھوٹی موٹی دفعات ضرور ہیں جنھیں بیان کیا جا سکتا ہے۔

کلینیاس: میں بھی اس قسم کی کوئی دفعہ آپ کو نہیں بتا سکتا جو کریٹ کے قوانین میں نمایاں ہو۔

اجنبی: میرے دوستو! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور یہ تو بہت ممکن ہے کہ حق و صداقت کی تلاش میں ایک دوسرے کے قوانین پر کڑی تنقید بھی کی جائے۔ ہمیں اس میں برا ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ دوسرے کی بات کو تحمل سے سننا ہوگا۔

کلینیاس: بات تو آپ کی درست ہے۔ میرے اجنبی دوست، جیسا آپ کہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔

اجنبی: زندگی کے اس مرحلے پر تلخی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کلینیاس: بالکل ہی نہیں۔

اجنبی: میں اس موقع پر یہ فیصلہ نہیں دوں گا کہ جو کریٹ یا لیسی ڈیمون کے قانون پر تنقید کرے گا، اچھا کام کر رہا ہے یا برا۔ لیکن میں یہ ضرور بہتر طور پر بتا سکتا ہوں کہ لوگوں کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آیئے یہ فرض کرلیں کہ آپ کے قوانین بڑی حد تک معقول اور اچھے ہیں۔ ان میں بہترین قانون وہی ہوگا جو نوجوانوں کو یہ فیصلہ کرنے سے منع کرے گا کہ ان میں سے کون سا صحیح اور کون سا غلط ہے۔ لیکن سب ہی اس بات سے ایک آواز ہو کر اتفاق کریں گے کہ تمام قوانین اچھے ہیں کیوں کہ انھیں دیوتا نے تشکیل دیا ہے اور جو اس کے خلاف بات کرتا ہے، اس کی بات کی کبھی شنوائی نہیں ہوگی۔ لیکن عمر رسیدہ شخص جو آپ کے قوانین میں کوئی نقص دیکھتا ہے وہ اپنے تاثرات کسی حاکم یا اپنے ہی کسی ہم عمر کے سامنے اس وقت بیان کر سکتا ہے جب آس پاس کوئی نوجوان موجود نہ ہو۔

کلینیاس: اجنبی دوست بات بالکل ایسی ہی ہے۔ ایک غیبی مخبر کی حیثیت سے، باوجود وہاں موجود نہ ہونے کے ایسا لگتا ہے کہ آپ نے قانون ساز کے مقصد کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور آپ یہی کچھ کہہ رہے ہیں جو حق ہے۔

اجنبی: یہاں کوئی نوجوان موجود نہیں ہے اور قانون ساز نے معمر افراد کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اسی لیے ہم بڑی آزادی سے جس بات کو حق سمجھتے ہیں اپنی گفتگو میں اس کا اظہار کر سکتے ہیں۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔ آپ ہمارے قوانین پر کھل کر تنقید کریں کوئی پابندی نہیں۔ کیونکہ غلطیوں کے سمجھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کوئی برائی نہیں ہے جو بات کھلے دل اور دوستانہ لہجے میں کہی جائے اس کے سننے سے فائدہ ہی ہوگا۔

اجنبی: بڑی اچھی بات ہے۔ تاہم یاد رکھیے میں آپ کے قوانین کے بارے میں کوئی بری بات اس وقت تک نہیں کہوں گا جب تک میں ان کا اچھی طرح جائزہ نہ لے لوں۔ میں تو ان کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کروں گا اور بس کیونکہ ہم تو صرف آپ لوگوں ہی سے واقف ہیں۔ خواہ وہ یونانی ہوں یا وحشی جنھیں قانون سازوں نے تمام بڑی بڑی مسرتوں سے دامن بچانے اور انھیں

ہاتھ لگانے سے بھی منع کیا ہے۔ ہم ابھی مصائب اور تکالیف سے بچتے چلے آ رہے ہیں۔ جب انھیں ان سے سابقہ پڑے گا تو مصائب کے عادی افراد کے مقابلے میں ان کے قدم اکھڑ جائیں گے اور وہ مصیبت کے ماروں کے تابع ہو جائیں گے۔ قانون سازوں کو چاہیے تھا کہ وہ آرام دہ زندگی گزارنے والوں کے معاملے پر بھی اسی طرح توجہ دیتے۔ اسے دل میں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اگر ہمارے شہری عنفوان شباب سے ہی پوری زندگی میں بہت زیادہ آرام دہ زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں اور انھیں مصائب کا مقابلہ کرنے کا ہنر ہی نہیں آتا تو ان پر مسرت کے خوشگوار تاثرات غالب ہوں۔ جس طرح مصائب کے عادی حضرات خوف اور ڈر میں مبتلا رہتے ہیں۔ بلکہ دوسری صورت میں جو بدترین ہوگی وہ ان کے غلام ہو جائیں گے جنھیں مصائب برداشت کرنے کی عادت ہے اور مسرتوں سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ اس طرح وہ انسانیت کا بدترین نمونہ بن چکے ہیں۔ ان کی نصف شخصیت غلام ہوگی اور دوسری نصف تھوڑی بہت آزاد ہوگی اور انھیں صحیح معنوں میں انسان کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی آزاد انسان۔ بتایئے آپ میری بات سے متفق ہیں یا نہیں؟

کلینیاس: بادی النظر میں آپ کی بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن اتنے اہم معاملات پر جلد بازی سے کوئی رائے قائم کرنا دانائی سے بعید بلکہ بچگانہ ہوگا۔

اجنبی: فرض کیجیے میرے عزیز دوستو! ہم اس خوبی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے مباحث کے نتیجے میں سامنے آ رہی ہے (کیونکہ شجاعت کے بعد اعتدال کا درجہ ہے)۔ بتایئے کہ کریٹ یا لیسی ڈیمون میں اعتدال سے متعلق کون کون سے ادارے ہیں جو آپ کی افواج کی طرح ریاست سے علیحدہ نظر آتے ہوں۔

مجی لس: اس کا جواب آسان نہیں ہے تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا کہ مشترکہ دسترخوان اور اکھاڑے اعتدال اور شجاعت کے فروغ کے لیے ہی تشکیل دیے گئے۔

اجنبی: میرے دوست: ریاست کے لیے تھوڑی بہت مشکل ضرور نظر آتی ہے۔ اسے قول اور فعل میں اس طرح مطابقت پیدا کرنا ہے کہ بعد میں کوئی تنازع کھڑا نہ ہو۔ انسانی جسم میں بھی جو معمولات کسی پہلو سے مفید ہوتے ہیں وہ ہی دوسری طرح مضر بھی ہو سکتے ہیں اور ہمارے لیے یہ کہنا دشوار ہوگا کہ

صرف ایک ہی قسم کا علاج کسی جسمانی ساخت کے لیے ہی موزوں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اکھاڑے اور مشترکہ دستر خوان کے بڑے فائدے ہیں۔ تاہم وہ باہمی جنگوں میں مصیبت پیدا کرتے ہیں۔ ہمیں اس کی مثال میلیشیا (Melesian)، بوطیقا (Boeotian) اور تھیوریا (Thurian) کے نواجونوں میں ملتی ہے جن میں ان اداروں نے ایسا رجحان پیدا کر دیا ہے کہ وہ محبت، مروت کی قدیم روایت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انھیں نہ صرف انسان بلکہ جانور سے بھی بدتر تصور کرتے ہیں۔ یہ الزام آپ کے شہروں، ریاستوں بلکہ ایسی تمام ریاستوں پر عائد کیا جا سکتا ہے جو خاص طور پر اکھاڑوں کے نظام کو فروغ دیتے ہیں۔ ایسے معاملات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے یا غیر سنجیدگی سے، میرا تو یہ خیال ہے کہ مسرت ایک فطری جذبہ ہے، جو مرد عورت کے اختلاط سے پروان چڑھتا ہے۔ مرد کا مرد سے اور اسی طرح عورت کا عورت سے اختلاط غیر فطری فعل ہے اور اس غیر فطری فعل پر کھلم کھلا عمل بے لگام عیش پرستی کا نتیجہ تھا۔ کریٹ کے باشندوں پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے گینی میڈی (Ganymede) اور زیوس کی داستان اختراع کی۔ کیونکہ وہ اس غیر فطری عمل کو ایسے دیوتاؤں سے منسوب کر کے جواز تیار کرنا چاہتے تھے جو قانون ساز مانے جاتے ہیں۔ اس داستان سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ قوانین کے بارے میں جب بھی غور کیا جاتا ہے تو ان کا نشانہ مسرت اور تکلیف ہی ہوتے ہیں۔ یہ ریاست کے بھی ہو سکتے ہیں اور افراد کے بھی۔ یہ وہ دو چشمے ہیں جسے قدرت نے جاری کر رکھا ہے۔ جو ان سے اپنی پسند کی جگہ، وقت اور طریقے کے مطابق سیراب ہوتا ہے خوش و خرم رہتا ہے۔ یہ حقیقت انسانوں، حیوانوں، افراد اور ریاست سب پر صادق آتی ہے اور جو ان سے بلا جانے بوجھے یا غلط وقت پر استفادہ کرتا ہے وہ مسرت سے محروم رہتا ہے۔

مجی لس : مجھے تسلیم ہے آپ نے بڑی اچھی طرح بیان کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی باتوں کا کس طرح جواب دوں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ سپارٹا کے قانون ساز نے مسرت پر پابندی لگا کر اچھا ہی کیا۔ جہاں تک کریٹ کے قوانین کا تعلق ہے اس کا دفاع میرا کنوسی دوست خود کرے گا لیکن سپارٹا کے قوانین جہاں تک ان کا تعلق مسرت سے ہے میرے خیال میں دنیا بھر میں بہترین ہیں۔ کیونکہ قانون نے ایسے تمام عناصر کو جنھوں نے انسان کو بے لگام عیش و عشرت اور دیگر حماقت آمیز

اعمال کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے، معاشرے سے دور رکھا ہے۔ ان شہروں اور دیہی علاقوں میں جو سپارٹا کے زیرنگیں ہیں، آپ کو نہ رنگ رلیاں نظر آئیں گی نہ ایسے اسباب جو عیاشیوں کو فروغ دیتے ہیں اور اگر کہیں کوئی بدمست نظر آ جائے تو اسے فوری طور پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ اسے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا، حتیٰ کہ ڈائیونائیسی (Dionysiac) کے تہوار کے موقع پر بھی اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔ ہر چند میں یہ بتا چکا ہوں کہ آپ تہوار کے موقع پر جیسے "گاڑی پر" (ON THE CART) کا نام دیا گیا ہے ایسی حرکات عام طور پر نظر آتی ہیں اور ٹارنٹائن (Tarentine) کے آبادکاروں کی بستیوں میں میں نے خود بیشمار بدمست لوگوں کو ڈائیونائیسی کے تہوار کے دن دیکھا ہے لیکن ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوتا۔

اجنبی : لیسی ڈیمون کے میرے دوست تہوار پر خوشی و مسرت کا یہ اظہار قابل تعریف ہوتا ہے اگر یہاں تحمل کا جذبہ کارفرما ہو لیکن اگر وہ بے لگام اور بے ضابطہ ہو تو ہوش وخرد سے عاری سمجھے جائیں گے۔ محض بدلہ چکانے کے خیال سے ایتھنز کا باشندہ اس آوارگی کا حوالہ دے سکتا ہے جو عورتوں میں عام ہے۔ ایسی تمام تہمتوں کا خواہ وہ ٹارنٹائن کے باشندوں پر لگیں یا ہم پر یا آپ پر ایک جواب ہے جو ہمیں ان بداعمالیوں سے بری ثابت کرسکتا ہے۔ جب کوئی انجانا شخص جو کچھ دیکھتا ہے اسے غیر معمولی سمجھتا ہے تو اس علاقے کا کوئی بھی باشندہ اس کا جواب دے سکتا ہے کہ یہ ہماری رسم ہے اور ہوسکتا ہے ایسے معاملات میں آپ کے یہاں بھی کسی نہ کسی طرح رسوم موجود ہوں۔ میرے دوستو دیکھیے نا! ہم عام انسانوں کے بارے میں باتیں نہیں کر رہے ہیں، ہمارا موضوع سخن تو قانون ساز ہیں۔ اس لیے کہ ذرا بدمستی پر تفصیلاً کچھ اور باتیں کرلیں۔ یہ موضوع بہت اہم ہے اور اسی سے قانون سازوں کی یک طرفہ رائے کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں شراب خوری یا خود شراب کے بارے میں بات نہیں کروں گا میں تو بدمستی پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کیا ہم سائتھی (Scythians)، پارسی (Persians)، کارتھی جینی (Carthiginians)، سیلٹ (Celts) اور آئبیری (Iberians) اور تھریسی (Thracians) باشندوں کے رسوم کی پیروی کریں جو جنگجو قومیں ہیں۔ یا آپ کے لوگوں کی جو بقول آپ کے شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے؟ سائتھی اور تھریسی لوگوں میں مرد اور عورتیں خالص شراب استعمال کرتے ہیں اور اسے اپنے لباس پر انڈیل لیتے ہیں اور اس

رسم کو وہ پر مسرت اور شاندار رسم مانتے ہیں۔ اسی طرح پارسی عیش وعشرت کے دوسرے ذرائع بھی استعمال کرتے ہیں جنھیں آپ رد کرتے ہیں لیکن تھریسی اور سائتھی باشندوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اعتدال پسند ہیں۔

مجی لس : اے بہترین انسان ہمیں صرف مسلح ہونے کی دیر ہے پھر دیکھیے ہم ان قوموں کو کس طرح تہس نہس کرتے ہیں۔

اجنبی: میرے اچھے دوست ایسا مت کہو۔ ایسی بہت سی پسپائیاں اور تعاقب ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے جن کا کسی کو پتا نہیں ہے، نہ ہی ہوگا۔ اس لیے ہمارے لیے یہ کہنا دشوار ہے کہ فتح یا شکست ہی اداروں کے اچھے یا برے ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ کیونکہ جب بڑی قومیں چھوٹی قوموں پر غالب آتی ہیں، تو انھیں غلام بنالیتی ہیں، جیسا کہ اہل سائرا کس (Syracusans) نے لوکریا کے باشندوں (Lucrians) کے ساتھ کیا جو کہ اپنی دنیا کے بہترین حکومت کرنے والے اور منظم لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے یا جیسا کہ ایتھنز کے لوگوں نے اہل سیا (Ceans) کے ساتھ کیا (اور اس طرح کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں) جو سب کی سب موزوں نہیں ہیں۔ آیئے ہم ہر ادارے کے بارے میں علیحدہ علیحدہ نتائج اخذ کرنے کی سعی کریں اور فی الحال شکست و فتح کے قصے کو نہ چھیڑیں۔ آیئے بس اتنا ہی کہیں کہ فلاں فلاں رسم شریفانہ ہے اور دوسری نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں پہلے یہ طے کرلوں کہ اچھائی اور برائی پرکھنے کا پیمانہ کیا ہوگا۔

مجی لس: آپ کس طرح یہ طے کریں گے؟

اجنبی: میرا خیال ہے جو لوگ کسی رسم کی فوری تعریف یا تنقیص پر تیار ہوتے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ یہ اہم معاملہ غور وخوض کا تقاضا کرتا ہے۔ میں اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھانا چاہتا ہوں۔ فرض کیجیے کوئی شخص عمدہ غذائی جنس کی حیثیت سے گندم کی تعریف کر رہا ہے لیکن دوسرا شخص گندم کی خرابیاں بیان کرتا ہے۔ وہ نہ گندم کی خاصیت اور استعمال پر کوئی تحقیق کرتا ہے نہ اسے علم ہے کہ گندم کو کیسے کھلایا جائے، کسے کھلایا جائے۔ اس کے ساتھ کیا کیا کھلایا جا سکتا ہے۔ اس کے استعمال کی اور کیسی صورت ہو۔ یہی وہ باتیں جن پر ہم بحث کریں گے۔ بدمستی کا لفظ سنتے ہی ایک جماعت اس کی تعریف کرے گی۔ دوسری اس کو برا، بھلا کہے گی۔ یہ دونوں ہی باتیں

معقولیت سے دور ہیں۔ ہر جماعت اپنی دلیلوں کی حمایت میں شہادت پہ شہادت پیش کرے گی اور اس بات پر خوش ہوگی کہ اس کی حمایت میں اتنی ساری شہادتیں جمع ہیں۔ دوسروں کی نظر ان لوگوں پر جمی رہتی ہے جو شراب نوشی سے مکمل پرہیز کرتے ہیں اور ہر جنگ میں فتحیاب رہتے ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ بھی ہمیں قبول نہیں ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اگر ہم دوسرے قوانین پر بھی اسی تفصیل سے بحث کریں گے تو مطمئن ہو جائیں گے۔ بدمستی کے اسی مسئلے پر میں ایک اور پہلو سے بات کرنا چاہتا ہوں جو میری نظر میں بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اگر ہم شاہدوں کی تعداد ہی کو معیار بنالیں تو کیا ہزاروں ایسی قومیں نہیں ہیں جن کو اس نقطۂ نظر سے اختلاف ہوگا۔ جب کہ آپ صرف دو شہروں تک ہی محدود ہیں۔

مجی لس: مجھے تحقیق کا ہر وہ طریقہ منظور ہوگا جو معقول ہو۔

اجنبی : چلیے میں اس طرح بتاتا ہوں۔ فرض کیجیے کوئی آدمی بکریوں کی تعریف کرتا ہے کہ یہ جانور دولت پیدا کرنے کا بڑا بہت عمدہ ذریعہ ہیں۔ لیکن ایک ایسا آدمی جس نے بکریوں کو کھیت اجاڑتے ہوئے دیکھا ہے جس نے دوسرے مویشیوں کو جن کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا فصل تباہ کرتے دیکھا ہے ان کو برا بھلا کہتا ہے تو کیا یہ بات قرین انصاف ہوگی؟

مجی لس: یقیناً نہیں۔

اجنبی: کیا جہاز کے کپتان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جہاز رانی کے فن کا ماہر ہو خواہ وہ بحری سفر میں متلی اور قے میں مبتلا ہو جائے؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

مجی لس: میں تو کہوں گا کہ وہ اچھا کپتان نہیں ہوگا وہ جہاز رانی کا ماہر ضرور ہے مگر جہاز پر سفر اس کے بس کی بات نہیں۔

اجنبی : آپ کی فوج کے ایسے کمانڈر کے بارے میں کیا رائے ہوگی جو فن حرب کا ماہر ہے مگر ڈرپوک اور بزدل ہے اور جب خطرے کا مقابلہ کرنا ہو تو وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگے؟

مجی لس: یہ ناممکن ہے۔

اجنبی: اور کیا ہوگا جب وہ بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ فن حرب میں کورا ہو؟

مجی لس: وہ بڑا ہی بدبخت ہے جو مردوں کا نہیں بوڑھی عورتوں کا کمانڈر بن سکتا ہے۔

اجنبی: آپ ایسے شخص کو کیا سمجھیں گے جو کسی ایسے گروہ کی توصیف یا تنقیص کرتا ہے جسے قدرت نے ایک قائد عطا کیا ہے اور جو اس کی صدارت میں اچھا خاصا خوشحال رہتا ہے؟ لیکن یہ ناقد ایسا ہے جس نے کبھی اس گروہ اور معاشرے کو ایک ہی دستر خوان اور ایک ہی صدر کے تحت کبھی نہیں دیکھا اس نے ہمیشہ گروہ کو بلا قائد یا بری حالت ہی میں دیکھا ہے۔ جب ایسا تجربہ رکھنے والے افراد کسی گروہ کی تعریف یا تنقیص کرتے ہیں تو کیا ہمیں ان کی رائے کو کوئی وقعت دینی چاہیے؟

مجی لس: بالکل ہی نہیں انھوں نے تو کسی گروہ کو منظم حالت میں دیکھا ہی نہیں۔

اجنبی: ذرا غور کرو بڑی بڑی ضیافتیں اور ان کے شرکا کیا ایک گروہ نہیں بناتے؟

مجی لس: بے شک۔

اجنبی: یار باشی کی ایسی محفلوں میں کسی نے نظم وضبط بھی دیکھا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں ہی یہ کہیں گے کہ آپ دونوں نے ایسی کوئی محفل نہیں دیکھی ہے کیونکہ آپ کے یہاں اس کا رواج ہی نہیں ہے۔ لیکن متعدد ملکوں میں ایسی محفلیں میرے مشاہدے میں آ چکی ہیں۔ علاوہ بریں میں جہاں بھی گیا ایسی محفلوں کے بارے میں پوچھ گچھ بھی کی۔ لیکن یقین مانیے مجھے ایسے اجتماعات میں کبھی کوئی تنظیم نظر نہیں آئی جسے مہذب کہا جا سکے۔ یہ عموماً افراتفری کا شکار تھیں۔

کلینیاس: اجنبی دوست تم کیا کہنا چاہتے ہو ہمیں بھی تو سمجھاؤ کہ تم نے تو کہا ہے کہ چونکہ ہمیں ایسی محفلوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس لیے بالفرض محال اگر ہم ایسی محفلیں دیکھیں بھی تو ان کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

اجنبی: بڑی حد تک یہ ممکن ہے چلیے میں آپ لوگوں کا استاد بن جاتا ہوں۔ یہ تو آپ لوگ بھی تسلیم کریں گے کہ انسانوں کے ایسے اجتماعات میں ایک قائد بھی ہوتا ہے ناں۔

کلینیاس: یقیناً ہوتا ہے۔

اجنبی: ابھی ہم یہی کہہ رہے تھے کہ جب لوگ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو ان کے قائد کو بہادر ہونا چاہیے۔

کلینیاس: یہ بات ہو تو رہی تھی۔

اجنبی: بہادر آدمی کے بزدل آدمی کی طرح خوف میں مبتلا ہونے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔

کلینیاس: ہم نے یہ بھی کہا تھا۔

اجنبی : اور اگر کوئی ایسا جنرل ہے جو بے خوف اور نڈر ہے تو کیا ہم اسے عساکر کا سربراہ مقرر نہیں کریں گے؟

کلینیاس: بے شک۔

اجنبی: تاہم دیکھیے نا! ہم کسی ایسے جنرل کا ذکر نہیں کر رہے ہیں جو فوج کی اس وقت سربراہی کرتا ہے جب دشمن سے دشمن کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ہم تو ایسے جنرل کا ذکر کر رہے جو دوستوں کی محفل میں زمانۂ امن میں نظم وضبط کا ذمہ دار ہو۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: اور اگر اس طرح کی محفل میں مدہوشی اور بدمستی کا دور دورہ ہو تو ہنگامہ تو ہوگا۔

کلینیاس: بالکل وہاں خاموشی کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

اجنبی : پہلی بات تو یہ ہے کہ رند ہوں یا سپاہی دونوں کو ایک قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔

کلینیاس: یقیناً سب سے زیادہ ان کو ہی رہنما کی ضرورت ہے۔

اجنبی: ہمیں چاہیے کہ ہم انھیں پرسکون رہنما فراہم کریں۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی : وہ شخص ایسا ہو جو معاشرے سے اچھی طرح واقف ہو۔ کیونکہ اس کا فرض یہ ہے کہ اس گروہ میں فی الوقت جو دوستانہ جذبہ موجود ہے اس کی نگہداشت کرے اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے پروان چڑھائے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم رندوں کا رہنما کسی ہوشمند اور دانا شخص کو مقرر کریں اور اگر یہ رہنما خود نوجوان اور شراب کا رسیا ہو اور غیر معمولی فہم وفراست کا مالک نہ ہو تو ملک تباہی اور خرابیوں سے قسمت ہی سے بچ سکے گا۔

کلینیاس: اس کا بچ جانا ہی تقدیر کا کرشمہ ہوگا۔

اجنبی: چلیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کسی ریاست میں ایسی جماعت بہترین طریقے سے تشکیل دی جائے اور کوئی اس کے وجود ہی پر معترض ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ صحیح بات کر رہا ہو لیکن اگر وہ کسی ایسے عمل پر اعتراض کرتا ہے جس میں اس کو افراتفری نظر آئی ہو تو پہلے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسے اس بدانتظامی

کا علم نہیں ہے اور یہ بھی پتا نہیں ہے کہ اس طرح بد نظمی کے سبب جو کام بھی کیا جائے گا وہ غلط ہوگا۔ کیونکہ اس کی نگرانی کسی باہوش رہنما نے نہیں کی ہے۔ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ مدہوش پائلٹ یا مدہوش رہنما جہاز، گھوڑا گاڑی، فوج ہر شے جو اس کے قابو میں ہے تباہ کر دے گی؟

کلینیاس: آپ کی آخری بات بالکل درست ہے۔ کسی فوج کے اچھے قائد کے فوائد مجھے اچھی طرح نظر آ رہے ہیں۔ اس کی پیروی کرنے والوں کو فتوحات حاصل ہوں گی تو کتنا بڑا فائدہ ہے۔ یہ بات دیگر امور پر بھی صادق آتی ہے لیکن مجھے کسی ایسی ضیافت کے فائدے نظر نہیں آتے جس کو بڑی اچھی طرح منظم کیا گیا ہو۔ مجھے ذرا بتایئے کہ اگر شراب نوشی کا قانون نافذ ہو جائے تو وہ کس طرح مفید ہوگا؟

اجنبی: اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی ایک نوجوان یا کسی گروہ کی اچھی تربیت سے کتنے فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ جب سوال اس طرح کیا جائے تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہوتا کہ کسی بھی لحاظ سے فائدہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آپ یہ پوچھیں کہ عام تعلیم کا کیا فائدہ ہے تو اس کا جواب آسان سا ہے کہ تعلیم اچھے انسان تیار کرتی ہے اور اچھے آدمی کا عمل بھی اچھا ہوتا ہے اور میدان جنگ میں دشمن پر غالب آتے ہیں کیونکہ وہ نیک ہیں۔ تعلیم فتح کا یقیناً وسیلہ ہے اگرچہ اکثر و بیشتر فتوحات کے وقت ہم تعلیم کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جنگ میں کامیابی انھیں اس حد تک گستاخ بنا دیتی ہے کہ ان میں بے شمار برائیاں جنم لینے لگتی ہیں اور متعدد فتوحات تو فاتحین کے لیے خودکشی ثابت ہوئی ہیں اور ہوں گی لیکن تعلیم کبھی خودکشی میں تبدیل نہیں ہوتی۔

کلینیاس: میرے دوست شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یار باشی کی یہ محفلیں جب منظم طریقے سے منعقد کی جائیں تو یہ تعلیم کا ایک وسیلہ بن جاتی ہیں۔

اجنبی: بالکل میرا یہی خیال ہے۔

کلینیاس: کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ نے جو کہا ہے وہ درست ہے؟

اجنبی: میرے اجنبی دوست۔ ایسے معاملات کی صداقت پر یقین رکھنا جن کے بارے میں اختلاف رائے ہو دیوتاؤں کی ایسی صفت ہے جسے انسانوں کو نہیں عطا کیا گیا ہے۔ لیکن جو میری رائے ہے اسے بیان کر کے مجھے بڑی مسرت ہوگی خصوصاً اس وقت جب ہم قوانین اور دساتیر کو اپنی گفتگو کا

محور بنانے والے ہیں۔

کلینیاس: آپ جن سوالات کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں ان پر آپ کی رائے سننے کے ہم متمنی ہیں۔

اجنبی: بہتر جناب! میں کوشش کروں گا کہ اپنی بات آپ تک پہنچاؤں تو چاہوں گا کہ آپ اسے سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔ لیکن پہلے معذرت قبول فرمائیے۔ کہا جاتا ہے کہ کہ ایتھنز کے لوگ بہت باتونی ہوتے ہیں۔ جب کہ سپارٹا کے باشندے کم گوئی کے لیے مشہور ہیں اور کریٹ کے رہنے والوں میں پُرگوئی سے زیادہ نکتہ سنجی پائی جاتی ہے۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں بہت ہی تھوڑے مواد کی بنیاد پر لمبی چوڑی بحث کرنا چاہتا ہوں کیونکہ شراب نوشی بظاہر ایک حقیر موضوع نظر آ رہی ہے تاہم وہ ایسی عادت ہے جسے فطری تقاضے کے مطابق منظم نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ سُر تال درست نہ ہوں۔ موضوع کے ساتھ اچھی طرح انصاف کرنے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں اور سُر تال کے ڈانڈے تعلیم سے جا ملتے ہیں اور ان سب کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر یہ باتیں اسی طرح چھوڑ کر ہم قانون کے مسئلے پر بات چیت کریں؟

مجی لس: میرے ایتھنز کے اجنبی دوست! میں چاہتا ہوں کہ آپ پر یہ واضح کر دوں کہ آپ کو غالباً یہ علم نہیں کہ ہمارا خاندان آپ کی ریاست کا ہی ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابتدائے عمر ہی سے تمام نوجوانوں کو جب یہ جتا دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ریاست کا جز و ہیں تو وہ اپنے وطن ثانی کے بارے میں بڑا نرم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یقین مانیے میرے بھی یہی احساسات ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ لڑکپن ہی سے جب لیسی ڈیمون کا کوئی باشندہ ایتھنز کے لوگوں کی توصیف یا تنقیص کرتا تھا تو وہ موقع کی مناسبت سے مجھ سے یہ ضرور کہتا تھا کہ ''دیکھو مجی لس تمھاری ریاست نے میرے ساتھ اچھا یا برا سلوک کیا ہے''۔ اور مجھے ہمیشہ آپ کی تحقیر کرنے والوں سے دو دو ہاتھ کرنا پڑتا تھا۔ جب مجھے پتا چلتا تھا کہ آپ نے چڑھائی کر دی ہے تو میں بڑی گرمجوشی سے آپ کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا۔ مجھے ایتھنز کے لوگوں کی باتیں سن کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔ یہ مثل بالکل درست ہے کہ ایتھنز ایک اچھا آدمی دوسرے اچھے آدمیوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ شخص ہے جو الوہی فیضان سے مالا مال ہو کر بلا کسی پابندی کے صحیح معنوں میں اچھا ہے۔ اس میں کوئی تصنع نہیں ہے۔ اس لیے آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ آپ جو بھی بات کہیں گے میں اسے ضرور

سُنوں گا۔

کلینیاس: جی ہاں اور جب آپ میری بات سن لیں تو اپنی رائے کا اظہار پوری دیانت سے بلاخوف کریں۔ یہاں میں آپ کو اس تعلق سے آشنا کردوں جو آپ کو کریٹ سے وابستہ رکھتا ہے۔ آپ نے یہاں پیغمبر اپی مینیڈس (Epimenides) کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ میرے ہی خاندان سے تھے اور ایرانی جنگ سے دس برس قبل ہاتف غیبی کے حکم کے تحت ایتھنز آئے اور دیوتاؤں کی خدمت میں قربانیاں بھی پیش کیں۔ اس وقت ایتھنز والے ایرانیوں سے سخت خوف زدہ تھے۔ اس وقت انھوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ دس برس تک ادھر کا رخ نہیں کریں گے اور جب آئیں گے تو اپنے مقاصد حاصل کیے بغیر لوٹ جائیں گے اور جتنا نقصان پہنچائیں گے اس سے کہیں زیادہ اٹھائیں گے۔ اس زمانے سے میرے اجداد نے آپ سے تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔ یہ ہے وہ قدیم رفاقت جو میری اور میرے والدین کی آپ کے ساتھ قائم ہے۔

اجنبی: آپ تو میری بات سننے پر پوری طرح آمادہ نظر آتے ہیں۔ اور میری بھی کوشش ہوگی کہ اس تقریباً ناممکن کام کو حتی الوسع انجام دوں۔ اس گفتگو کے آغاز میں چاہوں گا کہ تعلیم کی نوعیت اور اس کی قوت کی تشریح کردوں کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس پر ہم اپنے دلائل کے ساتھ شراب کے دیوتا ڈائیونائیسس (Dionysus) تک پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔

کلینیاس: چلیے آگے بڑھتے ہیں۔

اجنبی: اچھا اگر میں آپ کو بتاؤں کہ تعلیم کے بارے میں میرے خیالات کیا ہیں تو آپ اس سے مطمئن ہو جائیں گے؟

کلینیاس: بتائیں تو سہی۔

اجنبی: میری رائے میں جو آدمی کسی ہنر میں یکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابتدا ہی سے اس پر عمل کرے۔ خواہ کھیل کود ہو یا کوئی اور سنجیدہ کام ہو۔ ان کی تمام اقسام پر توجہ دے۔ مثلاً جسے ایک اچھا ماہر تعمیرات بننا ہے اسے چاہیے کہ وہ بچپن سے بلاکوں کی مدد سے مکانات بنانے کا کھیل کھیلے۔ جسے اچھا کسان بننا ہے وہ بچپن ہی سے ہل چلانا شروع کردے اور بڑے ہو کر جسے ماہر تعلیم ہونا ہے تو اسے بچے کو پڑھانے کی نقل کرنی چاہیے۔ انھیں ان تمام طریقوں سے واقف ہونا چاہیے جس سے

آیندہ زندگی میں انھیں سابقہ پڑے گا۔ مثال کے طور پر بڑے ہو کر بڑھئی بننے والے بچوں کو چاہیے کہ کھیل ہی کھیل میں لکڑیوں کو ناپنے اور کاٹنے کی مشق کریں۔ سپاہی بننے والوں کو گھڑسواری کا کھیل کھیلنا ہوگا اور ورزش بھی کرنی چاہیے۔ اسی طرح استاد کو چاہیے کہ بچوں کی صلاحیت کو ان کے رجحانات اور مرضی کے مطابق کھیل کے ہلکے پھلکے انداز سے اجاگر کرے تا کہ وہ زندگی میں اپنا مقصد حاصل کریں۔ تعلیم کا اہم ترین مرحلہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت ابتدا ہی سے کی جائے۔ بچے کو بڑے ہو کر جو کچھ بننا ہے اس ہنر کو اس کی فطرت ثانیہ بنانے کے لیے خصوصی قسم کے کھیل کھلائے جائیں۔ یہاں تک آپ مجھ سے متفق ہیں یا نہیں؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: ہمیں تعلیم کی غایت کو مبہم نہیں چھوڑنا ہوگا۔ فی زمانہ جب ہم کسی فرد کی تربیت کو سراہتے ہیں یا اس کی برائی کرتے ہیں تو کسی کو تعلیم یافتہ اور کسی کو غیر تعلیم یافتہ قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ جسے ہم غیر تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ اپنے پیشے مثلاً خردہ فروشی یا جہاز رانی وغیرہ میں اچھا خاصا ماہر ہو۔ کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لفظ ''تعلیم'' کو اس محدود معنی میں استعمال نہیں کرتے بلکہ ہم تعلیم سے وہ خوبیاں مراد لیتے ہیں جن کے سبب ایک فرد نوجوانی سے آگے شہریت کے اعلیٰ معیار کو حاصل کرتا ہے تا کہ وہ ایک عمدہ حکمراں یا حکم بردار بن جائے۔ ہمارے خیال میں اسی کو صحیح معنوں میں تعلیم سمجھنا چاہیے۔ دوسری قسم کی تربیت جس کا مقصد دولت کا حصول یا جسمانی قوت ہے یا محض ہوشیاری جو کہ دانائی اور انصاف ہی کا جزو ہو، یہ صفات حقیر اور آزاد خیال ہوتی ہیں اور اس لائق نہیں کہ اسے تعلیم کا نام دیا جائے۔ لیکن صرف ایک لفظ پر حجت نہیں کرنی چاہیے لیکن شرط یہ ہے کہ جو باتیں کہی گئی ہیں وہ درست ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جن کی تعلیم اچھی ہوتی ہے وہ اچھے انسان ہوتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم تعلیم کی تحقیر کریں۔ جو پہلی اور بہترین خوبی ہے جس سے عمدہ انسان متصف ہوتا ہے اور جو اگر راستے سے نہ بھٹکے تو اصلاح کا وسیلہ بن جاتی ہے اور اصلاح ہر انسان کی زندگی کا بہترین عمل ہے۔

کلینیاس: آپ کے خیالات سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔

اجنبی: ہم پہلے ہی یہ طے کر چکے ہیں کہ برے انسان کو نہیں بلکہ بھلے انسان کو خود پر قابو رکھنے کا حق ہے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: چلیے اب بات آگے بڑھاتے ہیں اور ایک مثال کے ذریعے اس موضوع کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں آگے چلیے۔

اجنبی: کیا ہم میں سے ہر ایک خود کو ایک اکائی تصور نہیں کرتا؟

کلینیاس: جی ہم کرتے ہیں۔

اجنبی: ہم میں سے ہر ایک کے دل میں دو مشیر ہوتے ہیں۔ جو احمق اور مغرور ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو ہم خوشی اور دوسرے کو غم کہتے ہیں۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی: علاوہ بریں مستقبل کے بارے میں بھی رائے قائم کی جاتی ہے جسے ''توقع'' کہتے ہیں اور جب یہ توقع مصائب کے بارے میں ہو تو ''خوف'' اور جب مسرت سے متمکن ہو تو اسے ''امید'' کہا جاتا ہے۔ پھر ان کی خوبیوں اور خامیوں پر بھی غور کیا جاتا ہے اور انھیں ریاست کسی حکمنامے کی صورت دیتی ہے تو وہ ''قانون'' سے موسوم ہو جاتا ہے۔

کلینیاس: بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی تاہم آپ جاری رکھیے مان لیجیے ہم سمجھ رہے ہیں۔

مجی لس: میرا بھی یہ حال ہے۔

اجنبی: چلیے اس معاملے پر اس طرح نظر ڈالتے ہیں کیا ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم میں سے ہر فرد دیوتاؤں کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی ہے۔ یا ان کا کھلونا ہے یا کسی خاص مقصد سے تخلیق کیا گیا ہے۔ ان دونوں میں سے ہمیں یقینی طور پر کس کا علم ہے؟ لیکن ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہے کہ یہ جذبے دھاگے اور رسی کی طرح ہیں جو ہمیں مختلف اور متضاد سمتوں میں کھینچتے رہتے ہیں اور ایسے افعال سرزد کراتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل متناقض ہوتے ہیں اور نیکی اور بدی کے فرق کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ دلیلوں کی رو سے ان دھاگوں میں سے ایک ہی دھاگا ہے جسے ہر شخص کو پکڑے رکھنا چاہیے اور کبھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔ بلکہ دوسروں سے جدا ہونے کے لیے اسے کھینچتے رہنا چاہیے۔ یہی منطق کا مقدس اور سنہری دھاگا ہے جسے ہم عرف عام میں ''ریاست کا قانون''

کہتے ہیں۔ دوسرے دھاگے بھی ہیں جو فولاد کی طرح سخت لیکن دھاگا نرم ہے کیونکہ یہ طلائی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کی متعدد اقسام ہیں۔ اب ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ہمیشہ بہترین دھاگے اپنائیں جسے قانون کہا جاتا ہے جہاں تک منطق کا تعلق ہے وہ دلکش اور کریم النفس ہوتا ہے ،متشدد نہیں۔ اس سنہری اصول کو دوسرے اصولوں پر غالب کرانے کے لیے فعال کارکنوں کی ضرورت ہوگی اور ہمارے کٹھ پتلی ہونے کی کہانی کا سبق رائیگاں نہیں جائے گا اور ''ذات انسانی کے لیے بہتر اور کمتر ہونے'' کے معنی واضح تر ہو جائیں گے اور کٹھ پتلی کے دھاگوں کے کھینچنے کے معاملے میں فرد ضابطے کے مطابق کام کرے گا۔ اور شہری ریاست کو خواہ اسے یہ دھاگا دیوتاؤں کی طرف سے یا کسی ایسی ہستی سے ملے جو ان تمام امور سے اچھی طرح واقف ہو یہی چاہیے کہ وہ انھیں اپنے قوانین میں شامل کر لے اور خود اپنے اور دیگر ریاستوں کے ساتھ معاملات میں ان کو رہنما بنائے۔ اس طرح نیکی اور بدی کی تمیز ہمارے لیے بہت آسان ہو جائے گی اور ان کی وضاحت ہو جائے گی تو تعلیم اور دیگر امور بھی زیادہ قابل فہم ہو جائیں گے، خود شراب نوشی کا، رندی کا مسئلہ بھی واضح تر ہو جائے گا جو اتنا اہم نہیں ہے۔ لیکن ہم نے اس پر اچھا خاصا وقت صرف کیا اور خاصی طویل گفتگو کی ہے۔

کلینیاس: شاید۔ تاہم اس موضوع پر ہم نے جتنا وقت لگایا ہے ممکن ہے اس کے لیے یہی مناسب ہو۔

اجنبی: بہت بہتر۔ آیئے اب کسی ایسی بات پر تحقیق کریں جو ہمارے موجودہ مقاصد کے مطابق ہو۔

کلینیاس: گفتگو جاری رکھیے۔

اجنبی: ابھی کچھ طے نہیں کیا ہے لیکن میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جب کٹھ پتلی کو شراب نوشی کے لیے مدعو کیا جائے تو اس پر کیسا اثر پڑے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنا مطلب اچھی طرح سمجھاؤں۔ میں تو صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ شراب نوشی سے مسرت اور درد، ہوس اور محبت کے جذبات بیدار ہوتے ہیں؟

کلینیاس: بہت زیادہ۔

اجنبی: کیا ادراک، حافظہ، فہم و فراست میں بھی اضافہ ہوتا، کچھ تیزی آ جاتی ہے؟ کیا عالم مدہوشی میں یہ تمام صلاحیتیں انسان کا ساتھ نہیں چھوڑ دیتی ہیں؟

کلینیاس: جی ہاں انسان ان سے یکسر بیگانہ ہو جاتا ہے۔

اجنبی : کیا روحانی لحاظ سے وہ اپنے بچپن کی طرف لوٹ نہیں جاتا؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : تو کیا اس عالم میں اسے اپنے آپ پر بالکل ہی قابو نہیں رہے گا؟

کلینیاس: بہت ہی کم رہے گا۔

اجنبی: کیا اس کی حالت قابل رحم نہیں ہو جاتی؟

کلینیاس: اس کی بے بسی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

اجنبی: گویا اس طرح انسان یا تو بڑھاپے میں یا مد ہوشی میں بچپن کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

کلینیاس: اجنبی دوست، بہت عمدہ بات کہی ہے۔

اجنبی: کیا ایسی کوئی دلیل ہے جس کی روشنی میں ہم مے نوشی کی حوصلہ افزائی کریں، اس پر پابندی نہ لگائیں۔

کلینیاس: فرض کیجیے ایسی کوئی نہ کوئی دلیل ہے۔ آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ آپ ایسی دلیل کی تائید کریں گے۔

اجنبی: ٹھیک ہے جب میں نے دیکھا کہ آپ لوگ میری بات سننے پر آمادہ ہیں تو میں بھی تیار تھا اور ہوں۔

کلینیاس: یقیناً ہم بھی تیار ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے صرف خلافِ قیاس باتوں کے انوکھے پن کا کمال ہے جو مجبور کرتا ہے کہ انسان خود اپنی مرضی سے قعرِ مذلت میں گر جائے۔

اجنبی: کیا روح کا حوالہ دے رہے ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: دوست جسم کے بارے میں کیا کہو گے! اگر اس کی اپنی مرضی سے عضو کی بدوضعی، دبلا پن، بدصورتی اور بڑھاپا طاری کیا جائے تو آپ کو تعجب نہیں ہوگا؟

کلینیاس: کیوں نہیں!

اجنبی: تاہم جب کوئی اپنی مرضی سے کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور دوا لیتا ہے تو کیا اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ جلد ہی چند دنوں بعد اس کی جسمانی حالت ایسی ہوگی کہ اسے مرنا قبول ہوگا مگر بیماری کی

حالت نہیں۔ وہ لوگ جن کی اکھاڑوں میں تربیت ہوتی ہے کیا وہ نحیف و نزار نہیں ہوتے؟

کلینیاس: جی ہاں یہ تو سب جانتے ہیں۔

اجنبی: اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ فائدہ ہی لینے اپنی مرضی سے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔

کلینیاس: بہت بہتر۔

اجنبی: یوں سمجھ لیجیے کہ دوسرے کاموں کا بھی یہی حال ہے۔

کلینیاس: ہے تو سہی۔

اجنبی: شراب نوشی کا بھی تقریباً یہی حال ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اس بات پر یقین کر لیں کہ اس کے فوائد ہیں۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی: اگر یار باشی اور محفل آرائی کے فوائد، ورزش کے فوائد ہی کے برابر ہوں تو وہ ورزش سے کہیں زیادہ قابل قبول ہوں گے کیونکہ اس میں ورزش کی طرح نہ درد ہوگا نہ کوئی تکلیف۔

کلینیاس: بات تو ٹھیک ہے مگر میرا خیال نہیں کہ ان میں ایسے کسی قسم کے فوائد موجود ہیں۔

اجنبی: یہ وہ پہلو ہے جسے ہمیں ظاہر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اب میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ کیا ہم دو قسم کے خوف کا احساس نہیں کرتے جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں؟

کلینیاس: وہ کون سے ہیں۔

اجنبی: ایک تو متوقع برائی کا خوف ہے۔

کلینیاس: درست۔

اجنبی: دوسرا خوف بدنامی کا ہے۔ لوگوں کے بُرا کہنے سے انسان ہمیشہ ڈرتا ہے کیونکہ ہم چند ایسے بُرے کام کرتے ہیں یا بری باتیں کرتے ہیں جس سے ایسا خوف پیدا ہوتا ہے جسے شرمساری کہا جاتا ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ خوف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو درد اور دوسرے خوف کی ضد ہے اور دوسرا سب سے زیادہ اور سب سے عمدہ خوشیوں سے مرکب ہے۔

کلینیاس: بالکل درست۔

اجنبی : قانون ساز اور ایسا فرد جو کسی نہ کسی طرح کارآمد ہے کیا اس خوف کو عظیم ترین شرف تسلیم نہیں کرتے۔ اسی کو اس نے تکریم کا نام دیا ہے اور اس اعتماد کو جو اس کی ضد ہے گستاخی کہتے ہیں اور ثانی الذکر کو وہ ہمیشہ ایک برائی اور خامی ہی تصور کرتے ہیں۔ افراد کے لیے بھی اور ریاست کے لیے بھی۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی : کیا یہ خوف متعدد طریقوں سے ہمیں تحفظ فراہم نہیں کرتا؟ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جس سے جنگوں میں فتوحات اور تحفظ حاصل ہوتا ہے؟ دیکھیے نادو ہی باتیں ہیں جن سے فتح نصیب ہوتی ہے دشمن کے مقابلے میں اعتماد اور دوستوں کے حضور شرمساری کا خوف۔

کلینیاس: یہ تو ہے۔

اجنبی: گویا ہر فرد کو بے خوف بھی ہونا چاہیے اور خوفناک بھی۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ دونوں ہی حالت میں کیوں مبتلا ہونا چاہیے۔

کلینیاس: بالکل صحیح۔

اجنبی: جب ہم کسی کو بے خوف بنانا چاہتے ہیں تو اسے ہم اور قانون بھی طرح طرح کے خوف سے دوچار کر دیتے ہیں۔

کلینیاس: ظاہر ہے۔

اجنبی : اور جب ہم اسے واقعی خوفناک بنانا چاہتے ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اسے ایسی مسرتوں سے آشنا کریں جس میں شرم وحیا نام کو بھی نہ ہو۔ اور اسے ان کے خلاف جنگ کی تربیت دیں تاکہ وہ ان پر غالب آ جائے۔ کیا یہ اصول صرف حوصلے ہی پر صادق آتا ہے اور جو شجاعت میں کمال حاصل کرلے وہی اپنے فطری رجحانات سے دست وگریباں ہو کر ان پر غلبہ حاصل کرے۔ کیونکہ اگر اسے ایسی آویزشوں کی نہ مشق ہوگی اور نہ ہی تجربہ تو جیسا مرد ہے اس کا نصف ہی رہ جائے گا اور کیا ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ شراب نوشی سے اجتناب کے نتائج اس کے خلاف ہوں گے۔ کیا ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ جس شخص نے بے حیائی اور گناہ آلود تحریص، عیش اور طمع سے کبھی زور آزمائی نہ کی ہو ان کو سنجیدگی کے ساتھ یا کھیل کھیل میں اپنے قول وفعل سے مغلوب نہ کیا ہو وہ

مکمل طور پر تارک شراب نوشی ہے؟

کلینیاس: یہ مفروضہ تو بالکل ہی نامناسب ہے۔

اجنبی: فرض کیجیے کوئی دیوتا انسان کو ایسا مشروب دیتا ہے جو خوف پیدا کر دیتا ہے۔ یہ شربت انسان جتنا زیادہ پیتا جائے گا ہر گھونٹ پر وہ یہی محسوس کرے گا کہ وہ مصائب کا شکار ہو چکا ہے اور ہر وقوعہ سے یا ہر بات سے جو واقع ہونے والی ہے وہ ڈرتا چلا جائے گا اور انجام کار یہ ہوگا کہ دل گردے والا انسان بھی اپنی حاضر دماغی سے لحاتی طور پر محروم ہو جائے گا اور اسی وقت سنبھلے گا جب شربت کے سحر سے آزاد ہوگا۔

کلینیاس: اجنبی دوست کیا واقعی انسان کو کسی ایسے شربت سے سابقہ پڑا ہے؟

اجنبی: جی نہیں۔ لیکن اگر کبھی ایسا شربت تیار ہو جائے تو کیا یہ قانون سازوں کے لیے حوصلے کی آزمائش کے لیے مفید نہیں ہوگا؟ کیا ہم اس کے پاس جا کر یہ نہیں کہیں گے کہ:

> ''اے قانون ساز جب آپ کریٹ یا کسی اور ریاست کے لیے قانون تیار کر رہے ہو تو کیا آپ کوئی ایسی کسوٹی تلاش نہیں کریں گے جس سے اپنے شہریوں کی بہادری یا بزدلی کا اندازہ لگا سکیں''؟

کلینیاس: ہر ایک کا یہی جواب ہوگا کہ مجھے ایسی کسوٹی درکار ہے۔

اجنبی: اور آپ کو ایسی کسوٹی چاہیے جس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ بجز اثر زائل ہونے کے اور کوئی خوف نہ ہو؟

کلینیاس: اس تجویز سے تو سب ہی اتفاق کریں گے۔

اجنبی: اور اس شربت کو استعمال کر کے آپ ایسے فرضی خوف کو پیدا کریں گے اور شربت کے سحر کے دوران اسے ثابت کر دیں گے اور انھیں بے خوف بننے کے لیے آمادہ کریں گے۔ بزدلی کے لیے تنبیہ کریں گے اور ان کو شاباش دیں گے۔ لیکن جو آپ کے اس مشورے پر ہر لحاظ سے عمل نہیں کریں گے ان کی تذلیل کریں گے اور اگر وہ اس آزمائش میں مردانگی سے اچھی طرح کامیاب ہو گا تو اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا لیکن اگر ناکام ہوا تو پھر آپ اسے سزا دیں گے یا نہیں؟ یا کیا آپ اس شربت کو استعمال کرنے سے گریز کریں گے حالانکہ موقع کا یہ تقاضا نہیں ہوگا؟

کلینیاس: اجنبی دوست! وہ اس شربت کو ضرور استعمال کرائے گا۔

اجنبی : یہ آزمایش اور تربیت کا ایک طریقہ ہوگا جو ان طریقوں سے آسان تر ہوگا جن پر آج کل عمل ہو رہا ہے۔ نیا طریقہ ایک فرد پر بھی آزمایا جا سکتا ہے۔ چند بلکہ متعدد افراد پر بھی، اور اسے کتنی آسانی ہوگی جسے صرف ایک شربت ہی پلایا جائے بجائے بے شمار دیگر باتوں کے۔ وہ اگر اپنی آزمایش تنہائی میں کرا کے اپنے خوف پر غالب ہو جائے کیونکہ دوسروں کے حضور اپنی خامیاں افشا کرنے سے اسے شرم آتی ہو یا اسے اپنی فطرت اور عادات کے مستحکم ہونے پر کلی اعتماد ہو اور یقین واثق ہو کہ وہ پہلے ہی نظم وضبط کا عادی ہے اس لیے اسے دوسروں کے ہمراہ اپنی تربیت اور شربت کے زیر اثر اس میں جو تبدیلیاں رونما ہوں گی، اس کے اظہار پر اسے کوئی تامل نہیں ہوگا۔ یہ خوبی ایسی ہے کہ وہ کبھی کسی غیر مناسب حرکت کا مرتکب نہیں ہوا۔ ہمیشہ خود پر قابو رکھا اور آخری پیالے سے قبل ہی پینا چھوڑ دیا۔ اسے ڈر تھا کہ دوسروں کی طرح وہ بھی شربت کے سحر میں کہیں گرفتار نہ ہو جائے۔

کلینیاس: اجنبی دوست! بات تو ٹھیک ہے آخر الذکر معاملے میں بھی وہ ضبطِ نفس کا اظہار کر سکتا ہے۔

اجنبی : آیئے ہم قانون ساز کی طرف لوٹتے ہیں اور اس سے کہیں کہ اے قانون ساز ابھی تو ایسا کوئی مشروب نہیں ہے جو خوف پیدا کرے اور جسے دیوتاؤں نے دیا ہے نہ انسان ہی نے خود تیار کیا ہے۔ کیونکہ سحر اور جادو کا ہمارے یہاں کوئی تصور نہیں ہے لیکن کیا کوئی ایسا مشروب ہے جو شجاعت کی ڈینگ مارنے والوں اور نامعقول غرور کے لیے کسوٹی کا کام دے سکے؟

کلینیاس: میرا خیال ہے وہ کہے گا ہاں ایسا مشروب ہے اس کا اشارہ شراب کی طرف ہوگا۔

اجنبی: کیا شراب کی تاثیر اس مشروب کی تاثیر کی ضد نہیں ہے؟ شراب پینے کے بعد انسان خود کو خوش و خرم محسوس کرنے لگتا ہے اور جتنا زیادہ پیتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ بڑی بڑی توقعات باندھنے لگتا ہے۔ اسے طاقتور ہونے کا نشہ چڑھ جاتا ہے اور آخر میں زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور وہ خود کو عاقل و دانا سمجھ کر قانون شکنی کا مرتکب ہو جاتا ہے نہ کسی کا احترام کرتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے۔ جو جی میں آئے کہتا ہے اور کرتا ہے۔

کلینیاس: میں سمجھتا ہوں آپ کے اس بیان کی صداقت سبھی کو تسلیم ہوگی۔

مجی لس: یقیناً۔

اجنبی: میں آپ کو یاد دلاتا چلوں کہ ہم نے کہا تھا کہ دو چیزیں ہیں جن کی ہمیں اپنی روح میں پرورش کرنی چاہیے، اولاً بڑی سے بڑی شجاعت اور دوسری بڑے سے بڑا خوف۔

کلینیاس: اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ احترام کی خصوصیت ہے۔

اجنبی: یاددہانی کا شکریہ لیکن چونکہ خطرات کے درمیان ہی ہمت اور بے خوفی کی عادت کی تربیت ضروری ہے۔ ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا اس کی متناقض خوبیوں کو ایسے ماحول میں تربیت دینی چاہیے جو اس کی ضد ہو۔

کلینیاس: معاملہ تو ایسا ہی کچھ ہے۔

اجنبی: دیکھیے نا ایسا بھی موسم اور وقت آتا ہے جب ہم فطری طور پر زیادہ بہادر اور شجاع بن جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر چاہیے کہ اپنی تربیت اس طرح کریں کہ ہم دیدہ دلیری اور بے حیائی سے جہاں تک ہو سکے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ اور ایسی بات کہنے یا کرنے یا برداشت کرنے سے ڈریں جو اسفل ہو۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: کیا وہ لمحے ایسے نہیں ہوتے جس میں ہم خود کو بے باک اور بے حیا محسوس کرتے ہیں جب ہم پر غصہ، عشق، تکبر، جہالت، طمع اور بزدلی کا غلبہ ہوتا ہے۔ یا جب دولت، حسن، قوت اور عیش کے تمام مدہوش کرنے والے عوامل ہماری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دیتے ہیں اگر پوری احتیاط اور اعتدال سے کام لیا جائے تو کیا شراب خوری کی پرمسرت محفلیں پہلے آزمائش اور پھر کردار کی تربیت کے لیے بہتر طریقہ نہیں ہوگا؟ اس سے زیادہ کم خرچ اور بے خطا اور کیا طریقہ ہوگا؟ آپ یہ ضرور غور کریں کہ خطرہ کس کام میں زیادہ ہے۔ کیا آپ کسی ایسے شخص کی آزمائش کریں گے جو ترش رو اور تند خو ہے۔ جس سے ہزاروں ناانصافیوں کو فروغ ملتا ہے اور جس کے ساتھ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے بغیر سودے بازی کرنی پڑے گی اور اس کے ساتھ شراب کے دیوتا ڈائیونائیسس (Dionysus) کے میلے میں شریک ہونا پڑے گا۔ کیا آپ کسی تعیش پسند شخص کی روحانی کیفیت کی آزمائش کے لیے اپنی بیوی، بیٹے اور بیٹی کو اس کی سرپرستی میں دے کر اپنے عزیز ترین مفادات کو قربان کر دیں گے؟ میں ایسی بے شمار مثالیں دے سکتا ہوں جس میں آپ

مفادات کی قربانی دیے بغیر کسی پہلوان کے کردار کی آزمائش کر سکتے ہیں اور میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ کریٹ یا کسی ریاست کا باشندہ اس آزمائش کے بے عیب، محفوظ تر، کم خرچ اور تیز تر ہونے پر کسی شک وشبے کا اظہار کرے گا۔

کلینیاس: یہ بات تو بالکل درست ہے۔

اجنبی: انسان کی فطرت اور عادات کا جو اس کی روح میں جاگزیں ہیں، علم ان کی تنظیم وتہذیب میں بہت ہی زیادہ موثر ثابت ہوگا اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو اس ہنر کو سیاست کہتے ہیں۔

کلینیاس:۔ بجا ارشاد۔

☆☆☆

دوسری کتاب

اجنبی: اب ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ناؤنوش کی ان محفلوں کا اکلوتا فائدہ یہی ہے کہ اگر وہ منظم ہو تو انسانی فطرت سے آگاہی ہو سکتی ہے یا کوئی اور بھی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیگر فوائد بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کا حصول کس طرح ممکن ہوگا۔ اس پر بڑی توجہ سے غور کرنا ہوگا ورنہ ہم لوگ غلطیوں میں الجھ کر رہ جائیں گے۔

کلینیاس: بیان جاری رکھیے۔

اجنبی: آیئے ہم صحیح تعلیم کے اپنے اصول کا ایک بار پھر اعادہ کریں۔ اگر میں غلط نہیں سمجھا تو یار باشی کی محفلیں رابطوں کی تنظیم پر مبنی ہوتی ہیں۔

کلینیاس: آپ کی باتیں بہت شاندار ہوتی ہیں۔

اجنبی: میرا تو یہ یقین ہے کہ بچے کو سب سے پہلے خوشی اور درد کا احساس ہوتا ہے اور میں یہاں تک کہتا ہوں کہ یہی وہ طریقے ہیں جن کے ذریعے اسے پہلے پہل نیکی اور برائی کی شناخت ہوتی ہے۔ جہاں تک دانائی اور درست اور مستحکم رائے کا تعلق ہے، وہی آدمی خوش بخت ہے جو انھیں حاصل کر لیتا ہے۔ خواہ اس میں عمر ہی کیوں نہ گزر جائے۔ اور ہم یہ بھی کہیں گے کہ جو اس خوبی کا حامل ہوتا ہے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہوتا ہے وہی انسان کامل ہے۔ یہاں تعلیم سے میری مراد وہ تربیت ہے جو بچوں میں نیکی کے اولین مظاہر کی عادات کو مستحکم کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ جب مسرت اور دوستی، درد اور نفرت ایسے دلوں میں جاگزیں کر دی جاتی ہیں جو ابھی ان کے فطری تقاضوں کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں اور جو سمجھدار ہونے کے بعد اسے اپنی زندگی سے ہم آہنگ محسوس کرتے ہیں۔ روح کی یہی ہم آہنگی اپنی مکمل صورت میں نیکی کہلاتی ہے لیکن خوشی اور درد سے متعلق جو تربیت دی جاتی ہے اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ ابتدا ہی سے

قابلِ نفرت باتوں سے نفرت کریں اور جو محبت کے لائق ہیں ان سے محبت کریں۔ ایسی تربیت کو میری رائے میں تعلیم کہا جاتا ہے۔

کلینیاس: اجنبی دوست میرا خیال ہے کہ آپ نے تعلیم کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ سب کی سب بالکل درست ہیں۔

اجنبی : مجھے خوشی ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ خوشی اور درد کو قاعدے سے قابو میں رکھ کر منظم کرنا ہی تعلیم کا بنیادی اصول ہے جسے اکثر انسان نے نرمی سے برتا ہے اور اس کا حلیہ بگاڑا ہے اور دیوتاؤں نے نسل انسانی جن مصائب سے گزرتی ہے اس پر رحم کھاتے ہوئے مذہبی تہوار مقرر کر دیے ہیں۔ جب انسان باری باری تفریح بھی کرتا ہے اور محنت بھی۔ انھیں فن کی دیویاں اور سورج دیوتا اپالو عطا کیا جوان دیویوں کے سربراہ ہیں۔ شراب کے دیوتا ڈائیونائیسس کو پیدا کیا تاکہ وہ ان عیش وعشرت کی محفلوں میں ہمارا ساتھ دیں اور دیوتاؤں کے ان تہواروں میں شریک ہو کر اور تعلیم کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ ایک مقبول عام کہاوت میں کہاں تک صداقت ہے۔ یہ کہاں تک ہمارے مزاج کے مطابق ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ کم عمر مخلوق کا نہ جسم نچلا بیٹھ سکتا ہے نہ آواز ہی خاموش رہ سکتی ہے۔ وہ ہمہ وقت ہلتا جلتا رہتا ہے۔ چیختا رہتا ہے کچھ اچھلتے کودتے رہتے ہیں کچھ طرح طرح کی آوازیں بلند کرتے رہتے ہیں لیکن اگرچہ حیوانوں میں تنظیم یا عدم تنظیم یا جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں ہم آہنگی یا عدم ہم آہنگی کا شعور نہیں ہوتا۔ ان دیوتاؤں نے جنھیں رقص میں ہمارا ساتھی مقرر کیا گیا ہے، ہمیں ہم آہنگی اور مثال کا مسرت انگیز احساس عطا کیا ہے وہ ہمیں زندہ رہنے پر اکساتے ہیں اور ہم ان کا حکم مانتے ہوئے رقص وسرود کی محفلوں میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے ہیں، آواز سے آواز ملاتے ہیں اسے وہ ''کورس'' (Chorues) سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح فطری طور پر خوشی ومسرت کا مظہر ہے، اس لحاظ سے کیا ہم اپنے کام کے آغاز میں یہ امر تسلیم کر لیں کہ تعلیم شروع شروع میں دیوتا اپالو اور فنون کی دیویوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

کلینیاس: میں مانتا ہوں۔

اجنبی   اور کم تعلیم یافتہ وہ ہے جسے کورس کی تربیت نہیں ملی اور تعلیم یافتہ وہ ہے جسے یہ تربیت ملی ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: اور کورس کے دو جز و ہوتے ہیں، رقص و سرود۔

کلینیاس: بالکل ٹھیک۔

اجنبی :   گویا جو اچھی طرح تعلیم یافتہ ہے وہ ناچ اور گانے دونوں کا ماہر ہوگا۔

کلینیاس: میرا خیال ہے وہ ماہر ہوگا۔

اجنبی: ذرا دیکھیں آخر ہم کہہ کیا رہے ہیں؟

کلینیاس: کیا مطلب؟

اجنبی :   وہ اچھا ناچتا اور گاتا ہے، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ گاتا ہے، وہ نیکی ہے اور اس کا ناچ بھی نیکی ہے۔

کلینیاس: چلیے یوں بھی کہہ لیجیے۔

اجنبی: ہم یہ تسلیم کر لیں کہ اسے علم ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے اور وہ ان کو موقع بہ موقع برتتا بھی ہے ۔ناچ گانے کی اسے بہتر تربیت بھی حاصل ہے۔ایک وہ جو اپنے جسم کو اس طرح حرکت دیتا ہے جسے اچھا سمجھا جاتا ہے، آواز ایسی نکالتا ہے جو اچھی مانی جاتی ہے، لیکن اسے نہ نیکی سے اور ہی نہ بُرائی کی نفرت سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کی جسمانی حرکات میں ہم آہنگی نہیں ہے۔آواز سُر و تال سے بیگانہ ہے لیکن اسے خوشی اور درد کا بہت ہی عمدہ شعور ہے اور وہ نیکی کو سراہتا ہے اور بدی سے آرزدہ ہوتا ہے۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست! ان دونوں شخصیتوں کی تعلیم میں بہت زیادہ فرق ہے۔

اجنبی: اگر ہم تینوں دوست یہ جانتے ہوں کہ رقص و سرود میں کیا خوبیاں ہیں تو ہمیں صحیح معنوں میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم یافتہ کون ہے اور اگر معلوم نہیں تو پھر ہمیں یہ پتا ہی نہیں چلے گا کہ علم کی حفاظتی دیوار کہاں ہے۔ایسی دیوار کا وجود ہے بھی یا نہیں۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی :   آیئے ہم اس خوشبو کا شکاری کتے کی طرح پیچھا کریں اور جسمانی تناسب اور صوتی سروتال اور

رقص وسرود کا پتا چلائیں۔ اگر یہ ہمارے ہاتھ نہ آئیں تو پھر صحیح تعلیم پر بات کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا وہ خالص یونانی ہو یا غیر یونانی۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : جسمانی حسن اور خوبصورت لحن سے کیا مراد ہے؟ جب کوئی دلیر روح مصائب میں مبتلا ہوتی ہے اور جب کوئی بزدل اس صورت حال میں گرفتار ہوتا ہے تو کیا یہ دونوں ایک ہی طرح جسمانی حرکات اور آواز کا اظہار کرتے ہیں؟

کلینیاس: ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ان چہروں کی رنگت مختلف ہوتی ہے؟

اجنبی : ٹھیک ہے تاہم میں چلتے چلتے اتنا ضرور کہوں گا کہ موسیقی میں شکلیں بھی ہوتی ہیں اور لحن بھی۔ اور موسیقی کا تعلق ہم آہنگی اور تال سے ہوتا ہے اور آپ کسی راگ یا جسم کا اچھے تال اور خوبصورت ہم آہنگی کے حوالے سے ذکر کر سکتے ہیں۔ یہ بات درست ہی مانی جائے گی۔ لیکن لحن اور جسم کو استعارتاً یہ کہنے کی کہ اس میں ''خوبصورت رنگ'' ہیں اجازت نہیں دی جاسکتی ہے حالانکہ کورس کے ماہرین یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ آپ بہادروں اور بزدلوں کے لحن اور جسمانی حرکت کا ذکر کر سکتے ہیں۔ ایک کی تعریف کریں اور دوسرے کی تنقیص، اگر آپ کو گراں نہ گزرے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو لحن اور جسمانی حرکت جسم اور روح کی خوبیوں یا نیکی کی مظہر ہوں وہ بلا استثنا اچھی ہوتی ہیں اور جن سے بدی کا اظہار ہو وہ اس کی ضد ہوتی ہیں۔

کلینیاس: آپ کی یہ تجویز نہایت عمدہ ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ ایسی ہی ہوتی ہیں۔

اجنبی : میں ایک بار پھر کہوں گا کہ کیا ہم ہر قسم کے رقص سے یکساں محظوظ نہیں ہوتے؟

کلینیاس: دوسری کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔

اجنبی : پھر ہم راہ راست سے بھٹک کیوں جاتے ہیں؟ کیا حسین چیزیں ہم سب کے لیے دلکش نہیں ہوتیں یا وہ بذاتہٖ ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں ہماری رائے یکساں نہیں ہوتی؟ کیونکہ یہ تو کوئی تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا کہ رقص میں بدی کے مظاہر نیکی کے مظاہر سے زیادہ حسین ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ خود تو بدی کے مظاہر سے لطف اندوز ہوتا ہے جب کہ دوسرے کسی اور قسم کے لحن سے لطف اٹھاتے ہیں۔ تاہم اکثریت کا یہی کہنا ہے کہ موسیقی روح کو مسرت

عطا کرتی ہے لیکن یہ بات نا قابل برداشت اور کلمۂ کفر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مغالطے کے معقول اسباب بھی ہیں۔

کلینیاس: وہ کیا ہیں؟

اجنبی : فن کو اس کے کردار کے حوالے سے پرکھنا، رقص کی حرکات وسکنات تو ہماری ان جسمانی حرکات کی نقل ہوتے ہیں جو مختلف کاموں، مالی حالتوں، مزاجوں کی مناسبت سے سرزد ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی نقل کی جاتی ہے۔ اور یہ الفاظ، نغمے یا رقص جن کے فطرتاً عادتاً یا دونوں کے لحاظ سے حسب حال ہوتے ہیں وہ ان سے لطف اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسے حسین کہتے ہیں لیکن یہ گیت اور رقص جن کے مزاج اور عادت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ وہ اس سے نہ لطف اٹھا سکتے ہیں نہ ہی ان کی توصیف کر سکتے ہیں وہ انھیں مبتذل کہتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کی فطرت عمدہ ہوتی ہے مگر عادات خراب یا جن کی فطرت خراب ہوتی ہے مگر عادات عمدہ ہوتی ہیں۔ وہ ایک شے کو سراہتے ہیں اور دوسری سے لطف اٹھاتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ یہ تمام نقول پُر لطف مگر اچھی نہیں ہوتیں۔ اور ان لوگوں کے حضور جنھیں وہ دانا تصور کرتے ہیں گھٹیا قسم کے رقص وسرود یا کسی ایسی کارروائی سے دیدہ ودانستہ تعلق سے اجتناب برتتے ہیں۔ تاہم چپکے چپکے وہ اس کے مزے بھی لیتے ہیں۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : یہ فرمائیے کہ کیا بیہودہ رقص اور نغموں کے عشاق کو کوئی نقصان پہنچا یا کیا عمدہ سامان مسرت کو قبول کرنے والوں کو کوئی فائدہ پہنچا؟

کلینیاس: غالباً اثر ضرور ہوا ہے۔

اجنبی : حضور غالباً لفظ درست نہیں ہے، اس کی جگہ ہونا چاہیے تھا ''یقیناً''۔ کیا یہ نہیں ہوتا کہ وہ جب ان بدقماش حرکتوں کو بطور تفننِ طبع بُرا کہتا ہے کیونکہ صحبت صالح کے سبب جس کو وہ نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ ان کا ساتھ بھی دیتا ہے۔ اسے خود اپنی غلط کاری کا احساس ستاتا رہتا ہے۔ اس طرح جو ان قبیح حرکات سے حظ اٹھاتا ہے وہ خود بھی ان ہی جیسا ہو جاتا ہے جن کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا ہے ہر چند کہ وہ ان کی تعریف وتوصیف پر شرمندہ ہو اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی نیکی یا بدی سے

ہماری تقدیر آشنا ہوسکتی ہے؟

کلینیاس: میں ایسے کسی فرد سے واقف نہیں ہوں۔

اجنبی: اس طرح جس شہری ریاست کے قوانین عمدہ ہوتے ہیں یا مستقبل میں ان کے عمدہ ہونے کی توقع ہے اور لوگوں کے ذہن میں وہ ہدایات اور مسرتیں ہوتی ہیں جو شعرا کا عطیہ ہیں۔ کیا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ شعرا کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ تال، سُر یا الفاظ کے توسط سے اچھے خاندان کے بچوں کو رقص کے ذریعے جیسی چاہیں ویسی تربیت دیں؟ کیا شاعر اپنے گانوں کو کورس کی صورت میں سکھاتے وقت نہ نیکی کا لحاظ رکھیں نہ بدی کا؟

کلینیاس: یہ بڑی نامعقول بات ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اجنبی: بایں ہمہ شاعر ماسوائے مصر کے ہر ریاست میں ایسا کرنے میں آزاد ہے۔

کلینیاس: مصر میں رقص و سرود کے کیا ضابطے ہیں؟

اجنبی: آپ سُن کر حیران رہ جائیں گے کہ وہاں کے لوگ ان اصولوں سے عرصہ دراز سے واقف ہیں۔ جو آج ہمارے زیر بحث ہیں کہ ان کی نئی نسل کو نیکی کے مختلف پہلوؤں اور انواع کا عادی ہونا چاہیے۔ انھوں نے ان کا تعین کرلیا اور اپنی عبادت گاہوں میں تصاویر کے ذریعے انھیں کندہ کرادیا اور کسی مصور یا فن کار کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ ان میں کوئی جدت کرے، یا روایتی پہلوؤں کو ترک کر کے نئی اشکال تیار کرے۔ آج تک نہ مصوری اور نہ ہی موسیقی میں اس سے سرمو انحراف ہوا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان کی مصوری یا مجسمہ سازی اسی طرح جاری ہے جیسی دس ہزار برس قبل تھی۔ یہ حقیقت ہے کوئی مبالغہ نہیں۔ ان کی تصویریں اور مجسمے اپنی خوبیوں اور خامیوں میں ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کی تشکیل کا ہنر بھی بدلا نہیں۔

کلینیاس: بڑے تعجب کی بات ہے!

اجنبی: میں تو کہوں گا کیسی دانشمندی ہے یہ قانون سازوں کے شایان شان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مصر میں دیگر معاملات اتنے لائق تحسین نہیں ہیں۔ لیکن میں موسیقی کے بارے میں آپ سے کہہ رہا ہوں تو حرف بحرف درست اور قابل توجہ ہے۔ اس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ قانون ساز کو چاہیے کہ وہ ایسے نغمات کی تشکیل پر زور دے جن میں فطری صداقت اور ناکامی کا خوف بالکل ہی

نہ ہو۔ تاہم ایسا عمل انسان کے بس میں نہیں ہے یہ دیوتا یا کسی نیک فرد کا کام ہے۔ مصر میں یہ روایت عام ہے کہ ان کے مذہبی گیت اور ان کی موسیقی دیوی آئی سس (Isis) نے مرتب کی ہے۔ اس لیے جب کسی کو یہ قدرتی نغمات حاصل ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ وہ انھیں مستقل اور قانونی شکل عطا کر دے۔ کیونکہ ان مذہبی نغموں اور رقص کو جدت کا شکار یہ کہہ کر نہیں بنایا جا سکتا کہ یہ سال خوردہ ہو چکے ہیں۔ بہر حال مصر میں ان کو خرابی سے دوچار کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔

کلینیاس: آپ کی دلیل آپ کے خیال کی توثیق کرتی ہے۔

اجنبی: آپس کی بات ہے کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تہواروں میں اجتماعی موسیقی اور نغمات کی یہ صورتیں ہیں۔ ہم اس وقت خوشیاں مناتے ہیں جب ہم سمجھتے ہیں کہ ہم خوشحال ہو گئے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ہم خوشحال ہوتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں؟

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی: جب ہم اپنی خوش بختی پر اظہار مسرت کرتے ہیں تو بے حس وحرکت نہیں رہ سکتے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: نوجوان ناچنے اور تھرکنے لگتے ہیں اور ہمارے جیسے بزرگ ان کو دیکھ کر زندگی کے بارے میں اپنی آرزوؤں کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہم میں نہ اتنی پھرتی ہے اور نہ چستی کہ رقص میں شرکت کر سکیں۔ اس لیے انھیں ناچتا دیکھ کر حظ اٹھا لیتے ہیں۔ ہمیں اپنی جوانیاں یاد آتی ہیں اور ایسے مقابلوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ کہہ اٹھیں کہ:

''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو''۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی: کیا ان تہواروں کے بارے میں یہ کہنا بے معنی نہیں ہوگا کہ اسے انعام کا حقدار گردانا جائے جو عوامی رائے کے مطابق ہمارے لیے سب سے زیادہ خوشی اور مسرت کے سامان فراہم کرتا ہے؟ ایسے مواقع پر جب سب ہی خوشیاں منانے میں مصروف ہوں کیا ایسے فرد کو بڑے سے بڑے انعام سے نہ نوازا جائے، جیسا کہ میں نے کہا تھا اس کے سر پر زیتون کی ٹہنی کا تاج نہ رکھا جائے؟ یہی صداکاری اور اداکاری کا کیا صحیح طریقہ نہیں ہے؟

کلینیاس: ہوسکتا ہے کہ ہو۔

اجنبی: میرے دوست آیئے ہم کسی فیصلے پر پہنچتے ہیں۔ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ مختلف معاملات میں تمیز کریں۔ ایک طریقہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ ہم ایسے تہوار کا تصور کریں جہاں ہر طرح کی تفریحات میسر ہوں، جن میں اکھاڑے بھی ہوں، موسیقی اور رقص کے مقابلے ہوں، شہری جمع ہوں، انعامات تقسیم ہوں اور اعلانات ہوتے رہیں کہ جسے شوق ہو وہ مقابلے میں شریک ہوجائے۔ جو حاضرین کو سب سے زیادہ خوش کرے گا اسے انعام سے نوازا جائے گا۔ اس کا نہ کوئی طریق کار متعین ہو نہ کوئی پابندی ہو جو سب سے زیادہ خوش کرے اس کی کامیابی کا اعلان کردیا جائے اور اسے تمام امیدواروں میں سے سب سے زیادہ اہل سمجھا جائے؟

کلینیاس: کس حیثیت سے؟

اجنبی: بھئی طرح طرح کے مقابلے ہوں گے، کوئی ہومر کی طرح جوش وخروش سے رزمیہ نظم پڑھے، کوئی بانسری پر نغمہ نوازی کرے، کوئی حزنیہ ڈراما کرڈالے، کوئی طربیہ سنا کر محفل لوٹ لے۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ وہ کٹھ پتلی کا تماشا دکھا کر انعام حاصل کرے گا تو کوئی تعجب نہیں۔ فرض کیجیے یہ سارے فن کار اور ان کے علاوہ بے شمار اہل ہنر ان مقابلوں میں شرکت کرتے ہیں تو آپ ان میں سے کس کو انعام کا حقدار قرار دیں گے؟

کلینیاس: میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کوئی آپ کے سوال کا کس طرح جواب دے یا جھوٹ موٹ سے تسلیم کرلے کہ اس نے سب کو سنا اور دیکھا ہے۔ یہ فیصلہ اسی صورت ہوسکتا ہے جب میں انھیں سنوں اور دیکھوں۔ یہ سوال ہی بے سروپا نظر آتا ہے۔

اجنبی: اگر اس کا جواب آپ دونوں کے بس کا نہیں تو چلیے میں ہی اس مہمل سوال کا جواب بتادیتا ہوں۔

کلینیاس: بسروچشم۔

اجنبی: اگر فیصلہ بچوں کو کرنا ہے تو وہ کٹھ پتلی کے تماشے کو انعام دیں گے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: بڑے بچے مزاحیہ ڈرامے کے حق میں ہوں گے، بزرگ، خواتین، نوجوان اور عام لوگ حزنیہ ڈرامے کو ترجیح دیں گے۔

کلینیاس: یہ ممکن ہے۔

اجنبی : میرا یقین ہے کہ ہمارے جیسے عمر رسیدہ افراد ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی یا ہزیوڈ کی نظمیں جوش سے پڑھنے والے کو پسند کر کے اسے انعام دیں گے۔ لیکن دراصل فاتح کون ہوگا یہ طے کرنا باقی ہے۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : صاف ظاہر ہے کہ ہم بزرگوں کو یہ اعلان کرنا ہوگا کہ جنھیں ہم فاتح سمجھتے ہیں وہی انعام کے اہل ہیں۔ کیونکہ ہمارا طریق کار دنیا میں مروجہ تمام طریقوں سے کہیں بہتر ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : یہاں تک تو میں بہت سے ایسے لوگوں سے متفق ہوں جو یہ مانتے ہیں کہ موسیقی میں کمال کا معیار یہ ہے کہ وہ کتنی مسرت بخشتی ہے۔ لیکن یہ مسرت صرف چند لوگوں تک محدود نہ رہے۔ بہترین موسیقی وہی ہوتی ہے جو اہل ذوق اور عمدہ تعلیم حاصل کرنے والوں کو خوش کرے اور خاص طور پر اس شخص کو جو نیکی اور تعلیم دونوں میں نمایاں حیثیت کا مالک ہو، اس لیے ضروری ہے اس امر کا فیصلہ کرنے والے خود بھی صاحب کردار ہوں اور ان میں عقل و دانش بھی ہو اور ہمت و حوصلہ بھی۔ اصل منصف وہی ہے جو تھیٹر میں تماشائیوں کے ردعمل سے متاثر نہ ہو۔ ان کی تالیوں اور شور وغل سے بے نیاز ہو تا کہ اس کی صلاحیتیں متاثر نہ ہوں۔ نہ ہی وہ حق بات سے واقف ہوتے ہوئے بھی محض اپنی بزدلی کے سبب بے احتیاطی سے کام لے کر غلط فیصلہ کا اعلان اسی زبان سے کرے، جس کی اس نے تھوڑی دیر قبل دیوتاؤں سے ہدایت کی دعا مانگی تھی۔ وہ وہاں تھیٹر کے شاگرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ وہ ان کے ہدایتکار کے منصب پر فائز ہے۔ اسے تو ان تمام افراد کا دشمن ہونا چاہیے جو صرف تماشائیوں سے تالیاں بجانے کا ٹھیکہ لیتے ہیں۔ ہیلاز (Hellas) کا قدیم اور مقبول رواج جو اس زمانے میں بھی اٹلی اور سسلی میں مروج ہے۔ جس کی رو سے فیصلہ تماشائیوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے جو انعام کے مستحق کا فیصلہ ہاتھ اٹھا کر کرتے ہیں۔ لیکن اس رسم نے شعرا کو برباد کر دیا۔ کیونکہ وہ اب اپنی نگارشات میں فیصلے کے ذمہ دار اپنے تماشائیوں کے گھٹیا ذوق کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انجام یہ ہے کہ تماشائی خود ہی اپنے ہدایتکار بن بیٹھے ہیں۔ اس طرح خود تھیٹر بھی تباہ ہو چکا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تھیٹر کے کردار تماشائیوں سے بہتر ہوتے اور ان سے حاصل شدہ مسرت

بھی اعلیٰ اور ارفع ہوتی مگر ان ہی کے طفیل نتائج اس کے برعکس پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام امور سے کیا نتیجہ اخذ کیا جائے؟ کیا مجھ کو ہی بتانا پڑے گا؟

کلینیاس: کون سا نتیجہ؟

اجنبی: وہی نتیجہ جو ہم تیسری یا چوتھی بار اخذ کر رہے ہیں۔ تعلیم ہی نوجوانوں کو معقول راہ پر چلانے کے لیے اصلاح اور ہدایت کے لیے ضروری ہے۔ یہ وہ راہ ہے جو قانونی بھی ہے اور جو بزرگوں کے تجربے کے مطابق درست ہے اس لیے اس خیال سے کہ بچے کی روح کو یہ عادت نہ ہو جائے کہ وہ قانون اور قانون پر عمل کرنے والوں کے عمل کے خلاف مسرت اور غم کا احساس کرنا سیکھ لے۔ بلکہ وہ قانون کی پیروی کرے اور ان باتوں پر خوش ہو یا رنجیدہ ہو جن پر بزرگ خوش یا رنجیدہ ہوتے ہیں۔ ایسے وظیفے تیار کیے گئے ہیں جن کے دہرانے سے بچوں پر یہ اثر مرتب ہو سکتا ہے ان میں وہی خوش ترتیبی پیدا ہو سکتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ چونکہ بچے کا ذہن سنجیدہ تربیت کا اہل نہیں ہوتا اس لیے ان کے لیے کھیل اور ڈرامے تیار کیے جاتے ہیں۔ گیت لکھے جاتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ بچوں کے ساتھ یہ سلوک اسی طرح کا ہے جس طرح مرض میں مبتلا شخص کو غذائیت بخش کھانے مزیدار بنا کر لیکن نقصان دہ غذائیں بری طرح پیش کی جاتی ہیں تا کہ وہ یہ بات اچھی طرح سیکھ جائیں کہ ان کے لیے کون سی غذا مفید ہے اور کون سی مضر۔ بالکل اسی طرح حقیقی قانون ساز شاعر کو آمادہ کرے گا یا اسے مجبور کرے گا کہ وہ صاف ستھرے الفاظ میں اپنے تال میں، تصاویر میں، اپنے نغمات اور دھنوں میں اعتدال پسند، بہادر اور ہر لحاظ سے نیک افراد کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست کیا آپ کو یہ علم نہیں کہ ریاستوں میں آج بھی شعرا اس طرح کی تخلیقات پیش کر رہے ہیں؟ میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ سوائے ہماری لیسی ڈیمون کی ریاست کے اور کسی جگہ ایسے قوانین رائج نہیں ہیں جن کا آپ نے ابھی ذکر کیا ہے۔ دیگر مقامات پر موسیقی اور رقص میں جدتوں سے کام لیا گیا ہے۔ یہ کام کسی قانون کے تحت نہیں بلکہ بے لگام مسرت کے جذبے سے سرشار ہو کر کیا گیا ہے اور یہ مسرتیں ایک دوسرے سے مشابہ بھی نہیں ہوتیں جیسا کہ آپ نے مصریوں کا حال بتایا ہے وہاں احوال تو ایک ہی ہے لیکن ان میں یکسانیت نہیں ہے۔

اجنبی : بالکل درست ہے جناب کلینیاس۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ہوسکتا ہے، میں نے اپنا ماضی الضمیر واضح نہ کیا ہو۔ جس سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ شاید میں کسی ریاست کا ذکر کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں موسیقی میں ایسے ہی قوانین کی تشکیل کا خواہاں ہوں۔ غالباً اسی وجہ سے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ جب بدی بہت بڑھ جائے اور نا قابل اصلاح ہو جائے تو ان پر قدغن لگانا اتنا آسان اور خوشگوار کام نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ضروری ہوتا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا ایسے قوانین کو کریٹ اور لیسی ڈیمون میں دیگر یونانی ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ مروج سمجھتے ہیں۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : اگر یہ قوانین یونان کے دیگر حصوں تک رائج کر دیے جائیں تو کیا آپ اسے موجودہ صورت حال سے بہتر خیال کریں گے؟

کلینیاس: یہ تو بہت بڑی پیش رفت ہوگی شرط یہ ہے کہ وہاں جو رسوم عام ہیں وہ وہی ہوں جو ہمارے اور لیسی ڈیمون میں عام ہوں۔ تو پھر جیسا آپ نے ابھی کہا ہے ان کو رائج ہونا چاہیے۔

اجنبی : اب دیکھتے ہیں کہ ہم دونوں اس معاملے میں کس حد تک متفق ہیں۔ کیا تعلیم اور موسیقی کے جو اصول آپ کے یہاں رائج ہیں وہ مندرجہ ذیل نہیں ہیں۔ آپ اپنے شعرا کو یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اعتدال پسند منصف مزاج ہے تو وہ خوش بخت بھی ہے اور خوش و خرم بھی۔ خواہ ایسا آدمی بڑا اور تندرست و توانا ہو یا چھوٹا اور کمزور ہو۔ دوسری جانب اگر اس کے پاس اتنی دولت ہو جو قارون (Cinyras) یا میڈاس (Midas) کو شرمائے لیکن وہ ناانصاف ہو تو وہ بدبخت اور مصیبت کا مارا ہوگا؟ شاعر نے کتنا سچ کہا ہے کہ میرے نغمے اس کے لیے نہیں جو تمام خوبیوں کا حامل ہے لیکن انصاف سے نابلد ہے۔ مجھے وہ شخص عزیز ہے جو دشمنوں سے دست و گریبان رہتا ہے مگر منصف مزاج ہے۔ لیکن اگر وہ انصاف پسند نہیں ہے تو میں نہیں چاہوں گا کہ وہ جدال و قتال پر سکونِ قلب کا مظاہرہ کرے خواہ وہ تیز رفتاری میں تھریسی قبائل کی طرح سب سے بازی لے جائے اور وہ اس شے سے محروم رہے جسے سب احسن سمجھتے ہیں۔ کیونکہ لوگ عموماً جسے اچھا کہتے ہیں وہ

دراصل اچھا نہیں ہوتا۔ اس فہرست میں سب سے پہلے صحت درج ہے پھر خوبصورتی ہے اور تیسرا درجہ ہے دولت کا، اور اس کے بعد بے شمار چیزیں ہیں مثلاً تیز نگاہ یا تیز سماعت، بلکہ سارے احساسات صحیح وسالم ہوں۔ یا ظالم وجابر ہو اور جو جی میں آئے کرے اور مسرت کا کمال یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں حاصل کر لی جائیں اور اس کے حصول کے ساتھ ہی اسے حیاتِ جاودانی مل جاتی ہے۔ لیکن آپ اور میں یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ منصف مزاج اور پاکباز افراد کے لیے یہ تمام چیزیں بہترین ملکیت ہیں تاہم ناانصافوں کی نظر میں وہ بدترین قسم کے گناہ ہیں تاکہ زندگی ابدیت سے آشنا ہو جائے۔ لیکن اگر بُرا آدمی زیادہ دیر زندہ نہ رہے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یہ حقائق ہیں اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ اپنے شاعروں کو ترغیب دیں گے یا مجبور کریں گے کہ وہ ان خوبیوں کا ذکر نہایت عمدہ تال وسُر سے پیش کریں اور نوجوانوں کو یہی تعلیم دیں۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ کیوں میں صاف صاف یہ کہہ سکتا ہوں کہ جسے ہم نیکی کہتے ہیں وہ بُرے لوگوں کی نظر میں بدی ہے اور نیک افراد کی نظر میں نیکی ہے۔ میں پھر پوچھوں گا کہ کیا ہم دونوں اس پر متفق ہیں۔

کلینیاس: بات صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔

اجنبی : جب کوئی شخص صحت مند بھی اور دولتمند بھی اس کے ساتھ ظالم وجابر بھی ہو۔ قوت وجرأت میں چاردانگ عالم میں مشہور ہو۔ اور وہ ابدیت سے متصف بھی ہو اور اس میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہے جو ان خوبیوں کو زائل کر دے۔ خوبیاں تو صرف فطری ناانصافی اور بداخلاقی سے ضائع ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ یہ مانتے ہیں کہ وہ خوش نہیں بلکہ بدبخت ہے۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی : چلیے ایک بار پھر یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہ جی دار ہے، طاقتور ہے، وجیہ ہے، دولت مند ہے۔ اس نے وہی کیا جو اس کے جی میں آیا تاہم اگر وہ غلط کار اور بداخلاق ہو تو کیا آپ دونوں یہ یقین نہیں کریں گے کہ وہ کمتر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اتنا تو آپ ضرور مانیں گے۔

کلینیاس: یقیناً؟

اجنبی : اور وہ گناہ آلود زندگی گزارتا ہے یا نہیں؟

کلینیاس: میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

اجنبی : کیا وہ تکلیف دہ زندگی بسر نہیں کر رہا ہے۔ جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو رہا ہے؟

کلینیاس: بھلا میں ایسا کس طرح کہہ سکتا ہوں؟

اجنبی : کس طرح؟ دیوتا ہی ہمیں ایک دوسرے کی بات ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ شخص ہیں۔ میرے دوست کلینیاس مجھے اپنی بات کا اتنا ہی یقین ہے جیسے یہ ماننا کہ کریٹ ایک جزیرہ ہے اور اگر میں قانون ساز ہوتا تو شعرا کو اسی انداز میں تخلیق کرنے کی تلقین کرتا۔ اور میں ان سب کو قابل تعذیر گردانتا جو یہ کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں کہ برے لوگ اچھی زندگی گزارتے ہیں یا یہ کہ مفید اور نفع بخش ہونا ایک بات ہے اور منصف مزاج ہونا دوسری۔ علاوہ بریں اور متعدد ایسے امور ہیں جن کے بارے میں میری کوشش ہوگی کہ میرے شہری نہ صرف کریٹ اور لیسی ڈیمون کے باشندوں سے بلکہ تمام دنیا سے مختلف رائے کے مالک ہوں۔ میرے دوست آپ کو دیوتا زیوس اور اپالو کی قسم ہے کہ اگر میں ان قانون ساز دیوتاؤں سے یہ دریافت کروں کہ آپ از راہ کرم یہ بتا دیں کہ کیا سب سے زیادہ انصاف پسند فرد کی زندگی خوشگوار ترین نہیں ہوتی؟ یا کیا دو قسم کی زندگی ہوتی ہے ایک سب سے زیادہ انصاف پر مبنی اور دوسری خوشگوار ترین؟ اور فرض کیجیے کہ ان کا جواب ہو کہ ہاں زندگی دو قسم کی ہوتی ہے اس پر میں ان سے مزید دریافت کروں کہ (بات کی تہ تک پہنچنے کا یہی صحیح طریقہ ہوگا) کون ہے جو زیادہ خوش رہتا ہے؟ وہ جو منصف ترین ہوتے ہیں یا وہ جن کی زندگی سب سے زیادہ خوشگوار ہوتی ہے اور وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ جن کی زندگی سب سے زیادہ خوشگوار ہوتی ہے۔ یہ جواب بڑا ہی عجیب ہوگا۔ اس لیے میں اسے دیوتاؤں سے کبھی منسوب نہیں کروں گا۔ یہ الفاظ قانون سازوں اور والد کے لیے زیادہ موزوں ہوں گے اس لیے اپنا سوال ان میں سے کسی ایک کے سامنے دہراؤں گا۔ اور فرض کر لوں گا اس کا جواب یہی ہوگا کہ وہ جن کی زندگی سب سے زیادہ خوشگوار ہے۔ میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ پیارے ابا جان کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ میں جہاں تک ہو سکے پر مسرت زندگی گزاروں؟ آپ تو یہ مجھے بار بار تاکید کرتے ہیں کہ برخوردار انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ اس موقع پر قانون ساز ہو یا والد ایک مخمصے میں گرفتار ہو جائیں گے اور اپنے پیدا کردہ تضاد کو ختم کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف نظر آئیں گے۔ لیکن اگر وہ یہ کہہ دیں کہ انصاف سے قریب ترین زندگی خوشگوار ترین

ہوتی ہے تو اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو ان کا ہر سامع یہ ضرور پوچھے گا کہ زندگی میں وہ اچھا اور شریفانہ اصول کون سا ہے جس کی قانون توثیق کرتا ہے اور جو مسرت سے بڑھ کر ہے کیونکہ انصاف پسند شخص اگر خوش نہیں رہتا ہے تو کیا حاصل ہوگا؟ کیا ہم یہ کہیں کہ دیوتاؤں اور انسانوں کی طرف سے حاصل شدہ امتیاز اور شہرت حاصل ہوگی جو ناگوار ہوگی جب کہ بدنامی خوشیوں کا سرچشمہ ہوگی؟ میرے عزیز قانون سازوں یہ ممکن نہیں ہے۔ یا کیا ہم یہ کہیں کہ غلطی نہ کرنا اور کسی کام کا غلط نہ ہونا عمدہ اور باعزت عمل ہے اگرچہ اس میں کوئی خوشی پوشیدہ نہ ہو بلکہ بدی اور بدنامی اس کا سرمایہ ہو؟

کلینیاس: ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

اجنبی: خوش طبع، حق پرست، باکردار اور شریف انسانوں کو شناخت کرنے والی نگاہ میں اعلیٰ ترین اخلاقی اور مذہبی رنگ موجود ہوتا ہے۔ یہ متضاد نظریہ قانون سازوں کے منصوبے کے بالکل ہی خلاف ہوتا ہے اور اس کی رائے میں یہ بدنامی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ کوئی فرد درد کو خوشی پر ترجیح دینے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگا۔ لیکن چونکہ مبہم امکانات خاص طور پر بچپن میں ہمارے لیے دردِ سر کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے قانون سازوں کی یہ کوشش ہوگی کہ قوانین کو شفاف اور نمایاں بنائے رکھنے کے لیے دھند کو صاف کریں صداقت کو تابناک بنائیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح رسوم ورواج کا حوالہ دے کر الفاظ کے مؤثر استعمال سے شہریوں کو یہ تسلیم کرنے پر آمادہ کریں گے کہ انصاف اور ناانصافی دونوں ہی حقیقت کا سایہ ہیں۔ اور ناانصافی جو انصاف کی ضد ہے لیکن جب اسے ناانصاف اور بدکار فرد اپنے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے تو اسے ناانصافی نہایت خوشگوار معلوم ہوتی ہے اور انصاف اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتا لیکن انصاف پسند آدمی کی رائے میں اس کی ضد میں دونوں ہی باتیں مضمر ہیں۔

کلینیاس: بات درست ہے۔

اجنبی: ذرا یہ تو بتایئے کہ ان دونوں میں سے کون سا فیصلہ درست ہے۔ وہ جسے ایک کمتر روح نے دیا یا وہ جو بہتر روح کا ہے۔

کلینیاس: ظاہر ہے جو بہتر روح کا ہے؟

اجنبی : اسی لیے کیا ناانصافی سے گزرنے والی زندگی نہ صرف ذلت آمیز اور اخلاق سے گری ہوئی ہوگی بلکہ انصاف اور پاکیزگی سے گزرنے والی زندگی سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوگی؟

کلینیاس: آپ کی دلیل سے تو یہی نظر آتا ہے۔

اجنبی : فرض کیجیے یہ بات میری دلیل کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کی ضد ہے پھر بھی ادنیٰ سے ادنیٰ قانون ساز بھی اگر نوجوانوں کے مفاد میں غلط بیانی سے کام لیتا ہے تو وہ اس سے بہتر جھوٹ نہیں گھڑ سکتا تا کہ وہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خوشی خوشی اس کا ایسا اثر قبول کریں کہ وہ نیکی کو اپنا شعار بنالیں۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست! صداقت ایک بلند تر اور لازوال خوبی ہے لیکن انسانوں کو اس پر عمل کرنے پر راضی کرنا بہت ہی دشوار ہے۔

اجنبی : اس حقیقت کے باوجود سیڈونیا (Sidonian) کے کیڈمس (Cadmus) جیسی متعدد کہانیوں پر لوگ بخوشی یقین کر لیتے ہیں۔

کلینیاس: کہانی کیا ہے؟

اجنبی : یہ ان مسلح افراد کی داستان ہے جو دانتوں کی کاشت کے نتیجے میں پیدا ہوئے جس سے قانون سازوں کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ وہ نوجوانوں کو ہر کام کرنے پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے تو بس اتنا ہی کام رہ جاتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر یہ طے کریں کہ وہ اعتقاد کون سا ہوسکتا ہے جو عوام کے لیے مفید ترین ہو اور پھر کوشش کریں کہ پورا معاشرہ، اپنے گیتوں، کہانیوں، گفتگو اور بحث و تمحیص میں ایک بار نہیں بلکہ زندگی بھر یہی ایک لفظ دہراتے رہیں۔ لیکن اگر آپ میری بات سے متفق نہ ہوں تو آپ اس کے دوسرے پہلو پر ضرور بات چیت کیجیے۔

کلینیاس: میں سمجھتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس سے ہم دونوں مشکل ہی سے اختلاف کر سکتے ہیں۔

اجنبی : میری دوسری تجویز یہ ہوگی کہ ہم تینوں جو گیت تیار کریں وہ بچوں کو سنائیں ان کی نازک اور معصوم روحوں کو متاثر کریں اور اس میں نیکی اور شرافت کے وہی انداز ہوں جو ہمارا موضوع ہیں یا رہ چکے ہیں۔ اس گیت کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جو زندگی دیوتاؤں کی نظر میں خوشیوں کی گہوارہ ہوگی وہی بہترین بھی ہوگی۔ ہم اس امر پر زور دیں گے کہ یہی اصل اور یقینی صداقت ہے۔ میرا خیال ہے کہ نوجوانوں کے دل و دماغ میں ہماری یہ بات دوسری باتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوطی سے

جم جائے گی۔

کلینیاس: آپ کی بات مجھے منظور ہے۔

اجنبی: ابتدا میں ہم اسی فطری تنظیم سے کام لیتے ہوئے گانے والے بچوں کو اکٹھا کریں گے جو بڑی عقیدت اور جوش سے ان پاکیزہ خیالات کو اس طرح گائیں گے کہ سارا شہر گونج اٹھے گا۔ اس کے بعد تیس برس سے کم عمر کے گانے والوں کی باری آئے گی جو پائی این (Paean) دیوتا سے ان الفاظ کی صداقت کی تصدیق کی درخواست کریں گے اور مناجات کریں گے کہ وہ نوجوانوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں اور ان کے دلوں کو نیکی کی طرف مائل کریں۔ تیسری باری ان افراد کی ہوگی جو تیس سے ساٹھ سال تک کی عمر کے ہوں گے وہ بھی یہی گیت گائیں گے۔ اب وہ معمر افراد باقی رہ جائیں گے جو گانے سے قاصر ہوں گے وہ ان باتوں پر مبنی داستانیں بیان کریں گے جو ان گیتوں کا موضوع ہیں۔

کلینیاس: اجنبی دوست وہ کون ہوں گے جو تیسرے گروہ کے لیے نغمہ مرتب کریں گے؟ کیونکہ آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ میں سمجھ نہیں سکا ہوں۔

اجنبی : کمال ہے میں نے تو جو کچھ کہا ہے انہی کے لیے کہا ہے۔

کلینیاس: کیا آپ ذرا سی وضاحت فرمائیں گے؟

اجنبی: آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اس گفتگو کے آغاز میں نوجوانوں کی پرجوش طبیعت کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ ان کی آواز اور اعضا کسی کے قابو میں نہیں ہوتے اور وہ بے ہنگم طریقے سے چیختے بھی ہیں اور اچھل کود بھی کرتے ہیں نیز یہ بھی کہا تھا کہ انسان کے سوا کسی اور جانور میں نظم وضبط کا تصور موجود نہیں ہے۔ حرکات میں جو ترتیب ہوتی ہے اسے تال سے ہم آہنگی کہتے ہیں اور آواز میں کومل اور تیور میں جو تنظیم ہوتی ہے اسے سروں کی ہم آہنگی کہتے ہیں اور ان دونوں کے امتزاج کو کلیسائی سرود (نغمہ) کہا جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ دیوتا ہم پر بہت مہربان تھے اسی لیے انھوں نے ہمیں دیوتا اپالو اور نغمات کی دیویاں (Muses) عطا کیں جو ہمارے رقص وسرود میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے آپ کو یاد ہوگا کہ ڈائیونائیسس کا درجہ تیسرا تھا۔

کلینیاس: اچھی طرح یاد ہے۔

اجنبی : یہاں تک میں نے اپنی گفتگو کو اپالو اور نغمات کی دیویوں تک محدود رکھا ہے ابھی مجھے بقیہ نغموں کی باتیں بھی کرنی ہیں، جن کا تعلق ڈائیونائیسس سے ہے۔

کلینیاس: اس کی ترتیب کیا ہوتی ہے؟ ڈائیونائیسس کے نغموں کو پہلی بار سنا جائے تو وہ عجیب وغریب محسوس ہوتے ہیں۔ یہ نغمات عمر رسیدہ حضرات کے لیے ہیں جن کی عمر تیس سال سے زائد ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ پچاس ساٹھ سال کے ہوں، اور آپ کا خیال ہے کہ ان لوگوں کو اظہار عقیدت کے لیے رقص کرنا چاہیے۔

اجنبی : بالکل درست ہے۔ اسی لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ میری تجویز کی معقول بنیاد ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : کیا ہم یہاں تک متفق ہیں؟

کلینیاس: کس بات پر؟

اجنبی : یہی کہ نوجوان ہو یا بچہ، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، بلکہ شہر کے شہر کو ان باتوں کے سحر سے آزاد نہیں ہونا چاہیے جو ہم ابھی کر رہے تھے۔ اور یہ بھی کہ یکسانیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ان میں ضروری تغیر وتبدل ہوتے رہنا چاہیے۔ اس سے ہوگا یہ کہ موسیقاروں کو ہمیشہ اپنے گیتوں کا لطف آتا رہے گا اور وہ کبھی بدمزہ نہیں ہوں گے۔

کلینیاس: اس پر ہر شخص متفق ہوگا۔

اجنبی : ذرا بتایئے تو سہی کہ عمر اور عقل کے لحاظ سے ہمارے بہترین شہری جن کی افادیت اور اثر انگیزی مسلم ہے انھیں ہم یوں ہی چھوڑ دیں۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہوگی ہم انھیں کام میں نہ لائیں جن کے طفیل ہم بہترین اور مفید ترین نغمات سے استفادہ کرسکتے ہیں؟

کلینیاس: آپ کی دلیل کے مطابق ہم انھیں چھوڑ نہیں سکتے۔

اجنبی : اس صورت میں ہم اپنا مقصد شائستگی سے کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔ کیا اس کا یہی طریقہ ہوگا؟

کلینیاس: کیا فرمایا آپ نے؟

اجنبی : انسان کی عمر جب بڑھتی ہے تو وہ گانے سے ڈرتا بھی ہے اور اس کے لیے بخوشی تیار بھی نہیں ہوتا ہے، اسے اپنے اس کام سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ اور زور زبردستی سے کام لیا جائے تو وہ

اورزیادہ شرمندہ ہوگا۔ بڑی عمر کا یہی تقاضا ہوتا ہے، کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : بہت اچھا۔اب بتایئے اگر اسے کھڑے ہوکر مردوں اور عورتوں کے مجمع میں کسی تھیٹر میں گانے کے لیے مجبور کیا جائے تو کیا وہ شرم سے پانی پانی نہیں ہو جائے گا؟ مزید برآں اگر دوسرے گانے والے گروہوں کی طرح جو انعامی مقابلوں میں شرکت کرتے ہیں اور جنھوں نے باقاعدہ کسی استاد سے تربیت حاصل کی ہے اسے ایسی تکلیف ہوگی گویا وہ بھوکا ہے۔اسے شرم بھی آئے گی اور وہ اضطراب میں مبتلا بھی ہو جائے گا وہ گانے پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے؟

اجنبی : سوال یہ ہے کہ انھیں اس کام پر آمادہ کس طرح کیا جائے؟ کیا ہم اس کام کا آغاز ایک قانون کے اجراسے کریں جس کے ذریعہ یہ پابندی لگا دی جائے کہ لڑکے اس وقت تک شراب کو ہاتھ نہیں لگائیں گے جب تک وہ اٹھارہ سال کے نہ ہو جائیں۔ہم انھیں یہ بتائیں گے کہ آگ پر آگ خواہ یہ آگ جسم کی ہو یا روح کی، اس وقت تک نہیں رکھی جاسکتی جب وہ کام کاج کے قابل نہ ہو جائیں۔ یہ وہ احتیاط ہے جو جوانوں کی آتشیں طبیعت کے لیے ضروری ہے اس کے بعد وہ تیس سال کی عمر تک اعتدال کے ساتھ شراب نوشی کر سکتے ہیں۔لیکن بہتر یہ ہے کہ آدمی جب تک جوان ہے، بادہ نوشی سے پرہیز کرے یا زیادتی نہ کرے اور جب وہ کم از کم چالیس سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اسے اجازت ہوگی کہ وہ عام طعام خانے میں نہ صرف دوسرے دیوتاؤں بلکہ خود ڈائیونائیسس تک کو مدعو کرے تاکہ معمر حضرات محفل ناؤنوش کا پورا پورا لطف اٹھائیں۔اس طرح وہ بڑھتی ہوئی عمر کی تلخیوں کو جامِ مے میں غرق کرسکیں گے۔جوانی کا اعادہ ممکن ہوگا دلوں کا بوجھ اُتر جائے گا اور یہ بھی ہوگا کہ ہماری روح آگ میں پڑے ہوئے فولاد کی طرح نرم ہوگی اور جس پر حسب مرضی نقش و نگار بنانا ممکن ہوگا۔اوّل بات تو یہ ہے کہ جو شخص اس طرح نرم طبیعت کا مالک ہو جائے گا کیا اس کے لیے گانا کوئی شرمندگی کی بات ہوگی؟ میں نہیں کہتا کہ وہ بڑی سی محفل میں گائے گا بلکہ ایک محدود حلقۂ احباب میں، اجنبیوں میں نہیں بلکہ خاندانوں والوں کے درمیان گنگنا کر کیا وہ محفل کو مسحور نہیں کرسکتا؟

کلینیاس: کیوں نہیں تیار ہوگا۔

اجنبی : اس طرح اگر ہم اسے اپنے ساتھ گانے میں شریک کریں تو کوئی بداخلاقی نہیں ہوگی۔

کلینیاس: بالکل نہیں ہوگی۔

اجنبی : وہ کس سروتال میں گائے گا۔ گیت کے بول کیا ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ سروتال اس کے لیے مناسب ہوں گے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : اب یہ بتائیے کہ بہادروں کے لیے کون سا سُر وتال مناسب ہوگا۔ کیا وہ رقص والے نغمے گائیں گے؟

کلینیاس: اصل بات تو یہ ہے کہ ہم جو کریٹ اور لیسی ڈیمون کے رہنے والے ہیں ان سروتال کے سوا کسی دیگر سے واقف نہیں جو ہمیں سکھائے گئے ہیں اور جس کے ساتھ مل کر گانے کے ہم عادی ہیں۔

اجنبی : میں یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ اس صورت میں آپ لوگ اپنی عسکری زندگی کے سبب حسین ترین گیتوں سے مکمل طور پر ناواقف ہیں۔ آپ تو صرف ان گیتوں سے آشنا ہیں جو فوجی چھاؤنیوں میں گائے جاتے ہیں۔ وہ ان نغمات سے یکسر مختلف ہیں جنھیں بستیوں میں گایا جاتا ہے آپ اپنے ان نوجوانوں کو کم عمر گھوڑوں کی طرح گھیر گھار کر گھماتے پھراتے اور کھلاتے پلاتے ہیں۔ کوئی فرد اپنے گھوڑے کو اس کی مرضی کے خلاف دوسروں سے گھسیٹ کر ہانپنے کانپنے، ڈانٹنے ڈپٹنے کو علیحدہ نہیں کر سکتا ہے، نہ اس کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے کوئی سائیس مقرر کر سکتا ہے اور وہ نجی طور پر اس کی تربیت بھی نہیں کر سکتا، اس کی مالش بھی نہیں کر سکتا، وہ اس میں وہ صلاحیتیں پیدا نہیں کر سکتا جو نہ صرف اچھے سپاہیوں کی ہوں بلکہ شہروں کے اچھے منتظم کی بھی ہوں۔ ایسا فرد جیسا میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں وہ اس جانباز سے بھی زیادہ شجاع ہوگا، ٹائرٹیس نے جس کی تعریف میں گیت کہے ہیں۔ وہ ہمیشہ بہادری کا اعتراف کرتا رہے گا جس کا خوبیوں میں درجہ خواہ فرد ہوں یا ریاستیں چہارم ہے اوّل نہیں۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست میں پھر یہ عرض کروں گا کہ آپ ہمارے قانون سازوں کی حرمت کم کر رہے ہیں۔

اجنبی : میں یہ سب کچھ جان بوجھ کر نہیں کر رہا ہوں ۔ میرے دوست یہ باتیں وہ ہی ہیں جو میرے استدلال کا نتیجہ ہیں۔ وہ جہاں لے جائیں ہمیں وہاں ضرور جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر کہیں ایسے گیت ہیں جو اجتماعی گیتوں اور عوامی تھیٹر کے گیتوں سے زیادہ خوبصورت ہیں تو میں ان گیتوں کو انھیں سکھاؤں گا جو بقول ہمارے ان سے شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہمیں تو بہترین ہی کو حاصل کرنا چاہیے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: جب ان گیتوں میں ایک طرح کی دلکشی اور سحر ہو تو یا تو ان میں بہترین جزو یہی دلکشی ہو گی یا ان میں کوئی نہ کوئی حقیقت یا افادیت مضمر ہوتی ہے۔ مثلاً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ نا ؤنوش اور کھانے پینے میں ایک ایسا سحر ہوتا ہے جسے ہم مسرت کہتے ہیں۔ لیکن افادیت، نیکی اور شرافت کی جو خوبیاں اس میں نظر آتی ہے وہ اس صداقت کا عطیہ ہیں جو اس میں پوشیدہ ہے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی : اسی لیے ان فنون میں جو نقل پر مبنی ہوتے ہیں اس صورت میں مسرت پیدا کرتے ہیں جب یہ نقل کامیاب ہو اور اصل کے قریب ترین ہو۔ کیا ایسی تخلیقات کو سحر سے عاری سمجھا جائے گا۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: لیکن عام طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مسرت نہیں بلکہ کمیت اور کیفیت کے مساوی تناسب سے ان میں صداقت اور حقیقت پیدا ہو جائے گی۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : اس لیے ہم مسرت کے معیار ہی کے مطابق اس کی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ جو نہ تو افادیت اور نہ ہی صداقت و مشابہت عطا یا پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں ایسی کوئی خاصیت نظر آسکتی ہے جو مضرت رساں ہو۔ یہ باتیں صرف اس میں موجود سحر کے سبب موجود رہتی ہیں اور لفظ ''مسرت'' کا اطلاق اسی وقت مناسب ہوگا جب یہ تمام خصوصیات یکسر معدوم ہوں۔

کلینیاس: آپ بے ضرر مسرت کا ذکر کر رہے ہیں ناں۔

اجنبی : جی ہاں ۔ اور میں ایسی مسرت کو تفریح سے موسوم کرتا ہوں جب اس سے کسی طرح کا قابل ذکر نفع نہ ہو نہ ہی ضرر۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: اب اگر ہمارے یہی اصول ہوں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ نقل کو جانچنے کے لیے نہ تو ہم مسرت کو، نہ ہی کسی غلط رائے کو معیار بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ بات ہر قسم کی مساوات پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ ہر کوئی شے کسی برابر یا متناسب، شے کے متناسب اس لیے نہیں ہوتی کہ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں یا انھیں یہ فیصلہ پسند ہے۔ ان کے بارے میں تو ہمیں حقیقت کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ہے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: کیا ہم ہر نوع کی موسیقی کو نمایندہ اور تقلیدی نہیں سمجھتے؟

کلینیاس: یقیناً سمجھتے ہیں۔

اجنبی: اس لیے جب کوئی یہ کہے کہ موسیقی کو جانچنے کا پیمانہ مسرت ہے تو اس اصول کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی ایسی موسیقی ہے جس کے بہتر ہونے کا معیار مسرت ہو تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایسی موسیقی کی نہ جستجو کریں اور نہ ہی اس کی فضیلت کو تسلیم کریں۔ ہم صرف اس موسیقی کو عمدہ اور افضل سمجھیں جس میں نیکی اور اچھائی کی تقلید ہو۔

کلینیاس: بات بالکل صحیح ہے۔

اجنبی: اور جن لوگوں کو بہترین قسم کے نغمات اور موسیقی کی تلاش ہے انھیں چاہیے کہ وہ ایسی موسیقی کو نہ حاصل کریں جو محض مسرت کا ذریعہ ہو۔ بلکہ ایسی ہو جو حقیقت کی ترجمان ہو۔ اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تقلید کی اصلیت یہی ہوتی ہے کہ جس شے کی نقل کی جائے اس کی کمیت اور کیفیت دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: یہ بات تو سبھی تسلیم کریں گے کہ سُر اور تال کی ترتیب میں ہمیشہ تقلید یا نقل کی جاتی ہے۔ کیا شعرا، تماشائی اور فن کار اس سے متفق نہیں ہوں گے؟

کلینیاس: ہوں گے، کیوں نہیں۔

اجنبی: اس لیے جو فرد ان کو درست طریقے سے جانچے گا وہ سُروں کی اس ترتیب سے اچھی طرح واقف بھی ہوگا کیونکہ اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ موسیقی کی ترتیب کی خوبی اور انداز کیا ہے۔ اس کی غایت کیا

ہے، اسے کبھی یہ پتا نہیں چلے گا کہ یہ تخلیقی کام کس نیت سے کیا گیا اور کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

کلینیاس: یقیناً وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

اجنبی: یہ بھی بتائیے کہ جسے یہ پتا ہی نہ ہو کہ صداقت کیا ہے تو وہ اچھے، برے کی تمیز کس طرح کرے گا؟ میری بات ابھی واضح نہیں ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے اگر میں اسے ایک اور طرح بیان کروں تو آپ بہتر طریقے سے سمجھ پائیں گے۔

کلینیاس: کس طرح؟

اجنبی: ہم جو اشیا دیکھتے ہیں ان جیسی ہزاروں، لاکھوں دوسری اشیا بھی ہوتی ہیں نا؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: اور اگر کسی کو یہ علم ہی نہ ہو کہ جس شے کی نقل کی گئی ہے وہ کیسی ہے تو کیا اسے یہ پتا چل سکتا ہے کہ نقل مطابق اصل ہے؟ مثلاً کیا کسی مجسمے میں جسم متناسب اور اعضا درست مقام پر ہیں یا نہیں؟ یہ تناسب کیا ہے اور اعضا باہم دگر کی اصل ترتیب، ان کی رنگت اور مطابقت اس جسم کے مطابق ہیں یا نہیں جس کی نقل کی گئی ہے۔ یا تشکیل کے وقت انھیں گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کسی کو یہ سب اس جاندار جسم کو دیکھے بغیر معلوم ہو جائے گا جس کی نقل مقصود ہے؟

کلینیاس: یہ تو ناممکن ہے۔

اجنبی: اگر ہم یہ جان لیں کہ جس ہستی کی تصویر یا مجسمہ بنایا گیا ہے وہ انسان ہے جسے فن کار نے اس کے اعضا، شکل اور رنگ کو بہت اچھی طرح نمایاں کیا ہے تو کیا ہم یہ معلوم نہیں کریں گے کہ وہ خوبصورت ہے یا نہیں یا اس کے حسن میں کسی شے کی کمی پائی جاتی ہے؟

کلینیاس: اگر یہ ضروری نہ ہو تو میرے اجنبی دوست ہم سب حسن کے بارے میں فیصلہ کرنے کے اہل ہوں گے۔

اجنبی: بات بالکل درست ہے کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر وہ شے جس کی نقل تصویر میں، موسیقی میں یا کسی اور طریقے سے تیار کی جاتی ہے۔ اس کے جانچنے والے کو یہ تین معلومات ضرور ہونی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ نقل کس شے کی ہے۔ دوم یہ کہ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ درست ہے اور سوم یہ کہ اسے مہارت سے الفاظ، نغمات یا موسیقی میں تیار کیا گیا ہے؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : اس لیے ہمیں موسیقی سے متعلق مشکلات ہی میں پھنس کر نہیں رہ جانا چاہیے۔ یہ درست ہے کہ دیگر فنون کے مقابلے میں موسیقی زیادہ مقبول ہے۔ اس لیے اس معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر یہاں کسی سے غلطی ہو جاتی ہے تو اسے ایک بُری ترتیب کو بہتر کہنا پڑے گا۔ جس سے اس کو زبردست نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نیز ایسی غلطی کی نشاندہی بھی مشکل ہوتی ہے کیونکہ راگ راگنی کی دیویوں کے مقابلے میں شعرا بہت ہی کم حیثیت ہوتے ہیں۔ ان دیویوں سے یہ خطا ہرگز سرزد نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ مردانہ الفاظ کو زنانہ حرکات اور سروں کا لباس عطا کریں۔ اور نہ ہی وہ آزاد بندوں کے نغمات اور موسیقی کو غلاموں اور بدکرداروں کے تال پر رقص کرا سکتی ہیں۔ وہ ایسا بھی نہیں کریں گی کہ آزاد بندوں کے تال اور سر سے آغاز کر کے انھیں ایسے نغمات اور الفاظ عطا کر دیں جو اس کی ضد ہوں۔ وہ ایسا بھی کرنا پسند نہیں کریں گی کہ انسانوں، جانوروں اور سازوں کی آوازیں باہم اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ گویا وہ ہم آہنگ ہیں۔ لیکن انسانی شعرا اس طرح کی بے ترتیبی کی پیشکش کے عادی ہیں اور اس لیے وہ خود ان حضرات کی تضحیک و تمسخر کا نشانہ بن جاتے ہیں جو بقول آرفیس ''حقیقی مسرت کے لیے تیار ہوتے ہیں'' جو تجربہ کار ہیں انھیں یہ تمام افراتفری صاف نظر آتی ہے۔ تاہم شعرا پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ تو رقص کی حرکات کو نغموں سے علیحدہ کر کے تال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وہ محض قافیہ پیمائی کرتے ہیں اور الفاظ کو ہر قسم کی نغمگی اور ترنم سے عاری کر دیتے ہیں۔ وہ تو صرف بربط اور بانسری سے سروکار رکھتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ کے بغیر آواز کے سریلے پن کا ادراک مشکل ہے۔ یا یہ محسوس کرنا بھی ممکن نہیں کہ انھوں نے کسی عمدہ شے کی نقل کی ہے۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس قسم کی باتیں نہایت بدمزہ اور کھردری ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصود محض سرعت، آسانی اور وحشتناک شور ہوتا ہے اور بربط اور بانسری کو صرف رقص و سرود کی سنگت کے لیے ہی استعمال نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان سے علیحدہ کر کے بھی بجایا جاتا ہے۔ دونوں سازوں میں سے کسی ایک کو بھی علیحدہ علیحدہ بجائیں گے تو وہ صرف بے ترتیب اور ایک طرح کا فریب ہی ہوگا۔ یہاں تک تو بات بہت معقول ہے لیکن ہم یہاں یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ تیس یا پچاس سالہ گانے والے سنگیت کی دیویوں کی تقلید نہ کریں بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ان

گیتوں کو کس طرح گاتے ہیں اور جن باتوں کا ہم لحاظ رکھیں گے وہ یہ ہیں کہ ان پچاس سالہ گانے والوں کی تربیت کس نہج پر کی جائے۔ کیونکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ انھیں تال اور سر کا علم ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر انھیں پتا کیسے چلے گا کہ نغمہ کس راگ یا دھن میں گایا جائے ڈوری (Dorian) انداز سے یا شاعر کے بتائے ہوئے راگ میں؟

کلینیاس: یقیناً وہ ایسا کر نہیں سکتے۔

اجنبی : متعدد افراد یہ سوچ لیتے ہیں کہ مناسب تال اور سُر کیا ہیں اور کیا نہیں؟ انھیں گانے اور تھرکنے پر مجبور کیا جاتا ہے ان کے ذہن میں یہ حقیقت آتی ہی نہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اسے وہ بالکل ہی نہیں جانتے۔ ہر راگنی اگر وہ تال اور سُر کے مطابق ہو تو مناسب اور موزوں ہوتی ہے۔ ہر راگنی بہت ہی مناسب ہے اگر وہ صحیح تال اور سُر میں ہے۔ اور غلط اس وقت ہوتی ہے جب وہ غیر مناسب ہو۔

کلینیاس: یہ بالکل قابل تسلیم ہے۔

اجنبی : لیکن وہ فرد جو اس بات کو جانتا ہی نہیں بھلا کس طرح جانے گا کہ صداقت کیا ہے؟

کلینیاس: ناممکن ہے۔

اجنبی : مجھے تو یوں نظر آ رہا ہے کہ وہ گانے والے جن کو ہم نے مدعو کیا ہے اور انھیں گانے پر مجبور کر رہے ہیں اور ہر معاملے میں خود مختار ہیں، انھیں ایسی تربیت دینی ہوگی کہ وہ رقص میں گیت کے تال کے مطابق قدم اٹھائیں اور اس قابل ہوں کہ اپنی عمر کے مطابق نغمات گانے کے اہل ہوں۔ انھیں گائیں، مسرت حاصل کریں اور نوجوانوں کو خوش مزاجی اور اطاعت شعاری کی مسرتوں سے خوش آمدید کہا جائے۔ اس طرح کی تربیت کے سبب انھیں اتنا درست علم حاصل ہو جائے جو عام لوگوں، بلکہ خود شعرا کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیونکہ شاعروں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ تیسرے نکتے سے بھی آشنا ہوں۔ یعنی جو نقل وہ کر رہے ہیں وہ بہتر ہے یا نہیں۔ حالانکہ وہ تال اور سُر کے قوانین سے بمشکل آگاہ ہوتے ہیں لیکن معمر گانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تینوں نکات کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ بہتر بات کا انتخاب کریں بلکہ اس کا جو بہترین کے قریب ترین ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو نوجوانوں کی روح کو نیکی کی تلقین سے مسحور نہیں کر سکیں گے۔ ڈائیونائیسس کے نغمات

کی بولتی ہوئی تصریح کے لیے، جس اصل استدلال سے آغاز کیا تھا وہ ہر ممکنہ حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ آیئے اب دیکھتے ہیں یہ کہاں تک درست ثابت ہوا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ محفل ناؤنوش جتنا طول کھینچے گی اتنی ہی زیادہ ہنگامہ پرور ہوتی جائے گی۔ ہم نے شروع شروع میں بھی اس حقیقت کا ذکر کیا تھا۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : ہر شخص فطری رفعت سے کچھ زیادہ ہی بلند ہوتا ہے۔ اس کا دل خود بخود خوشیوں سے لبریز رہتا ہے اور اس موقع پر جو کچھ اس کے دل میں آئے گا کہے گا اور کوئی اس پر روک ٹوک عائد نہیں کر سکتا۔ وہ یہی سوچتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آپ پر پوری قدرت رکھتا ہے بلکہ ساری انسانیت اس کے تابع ہے۔

کلینیاس: بات تو درست ہے۔

اجنبی : ہم یہ تو نہیں کہہ رہے ہیں کہ ایسے موقع پر شراب نوشوں کی روح ایسے لوہے کی مانند ہوتی ہے جو آگ میں تپ کر سرخ ہو گیا ہو اور وہ نرم اور جوان تر ہو گیا ہو اور جو اس کی رہنمائی اور تربیت کے مطابق کرے گا اسے اپنی مرضی کی شکل میں ڈھال سکتا ہے، ایسا شخص قانون ساز ہوتا ہے۔ یہی وہ ہستی ہے جو ضیافتوں کے لیے ایسے قانون بناتی ہے جو ایسے فرد کے کردار کو یکسر بدل ڈالے گی جو خود اعتماد ہو، جرات مند اور دیدہ دلیر ہو۔ اپنی باری کا انتظار نہ کرے، خاموشی اور گفتگو، مے نوشی اور موسیقی میں حصہ نہ لے۔ یہ قانون ایسے ہوں جو اس میں باموقع اور مناسب قسم کا خوف پیدا کریں۔ جو گستاخی کے جواب میں اسلحہ اٹھائے۔ یہ خوف الوہی نوع کا ہو گا جسے ہم احترام یا انفعال کہتے ہیں۔

کلینیاس: درست۔

اجنبی: ان قوانین کے مربی اور ان کے ساتھ کام کرنے والے افراد مے نوشوں کے پرسکون اور ہوشمند کماندار ہوتے ہیں ان کے بغیر مے نوشی کے خلاف جنگ میں دشمنوں سے جنگ سے کہیں زیادہ دشواریاں اس وقت پیش آتی ہیں جب فوج کا سربراہ خود ہی پرسکون نہ ہو۔ اور جو ساٹھ سال سے زائد افراد کی دعوت میں ''ڈائیونائیسس'' کے کمانداروں کا حکم نہ مانے۔ اسے ایسی بلکہ اس سے

بھی بڑی ذلت نصیب ہوگی جو عسکری قائدین کی حکم عدولی سے حاصل ہوتی ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : اگر تفریح اور مے نوشی کو اس طرح قابو میں رکھا جائے تو کیا محفل آرائیوں کے ہمارے ساتھیوں کی اصلاح نہیں ہو جائے گی! وہ پہلے سے بہتر دوستوں کی طرح اختتام محفل پر ایک دوسرے سے جدا ہوں گے اور آج کل کی طرح دشمنوں کی حیثیت سے نہیں۔ ان کی تمام گفتگو اور میل ملاپ قانون کے مطابق ہوگا اور مے نوشوں کے قائدین اپنے ہوش و حواس قائم رکھیں گے۔

کلینیاس: جی ہاں! اگر محفل کو اسی طرح ضابطے کے اندر رکھا جائے جیسا کہ آپ بتا رہے ہیں۔

اجنبی : اسی لیے ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ شراب کے دیوتا ڈائیونائیسس'' کی اس سوغات کو بُرا سمجھیں اور اسے ریاست میں رائج کرنے کے لیے مناسب خیال نہ کریں کیونکہ شراب میں خوبیاں بھی ہیں اور بعض تو نہایت ہی اعلیٰ درجے کی ہیں جن کا کھلم کھلا اعلان ذرا دشوار ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ان باتوں کو غلط سمجھا جائے گا اور غلط فہمیاں جنم لیں گی۔

کلینیاس: آپ کا اشارہ کس جانب ہے۔

اجنبی : ایک ایسی روایت یا یوں سمجھ لو داستان ہے جو کسی نہ کسی طرح ساری دنیا میں پھیل گئی ہے کہ ''ڈائیونائیسس'' کی عقل کو اس کی سوتیلی ماں ہیری (Here) نے سلب کر لیا تھا۔ اور اب وہ انتقاماً دوسروں میں ہنگامہ اور اچھل کود کا جنون پیدا کر دیتا ہے اور اسی مقصد کے تحت اس نے انسان کو شراب کا تحفہ دیا ہے۔ دیوتاؤں سے متعلق اس نوع کی کہانیوں کو میں ان کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہوں جو اسے مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ میں تو بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ کوئی جاندار پیدائش کے وقت اتنا پختہ کار نہیں ہوتا کہ اس کی عقل درجۂ کمال تک پہنچ جائے اور عمر کے اس درمیانی وقفے میں اسے عقل و دانش کا احساس نہیں ہوتا اور وہ بات بے بات چیختا ہے، اچھلتا ہے، اور جب وہ چلنے کے قابل ہو جاتا ہے تو کودنے لگتا ہے اور آپ کو یاد ہوگا ہم نے یہ کہا تھا کہ اسی طرح رقص اور ورزش کا آغاز ہوا ہے۔

کلینیاس: جی ہاں۔ اچھی طرح یاد ہے۔

اجنبی : اور کیا ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تال و سر کا احساس انسان میں پیدا ہوا اور اس کے لیے ہمیں اپالو،

سنگیت کی دیویوں اور ڈائیونائیسس کا شکر گزار ہونا چاہیے؟

کلینیاس: کیوں نہیں۔

اجنبی : دوسری کہانی میں اس طرف اشارہ ہے کہ شراب انسان کو انتقاماً عطا ہوئی ہے تا کہ وہ ہوش وحواس سے عاری ہو جائے۔ لیکن اس کے برخلاف ہی وہ موجودہ اصول یہ ہے کہ شراب اسے سکون بخشنے کے لیے دی گئی ہے تا کہ اس سے روح میں اعتدال اور جسم میں صحت اور تنومندی پیدا ہو۔

کلینیاس: اجنبی دوست۔ جی ہاں یہی باتیں ہوئی تھیں۔

اجنبی : اس طرح یوں سمجھ لیجیے ہم نے موضوع کے نصف حصے پر بحث مکمل کر لی ہے۔ اجازت ہو تو ہم موضوع کے دوسرے نصف پر توجہ مرکوز کریں۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : میں اپنی بات کو اگر آپ اجازت دیں تو اس جملے پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔

کلینیاس: اور کیا کہنا ہے آپ کو؟

اجنبی : میں صرف اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شہری ریاست یہ چاہتی ہے کہ شراب نوشی کے ضابطے اس طرح مقرر کیے جائیں کہ اعتدال کو رواج ملے اور اسی طرح عیش وعشرت کے دیگر ذرائع کو پابند کر کے انھیں قابو میں رکھا جائے۔ اس طرح ان تمام امور کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر شہری ریاست شراب نوشی کو صرف ذریعۂ نشاط ہی سمجھے اور ہر فرد کو جب وہ چاہے شراب پینے کی کھلی چھٹی ملے جس کے ساتھ چاہے شراب نوشی کرے بلکہ اس کے ساتھ دیگر تفریحات کو بھی شامل کرے تو اس صورت میں بھی اس بات پر رضامند نہ ہوگا۔ کوئی شہری ریاست یا فرد شراب نوشی کا شغل اختیار کرے۔ میں اس سلسلے میں کریٹ اور لیسی ڈیمون کے باشندوں سے دو قدم آگے جاؤں گا اور کارتھی جیا (Carthagians) کے قانون کی حمایت کروں گا کہ کوئی فرد جب وہ کسی مہم میں شریک ہو تو شراب کو منہ نہ لگائے بلکہ اس دوران وہ صرف پانی پیتا رہے اور شہر میں کوئی غلام مرد یا عورت کبھی شراب نوشی نہ کرے۔ مزید برآں کوئی مجسٹریٹ اپنی ملازمت کے دوران شراب نہ پیے یا جہاز راں یا جج صاحبان فرائض کی ادائیگی کے دوران شراب کو ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ پابندی ان پر بھی عائد ہو جو کسی اہم معاملے پر مشاورت میں مصروف ہوں۔ اسی طرح دن کے اجالے میں بھی

شراب پر پابندی ہونی چاہیے۔ہاں اگر بطور دوا استعمال کرنی ہوتو اس کی اجازت ہے۔رات کے وقت یہ پابندی مردوں اور عورتوں پر اس وقت عائد ہو جب وہ بچوں کی نگہداشت میں مصروف ہوں۔ایسے بے شمار مواقع ہیں جب ان لوگوں کو شراب سے اجتناب کرنا چاہیے۔جو باشعور ہوں اور جن کے قوانین بڑے معقول ہوں۔اگر میری یہ بات درست ہے تو شہروں میں انگور کے باغوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ان کی کاشتکاری اور رہن سہن میں ایک سلیقہ پیدا ہوگا اور وہاں انگور کی کاشت کم سے کم ہوگی اور اس کام میں کارکنوں کی تعداد بھی محدود ہو جائے گی۔میرے اجنبی دوست یہی میری اس بحث کا اعلیٰ ترین نکتہ ہے۔آپ اس سے متفق ہیں نا؟

کلینیاس: بہت خوب ہم سب اس پر متفق ہیں۔

☆☆☆

تیسری کتاب

اجنبی : اس موضوع پر سیر حاصلِ بحث ہو چکی ہے۔اب یہ بتائیے کہ حکومت کا آغاز کس طرح ہوا؟ کیا کوئی شخص اس کا اندازہ اس بات سے نہیں لگا سکتا کہ ریاست کی پیش رفت خیر کی جانب سے ہے یا شر کی؟

کلینیاس: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : میرا مطلب یہ ہے کہ وہ زمانے کے اعتبار سے ان پر نظر ڈالے اور ان تبدیلیوں کو دیکھے جو لامتناہی ادوار سے رونما ہو رہی ہیں۔

کلینیاس: یہ کس طرح ممکن ہے؟

اجنبی : دیکھیے نا آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ آپ وقت کو اس زمانے سے شمار کر سکتے ہیں جب شہری ریاستیں قائم ہوئیں اور لوگ اس کے شہری بنے؟

کلینیاس: یہ امر دشوار ہے۔

اجنبی : لیکن آپ کو یقین تو ہے کہ یہ زمانہ بہت وسیع اور نا قابل شمار ہوگا۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : کیا اس دوران ہزار ہا ہزار شہر آباد نہیں ہوئے اور اتنے ہی برباد بھی ہوئے؟ اور ان میں سے ہر ایک کو ہر قسم کی حکومت سے سابقہ بار بار پڑ چکا ہے کبھی یہ حکومت وسیع ہو گئی کبھی بہت چھوٹی بن گئی۔ کبھی ترقی کی اور کبھی زوال کا شکار ہو گئی۔

کلینیاس: بات قابل یقین ہے۔

اجنبی : آیئے ہم ان تغیرات کے اسباب طے کریں کیونکہ اس طرح حکومتوں کے آغاز اور اقسام کا علم ہوگا۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔ آپ اپنے خیالات سے ہمیں مستفید کرنے کی سعی فرمائیں ہم انھیں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اجنبی: کیا آپ کو یقین ہے کہ قدیم روایات میں صداقت ہوتی ہے؟

کلینیاس: کیسی روایات؟

اجنبی: طوفانوں اور وباؤں اور دیگر اسباب سے انسان کی تباہی اور ان میں سے چند ایک کے بچ جانے سے متعلق روایات۔

کلینیاس: انھیں تو سب ہی مانتے ہیں۔

اجنبی: آیئے ان میں سے صرف اس طوفان پر توجہ دیں جو بہت مشہور ہے۔

کلینیاس: اس طوفان میں ہم کیا دیکھیں گے؟

اجنبی: یہی بات کہ اس طوفان سے جو بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے وہ پہاڑوں پر بھیڑیں چرانے والے ہوں گے انسانوں کا یہی وہ چھوٹا سا گروہ تھا جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر محفوظ رہا۔

کلینیاس: ظاہر ہے۔

اجنبی: یہ لوگ جو بچ گئے انھیں نہ تو فن کا پتا ہوگا نہ ان آلات وایجادات کا جو شہر کے رہنے والوں کے لیے ضروری تھے وہ ان بداعمالیوں سے بھی ناواقف ہوں گے جو وہ ایک دوسرے پر آزماتے ہوں گے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی: ہم یہ فرض کرلیں کہ اس وقت میدانوں اور سمندر کے ساحلوں کے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔

کلینیاس: بات درست ہے۔

اجنبی: کیا تمام آلات تباہ نہیں ہو گئے ہوں گے۔ ہر قسم کی سیاسی اور سرکاری ایجادات کا نام ونشان مٹ گیا ہوگا؟

کلینیاس: میرے دوست کیوں نہیں یہی کچھ ہوا ہوگا۔ اگر چیزیں اسی طرح سے قائم رہیں جیسی آج ہیں تو ایجادات بلکہ کوئی خاص ایجاد ظہور پذیر کیوں کر ہوتی؟ کیونکہ یہ تو سب کو علم ہے کہ تقریباً دس ہزار سال قبل کسی قسم کے کسی فن کا وجود نظر نہیں آتا اور ڈیڈالس (Daedalus)، آرفیئس

(Orpheus)، پیلامیڈس(Palamedes) کی ایجادوں کو صرف دو تین ہزار سال ہی گزرے ہیں۔ اسی طرح مارسیاز (Marsyas) اور اولمپس(Olympus) نے جو موسیقی ایجاد کی اور ایمفیون(Amphion) نے جو بربط بنایا یہ ابھی کل ہی کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اجنبی : ارے کلینیاس! کیا آپ اس دوست کو فراموش کر دیں گے جو واقعی کل ہی کا ہے؟

کلینیاس: میں سمجھ گیا۔ آپ اپی منیڈس(Epimenedes) کی بات کر رہے ہیں نا!

اجنبی: دوست بالکل اسی کی۔ اس نے یقیناً اپنی ایجادات کے ذریعے تمام انسانوں کی فہم وفراست کو پیچھے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس نے ہزیوڈ(Hesiod) کے قول کو عملی شکل بخشی۔

کلینیاس: جی ہاں ہماری روایت تو یہی ہے۔

اجنبی : اس عظیم تباہی کے بعد کیا ہم یہ فرض کر لینے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ اس وقت انسانی حالت کچھ اس قسم کی ہوگی۔ دنیا کے آغاز میں ایک خوفناک بے کراں صحرا ہوگا۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی زمین ہوگی۔ بیلوں کے چند چھوٹے موٹے ریوڑ ہی حیوانات میں سے بچ رہے ہوں گے اور ہوسکتا ہے تھوڑی بہت بکریاں بھی ہوں۔ ان کی بھی تعداد اتنی نہیں ہوگی کہ ان چرواہوں کی غذا کا سامان فراہم کریں جو ان کو چراتے تھے۔

کلینیاس: بات تو درست ہے۔

اجنبی : شہری ریاستیں، حکومتیں، قانون سازی، جن پر آج ہم گفتگو کر رہے ہیں کیا یہ تمام ان کے حافظے میں محفوظ ہوں گے؟

کلینیاس: حافظے میں کچھ نہیں ہوگا۔

اجنبی : بتایئے ان حالات میں موجودہ تمام سامان، خیالات اور ادارے پیدا نہیں ہوئے؟ فنون اور قوانین اور بے شمار شر اور بے شمار خیر ظاہر نہیں ہوئے؟

کلینیاس: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : بات یہ ہے کہ ہم یہ کیسے فرض کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنھیں نہ خیر کا پتا تھا نہ شر کا، نہ شہری ریاست کا، وہ اپنی ترقی کے دوران خیر وشر کو حاصل کر چکے ہوں گے؟

کلینیاس: آپ کی بات سمجھ میں آ گئی۔ آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

اجنبی : لیکن مرورِایام کے ساتھ ساتھ نسلیں بڑھتی گئیں اور دنیا نے موجودہ شکل اختیار کر لی۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی : اس میں شک نہیں کہ یہ تغیرات ایک لمحے میں پیدا نہیں ہوئے لیکن یہ تبدیلی بتدریج رونما ہوئی اوراس پر طویل زمانہ صرف ہوا۔

کلینیاس: آپ کی یہ بات بہت مفید ہے۔

اجنبی : اول اول تو میدانوں کا رخ کرتے ہوئے خوف کے مارے ان کا برا حال ہوا ہوگا۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : اس وقت بچ جانے والوں کی چھوٹی سی تعداد کی وجہ سے ان کا آپس میں ملنا جلنا آسان ہوگا۔اس وقت سفر کے ذرائع ناپید تھے۔گویا فنون اور ہنر کے ناپید ہونے کی وجہ سے آپس میں میل جول میں بھی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔کیونکہ فولاد، پیتل اور دیگر تمام دھاتیں گڈ مڈ ہو چکی تھیں اور انھیں علیحدہ علیحدہ کرنا ممکن نہ تھا۔وہ درخت بھی کاٹ نہیں سکتے تھے بالفرض اگر چہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کچھ اور پہاڑیوں میں بچ گئے ہوں تاہم وہ جلد ہی گھس گئے ہوں گے۔اور بے کار ہو چکے ہوں گے اور ان کے بدل اس وقت تک تیار نہیں ہو سکے جب دھاتوں سے آلات بنانے کا ہنر شروع نہ ہوا۔

کلینیاس: جی ہاں ان کا استعمال ممکن نہ تھا۔

اجنبی : یہ عمل کتنی نسلوں کے بعد مکمل ہوا ہوگا؟

کلینیاس: ظاہر ہے کئی نسلوں کے بعد!

اجنبی : اس عرصے میں اور اس کے بعد بھی خاصی دیر تک وہ ہنر جو لوہے، پیتل وغیرہ پر مبنی تھے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔

کلینیاس: بات درست ہے۔

اجنبی : اس زمانے میں اختلافات اور جنگیں بھی ختم ہو چکی ہوں گی اس کے اسباب متعدد ہوں گے۔

کلینیاس: یہ کیسے ہوا ہوگا۔

اجنبی : اوّل تو یہ کہ بے کسی اور بے بسی کی اس صورت حال میں ابتدائی دور کے انسان میں باہمی مروت اور

مودت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی مادی منفعت نہیں ہوگی جس پر جھگڑا ہو سکے کیونکہ ابتدا میں ان کی چراگاہیں وسیع و عریض ہوں گی اور اس سرسبز و شاداب زمینوں سے وہ اپنے لیے وافر غذا حاصل کر سکیں گے۔ دودھ اور گوشت کی وافر مقدار موجود ہوگی۔ انھیں شکار بھی بڑی مقدار میں اعلیٰ قسم کا دستیاب ہوگا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ انھیں روٹی، کپڑا، مکان کی کبھی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ ان کے پاس قطع نظر اس سے کہ وہ چولہے پر چڑھائے جا سکتے ہیں یا نہیں برتن بڑی تعداد میں ہوں گے کیونکہ ایسے فن و ہنر میں جن میں نرم اشیا کو موڑ کر اشیا بنائی جا سکتی ہیں، لوہے اور فولاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی اور قدرت نے انہیں یہ دونوں ہنر اس لیے ودیعت فرمائے ہیں تاکہ اس کی یہ تمام ضروریات پوری ہوں اور انسان ان کی پیداوار میں حسب ضرورت اضافہ کر سکے۔ اسی لیے اس دور میں غربت کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور نہ ہی غربت کے سبب ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاف تھا۔ چونکہ دنیا میں نہ سونا تھا نہ چاندی، اس لیے دولت کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ اس ابتدائی دور میں یہی صورت حال تھی اور جس معاشرے میں نہ غربت ہو نہ امارت ان کے اصول ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ وہاں نہ گستاخی ہوتی ہے نہ بے انصافی، نہ تنازعات نہ حرص و حسد۔ اس لیے وہ لوگ نیک تھے۔ نیز چونکہ وہ سادہ لوح تھے اور جب ان سے خیر و شر کی بات کی جاتی تو وہ خیر کی باتوں پر عمل پیرا ہو جاتے۔ آج کل کے برخلاف کسی کو کسی دوسرے کی نیت پر شک نہیں ہوتا۔ وہ دیوتاؤں اور انسانوں کے بارے میں جو کچھ سنتے اس پر ایمان لاتے اور اسی حساب سے زندگی گزارتے اور ان کی زندگی ہر لحاظ سے ایسی ہی تھی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

کلینیاس : میری اور میرے دوست کی بالکل یہی رائے ہے۔

اجنبی : کیا متعدد نسلیں، جنھوں نے سادگی سے زندگی گزاری زیادہ سادہ لوح، اعتدال پسند اور آپس میں انصاف سے کام لینے والی نہیں تھیں؟ حالانکہ عموماً وہ فن اور ہنر سے ناآشنا تھیں۔ انھیں خصوصاً بری اور بحری جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ نہ شہری ریاستوں کے قوانین، گروہی مناقشات، ایک دوسرے کو قول و فعل سے ہر طرح سے اذیت پہنچانے کا کوئی علم تھا۔ اس کے اسباب بتائے جا چکے ہیں۔

کلینیاس : بات ٹھیک ہے۔

اجنبی : میں چاہتا ہوں کہ آپ پر بات واضح ہو جائے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اور کہنے والا ہوں اس کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اس دور کے انسان کو کس قسم کے قانون کی ضرورت تھی اور ان کا قانون ساز کون تھا؟

کلینیاس : اب تک آپ نے بات بڑی وضاحت سے بیان کی ہے۔

اجنبی : اس وقت تک انھیں بمشکل کسی قانون ساز کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ وہ چونکہ تحریر سے ناآشنا تھے اس لیے کہ ان کے دور میں ایسی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ وہ اپنے بزرگوں کی روایات اور رسوم کے مطابق رندگی بسر کر رہے تھے۔

کلینیاس : اغلب یہی ہے۔

اجنبی : لیکن اس دور میں بھی ایک طرح کی حکومت موجود تھی جسے اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو جاگیر کہا جاتا تھا اور یہ طرز حکومت ہیلینا اور دوسرے غیر یونانی علاقوں میں آج بھی رائج ہے اور ہومر کے بقول یہ طریقہ سائیکلوپس (Cyclopes) کے باشندوں میں مروج تھا۔

"وہاں نہ کوئی کونسل تھی نہ عدالتیں تھیں۔ وہ بلند پہاڑوں پر بڑے بڑے غاروں میں رہتے تھے اور ہر فرد اپنی بیوں اور بچوں کو حکم دیا کرتا تھا اور وہ ایک دوسرے کے امور میں ٹانگ نہیں اڑاتے تھے"

کلینیاس: ہومر آپ کا بہت عمدہ شاعر ہے۔ میں نے اس کی کچھ اور بھی نظمیں پڑھی ہیں جو بڑی دلکش ہیں لیکن اس کے بارے میں زیادہ پتا نہیں ہے کیونکہ ہم کریٹ کے لوگ غیر ملکی شعرا کو بہت ہی کم پڑھتے ہیں۔

مجی لس: کیونکہ اس کا تعلق لیسی ڈیمون سے ہے اور وہ سب سے برتر نظر آتا ہے تاہم وہ جس طرز حیات کا نقشہ کھینچتا ہے اس کا سپارٹا سے نہیں بلکہ یونیا سے تعلق ہے اور وہ آپ کے خیالات کی توثیق کرتا ہے اور وحشی انسان کی روایات کی روشنی میں ابتدائی دور کے انسان کی طرز حیات کو بیان کرتا ہے۔

اجنبی : جی ہاں۔ وہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی یہ شہادت تسلیم کر لیں کہ حکومت کی ایسی انواع اکثر و بیشتر تشکیل پاتی رہتی ہیں۔

کلینیاس : ہمیں ماننا چاہیے۔

اجنبی : کیا ایسی ریاستوں میں ایسے افراد اقامت پذیر نہیں تھے جو ایک ہی آبادی اور خاندان سے اس غربت کے سبب متعلق تھے جو طوفان کے بعد رونما ہوئی تھی اور کیا اس وقت ان پر مشاہیر کی حکومت نہیں تھی؟ کیونکہ اس مرحلے پر حکومت کا آغاز والد اور والدہ کی بالادستی کے ذریعے ہوا اور پرندوں کے غول کی طرح خاندان کے دیگر افراد ان کا اقتدا کرتے تھے اور اس طرح والدین کی قیادت کے تحت ایک قسم کا فوجی دستہ وجود میں آ گیا۔ کیا یہ طریق حکومت انصاف کا بہترین نمونہ نہیں تھا؟

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : اس کے بعد ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ شہر وسیع سے وسیع تر ہوتے گئے۔ پھر انھوں نے کاشتکاری پر توجہ دی جس کا آغاز دامن کوہ سے ہوا اور کھیتوں کے گرد ڈھیلے ڈھالے پتھروں کی دیواریں بنائیں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لیے فصیلیں تیار کی گئیں اور اس طرح ایک علیحدہ قسم کی آبادی کا ظہور ہوا۔

کلینیاس: جی ہاں ہمیں اسی مفروضے کو تسلیم کرنا چاہیے۔

اجنبی : اس کے علاوہ بھی ایک دوسری نوع کی پیشرفت بھی ہوئی ہوگی۔

کلینیاس: کس قسم کی؟

اجنبی : جب چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی جگہ ایسی بڑی بڑی آبادیاں قائم ہوئیں تو چھوٹی بستیوں کی زندگی کا دارومدار ان ہی بڑی بستیوں سے وابستہ ہو گیا۔ ہر خاندان کا سربراہ اس کا بزرگ ترین فرد رہا ہوگا اور ان میں آپس میں علیحدگی کے سبب ان روحانی اور انسانی روایات میں فرق ہوگا۔ جو انھیں اپنے اجداد سے ورثے میں ملی تھیں۔ اور ان کے والدین نے جس کی تعلیم دی تھی اور اگر ان کے والدین کی فطرت میں ایک قسم کی تنظیم تھی تو یہ ان میں منتقل ہو گئی۔ اگر والدین میں جرأت و ہمت تھی تو یہ جذبہ بھی ان میں پیدا ہوا۔ انھوں نے فطری پسند و ناپسند کی مہر اپنی اولاد، بلکہ ان کی اولاد کے دلوں پر بھی لگا دی۔ اور جیسا کہ میں ذکر کر رہا ہوں یہی خصوصیات عظیم معاشرے میں منتقل ہوئیں جس کے اپنے مخصوص قوانین تھے۔

کلینیاس: بے شک۔

اجنبی : ہر فرد کو اپنے ہی قوانین پسند ہوتے ہیں۔ دوسروں کے قوانین اسے اتنے نہیں بھاتے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی : لیجیے اس طرح ہم چلتے چلتے قانون سازی کے آغاز تک پہنچ گئے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی : اگلا مرحلہ یہ رہا ہوگا کہ ان افراد نے جو اس طرح یکجا ہوئے تو انھوں نے ایک ایسے فرد کا انتخاب کیا ہوگا جس نے تمام خاندانی اور قبائلی قوانین کو یکجا کر کے نئے قسم کے قوانین مرتب کر کے خاندان کے بزرگوں کے حضور پیش کیے جو ان کے حکمران تھے اور جنھیں ان میں سے بہترین کا انتخاب کرنا تھا۔ ان ہی افراد کو قانون ساز کہا گیا ہوگا۔ انھوں نے قانون کی تعمیل کے لیے خصوصی افسروں کا انتخاب کیا ہوگا اور اس طرح کسی نہ کسی قسم کی حاکمیت یا شہنشاہیت شکل پذیر ہوئی ہوگی۔ جن کا تعلق سربراہوں کے خاندان سے رہا ہوگا اور اب انھیں حکومت کی اسی تبدیل شدہ ہیئت کے تحت زندگی گزارنی تھی۔

کلینیاس: جی ہاں یہی فطری ارتقا نظر آتا ہے۔

اجنبی : آیئے اب ہم حکومت کی ایک تیسری نوع پر بات کریں جس میں سیاسی امور اور شہری ریاست اور حکومت کی تمام اقسام موجود ہیں۔

کلینیاس : وہ کونسی ہے؟

اجنبی : یہ وہی قسم ہے جس کا ذکر ہومر نے دوسری قسم کی حکومت کے بعد کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ڈارڈینس (Dardanus) نے ڈارڈینیا (Dardania) کی بنیاد رکھی:

"کیونکہ ابھی تک اس شہر میں ایلیئم (Iliam) کا قابل احترام مندر تعمیر نہیں ہوا تھا جس نے شہریوں کو گویائی بخشی تھی وہ اس وقت تک پہاڑوں کے دامن میں چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد تھے"۔

کیونکہ ان اشعار میں اس نے سائیکلوپس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ دراصل یوتاؤں اور فطرت کے الفاظ ہیں۔ شعرا الوہی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اور بسا اوقات نغمات کی دیویوں اور الوہی فضل و کرم کے طفیل وہ صداقت تک پہنچ جاتے ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : آیئے اب ہم اس کہانی کو مکمل کریں۔ جس سے ہمارا مجوزہ منصوبہ تکمیل پذیر ہوگا۔ پھر میں آگے بڑھوں گا؟

کلینیاس: بسروچشم!

اجنبی : ایلیئم کا مندر اس وقت تعمیر ہوا جب وہ پہاڑوں سے اتر کر میدان میں آئے۔ جو وسیع بھی تھا اور شاداب بھی۔ کچھ بلندی پر بھی تھا اور جو ایڈا(Ida) سے آتی ہوئی ندیوں سے سیراب ہو رہا تھا۔

کلینیاس: روایات میں تو یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔

اجنبی : اور ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ مرحلہ طوفان کے بہت عرصے بعد پیش آیا ہوگا؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : اس سے قبل کی تباہیوں کو انسانی حافظے نے بڑے شاندار طریقے سے محو کر دیا ہے کیونکہ اب وہ سرسبز و شاداب میدان میں آباد تھے جن میں متعدد ندیاں رواں دواں تھیں۔ انھیں بلند پہاڑوں پر نہیں بلکہ اپنے حفاظتی انتظامات پر اعتماد تھا۔

کلینیاس: ظاہر ہے اس کے لیے طویل عرصہ درکار رہا ہوگا۔

اجنبی : اور آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ دوسرے شہر بھی آباد ہوئے۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : ان شہروں نے ٹرائے(Troy) پر بری اور بحری راستوں سے حملے کیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگوں کا سمندر سے خوف کم ہو رہا تھا۔

کلینیاس : صاف ظاہر ہے۔

اجنبی : اخے کے لوگ(Achaeans) وہاں دس سال رہے اور ٹرائے کو فتح کر لیا۔

کلینیاس : بجا ارشاد۔

اجنبی: اس دس سال کے عرصے میں جب اخے کے باشندے ٹرائے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو خود ان کے گھروں کی حالت بد سے بدتر ہوتی رہی۔ نوجوانوں نے بغاوت کی اور جب سپاہی اپنے گاؤں واپس آتے تو ان کا خوش دلی سے کوئی استقبال نہ کرتا۔ بے شمار قتل اور اموات کے واقعات ہوئے۔ لوگ ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ پھر اخے کے لوگ نئے یعنی ڈوری باشندوں کے نام سے

ہجرت کرنے لگے۔ یہ نام انھوں نے ڈوریئس (Dorieus) سے اخذ کیا تھا۔ کیونکہ اسی شخص نے انھیں اکٹھا کیا تھا۔ داستان کا باقی حصہ تو میرے لیے لیسی ڈیمون کے میرے دوست آپ لوگوں نے اسے سپارٹا کی تاریخ کا حصہ بنا کر مکمل کیا۔

مجی لس: بات درست ہے۔

اجنبی : دیکھیے ناں! قانون کے اصل موضوع سے ہٹ کر ہم نے موسیقی اور ناؤنوش کی محفلوں پر بحث کی اور اب خوش بختی سے ہم اسی نکتے پر واپس آ گئے ہیں۔ اس طرح باتوں کا ایک اور سرا ہاتھ آ گیا ہے۔ اب ہم لیسی ڈیمون کی بستی تک آ گئے ہیں جو آپ کی رائے کے مطابق قانون اور اداروں کے لحاظ سے کریٹ کی بہن ہے۔ موضوع سے ہٹ جانے سے ہمیں بڑا فائدہ پہنچا ہے کیونکہ ہم مختلف حکومتوں اور بستیوں سے آشنا ہوئے اور پہلی، دوسری اور تیسری بستیوں کی آبادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو لامتناہی وقت میں یکے بعد دیگر وجود میں آئیں اور اب افق پر چوتھی بستی نظر آ رہی ہے جو کسی زمانے میں زیر تعمیر تھی اور اب تیار ہو کر قائم و دائم ہے۔ اگر ان تمام تاریخی حقائق سے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ بستیاں اچھی ہیں یا خراب اور کون کون سے قانون اس کی بہبود کے یا بربادی کا باعث بنے اور وہ تبدیلیاں کون سی ہوں گی جس سے اصلاح احوال ہو سکے وہ شہری ریاست خوش و خوشحال ہو۔ میرے دوست مجی لس اور کلینیاس اگر گزشتہ باتوں پر نکتہ چینی کا خیال نہ ہو تو آئیے تازہ موضوع پر بات کا آغاز کریں۔

مجی لس : میرے اجنبی دوست! اگر کوئی دیوتا یہ وعدہ کرے کہ قانون کے بارے میں ہماری تازہ تحقیق بھی ویسی ہی عمدہ اور مکمل ہوگی جیسا کہ حالیہ تحقیق ہے تو میں ایسی باتیں سننے کے لیے پوری طرح تیار ہوں اور یہ مان لوں گا کہ آج کا دن جو سال کا طویل ترین دن ہے، بہت مختصر ہے۔

اجنبی : تو کیا ہم اس موضوع پر گفتگو کا آغاز کر دیں۔

مجی لس: بالکل۔

اجنبی : آیئے ہم یہ تصور کریں کہ ہم اس دور میں موجود ہیں جب لیسی ڈیمون، آرگوس (Argos) اور میسینی (Messene) کے علاوہ پیلوپونیسس (Peloponnesus) کا بقیہ حصہ بھی دوست مجی لس آپ کے آباؤ اجداد کے زیر نگین تھا۔ اس کے بعد روایت کی رو سے انھوں نے اپنی اپنی

افواج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور آرگوس، میسینی اور لیسی ڈیمون کے تین شہر آباد کیے گئے۔

مجی لس: درست ہے۔

اجنبی: ٹیمینس (Temenus) آرگوس کا، کریسفونٹس (Cresphontes) میسینی کا، پروکلس (Procles) اور یوریستھینس (Eurysthenes) لیسی ڈیمون کے بادشاہ تھے۔

مجی لس: بات درست ہے۔

اجنبی: اس زمانے کے تمام افراد نے حکمرانوں سے بیعت کے وقت یہ عہد کیا کہ اگر کسی نے ان کی حکومت کی بیخ کنی کی کوشش کی تو وہ حکومت کا ساتھ دیں گے۔

مجی لس: ٹھیک۔

اجنبی: لیکن کیا بادشاہت کا خاتمہ ممکن ہے یا کوئی اور طرز حکومت کبھی ختم ہوئی ہے دوسروں کی کوشش سے۔ نہیں بلکہ حاکموں کے اپنے ہی ہاتھوں حکومت کا خاتمہ ہوا۔ زیوس دیوتا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کیا ہم نے جو بات تھوڑی دیر پہلے کی تھی اسے بھول گئے ہیں؟

مجی لس: جی نہیں۔

اجنبی: کیا ہم اپنے گزشتہ قول کی تصدیق نہ کریں؟ کیوں کہ ہمارے پیش نظر ایسے حقائق ہیں جن کے سبب ہم اسی اصول کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس طرح جب ہم بحث کا نئے سرے سے آغاز کریں گے تو ہم ایک کھوکھلے نظریہ کی چھان بین نہیں کریں گے بلکہ ہماری بحث کا موضوع وہ حقائق ہوں گے جو دراصل وجود میں آئے، معاملہ یوں ہے:

> تین شاہی سورماؤں نے ان تین شہروں میں جہاں بادشاہت تھی یہ حلف اٹھایا کہ حاکم اور محکوم دونوں قانون کے تحت عمل کریں گے جو دونوں میں مشترک ہیں۔ حکمرانوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وقت اور نسلوں کے گزرنے کے بعد بھی یہ حکمراں اپنی مطلق العنانی میں اضافہ نہیں کریں گے۔ رعایا نے کہا کہ اگر حکمراں ان شرائط کی پابندی کریں گے تو وہ کبھی ان کی حکومت کو ختم کرنے کی نہ خود کوشش کریں گے نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیں گے۔ بادشاہ ضرورت پڑنے پر بادشاہوں اور عوام کی مدد کریں گے۔

اسی طرح عوام بھی بادشاہوں اور دوسرے عوام کی مدد کریں گے۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے؟

مجی لس : جی ہاں۔

اجنبی : اور کیا تینوں شہری ریاستوں کو جن کو یہ قانون عطا کیے گئے تھے۔ اپنے دستور کی حفاظت کے مواقع حاصل نہیں تھے، خواہ ان کے مصنف بادشاہ ہوں یا کوئی اور۔

مجی لس : کیسی حفاظت؟

اجنبی : یہی کہ تیسری ریاست کی بغاوت کے وقت دونوں ریاستیں مدد کے لیے آگے بڑھیں گی۔

مجی لس : درست۔

اجنبی : اکثر افراد یہ کہتے ہیں کہ ایسے قوانین نافذ کیے جائیں جو عوام کے لیے قابل قبول ہوں۔ لیکن یہ تو وہی بات ہوئی کہ اکھاڑے کے استاد یا طبیب سے یہ کہا جائے کہ وہ اپنے شاگردوں اور مریضوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں۔

مجی لس : بات تو درست ہے۔

اجنبی : حالانکہ ایسے بھی مواقع آ سکتے ہیں جب طبیب کو مریض کو صحت مند کر کے دلی مسرت ہوگی اور مریض کو زیادہ تکلیف دیے بغیر اس کے سارے جسم کو تندرست و توانا بنا دے گا۔

مجی لس : یقیناً۔

اجنبی : اس زمانے کے انسان کو ایک اور رعایت حاصل تھی جس کی وجہ سے قانون سازی کا کام ہلکا ہوگا۔

مجی لس : کیسی رعایت؟

اجنبی : اس زمانے کے قانون سازوں نے دولت میں مساوات حاصل کی جس کی وجہ سے قانون سازی پر عموماً جو الزامات عائد ہوتے ہیں اس سے وہ محفوظ رہے۔ یہ الزامات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کوئی زمین کی ملکیت میں گڑبڑ پھیلانے یا قرض کے خاتمے کے سبب یہ سمجھتا ہے کہ اسی قسم کی اصلاح سے مساوات کا حصول ممکن ہے۔ اگر کوئی قانون ساز اس طرح کے مسائل کے حل کی کوشش کرتا ہے تو ہر شخص یہی کہتا ہے کہ اس کے مفادات پر کوئی زد نہیں پڑنی چاہیے لوگ بددعائیں

دے دے کر چلاتے ہیں کہ وہ زرعی اصلاحات کا نفاذ نہ کریں۔ قرضے دینا بند نہ کریں۔ کیونکہ اس سے وہ حواس باختہ ہو چکے ہیں اگرچہ ڈوری باشندوں کے ساتھ کسی کا تقسیم اراضی پر کوئی اختلاف نہ تھا لیکن اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی بھی نہ تھی۔ جہاں تک قرضوں کا تعلق ہے نہ کوئی قابل ذکر قرضہ تھا نہ کوئی طویل مدت کا تھا۔

مجی لس : بجا ارشاد۔

اجنبی : میرے دوستو! باوجود اس کے کہ آخران بستیوں اور قوانین میں یہ خرابیاں کیوں پیدا ہوئیں؟

مجی لس : آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ ان پر الزام تراشی کیوں کر رہے ہیں؟

اجنبی : دیکھیے وہاں تین سلطنتیں تھیں۔ ان میں سے دو کے دستور اور قوانین تھوڑے ہی عرصے میں خرابی کی جانب مائل ہو گئے اور صرف سپارٹا تھا جو بچ رہا۔

مجی لس : آپ کے سوال کا جواب آسان تو نہیں ہے۔

اجنبی : بایں ہمہ اس کا جواب ضروری ہے۔ دیکھیے نا ہم قوانین پر تحقیق کر رہے ہیں یہ کھیل تو انسان زمانہ قدیم سے کھیلتا چلا آ رہا ہے۔ ہم نے اپنے سفر کے آغاز ہی میں کہا تھا کہ اس قسم کی باتوں سے ہم اپنا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔

مجی لس : بات ٹھیک ہے لیکن ایسا ہوا ہی کیوں؟

اجنبی : ان قوانین کے علاوہ جو شہری ریاستوں کو چلانے کے کام آتے ہیں ہم اور کس قسم کے قوانین پر توجہ دیں؟ یا ان ریاستوں کے وہ کون سے ادارے ہیں جو بڑے اور مشہور تر ہیں۔

مجی لس : مجھے ایسی کسی بات کا علم نہیں۔

اجنبی : کیا آپ کو شک ہے کہ آپ کے اجداد نے ان اداروں کا یہ مقصد متعین کیا تھا کہ وحشی قبائل کے حملے کی صورت میں نہ صرف پیلوپونیسس بلکہ پورے ہیلینا کا دفاع کریں گے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ایلیئم (ٹرائے) پر ٹروجن کی لڑائی میں حملہ ہوا تو اسیریا (Assyrian) اور نائنس (Ninus) کی سلطنت پر انھوں نے انحصار کیا اس وقت اس کی ساکھ قائم تھی۔ اس دور میں لوگ اسیریا کی سلطنت سے اسی طرح خوف زدہ تھے جس طرح ہم لوگ بادشاہ اعظم سے ہیں اور ٹرائے کو دوسری بار قبضے میں لینے کو انھوں نے ایک بہت بڑا جرم تصور کیا۔ کیونکہ ٹرائے اسیریا کی سلطنت

کا حصہ تھا۔اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تینوں بھائیوں نے جو ہراکلس (Heracles) کے بیٹے تھے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تینوں شہری ریاستوں میں متعین کر دیا۔ یہ ان کی بڑی عمدہ اور موثر حکمت عملی تھی جو ٹرائے کی فتح سے بھی بڑی تھی۔اس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس زمانے کے لوگ ہراکلیڈیا(Heraclidae) کو پیلوپیڈیا (Pelopedae) سے بہتر قائد سمجھتے تھے۔دوسری بات یہ تھی وہ اپنی فوج کو اس فوج سے زیادہ شجاع مانتے تھے جس نے ٹرائے پر حملہ کیا تھا۔کیونکہ اگرچہ انھوں نے ٹروجن کے لوگوں پر فتح حاصل کی تھی لیکن خود ہراکلیڈیا سے اور اسے کے لوگ ڈوری افواج سے مغلوب ہو گئے۔کیا ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اس دور کے قانون سازوں کا مقصد یہی تھا؟

مجی لس : بجاارشاد۔

اجنبی : کیالوگ یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ جن افرادنے مل جل کر خطرات کا مقابلہ کیا اور جن پر وفادار بھائیوں کی نسلوں نے حکومت کی اور جنھوں نے کاہنوں خصوصاً اپالو کے مندر ڈیلفی کے کاہنوں کی پیشین گوئیوں پر یقین کیا۔اس لیے ایسی ریاستیں مستحکم ہوں گی اور عرصہ دراز تک قائم رہیں گی؟

مجی لس : یقیناً وہ یہی سوچیں گے۔

اجنبی : باوجود اس کے یہ ادارے، جن سے اتنی بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں، نقش برآب ثابت ہوئے۔ اس سے آپ کی سرزمین جو اس سلطنت کا چھوٹا سا حصہ تھی محفوظ رہی۔اس طرح دونوں کے خلاف تیسرے حصے کی جنگ تاحال جاری ہے۔لیکن اگر اصل خیال پر عمل جاری رہتا اور وہ متحد ہونے پر راضی ہو جاتیں تو ان کی قوت ناقابل تسخیر ہوتی۔

مجی لس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : لیکن اس شاندار وفاق کا انجام کتنا تباہ کن تھا؟ یہ موضوع تفصیلی غور وخوض کا متقاضی ہے۔

مجی لس : یقیناً قانون اور حکومتوں کے تحفظ یا اعلیٰ وارفع مفادات کی تباہی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا ہے۔

اجنبی : چلیے یہ تو ہوا کہ اب ہم لوگ مزے مزے سے اصل اور اہم سوال تک پہنچ چکے ہیں۔

مجی لس : ٹھیک۔

اجنبی : میرے فلسفی دوست کیا آپ نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہر انسان جس میں ہم لوگ بھی شامل ہیں اکثر یہ سوچتے ہیں کہ بعض اوقات ہم لوگ ایسی اشیا کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اگر ہم ان کے درست استعمال سے واقف ہوں تو وہ بہت خوبصورت محسوس ہوں گی۔ تاہم ان کے مشاہدے کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی طرح غلط ثابت ہو اور فطری نہ ہو۔ یہ معاملہ ہمارے ساتھ بھی پیش آ سکتا ہے اور کسی اور کے ساتھ بھی؟

مجی لس : آپ کس جانب اشارہ کر رہے ہیں اور آپ کا مقصد کیا ہے؟

اجنبی : میں اس تعریف کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میں نے ہیراکلیڈ (Heracleid) کی مہم کے بارے میں کی تھی۔ جو بہت ہی شاندار تھی اور اگر اس کو صحیح طریقے سے آگے بڑھایا جاتا تو اس کا نتیجہ حیرت انگیز ہوتا اور اس بات پر مجھے اپنے آپ پر ہنسی آ رہی تھی۔

مجی لس: لیکن آپ نے جس انداز سے باتیں کہی ہیں یا وہ درست اور دانشمندانہ نہیں تھیں؟ اور کیا ہم نے آپ سے متفق ہو کر غلطی کی تھی؟

اجنبی : شاید۔ تاہم میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ جو شخص کوئی اعلیٰ اور توانا شے دیکھتا ہے تو اس کا فوری ردعمل یہ ہوتا ہے۔ اگر اس کا مالک اس کے صحیح استعمال سے واقف ہوتا تو وہ کتنا خوش ہوتا اور اسے اس کا نتیجہ کتنا عمدہ حاصل ہوتا!

مجی لس : اور کیا وہ اس میں حق بجانب نہیں ہوگا؟

اجنبی : آپ ذرا غور کیجیے۔ یہ تعریف کس لحاظ سے مبنی بر انصاب ہوگی: اول تو ہم جس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں اس کے حوالے سے اگر اس وقت کے کمانداروں کو یہ پتا ہوتا کہ فوجوں کی مناسب ترتیب کیا ہو۔ اور کامیابی کا حصول کس طرح ممکن ہے؟ کیا اس صورت میں یہی طریقہ مناسب نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مضبوطی سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہتے اور خود کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتے۔ وہ اپنی حسب منشا کام کرنے میں آزاد اور بااختیار ہوتے اور انھیں پوری دنیا میں کارکردگی دکھانے کا حوصلہ ہوتا۔ خواہ وہ یونانی ہوتیں یا وحشی قبائل والی۔ یہ سب کچھ ان کی اور ان کی اولاد کی مرضی پر منحصر ہوتا۔ اس کے علاوہ ان کا اور کیا مقصد ہوتا؟

مجی لس : بہت اچھی بات۔

اجنبی : فرض کیجیے اسی طرح کسی کو دولت وثروت یا خاندانی غیرت وغیرہ کی تعریف وتوصیف کرنا پڑے تو وہ یہ تعریف اس خیال سے کرے گا کہ اس طرح تمام یا بیشتر خواہشات کی تکمیل ہوجائے گی۔

مجی لس : وہ ایسا ہی کرے گا۔

اجنبی : اچھا تو اب اس سے اس استدلال کی نشاندہی نہیں ہوتی کہ پوری انسانیت کا ایک ہی مقصد ہے۔

مجی لس: وہ کیا ہے؟

اجنبی: انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر شے، خصوصاً انسان اس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔

مجی لس : یقیناً۔

اجنبی : اس کی یہ آرزو دائمی ہوتی ہے زندگی بھر اس میں موجود ہوتی ہے۔ جوانی میں، پختہ عمر میں، بڑھاپے میں ہر دور میں باقی رہتی ہے اور وہ اس کی تکمیل کے لیے دست بدعا رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مجی لس : بے شک!

اجنبی : ہم اپنے دوستوں کی دعاؤں میں شریک ہو کر اسی بات کی آرزو کرتے ہیں جس کی انھیں خواہش ہوتی ہے۔

مجی لس : بات درست ہے۔

اجنبی : باپ کو بیٹا اور بوڑھے کو جوان عزیز ہوتے ہیں۔

مجی لس : بے شک۔

اجنبی : تاہم کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیٹا کسی ایسی شے کے حصول کی دعا کرتا ہے اور والد اس کے حاصل نہ ہونے کی۔

مجی لس : آپ کا مطلب ہے کہ اس صورت میں جب بیٹا نادان اور کم عمر ہو۔

اجنبی : جی ہاں! اس صورت میں جب والد سٹھیا گیا ہو یا بیٹا جوانی کے نشے میں ہو اور انھیں صحیح اور حق بات کا شعور نہ ہو۔ جوش وخروش سے ان احساسات کے تحت دعا مانگ رہا ہو جیسا کہ تھیسی ایس (Theseus) نے مانگی تھی جب اس نے ہپولیٹس (Hippolytus) کے لیے بددعا کی تھی۔ کیا ہم

یہ سوچ سکتے ہیں کہ کوئی اولاد اپنے باپ کے حق میں بقائمی ہوش وحواس اپنے والد کی دعا میں شریک ہوسکتا ہے؟

مجی لس: میرا خیال ہے کہ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آدمی یہ خواہش نہ کرے گا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر شے کو جلد از جلد حاصل کر لے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی آرزو اس کے استدلال کے برعکس ہو۔ لیکن ہر ریاست اور ہر فرد کو چاہیے کہ وہ عقل ودانش کے حصول کی دعا مانگے۔

اجنبی: جی ہاں جو کچھ میں نے ابتدا میں کہا تھا مجھے یاد ہے اور آپ کو بھی یاد ہوگا۔ میں نے کہا تھا کہ مدبروں اور قانون سازوں کو چاہیے کہ وہ قوانین دانشمندی سے تیار کریں حالانکہ آپ نے بحث کی تھی کہ عمدہ قانون سازوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوانین کی تیاری جنگ کے نقطۂ نظر سے کریں۔ اس کے جواب میں میں نے یہ کہا تھا کہ چار نیکیاں ہیں لیکن آپ کے خیال میں صرف ایک ہے، جو قانون سازوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ آپ تمام نیکیوں کا خیال رکھیں، خصوصاً اس کا جو سب سے اہم ہے اور سب کی قائد ہے میرا مطلب ہے عقل ودانش اور ذہن اور رائے جس میں محبت اور آرزو کی شمولیت ہو۔ اب ہمارا استدلال اسی نکتے پر لوٹ کر آ گیا ہے اور میں ایک بار پھر دوہراتا ہوں کہ خواہ آپ اسے مزاح میں سمجھ لیں یا سنجیدہ بات خیال کر لیں کہ بے وقوف کی دعا خطرے سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ بہت ممکن ہے اس کا انجام اس خواہش کے خلاف ہی ہو۔ اگر آپ میرے الفاظ سنجیدگی سے سن رہے ہیں تو میں چاہتا ہوں آپ اسے سنجیدگی ہی سے سنیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ یہ سمجھ جائیں گے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا ڈوری بادشاہوں اور ان کے منصوبوں کی تباہی نہ بزدلی کے سبب ہوئی اور نہ ہی حکمرانوں اور عوام کی فوجی امور سے ناواقفیت کے سبب واقع ہوئی۔ لیکن ان کی بدنصیبی کا باعث ان کا عام انحطاط اور سب سے اہم انسانی امور سے عدم واقفیت تھی۔ یہی سبب ماضی میں بھی تھا۔ حال میں بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ دوستوں کو جہاں تک ہوسکا بہتر طریقے سے استدلال کے حوصلہ سے گوش گزار کرنے کی کوشش کروں گا۔

کلینیاس: مہربانی فرما کر گفتگو جاری رکھیے۔ تکلف میں ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے۔ ہم اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے یہ ثابت کریں گے کہ ہم آپ کی باتوں کو کتنا عظیم تصور کرتے ہیں اور ان پر کتنی توجہ دیتے ہیں۔

آزاد بندے اپنی تصدیق یا تردید کا اظہار اسی طرح کرتے ہیں۔

مجی لس : شاباش کلینیاس ہم وہی کریں گے جو آپ نے کہا ہے۔

کلینیاس: بسروچشم! اگر دیوتاؤں کی مرضی یہی ہو تو بات جاری رکھیے۔

اجنبی : اچھی بات ہے خیال کی اسی رو میں بہتے ہوئے میں یہ کہتا ہوں کہ ڈوری قوم کی قوت کی تباہی ہماری سب سے بڑی جہالت کے سبب تھی اور پہلے کی طرح آج بھی جہالت تباہی کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ ایک حقیقت ہے تو قانون سازوں کو چاہیے کہ حکمرانوں میں دانائی کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ قوت سے جہالت کو دیس نکالا دیں۔

کلینیاس: بات بالکل صاف ہے۔

اجنبی : سب سے عظیم جہالت یہ ہے کہ انسان اس شے سے نفرت کرے جسے وہ ارفع و اعلیٰ سمجھتا ہو اور اس سے محبت کرے اور وابستہ رہے جسے وہ باطل اور برا سمجھتا ہو۔ میری رائے میں روحانی عدل پر مبنی استدلال اور احساس مسرت میں یہ اختلاف بدترین جہالت ہے۔ یہ عظیم ترین بھی ہے کیونکہ یہ انسانی روح کی بہت بڑی اکثریت کو متاثر کرتی ہے۔ کیونکہ فرد میں خوشی اور غم کا احساس کرنے والے جذبے کی حیثیت کسی ریاست کی آبادی کی طرح ہوتی ہے اور جب روح اپنے فطری قائدین یعنی علم، رائے اور استدلال کی مخالف ہو جاتی ہے تو میں اسے حماقت کا نام دیتا ہوں۔ یہ صورت حال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے گویا کسی ریاست کی اکثریت نے اپنے حاکم اور قانون کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ فرد کے معاملے میں یوں سمجھ لیں کہ اس کے دل میں استدلال جاگزیں ہے مگر اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا بلکہ اس کا عمل بدی کی جانب مائل ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات کو میں بدترین جہالت کہتا ہوں خواہ وہ ریاست سے سرزد ہو یا فرد سے۔ میرے اجنبی دوست آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں جس جہالت کی بات کر رہا ہوں وہ کسی کاریگر کی لاعلمی سے قطعاً مختلف ہے۔

کلینیاس: دوست ہم سمجھتے ہیں اور آپ سے متفق بھی ہیں۔

اجنبی : آیئے ہم سب سے پہلے یہ اعلان کریں کہ جس شہری کو ان تمام باتوں کا علم نہ ہو اسے کبھی کسی قسم کے اختیار سے نوازنا نہیں چاہیے اور اس پر جاہل ہونے کا دھبا لگا دینا چاہیے۔ ہر چند وہ ریاضی اور

دیگر علوم وفنون میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو۔ جو اس کے برخلاف ہوں انھیں دانا اور عقل مند کہنا چاہیے اگر چہ وہ محاورے کی زبان میں نہ پڑھنا جانتا ہو اور نہ تیرنا۔ ایسے ہی افراد ہیں جنھیں ان کے ہوشمند ہونے کے سبب ہر قسم کے اختیارات سونپ دینے چاہئیں۔ دوستو! اگر باہم مطابقت نہ ہو تو بھلا دانشمندی کا شائبہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ اس کا کہیں پتا نہیں ہے لیکن ارفع ترین اور اعلیٰ ترین ہم آہنگی کو ہی سب سے بڑی دانشمندی کہا جاتا ہے۔ وہ اس کار خیر میں شریک ہے جو زندگی سوچ سمجھ کر بسر کرتا ہے۔ لیکن دانش سے بے بہرہ وہ اپنے گھر کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا رہا ہے۔ اور یہ ریاست کے نجات دہندہ کی ضد ہے۔ وہ سیاسی سوجھ بوجھ سے نابلد ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ آیئے ہم اس کی تشکیل کریں۔

کلینیاس: جی ہاں آیئے اس کی اسی طرح تشکیل کریں۔

اجنبی: میں سوچتا ہوں ریاست میں حاکم اور محکوم دونوں کو موجود ہونا چاہیے؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: آخر وہ اصول کیا ہیں جن پر عمل کر کے لوگ حکومت کرتے ہیں اور حکم مانتے ہیں۔ خواہ ریاست چھوٹی ہو یا بڑی یہی حال خاندان کا بھی ہے۔ وہ کون ہیں؟ ان کی تعداد کتنی ہے؟ کیا اقتدار کا ایک بھی دعویٰ ایسا نہیں ہے جو ہمیشہ حق بجانب ہو؟ مثلاً والد یا والدہ عام خیال کے مطابق بزرگ جن کو اپنی اولاد پر حکم چلانے کا حق حاصل ہے؟

کلینیاس: ایسے لوگ ہوتے ہیں۔

اجنبی: اس کے بعد اصول یہ ہے کہ فضیلت والے کمیوں پر حاکم ہوں اور تیسری بات یہ ہے کہ بزرگ حکم چلائیں چھوٹے فرمانبرداری کریں؟

کلینیاس: یہ بات تسلیم ہے۔

اجنبی: چوتھی بات یہ ہے کہ غلاموں کو محکوم رکھیں اور ان کے مالک حاکم ہوں۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی: پانچویں بات اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ ہے کہ قوی، کمزور پر حکومت کرے۔

کلینیاس: اس اصول کی پابندی لازم ہے۔

اجنبی : جی ہاں یہ وہ اصول ہے جو تمام مخلوقات میں پایا جاتا ہے۔ یہی بات تھیبا (Theban) کے شاعر پنڈر (Pindar) نے اپنی ایک نظم میں کہی ہے اور چھٹا اصول جو سب سے زیادہ عظیم ہے وہ یہ ہے کہ دانشمند کو قیادت کرنا چاہیے اور حکم چلانا چاہیے اور جو نادان ہے وہ ان کی پیروی کریں اور ان کا حکم مانیں۔ جواب میں ان سے یہی کہوں گا کہ اے عاقل ترین پنڈر! یہ اصول فطرت کے خلاف نہیں ہے بلکہ فطرت کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ قانون ان پر نافذ ہوتا ہے جو راضی ہوں کیونکہ یہ جبر کا ضابطہ نہیں ہے۔

کلینیاس: سوفی صد درست۔

اجنبی : ساتویں قسم کی بھی حکومت ہوتی ہے جو قرعہ اندازی سے عطا کی جاتی ہے اور جو دیوتاؤں کو بہت پسند ہے۔ یہ خوش بختی کی علامت بھی ہے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا ہے وہ حاکم بن جاتا ہے اور جس کے نام کا قرعہ نہیں نکلتا وہ جا کر رعیت میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ یہ طریقہ قرین انصاف ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : ہم ان لوگوں سے جو قانون سازی کو غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں تفریحاً یہ کہتے ہیں کہ حضرتِ قانون ساز آپ نے دیکھا ہے نا کہ حکومت کے کتنے اصول ہیں اور وہ عام طور پر ایک دوسرے کے نقیض ہوتے ہیں۔ یہاں، ہم نے بغاوت کا سرچشمہ دریافت کیا ہے۔ جس پر آپ توجہ دیں۔ پہلے ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ ذرا یہ غور کریں کہ آرگوس اور میسینی کے بادشاہوں نے ہمارے بیان کردہ اصولوں کو کس طرح پامال کر کے خود کو بھی تباہ کیا اور زمانہ قدیم کی عظیم سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ انھیں شاید یہ علم نہیں تھا کہ ہزیوڈ نے کتنی دانشمندانہ بات کی تھی جب اس نے کہا تھا کہ ''نصف اکثر کل سے برتر ہوتا ہے'' اس کا مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات کل پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ہوتا ہے اور نصف کا حصول مفید بھی ہوگا اور درمیانے درجے کا بھی اور اس صورت میں معتدل یا بہتر، غیر معتدل یا بدتر سے بڑھ کر ہوگا۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی : کیا ہم یہ نہ تسلیم کریں کہ غیر اعتدال پسندی کا یہ جذبہ اگر بادشاہوں میں ہو تو عوام کی نسبت سے

کہیں زیادہ ہلاکت خیز ہوگا؟

کلینیاس : زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ جہالت ایک ایسی افراتفری ہوتی ہے جو بادشاہوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ مغرور اور عیش پسند ہوتے ہیں۔

اجنبی : کیا یہ امکان نہیں ہے کہ اس دور میں بادشاہوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ مروجہ قوانین سے خوب فائدہ اٹھایا جائے اور یہ کہ وہ ان اصولوں کے مطابق نہیں تھے جن کی پابندی کی انھوں نے قسم کھائی تھی اور عہد و پیماں کیے تھے۔ اس عدم مطابقت پر دانشمندی کا دھوکا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں محض جہالت ہے اور اس کی وجہ سے پوری سلطنت افراتفری کا شکار ہوگئی۔

کلینیاس: اسی کا امکان زیادہ ہے۔

اجنبی : بہتر ہے! اس تباہی سے بچانے کے لیے قانون ساز کو کیا اقدام کرنا ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ جاننے میں نہ زیادہ دانشمندی ہے نہ اسے بیان کرنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ عالم یہ ہوتا ہے کہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ لیکن مصیبت آنے سے قبل اس کے علاج کی دریافت کے لیے ہم سے کہیں زیادہ دانشمندی درکار ہوگی۔

کلینیاس : بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اجنبی : لیسی ڈیمون کے باشندے مجی لس آپ پر جو کچھ گزری ہے کوئی اسے دیکھ کر بآسانی یہ دریافت کر سکتا ہے کہ اس وقت کیا کچھ کرنا چاہیے تھا۔

مجی لس : بات ذرا صاف کیجیے۔

اجنبی :۔ جو بات میں آپ کو بتانے والا ہوں، بھلا اس سے زیادہ کیا بات صاف ہو سکتی ہے۔

مجی لس: کون سی بات۔

اجنبی : یہ کہ اگر کوئی فرد کسی شے کو زیادہ طاقتور بنا دیتا ہے تو کشتی کو بہت بڑے بادبان سے لیس کر دیتا ہے۔ جسم کو ضرورت سے زیادہ غذا، دماغ کو اختیار فراہم کرتا ہے، اعتدال سے کام نہیں لیتا۔ ہر شے اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے اور اس دنگا فساد کے دوران افراط و تفریط کے سبب کسی معاملے میں بدنظمی رونما ہوتی ہے تو کسی میں ناانصافی یہ سب کچھ زیادتیوں کا کرشمہ ہے۔ عزیز دوستو! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی ذی روح ایسا نہیں ہے جو نوجوان بھی ہو اور غیر ذمہ دار بھی، جو مطلق العنان اختیارات

کو برداشت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور کون ہے جو اس صورتِ حال میں حماقت میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔ جو بدترین قسم کا مرض ہے اور جس کے سبب وہ اپنے عزیز ترین احباب کی نفرت کا نشانہ بنتا رہتا ہے۔ جب ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے تو سلطنت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور اس کے تمام اختیارات ختم ہو جاتے ہیں اور عظیم قانون سازوں کو جو اعتدال سے واقف ہوتے ہیں اس بات پر توجہ دینی چاہیے۔ اس زمانی فاصلے سے ہم جو کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

میجی لس: کس طرح؟

اجنبی : جو دیوتا سپارٹا کی نگرانی پر مامور تھا اس نے مستقبل پر نظر ڈال کر آپ کو حکمرانوں کے ایک نہیں بلکہ دو خاندان عنایت کیے۔ اور اس طرح حد سے تجاوز کیا۔ دوسرے مرحلے میں الوہی قوت میں کسی قدر انسانی عقل کی بھی آمیزش ہوگئی یہ دیکھ کر کہ آپ کے قوانین اب بھی ہیجان خیز اور پر جوش ہیں آپ کی پیدائشی قوت اور خاندانی غرور کو اس اعتدال سے ہم آہنگ کیا جو عمر کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح آپ کے اٹھائیس (۲۸) بزرگوں کی قوت کو اہم معاملات میں بادشاہوں کے مساوی کر دیا لیکن آپ کے تیسرے نجات دہندہ نے یہ دیکھ کر کہ آپ کی حکومت اب جوش و خروش کی حامل ہے اسے قابو میں رکھنے کا اہتمام کیا اور ''ایفورز'' (Ephors) کا ادارہ قائم کیا جس کے اختیارات مجسٹریٹ کے اختیارات کی طرح تھے جنھیں قرعہ اندازی کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے اور اس طرح شاہی منصب کو مناسب عناصر سے مرکب کر کے معتدل بنا دیا گیا ہے تا کہ یہ خود بھی محفوظ ہو اور دوسروں کو بھی استحکام بخشے۔ اگر صرف اصل قانون ساز ہی ہوتے تو ٹیمینس، کریسفونٹس اور ان کے ہم عصروں کے طفیل ارسٹوڈیمس کا کم از کم کچھ حصہ ہی محفوظ ہو جاتا۔ کیونکہ ان کا قانون سازی کا مناسب تجربہ نہیں تھا۔ یا ان کے یہ خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ نوجوان کو جسے اختیارات کا نشہ چڑھا ہو صرف ایک حلف سے اعتدال پسند بنا دیا جائے گا۔ ورنہ وہ ظالم و جابر ہو جائے گا۔ دیوتاؤں نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ کس قسم کی حکومت تا دیر قائم رہ سکتی ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں وقوعہ ہو جانے کے بعد اس پر فیصلہ کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ لیکن ایسے واقعات کو مثال بنا کر دل سے عبرت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر اس وقت کسی نے پیش بینی کی

ہوتی اور تینوں حکومتوں کو اعتدال سکھا دیا ہوتا اور انھیں متحد کر دیا ہوتا تو انھوں نے ان تمام اعلیٰ اداروں کو بچالیا ہوتا جو اس دور میں قائم ہوئے تھے اور ایرانی یا کسی اور ملک کی افواج میں حملے کا حوصلہ نہیں ہوتا یا ہیلاز کو نفرت انگیز حکومت سمجھا ہوگا۔

کلینیاس : ٹھیک ہے۔

اجنبی : میرے دوست کلینیاس انھیں شکست دینے میں ہمارا تھوڑا بہت ہاتھ تھا اور خرابی یہ نہیں تھی کہ فاتحین نے شاندار بحری اور بری کامیابیاں حاصل نہیں کیں بلکہ بدنامی کا سبب یہ ہوا کہ تینوں شہری ریاستوں میں سے صرف ایک نے مقابلہ کیا باقی دو محض بے کار ثابت ہوئیں۔ان میں سے ایک لیسی ڈیمون سے برسرِ پیکار تھی اس طرح وہ کسی قسم کی امداد نہ دے سکی اور آرگوس کی سلطنت جو تقسیم کے وقت سب سے آگے تھی جب مدد کی درخواست کی گئی تو خاموش رہی اور کسی قسم کی کوئی مدد نہ دے سکی۔اس جنگ کے ضمن میں ہیلاز کے بارے میں متعدد باتیں کہی جا سکتی ہیں کیونکہ حقیقت حال یہ تھی کہ جب ایتھنز اور لیسی ڈیمون کے باشندوں نے مل جل کر سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کو ٹال دیا ہوتا تو ہیلاز کے قبائل یونانیوں میں ایک دوسرے میں، وحشی حملہ آوروں کے قبائل یونانیوں میں اور یونانیوں کے قبائل وحشی غیر یونانی قبائل میں گڈمڈ ہو جاتے اور ان کا وہی حال ہوتا جیسا فی الحال ان قوموں کا ہے جو سلطنت ایران کے زیرِ نگیں ہیں۔وہ غیر فطری طور پر اس طرح ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور باہم مربوط بھی۔وہ بکھر گئے ہیں۔ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور کربناک زندگی گزار رہے ہیں۔میرے دوست کلینیاس اور مجی لس یہی وہ سرزنش ہے جو ہمیں قانون سازوں اور سیاسی عمائدین کو کرنا ہے۔خواہ وہ ماضی کے ہوں یا حال کے، جب ہم ان کی ناکامیوں کے اسباب کا جائزہ لیں گے اور یہ معلوم کر لیں گے، اس کے علاوہ اور ہمارے سامنے کیا راستے تھے تو ہم سرزنش کو جائز سمجھیں گے۔مثال کے طور پر ہم نے ابھی تھوڑی دیر قبل یہ کہا تھا کہ کسی عظیم اور غیر مربوط سلطنت کا وجود ضروری ہے۔ یہ بات اس خیال سے کہی گئی تھی کہ کسی سلطنت کا آزاد، دانا اور باہم مربوط ہونا ضروری ہے اور قانون ساز کو چاہیے کہ وہ اسی مقصد سے قانون تشکیل دے۔ہم جو قانون سازوں کے لیے بار بار اس مقصد کا ذکر کر رہے ہیں تو اس پر کسی تعجب کی ضرورت نہیں جو ہمیشہ یکساں نظر نہیں آتے۔لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں اعتدال کے مقصد کو

اہمیت دینی چاہیے یا دانائی کو یا دوستی کو مقصد بنانا چاہیے تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام مقاصد دراصل ایک ہی ہوتے ہیں اور اگر یہی حقیقت ہے تو اظہار کے طریقوں کے اس تنوع سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

کلینیاس: آیئے اس بحث کو اسی جذبے سے آگے بڑھائیں۔اب جب ہم دوستی، دانائی اور آزادی کی بات کر رہے ہیں تو میری آپ سے گزارش ہے کہ اس ضمن میں قانون سازوں کا مقصد کیا ہوگا؟

اجنبی: ذرا میری بات غور سے سنیے۔دو قسم کی سلطنتیں ہوتی ہیں جن کو ماں کی حیثیت حاصل ہے۔جن سے قسم قسم کی سلطنتیں پیدا ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک کو شہنشاہیت کہا جاتا ہے اور دوسری کو جمہوریت۔ ایرانیوں کے ہاں شاندار شہنشاہیت قائم ہے اور ہمارے یہاں جمہوریت ہے اور جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے دیگر مقامات پر بھانت بھانت کی حکومتیں ہیں۔اب اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آزادی بھی ہو اور دوستی کے ساتھ ساتھ دانائی بھی تو ان دونوں قسم کی سلطنتوں کی کسی نہ کسی حد تک ضرورت ہوتی ہے۔اس استدلال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظم و نسق بہتر نہیں ہوگا جب تک اس میں ان دونوں اقسام کا امتزاج نہ پایا جاتا ہو۔

کلینیاس: یہ بات تقریباً ناممکن ہے۔

اجنبی: بات یہ ہے کہ اگر حکومت صرف شہنشاہیت سے وابستہ ہو یا صرف آزادی سے تو وہ اعتدال کی پابند نہیں ہوگی۔لیکن لیکونیا (Laconia) اور کریٹ میں آپ کی حکومتیں بڑی حد تک ایسی ہی ہیں۔ قدیم زمانے میں ایران کا بھی یہی حال تھا لیکن اب اس میں تخفیف ہو چکی ہے۔آپ کو بتاؤں ایسا کیوں ہوا؟

کلینیاس: کیوں نہیں؟ اگر اس موضوع کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ ہو!

اجنبی: لیجیے پھر سنیے۔ایک وہ زمانہ تھا جب ایرانی سلطنت کا زیادہ جز و غلامی اور آزادی دونوں سے عبارت تھا۔سائرس (Cyrus) کے دور حکومت میں لوگ آزاد بھی تھے اور کچھ بڑے بڑے جاگیرداروں کے تابع تھے۔حکمرانوں نے رعایا کو تھوڑی بہت آزادی دے رکھی تھی۔اور برابر کے سلوک کی بنا پر سپاہیوں کے ان کے افسروں سے تعلقات بڑے خوشگوار تھے اور خطرے کے وقت وہ چاق و چوبند رہتے تھے۔اور اگر ان میں کوئی عقل اور دانائی کا حامل ہوتا اور اچھے مشورے دے

سکتا تو عوام کو دانائی کی باتیں سکھاتا۔ بادشاہ کو اس سے کوئی پرخاش نہیں ہوتی اور اسے تقریر کی مکمل آزادی دیتا اور ان لوگوں کا احترام کرتا جو اسے مفید مشوروں سے نوازتے اور قوم آزادی سے عمل کرتی کیونکہ وہاں آزادی تھی، دوستی تھی اور ان کی سوچ میں یگانگت تھی۔

کلینیاس: یقیناً صورت حال ایسی ہی تھی۔

اجنبی : پھر یہ کیا ہوا کہ کیمبی سس (Cambyses) کے تحت یہ سب کچھ ضائع ہو گیا اور پھر دارا (Darius) کے عہد میں اس کا اعادہ ہوا۔ کیا اس کی وجہ بتاؤں؟

کلینیاس: اس تحقیق کا ہماری بحث سے گہرا تعلق ہے۔

اجنبی : میرا خیال ہے کہ سائرس اگرچہ ایک عظیم اور محب وطن سپہ سالار تھا لیکن اس نے کبھی تعلیم پر توجہ نہیں دی اور اپنے امور سلطنت کو عظیم کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

کلینیاس : آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں؟

اجنبی : میں سمجھتا ہوں کہ اپنی جوانی ہی سے وہ سپاہی بن گیا تھا اور اپنے بچوں کی تربیت خواتین کے سپرد کر دی۔ اور انھوں نے بچپن ہی سے انھیں قسمت پر شاکر رہنے کی تربیت دی اور ان کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ وہ اتنے خوش بخت ہیں کہ انھیں مزید کسی نعمت کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ جتنی خوشیاں انھیں ملی ہیں وہ کافی ہیں اور یہ کہ کسی کو یہ حوصلہ نہیں ہوگا کہ وہ ان کی مخالفت کرے اور وہ اپنے قول و عمل کی توصیف کے لیے سب کو مجبور کرتے تھے۔ یہی ان کی تربیت کا انداز تھا۔

کلینیاس: یقیناً کتنی عمدہ تربیت تھی۔

اجنبی : وہ تربیت وہی تھی جو خواتین دے سکتی تھیں۔ خصوصاً ان شہزادیوں کو جو حال ہی میں دولت مند بن گئی تھیں اور مردوں کی غیر حاضری میں یہ تربیت دی گئی جو جنگ اور دیگر پرخطر کاموں میں مشغول ہونے کے سبب انھیں فرصت نہیں تھی۔

کلینیاس : ان سے کیا توقع رکھی جا سکتی تھی؟

اجنبی : ان کے ہاں مویشیوں اور بھیڑوں کے گلّے تھے۔ اس کے علاوہ انسانوں کے گروہ اور دیگر قسم کے جانور بھی ان کی ملکیت میں تھے۔ اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ان کے بعد جو ان کی جگہ لیں گے وہ ان کے ہنر سے نابلد ہیں۔ یہ حال فارس والوں کا تھا کیونکہ ان کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ وہ سنگلاخ زمین

کے بیٹے تھے۔ یہ دھرتی ماتا بہت سخت گیر واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے اس کی گود میں جو نسل پروان چڑھتی تھی وہ تنومند و توانا ہوتی تھی۔ جو کھلے میدانوں میں راتیں بیدار رہ کر گزارنے پر قادر تھی اور وقت پڑنے پر میدان جنگ میں کود پڑنے کی۔ اس نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ اس کے بیٹوں کو بالکل ہی مختلف قسم کی تربیت دی جا رہی ہے۔ شاہوں سے ان کی نسبت ہونے کی وجہ سے انھوں نے میڈیائی (Median) انداز کی تربیت خواتین اور ہیجڑوں سے حاصل کی تھی۔ اسی لیے وہ موجودہ حالت کو پہنچ گئے۔ کیونکہ جن لوگوں کی پرورش بلا کسی روک ٹوک اور سرزنش کے ہوتی ہے وہ اسی طرح کے بن جاتے ہیں۔ سائرس کی موت کے بعد اس کے بیٹے جو عیش و عشرت کی زندگی کے عادی ہو چکے تھے تخت نشین ہوئے ایک نے دوسرے کو قتل کیا کیونکہ وہ کسی مدمقابل کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد قاتل بھی شراب اور وحشی پن کے نشے میں دھت ہو کر میڈس (Medes) قوم اور ہیجڑوں کے طفیل سلطنت سے محروم ہو گیا۔ یہی وہ گروہ تھا جو کیمبی سس والوں سے سخت متنفر تھا۔

کلینیاس: کہانی تو اسی طرح بیان کی گئی ہے شاید حقیقت بھی یہی ہو گی۔

اجنبی: جی ہاں اور روایات کی رو سے دارا اور سات سرداروں کی مدد سے سلطنت دوبارہ ملی۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: اب ذرا کہانی کے بقیہ حصہ پر توجہ دیجیے۔ دیکھیے کہ دارا کسی بادشاہ کا بیٹا نہیں تھا اور اس نے عیش و عشرت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو چونکہ وہ سات دوست تھے اس لیے اس نے ملک کو سات حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس انتظامی عمل کے کچھ نہ کچھ اثرات آج بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ اس نے ایسے قوانین بنائے جو ریاستی امور میں مساوات کے اصول پر استوار تھے اور اس نے اپنے قوانین میں سائرس کے موعودہ صلح صفائی کے اصولوں کو مستقل مقام دیا جس کی وجہ سے تمام ایرانیوں میں دوستی اور یگانگت کے جذبات کو فروغ ملا۔ اس کے علاوہ اس نے دولت اور تحائف کے ذریعے رعایا کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے خوشی خوشی وہ تمام وسیع و عریض سلطنت جو سائرس کے زیر نگیں تھی دوبارہ حاصل کر لی۔ دارا کے بعد اس کے بیٹے زریکس (Xerxes) نے زمام حکومت سنبھالی جو شاہی محلوں میں عیش و عشرت کے ماحول میں پروان چڑھا تھا۔ کیا ہم یہ سچ بات نہیں کہہ سکتے کہ "اے

دارا تو نے تو اپنے بیٹے کی بھی اسی طرح پرورش کی جس طرح سائرس نے اپنے جانشین کیمبی سس کو پالا تھا، جو اس کی ہولناک غلطی تھی؟ کیونکہ زریکس (Xerxes) کو بھی یہی تعلیم دی گئی اور اس کا انجام بھی کم وبیش کیمبی سس جیسا ہی ہوا۔ اور اس وقت سے تا حال ایران میں کوئی بڑا بادشاہ پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ اگر چہ وہ خود کو "اعظم" کے لقب سے نوازتے ہیں۔ ان کا انحطاط تقدیر کا کرشمہ نہیں تھا بلکہ میں تو کہوں گا کہ اس کی وجہ وہ گناہ آلود زندگی ہے جو حکمرانوں اور ان کے صاحبزادگان گزارتے ہیں کیونکہ جن کی تربیت اس نہج پر ہوگی وہ کبھی نیک زندگی گزارنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جس پر قانون سازوں کو توجہ دینی چاہیے۔ اور جس کو ہمیں اس وقت زیر غور لانا ہے۔ لیسی ڈیمون کے میرے دوست آپ تحسین کے اس لیے مستحق ہیں کہ آپ نہ دولت مندوں کو اور نہ ہی غریبوں کو کوئی خصوصی احترام دیتے ہیں اور نہ ہی خصوصی تربیت، اور نہ ہی شاہی خانوادے کو یا معمولی حیثیت کے افراد سے خصوصی سلوک کرتے ہیں۔ آپ تو سب کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جس کی الوہی قانون سازوں نے اجازت دی ہے۔ ریاست میں کسی فرد کو محض دولت کے سبب فضیلت حاصل نہیں ہوگی یا اس لیے کہ وہ تیز دوڑتا ہے، یا رنگ گورا ہے یا طاقتور ہے۔ اسے افضل اس وقت سمجھا جائے گا جب اس میں کوئی خوبی ہو۔ بلکہ کوئی خوبی نہیں صرف اعتدال کی خوبی۔

مجی لس: اجنبی دوست آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟

اجنبی : میرا خیال ہے کہ شجاعت ایک قسم کی خوبی ہے۔

مجی لس: بے شک۔

اجنبی : اب ذرا میری بات سنیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ کیا آپ کو ایسا ہمسایہ یا ساتھ رہنے والا پسند ہوگا جو بہت زیادہ شجاع ہو مگر جسے خود پر کوئی قابو نہ ہو؟

مجی لس: دیوتا پناہ میں رکھیں۔

اجنبی : یا ایسا فنکار جو ماہر ہو مگر لچا لفنگا ہو؟

مجی لس: بالکل نہیں!

اجنبی : کیا یہ بات درست نہیں کہ اعتدال سے ہی انصاف پیدا ہوتا ہے؟

مجی لس: ناممکن ہے۔

اجنبی: ایسا آدمی جسے ہم نے اس لیے مثال بنا کر پیش کیا کہ اصل میں اس کی تمام خوشیاں اور غم درست استدلال کے مطابق اور بموجب ہوتے ہیں۔ کیا وہ کبھی اعتدال سے تجاوز کر سکتا ہے؟

مجی لس: جی نہیں۔

اجنبی: اب ریاست میں جا و بے جا اعزاز سے متعلق امور پر بھی غور کرنا چاہیے۔

مجی لس: وہ کس طرح۔

اجنبی: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ دیگر خوبیوں کے بغیر کیا صرف اعتدال ہی ہے جو انسانی روح میں جاگزیں ہو ممدوح ہے یا مذموم ہو سکتا ہے؟

مجی لس: میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اجنبی: یہی بہترین جواب ہے۔ کیونکہ آپ جو بھی متبادل منتخب کرتے، آپ سے یقیناً سہو ہوتا۔

مجی لس: یہ میری خوش نصیبی ہے۔

اجنبی: بہت بہتر۔ ایسی خوبی جس کی حیثیت محض دم چھلے کی ہو اور اس کی تعریف بھی کی جا سکے اور مذمت بھی۔ وہ اس لائق نہیں ہوتی کہ اس پر رائے زنی کی جائے اسے نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہوگا۔

مجی لس: کیا آپ اعتدال کا حوالہ دے رہے ہیں؟

اجنبی: جی ہاں لیکن میرا اشارہ کسی اور خوبی کی طرف ہے جو اس تکملہ کے سوا بھی مفید ہے اور جو اعزاز کی مستحق ہے۔ اس کے بعد اس کی باری آتی ہے جو افادیت میں پہلی سے کم ہو۔ اس طرح خوبیوں کو ان کی افادیت کے مطابق اعزاز ملتا رہے گا۔

مجی لس: بجا ارشاد۔

اجنبی: کیا یہ قانون ساز کا فرض نہیں ہے کہ ان کی درجہ بندی کریں؟

مجی لس: بالکل یہ اسی کا کام ہے۔

اجنبی: فرض کیجیے ہم اس انتظام کی تفصیلات اسی کے سپرد کر دیتے ہیں لیکن قانون کو اول، دوم اور سوم درجے میں ان کی اہمیت کے مطابق رکھنے کا کام ہمارا ہے، جنھیں قانون سے لگاؤ ہے۔

مجی لس: بہت اچھا۔

اجنبی : اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ جو ریاست انسانی فطرت کے مطابق محفوظ اور خوشحال ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے اعزازات اور تعزیرات کو صحیح طریقے سے عطا کرے اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ روحانی مفادات کو اعلیٰ ترین درجہ دیا جائے اور ہمیشہ اعتدال کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس کے بعد کا درجہ جسمانی مفادات کو ملنا چاہیے اور دولت اور جائیداد کو تیسرا درجہ ملنا چاہیے اور اگر کوئی ریاست یا قانون ساز دولت کو تو اعلیٰ درجہ دے کر یا آخری درجے والی کو پہلا درجہ دے کر اس اصول سے انحراف کرتا ہے تو کیا وہ یہ نہیں کہے گا کہ وہ یا ریاست ایک ناپاک اور وطن دشمن حرکت کا مرتکب ہو رہا ہے؟

مجی لس : جی ہاں۔ یہ بات تو بڑی واضح ہے۔

اجنبی : ہم نے اب تک ایرانی طرز حکومت پر بحث کی ہے۔ ہم نے یہ کہا کہ ایرانی صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی اور ہم نے یہ طے کیا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے عوام کی آزادی بہت محدود کر دی تھی۔ اور جبر و استبداد سے کام لیا اور اس طرح باہمی تعاون اور دوستی کے رشتوں کو تباہ کر دیا اور جب یہ رشتے ختم ہو جائیں تو پھر حکمران اپنی رعایا یا عوام کی مرضی سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے حکومت چلاتے ہیں اور اگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ انھیں اس طرح کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوگا تو وہ شہروں کو نقصان پہنچائیں گے اور اپنے حمایتی قبائل کو آگ اور تباہی سے دوچار کر دیں گے اور ان کی نفرت میں جتنی زیادہ شدت آئے گی لوگ ان سے اتنی ہی شدید نفرت کریں گے اور جب وہ عوام سے اپنے لیے جنگ کرنے کو کہیں گے تو ان کے لیے جنگ کرنے اور جان لڑانے کا جذبہ ان میں مفقود ہوگا۔ عوام کی تعداد کی کثرت میدان کارزار میں ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ پھر وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ان کی نجات اور تحفظ اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ کرایے کے سپاہیوں سے کام چلائیں یا پھر اجنبیوں سے مدد لیں۔ وہ مجبور ہیں کہ اس بے دانشی کا عمل کریں۔ کیونکہ انھوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ریاست نے خوبیوں اور خامیوں کے جو اصول بنا رکھے ہیں ان کی زر و جواہر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

مجی لس: بالکل درست۔

اجنبی : چلیے چھوڑیے۔ ایرانیوں اور ان کی موجودہ بدانتظامی پر بہت گفتگو ہو چکی ہے جس کی وجہ غلامی اور

شخصی حکومت تھی۔

مجی لس: بہت خوب۔

اجنبی : اب ہمیں اسی طرح ایٹکا (Attica) کی حکومت پر رائے زنی کرنی ہے۔اس سے ہمیں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ مادر پدر آزادی اور ہر قسم کے اعلیٰ اختیارات کی غیر موجودگی بھی اس دوسری قسم کی حکومت کے لیے کسی لحاظ سے اس صورت میں بہترین ہوتی جب انھیں تھوڑی بہت حد میں رکھا جائے۔ یہی ہمارے اہل ایتھنز کے زمانہ قدیم کا دستور بھی تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب ایرانیوں نے ہیلاز ہی پر حملہ نہیں کیا بلکہ وہ پورے یورپ پر حملہ آور ہوئے۔ املاک اور احترام کے جائزے کے بعد اس وقت چار طبقے قائم کیے گئے تھے جو ملکہ اور مالکن تھے اور ہمیں بخوشی قوانین کے مطابق زندگی گزارنی ہوتی تھی۔ نیز بحری اور بری جنگوں میں استعمال کرنے والے اسلحہ یونانیوں کے پاس وافر مقدار و تعداد میں موجود تھے۔اور جس کے سبب خوف پیدا ہوتا تھا اور ہم اپنے حکمرانوں اور قانون کے زیادہ سے زیادہ تابعدار ہوتے رہے۔اسی وجہ سے ہم میں زبردست ہم آہنگی قائم تھی۔ سلامس (Salamis) کی بحری جنگ سے دس برس قبل ڈیٹس (Datis) دارا کی سرکردگی میں ایرانی لشکر کی معیت میں وہاں آیا جس کا ہدف ایتھنز اور ایری ٹیریا (Eretria) کے لوگ تھے۔ جنھیں غلام بنا کر لے جانے کا انھیں حکم بھی دیا گیا تھا اور اگر وہ یہ حکم پورا نہیں کرتا تو اسے موت کی سزا ملتی۔اب ڈیٹس اور اس کا لشکر جلد ہی ایری ٹیریا کا حکمراں بن گیا اور اس نے ایتھنز میں یہ خبر ارسال کی کہ ایری ٹیریا کے کسی فرد کی جان بخشی نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ ڈیٹس کے سپاہیوں نے بھی اس کا کھل کر ساتھ دیا اور پورے ایری ٹیریا کو اپنے جال میں لے آئے۔یہ اطلاع خواہ وہ سچ تھی یا جھوٹ، نہ صرف ہیلینا کے لوگوں کے لیے بلکہ پورے یونان کے لیے بڑی ہی دہشت ناک تھی۔ انھوں نے تمام ہمسایہ ممالک میں اپنے سفیر بھیجے۔لیکن کوئی بھی سوائے لیسی ڈیمون کے لوگوں کے، ان کی مدد کے لیے آگے نہ بڑھا۔ میراتھن کی جنگ کے سبب وہ ایک روز دیر سے پہنچے غالباً وہ میسینی کی جنگ میں مصروف تھے جو کہ ان دنوں جاری تھی یا کسی اور سبب سے جس کا انھوں نے ذکر مناسب نہ سمجھا ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد اطلاع آئی کہ تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں اور بادشاہ کی طرف سے دھمکیوں کا تانتا بندھ گیا۔ پھر ایک دن یہ افواہ پھیلی کہ دارا کا انتقال ہو چکا ہے۔اور اس

کا بیٹا تخت نشین ہو چکا ہے جو نوجوان اور شوریدہ سر ہے اور وہ اس کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اہل ایتھنز کو یہ گمان تھا کہ یہ مہم ان ہی کے خلاف ہے۔ یہ جنگ میراتھن کی جنگ کا نتیجہ تھی۔ اس دوران انھوں نے یہ سنا کہ ہیلسپونٹ (Hellespont) اور ایتھوس (Athos) کی نہر پر پل تعمیر ہو چکے ہیں اور وہاں بے شمار جہاز پہنچ چکے ہیں۔ انھوں نے یہ سوچا کہ انھیں نہ سمندر کی طرف سے پناہ ملے گی زمین پر ان کا کوئی حامی و مددگار نظر نہیں آتا تھا۔ نہ کوئی ان سے تعاون کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ انھیں یہ بھی یاد تھا کہ جب ایرانیوں نے پہلی بار حملہ کیا تو انھوں نے ایری ٹیریا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اب کی بار کہیں ان پر کم از کم زمین سے حملہ نہ ہو جائے۔ اور جب ان کی نظر سمندر کی طرف جاتی تھی تو انھیں کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی تھی۔ وہاں تو ایک ہزار سے زیادہ جہاز حملے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اس موقع پر تحفظ کا ایک ہی راستہ باقی بچا تھا۔ انھوں نے یہ محسوس کیا گزشتہ بار انھیں ایسی کامیابی نصیب ہوئی تھی جو قریب قریب ناممکن تھی۔ اس بات نے انھیں حوصلہ دیا۔ ان کی ہمت بندھی اور وہ اپنے اور اپنے دیوتا پر بھروسا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان امور سے ان میں دوستی اور تعاون کا جذبہ بیدار ہوا۔ وہ وقتی خوف کا شکار تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور خوف تھا جو ان میں پرانے قوانین پر عمل درآمد نے پیدا کیا تھا۔ اسے میں نے گزشتہ گفتگو میں احترام کا نام دیا تھا، نیک چلن فرد کو جس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا چاہیے۔ بزدلوں کو نہ اس سے کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا خوف ہوتا ہے۔ اگر ان پر یہ خوف طاری نہ ہوتا تو وہ ہرگز دشمن سے مقابلے پر آمادہ نہ ہوتے اور نہ ہی اپنی عبادت گاہوں، اپنی عزیز ترین چیزوں اور اپنی سرزمین کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہوتے بلکہ وہ ادھر ادھر منتشر ہو جاتے۔

مجی لس : ایتھنز کے میرے دوست آپ کا ایک ایک لفظ درست ہے جو آپ اور آپ کے ملک کے لیے قابل فخر ہے۔

اجنبی : واقعی وہ سچ ہیں۔ آپ اپنے بزرگوں کی خوبیوں کے وارث ہیں۔ اس لیے میں آپ سے اس دن کی کارروائی کو بیان کر سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اور کلینیاس دونوں ہی یہ دیکھیں کہ کیا میں نے دوران گفتگو قانون سازی کا ذکر کیا ہے یا نہیں؟ میں یہ بحث محض بات سے لطف اندوز ہونے کے لیے کر رہا ہوں بلکہ یہ تو استدلال کا ایک اہم جزو ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی

ہے کہ ہمارا اور ایرانیوں کا تجربہ ایک لحاظ سے یکساں ہی تھا۔ انھوں نے اپنے عوام کو غلامی پر راضی کر لیا اور ہم نے آزادی پر۔ اب ہم کس طرح آگے بڑھیں۔ آپ سوچیں کہ ہمارے گزشتہ استدلال میں بذات خود ان کی تشریح مضمر ہے۔

مجی لس : درست! میں چاہتا ہوں آپ بات صراحت سے کریں۔

اجنبی : میں ایسا ہی کروں گا دوستو! قدیم قوانین کے تحت عوام آج کل کی طرح آقا نہیں بلکہ غلامی پر راضی برضا تھے۔

مجی لس : آپ کس قسم کے قوانین کا ذکر کر رہے ہیں؟

اجنبی : چلیے پہلے موسیقی کے قوانین سے بحث کرتے ہیں۔ میرا مطلب ایسے قوانین سے ہے جو گزشتہ زمانے میں رائج تھے۔ اس بحث کے ذریعے ہم آزادی میں روز افزوں ترقی کا جائزہ لیں گے۔ ابتدائی دور سے موسیقی ہم لوگوں میں متعدد طریقوں سے تقسیم ہے۔ ایک طریقہ دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کا ہے جسے مذہبی گیت کہا جاتا ہے۔ دوسرا اس کی بالکل ہی ضد ہے جسے نوحہ کہتے ہیں۔ ایک اور انداز ہے جسے رزمیہ نغمے کا نام دیا گیا ہے۔ ایک اور قسم کے گیت ڈائیونائیسس کی پیدائش کو منانے کے سلسلے میں گائے جاتے ہیں جنھیں میرا خیال ہے مناجات کہا جاتا ہے۔ ایک ایسا گیت بھی ہے جسے قانون کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے وہ بربط کی اصطلاح کا اضافہ کرتے ہیں۔ موسیقی کی یہ اقسام بہت ہی واضح تھیں۔ موسیقاروں کو اجازت نہیں تھی کہ وہ انھیں گڈ مڈ کریں اور جو صاحب اقتدار و اختیار اس کا تعین کرتے تھے۔ یہ اس کے بارے میں فیصلے دیتی تھی اور اصول کی خلاف ورزی پر سزا دیتی تھی اس کے فیصلے نہ زیر لب ہوتے تھے نہ ہی مجمع کے بے سرے شور و تحسین سے جیسا کہ ہمارے دور کا دستور ہے نہ ہی تالیوں سے لیکن عوامی تعلیم و تربیت کے سربراہ بضد ہوتے کہ سامعین اسے مکمل طور پر خاموشی سے سماعت فرمائیں۔ لڑکے، ان کے اُستاد اور عام مجمع کو چھڑی کی ایک جنبش سے خاموش رکھا جاتا تھا۔ یہی وہ عمدہ تنظیم تھی جس پر سامعین عمل کرتے تھے۔ انھوں نے شور و ہنگامے کے ذریعے فیصلے صادر کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ خود شعرا نے نہایت بے ہنگم اور غیر اصولی جدتیں پیدا کیں۔ وہ بڑی اہلیت والے تھے لیکن انھیں یہ احساس نہیں تھا کہ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔ اس موسیقی میں خوشیوں بھرے نغمے،

نوحے، مذہبی گیت، رزمیہ گیت، مناجات، بربط سے بانسری کے سُر نکالنا شامل ہے۔ جس سے بڑی حد تک موسیقی میں افراتفری پھیلتی ہے گویا ہم انجانے میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موسیقی کی بنیاد حقائق پر نہیں ہے اور خواہ وہ بُری ہو یا بھلی اس کے معیار کا فیصلہ صرف اس بات پر ہوگا کہ اسے سن کر سامعین کتنے خوش ہوتے ہیں۔ اس طرح کی فنی قیود سے آزاد دھنوں اور گیتوں نے غیر قانونی حرکات کو فروغ دیا ہے۔ اور ان میں یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ دھنوں اور گیتوں کے وہی منصف ہیں۔ اس طرح تھیٹر جنھیں خاموش رہنا چاہیے تھا وہ چلا چلا کر آواز دینے لگا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ انھیں دھنوں اور گیتوں کی خوبیوں اور خامیوں کا پورا علم ہے اور نوکر شاہی کی جگہ ''تھیٹر شاہی'' نے حاصل کر لی ہے۔ اگر جمہوریت صرف تعلیم یافتہ افراد پر مبنی ہوتی تو اس سے معاملے پر فیصلہ کرتے وقت کسی نا قابل تلافی نقصان کا اندیشہ نہ ہوتا۔ لیکن شومئی قسمت سے موسیقی کے شعبے میں سب سے پہلے عالم کل ہونے اور افراتفری کا تصور عام ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ہی آزادی کا تصور آیا اور لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ انھیں اب وہ باتیں معلوم ہو گئی ہیں جس کا پہلے انھیں علم نہ تھا۔ اس سے انھیں کسی قسم کا خوف اور اندیشہ نہیں رہا۔ اور خوف نہ ہو تو بے شرمی اور بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔ یہ بے حیائی بری قسم کی ہوتی ہے لیکن اس علم سے واقف افراد کی رائے سے یہ گستاخانہ انکار کیا نڈر قسم کی آزادی کے سبب پیدا نہیں ہوتا؟

مجی لس : بجا ارشاد۔

اجنبی : اس آزادی کے نتیجے میں حکمرانوں سے نافرمانی کی ایک اور آزادی جنم لیتی ہے اور پھر والد، والدہ اور بزرگوں کے اختیارات سے انکار پیدا ہوتا ہے جو قانون کو نظر انداز کرنے پر منتج ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی مرحلے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حلف اور وعدوں کا بھی پاس باقی نہیں رہتا حتیٰ کہ دیوتاؤں کا احترام بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ اس طرح وہ قدیم نام نہاد ٹائی ٹینی (Titanic) معمولات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اسی مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں دیوتاؤں سے بغاوت کر کے ٹائی ٹین لوگ (Titans) پہنچے تھے اور ان کی زندگی بے حد و حساب خرابیوں کی آماجگاہ بن گئی۔ لیکن میں نے یہ باتیں کیوں بیان کی ہیں؟ میں یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ بحث کو وقتاً فوقتاً روک دینا چاہیے تاکہ وہ مقررہ حد تک تجاوز نہ کرے۔ لیکن ہمیں لگام کو تھوڑا بہت ہی کھینچ کر رکھنا چاہیے، ورنہ سوار چاروں خانے

چت ہوسکتا ہے۔ چلیے ایک بار پھر دریافت کرتے ہیں کہ آخر ان تمام باتوں کا مقصد کیا ہے؟

مجی لس : بات تو درست ہے۔

اجنبی : اس کا مقصد یہ تھا کہ۔

مجی لس : مقصد کیا تھا؟

اجنبی : ہم یہ ثابت کر رہے تھے کہ قانون ساز کو تین باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے؟ اوّل یہ ہے کہ جس شہری ریاست کے لیے قانون بنا رہا ہے وہ آزاد ہو۔ دوم یہ ہے کہ وہاں یگانگت موجود ہو۔ سوم یہ کہ باہمی مفاہمت بھی پائی جاتی ہو۔ ہمارے یہی اصول تھے۔ یہی تھے نا!

مجی لس : درست ہے۔

اجنبی : اسی نقطۂ نظر کے تحت ہم نے دو طرح کی طرز حکومت کا انتخاب کیا۔ ایک وہ جو سخت مطلق العنان ہو اور دوسری جو آزاد ترین ہو۔ اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ان میں بہتر کون سی ہے۔ ہم نے مطلق العنانی اور آزادی دونوں معاملوں کا ایک اوسط نکالا اور ہم نے یہ دیکھا کہ دونوں کے اوسط ہی میں دونوں درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن جب دونوں اقسام کی آخری حد آجاتی ہے تو بے لگامی اور غلامی کا دور دورہ ہوتا ہے جو کسی کے لیے مفید نہیں ہوتا۔

مجی لس : بات تو درست ہے۔

اجنبی : اسی سبب ہم نے ڈوری لشکر کی آبادکاری اور پہاڑوں میں ڈارڈینس (Dardanus) کے ہاتھوں شہر کی تعمیر، شہروں کی سمندر کے کنارے منتقلی اور طوفان نوح کے بعد بچ رہنے والے پہلے انسانوں کا ذکر کیا تھا۔ اس سے قبل ہم نے موسیقی اور شراب خوری کی جو بحث چھیڑی تھی ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم یہ دیکھیں کہ کسی شہری ریاست کا نظم و نسق چلانے کا بہتر طریقہ کیا ہے اور فرد کو اپنی زندگی کس طرح نہایت عمدہ طرز سے بسر کرنی چاہیے تھی۔ میرے دوست مجی لس اور کلینیاس ہم ان الفاظ کی قدر و قیمت کو کس طرح ثابت کریں؟

کلینیاس: میرے اجنبی دوست: مجھے اندازہ ہے کہ یہ ثبوت کس طرح فراہم ہوسکتا ہے۔ میں سوچتا ہوں ہماری یہ بحث بڑی نمایاں اور ہماری خوش بختی کی دلیل ہے۔ اور اس وقت مجھے ایسی ہی باتوں کی ضرورت تھی۔ یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ راستے میں مجی لس اور آپ مل گئے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھ پر

کیا گزری اور میرے لیے یہ اتفاق نہیں بلکہ حسن اتفاق ہے۔ کریٹ کا بیشتر حصہ نوآبادیات میں شامل ہونا چاہتا ہے اور اس کے انتظامی امور کنوسیا (Cnosian) کے باشندوں کے سپرد کیے جائیں گے جس کی حکومت کی ذمہ داری مجھ پر اور میرے نو ساتھیوں پر عائد کی گئی ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہم کوئی نہ کوئی قانون ان کے لیے تیار کر دیں۔ خواہ اس کی بنیاد کریٹ کے قانون پر ہو یا کسی اور ریاست کے۔ اگر یہ قوانین غیر ملکی ہوں تب بھی انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ وہ بہتر ہوں۔ آپ مجھ پر عنایت فرمائیں جو یقیناً آپ کے لیے بھی مفید ہوگی۔ ہم نے جو باتیں اب تک کی ہیں ان ہی میں سے انتخاب کرنا ہے۔ آیئے ہم یہ فرض کر لیں کہ ہم ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر ہم اپنی اس تحقیق کو آگے بڑھائیں گے۔ اس کام میں ہمیں اس خاکے سے مدد ملے گی جو آپ اپنی مجوزہ شہری ریاست کے لیے ترتیب دے رہے ہیں۔

اجنبی : بڑی عمدہ خبر ہے۔ اگر مجی لس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو آپ یقین رکھیے کہ آپ کی خوشنودی کے لیے جو کچھ میرے بس میں ہے کروں گا۔

کلینیاس : شکریہ۔

مجی لس : میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

کلینیاس: بڑی عمدہ بات ہے۔ آیئے اب ہم ریاست کا خاکہ مرتب کریں۔

☆☆☆
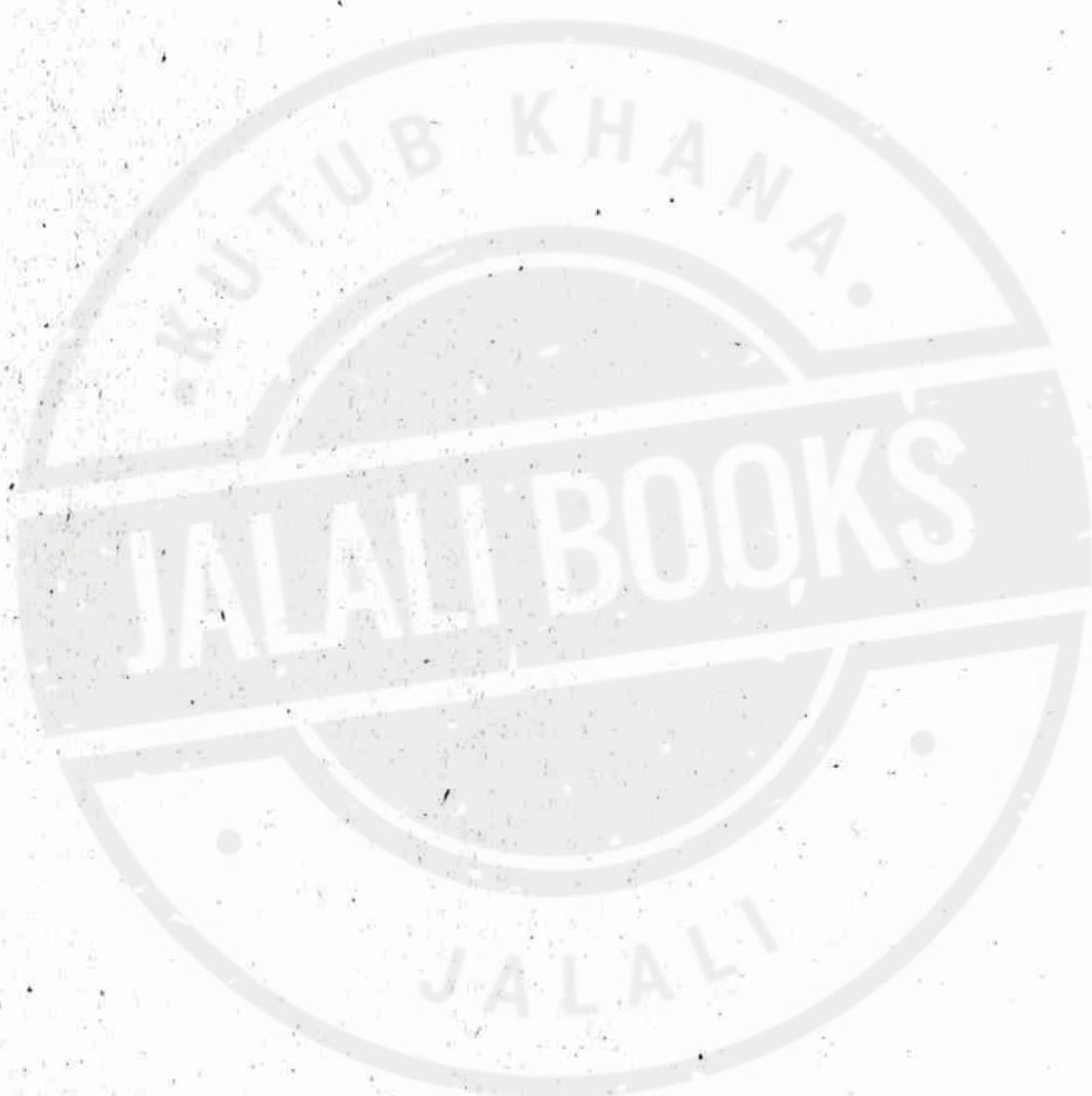
چوتھی کتاب

ایتھنز کا اجنبی دوست: یہ شہری ریاست کس قسم کی ہوگی؟ میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا کہ اس ریاست کا اس وقت کیا نام ہے یا آئندہ کیا نام ہوگا۔ یہ شہر اپنے گردوپیش کی مناسبت یا اصل بستی، دریا، چشمے یا کسی مقامی دیوتا کے نام سے موسوم ہوجائے گا۔ لیکن میں اس ضمن میں کسی صورت یہ جاننا نہیں چاہتا کہ محل وقوع کیا ہے، ساحلی ہے یا ساحل سے دور۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست! میرا خیال ہے کہ مذکورہ بستی ساحل سے تقریباً ۸۰ فرسنگ پر ہے۔

اجنبی: کیا ساحل پر بندرگاہیں ہیں؟

کلینیاس: نہایت عمدہ۔ ایسی بندرگاہیں ہیں جن سے بہتر کا تصور ممکن نہیں۔

اجنبی: ہائے ہائے کیسے امکانات ہیں۔ کیا اردگرد کا علاقہ زرخیز ہے یا اشیا درآمد ہوتی ہیں؟

کلینیاس: تقریباً ہر شے میسر ہے۔

اجنبی: ہمسائے میں کوئی سلطنت بھی ہے یا نہیں؟

کلینیاس: کوئی بھی نہیں۔ اس کے انتخاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قدیم زمانے میں اس علاقے کے باشندے ترک وطن کر گئے اور ہزاروں سال سے علاقہ غیر آباد ہے۔

اجنبی: کیا اس جگہ اچھی خاصی پہاڑیاں بھی ہیں، میدان بھی ہیں اور جنگلات بھی۔

کلینیاس: اس معاملے میں وہ بالکل کریٹ جیسا ہی ہے۔

اجنبی: آپ کا مطلب ہے کہ وہاں پہاڑیاں زیادہ اور میدان کم ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: اس لحاظ سے میرا اندازہ ہے کہ آپ کے شہری دیانتدار ہوں گے۔ اگر آپ ساحل پر ہوتے اور وہاں عمدہ بندرگاہیں ہوتیں تو استعمال کی چیزیں پیدا نہیں کرتے بلکہ درآمد کرتے تو اس صورت میں

عظیم فرد کی ضرورت ہوگی جو اس کا محافظ ہو۔ اس کے لیے ایسے انسان کی ضرورت ہوگی جو عام انسانوں سے افضل ہو اور قانون سازی کا کام کرے تاکہ آپ کی ریاست انحطاط پذیر نہ ہو۔ اخلاقی بے راہ روی پیدا نہ ہو۔ لیکن ۸۰ فرسنگ کا فاصلہ بہت اطمینان بخش ہے۔ اگرچہ سمندر زیادہ دور نہیں ہے اور وہاں نہایت عمدہ بندرگاہیں ہیں تاہم ہمیں اطمینان ہے۔ سمندر ہمیں روزانہ فرحت بخشتا رہے گا۔ لیکن اس میں تلخی اور نمکینی بھی پائی جاتی ہے۔ سڑکیں تاجروں اور دکانداروں سے بھری ہوں گی اور ان کے دل حرص و ہوس کی آماجگاہ بن چکے ہوں گے اور ریاست کے عوام اور غیر ملکی بھی بددیانت، بے وفا اور غیر دوستانہ ہوں گے اور خود ریاست بھی ایسی ہی ہوگی۔ اسی لیے جو ملک ضرورت کی تمام اشیا خود پیدا کرتا ہے وہ قابل اطمینان ہوتا ہے۔ تاہم زمین کی ناہمواری کی وجہ سے اشیائے ضرورت وافر مقدار میں پیدا نہیں ہوں گی۔ اگر پیداوار افراط سے ہوگی تو پھر اسے برآمد کرنا پڑے گا جس سے سونا چاندی کی اچھی خاصی مقدار حاصل ہو گی جو ایسی ریاست کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہے جس کی غایت ہی عدل و شرافت سے جذبات کا فروغ ہو۔ اگر آپ کو یاد ہو تو یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

کلینیاس : مجھے یاد ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کی رائے درست تھی۔

اجنبی : اچھا یہ بتائیے کہ اس ملک میں جہاز سازی کے لیے لکڑی کہاں سے آتی ہے؟

کلینیاس : وہاں چیڑ اور دیار کے قابل ذکر ذخائر نہیں ہیں اس کے علاوہ چیڑ کی دوسری اقسام اور دوسری قسم کی لکڑی بھی دستیاب نہیں ہے۔ جسے جہاز کے اندر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اجنبی : اس کے قدرتی فوائد بھی ہیں۔

کلینیاس: وہ کیسے؟

اجنبی : کیونکہ کوئی شہری ریاست آسانی سے اپنے دشمنوں کی نقل نہیں کر سکتی ہے۔

کلینیاس : اس بات کا ان باتوں سے کیا واسطہ ہے جس پر ہم بحث کر رہے تھے؟

اجنبی : میرے عزیز دوست میں کریٹ کے قوانین کے بارے میں جو بتا چکا ہوں اسے یاد رکھو کہ ان کی نظر صرف ایک ہی بات پر ہوتی ہے اور وہ ہے جنگ۔ اس پر آپ دونوں متفق تھے اور میں نے یہ کہا تھا ایسے قوانین بھی اچھے ہوتے ہیں بشرطیکہ ان سے نیکی کو فروغ حاصل ہو۔ لیکن میں ان کو قابل تحسین

نہیں مانتا کیونکہ وہ نیکی کو کلی طور پر نہیں بلکہ جزوی حیثیت سے آگے بڑھاتے ہیں۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ میری باتوں کو سمجھیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ کیا میں قانون سازی کے وقت نیکی کے سوا کسی اور شے کا خیال رکھتا ہوں یا جزوی طور پر نیکی ہی کو ہدف بناتا ہوں۔ میرا تو یہ یقین ہے کہ اصل قانون ساز تیرانداز کی طرح صرف اسی جگہ کا نشانہ باندھتا ہے جہاں لافانی حسن ہمیشہ موجود رہتا ہے اور دوسری شے کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ خواہ وہ ایسی دولت ہو یا کوئی اور مفاد جسے نیکی سے جدا کر دیا گیا ہو۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ دشمن کی نقل کرنا بری بات ہے۔ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آ گیا کہ سمندر کے کنارے رہنے والی ایک قوم کو دشمنوں نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جس طرح ایتھنز والوں کو مینوس نے تنگ کیا تھا (میں بات گڑے مردے اکھاڑنے کے لیے نہیں کر رہا ہوں) آپ سب واقف ہیں کہ وہ ایک زبردست بحری قوت تھی۔ جس نے ایٹکا کے باشندوں کو ظالمانہ خراج دینے پر مجبور کیا۔ اس زمانے میں ان کے پاس آج کل کی طرح جنگی جہاز نہیں تھے اور نہ ہی ملک میں جہاز بنانے کی لکڑی وافر مقدار میں پیدا ہوتی تھی اس لیے وہ انھیں فوری طور پر تیار بھی نہیں کر سکے۔ اس لیے وہ بحری قوت میں دشمن کی برابری نہ کر سکے اور نہ ایسے ملاح بن سکے جو دشمن کا منھ پھیر سکتے۔ ان کے لیے یہ بہتر تھا کہ وہ سات جوانوں سے بار بار شکست کھاتے، بجائے اس کے کہ اس بڑے بڑے اسلحہ سے لیس چلنے پھرنے سے معذور فوج کو بحری فوج میں تبدیل کرتے جو جہاز سے اتر کر ساحل پر آئے اور اکثر بھاگ کر واپس جہاز میں سوار ہونے کی عادی ہو یا پھر ان کا یہ خیال ہو کہ دشمن کے حملے کا منتظر ہونے اور بہادری سے موت کو گلے لگانا موجب ذلت ہے۔ نیز یہ کہ دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے یا راہ فرار اختیار کرنے کے متعدد جواز ہوتے ہیں۔ یہ عمل جیسا کہ بعض افراد کا خیال ہے کبھی باعث تذلیل نہیں ہوتا۔ یہ بحری جنگ کی اصطلاح ہے اور کچھ ہو یا نہ ہو غیر معمولی تعریف کی مستحق ضرور ہے۔ کیونکہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم شہریوں خصوصاً اچھے شہریوں کو گھٹیا اخلاق سکھائیں۔ اس طرح کے معمول کے نقصانات کا اندازہ آپ کو ہومر کی نظم کے اس حصے سے ہو سکتا ہے۔ جہاں اوڈیسس اپنے ساتھی آگامیمنون (Agamemnon) کو اس لیے برا بھلا کہتا ہے کہ جب ٹروجن کے لشکر نے اخیہ کی فوجوں کو مشکل میں گرفتار کیا تو وہ جہازوں کو سمندر میں لے جانا چاہتا ہے۔ وہ ناراض ہو کر

کہتا ہے:

''وہ کون ہے جو ایسے مرحلے میں جب جنگ اپنے عروج پر ہے۔ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے جہازوں کو سمندر میں لے جانے کا حکم دے رہا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ ٹروجن کی فوجوں کی دعائیں مزید کامیابیوں سے ہمکنار ہوں اور تباہی ہمارا مقدر بن جائے کیونکہ جب جہاز سمندر میں پہنچا دیے جائیں گے تو ان کی فوجیں جنگ جاری نہیں رکھ سکیں گی وہ اپنی پشت پر دیکھیں گی اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں گی۔ اس صورت میں آپ جو حکم دے رہے ہیں وہ موجب نقصان ہوگا''۔

دیکھیے اسے یہ علم تھا کہ جنگ میں مصروف فوجوں کے قریب جنگی جہازوں کی موجودگی اچھی نہیں ہوتی۔ اس طرح گویا شیروں کو ہرنوں کی ڈار کے خوف سے فرار ہونے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ علاوہ ازیں جن بحری قوتوں کے تحفظ کا دارو مدار جہازوں پر ہی ہوتا ہے وہ جنگی کارناموں کو وہ اعزاز نہیں دیتیں جن کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعزاز کے مستحق افراد کی تکریم کرنے سے قاصر ہوتے ہیں جن کے تحفظ کا انحصار کشتی رانوں، ملاحوں، امیرالبحروں جیسے گھٹیا افراد پر ہوتا ہے لیکن جو مملکت اعزاز کی منصفانہ تقسیم نہیں کر سکتی اس کے حالات کس طرح بہتر ہو سکتے ہیں؟

کلینیاس : یہ امر ناممکن ہے مجھے تسلیم ہے تاہم میرے اجنبی دوست ہم کریٹ کے باشندے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہیلاز کی نجات، سلامس کی جنگ کے ذریعے ہی ممکن ہوئی تھی۔

اجنبی : ہاں۔ یہ درست ہے کہ ہیلینا کے باشندوں اور وحشی قبائل میں یہ تصور عام ہے لیکن میرا اور مجی لس کا یہ خیال ہے کہ ہیلینا کی نجات کا آغاز میراتھن کی جنگ سے اور اختتام پلیٹیا (Plataea) کی جنگ پر ہوا۔ اور ان بڑی جنگوں ہی کے سبب ہیلینا کے رہنے والوں کے حالات بہتر ہوئے۔ جب کہ میری رائے میں سلامس اور آرٹی میسئم (Artemisium) کی بحری جنگوں نے اہل ہیلینا کی حالت کو بہتر بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ میں آپ کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتا مگر یہی وہ جنگیں تھیں جنھوں نے ہمیں تحفظ فراہم کیا۔ دیکھیے نا کسی مملکت کی بہتری کا اندازہ لگانے میں ہم

ملکی حالت اور قانونی نظام کو اہمیت دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم صرف یہ نہیں سوچتے کہ صرف تحفظ اور زندگی کا تسلسل ہی باعزت فعل نہیں ہے بلکہ یہ ایک عامیانہ رائے ہوسکتی ہے اصل کام تو عمدہ ترین زندگی گزارنا ہوتا ہے۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ بات میں اس سے پیشتر بھی کہہ چکا ہوں۔

کلینیاس : بجاارشاد۔

اجنبی : اب ہمارے پیش نظر صرف یہی سوال ہے کہ کیا ہم اس راستے پر چل پڑے ہیں جسے ہم مملکت کی آبادکاری اور قانون سازی کے لیے مناسب ترین تصور کرتے ہیں۔

کلینیاس : تاحال یہ بہترین راستہ ہے۔

اجنبی : آیئے اب دوسرے سوال پر غور کریں۔ آبادکار کون ہیں۔ کیا وہ شخص جو کریٹ سے صرف اس لیے ترک وطن کرے کہ وہاں آبادی اتنی زیادہ ہے کہ جینا دوبھر ہو گیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ ہیلینا کے باشندوں کو آپ اپنے یہاں آباد ہونے کے لیے دعوت عام نہیں دیں گے۔ تاہم میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے ملک میں آرگوس سے بلکہ ایجینا اور ہیلاز کے کچھ علاقوں سے بھی آبادکار آئے ہیں ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ اپنی موجودہ افواج میں سپاہی کہاں سے بھرتی کرتے ہیں؟

کلینیاس : پورے کریٹ سے بھرتی کیے جاتے ہیں اور ہیلینا کے باشندوں اور پیلوپونیس کے رہنے والے بھی قابل قبول ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے درست فرمایا ہے کہ کریٹ کے باشندوں میں آرگیو (Argive) نسل کے افراد میں موجود ہیں۔ اور کریٹ کی جو نسل فی زمانہ اعلیٰ ترین کردار کی حامل ہے وہ افراد ہیں جو کسی زمانے میں گورٹیز (Gortys) سے آئے تھے جو پیلوپونیس میں واقع ہے۔

اجنبی : اگر آبادکار ایک ہی نسل کے ہوں تو شہروں کی آبادکاری میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ نسل شہد کی مکھیوں کی طرح فوج در فوج ایک ملک سے آئے ہوں یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دوست آبادی کے کسی نہ کسی دباؤ کے سبب دوست سے جدا ہوتے ہیں یا جب کسی ریاست کی آبادی کا کوئی حصہ گروہی آویزشوں کی وجہ سے ترک وطن کرتا ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ دشمن کے قبضے کے نتیجے میں شہر کے شہر، ترک آبادی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کا فائدہ آبادکاروں یا قانون سازوں کو پہنچتا ہے۔ دوسری جانب اس میں مشکلات بھی ہوتی ہیں اگر زبان، قانون،

عبادت گاہوں اور عبادت کی رسوم ایک ہی جیسی ہوں تو معاشرے میں ایک طرح کی یگانگت نمایاں رہتی ہے لیکن ایسی آبادیوں میں مشکل اس وقت سر اٹھاتی ہے جب یہ لوگ ان قوانین اور رسوم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو ان کے گزشتہ وطن سے مختلف ہوں۔ اگرچہ ان کے وطن میں گروہی اختلافات کا سبب قوانین کی خامی ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم وہ ان ہی رسوم پر عملدرآمد کے عادتاً پابند ہوتے ہیں جو ان کی تباہی کا موجب بنے تھے اور اس آبادی کے قائد کو جو ان کے قوانین بناتا ہے۔ فتنہ و فساد اور بغاوت کا سامنا ہوتا ہے۔ دوسری جانب ممکن ہے کہ مختلف نسلوں کا یہ ملاپ نئے قوانین کو تسلیم کرنے پر بخوشی آمادہ ہو لیکن ان نسلوں کو اکٹھا رکھنا اور انھیں منہ زور گھوڑوں کی طرح قابو میں رکھنا بہت ہی دشوار کام ہوتا ہے۔ جس پر سالہا سال صرف ہو سکتے ہیں۔ تاہم انسانیت کی فلاح اور ترقی کے لیے قانون سازی اور آبادکاری سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہو سکتا ہے تاہم میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ یہ سب کچھ کیوں کہہ رہے ہیں۔

اجنبی : میرے عزیز دوست۔ مجھے احساس ہے کہ میری بحث بڑھتے بڑھتے اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے جہاں مجھے قانون سازوں کے بارے میں چند تلخ باتیں کہنا پڑیں گی۔ لیکن اگر الفاظ میں نیک نیتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر میں اس معاملے میں اتنا مضطرب کیوں ہوں جب کہ اس اصول کا اطلاق تمام انسانی باتوں پر ہوتا ہے۔

کلینیاس: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ انسان کبھی قانون نہیں بناتا۔ لیکن یہ طرح طرح کے حادثات ہوتے ہیں جو ہمارے لیے مختلف قوانین وضع کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ جنگ میں تشدد اور غربت کی سختی ہی حکومتوں کی تبدیلی اور قوانین میں ترامیم کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح امراض کی کثرت کے سبب بھی حکومتوں کو جدت سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ صورت حال وبائی امراض کے پھیلنے اور سالہا سال تک قحط سالی کا شکار ہونے سے رونما ہوتی ہے۔ جب یہ صورت کسی کے مشاہدے میں آتی ہے تو فطری طور پر وہ اسی نتیجے پر پہنچتا ہے جسے میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کوئی انسان کسی صورت میں قانون سازی نہیں کرتا۔ انسانی معاملات میں اتفاقات ہی ہیں جو اس ضمن میں اہمیت رکھتے ہیں۔

یہ حقیقت جہاز رانوں، کشتی رانوں، طبیبوں اور فوجی سالاروں کے فن پر اچھی طرح صادق آتی ہے۔لیکن ان سب کے بارے میں ایک اور بات ہے جو اسی طرح صادق ثابت ہوتی ہے۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی : کہ ہر شے کا حاکم اعلیٰ خدا ہے اور انسانی معاملات میں حادثات اور مواقع اس کی اعانت کرتے ہیں۔ایک تیسری مگر قدرے کم سخت رائے بھی ہے۔کیونکہ میں یہ کہتا ہوں کہ طوفان آ جائے تو جہاز رانی کے اصولوں کا سہارا لینا ہی مفید ہوگا۔آپ تسلیم کرتے ہیں نا؟

کلینیاس : جی ہاں۔

اجنبی : کیا اس قسم کے اصول کا قانون سازی اور دیگر امور پر بھی اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔فرض کیجیے، ایسے تمام حالات موجود ہیں جو ریاست کی خوشحالی کے لیے ضروری ہیں، سچے قانون ساز کو پھر بھی منظر پر وقتاً فوقتاً سامنے آنا چاہیے؟

کلینیاس : بات بہت درست ہے۔

اجنبی : اس طرح کے ہر معاملے میں اپنے فن کے ماہرین مناسب حالات کی دعا کرتے ہیں اور جب خوش قسمتی سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو اسے اپنے ہنر کی آزمائش کا موقع مل جاتا ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : جن ماہرین کا نام ابھی میں نے لیا ہے اگر انھیں اپنے لیے خصوصی دعا کا حکم دیا جائے تو کیا وہ ایسا کریں گے۔

کلینیاس : بے شک۔

اجنبی : کیا قانون ساز بھی ایسا ہی کرے گا ؟

کلینیاس : میرا خیال ہے ضرور کرے گا۔

اجنبی : ہم اس سے کہیں گے قانون ساز صاحب آیئے بتایئے کہ ریاست کی تنظیم سے قبل آپ کس قسم کے حالات کو موزوں سمجھیں گے؟ وہ اس کا کیا جواب دے گا۔میں اس کا جواب کیا ہوگا بتا دوں!

کلینیاس : جی ہاں۔

اجنبی : وہ کہے گا ''مجھے ایسی ریاست چاہیے جہاں کا حکمراں جابر ہو، نوجوان ہو اور اس کا حافظہ مضبوط ہو۔

اس کی فہم تیز ہو، وہ شجاع ہو اور فطری طور پر عالی ظرف بھی ہو۔ اسے اس خوبی کا بھی حامل ہونا چاہیے میں نے جس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ تمام اوصاف کا جزو لاینفک ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان اوصاف میں کسی نہ کسی قسم کا مفاد مضمر ہو"۔

کلینیاس : مجی لس۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا اجنبی دوست جس وصف کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ اعتدال و اجتناب کی صفت ہے؟

اجنبی : جی ہاں کلینیاس! میرا مطلب ہے اعتدال بُرے معنوں میں ہے ان معنوں میں نہیں جسے ہمارے فلسفی کھینچ تان کر دانشمندی کا مترادف بنا دیتے ہیں۔ یہ وہ خوبی ہے جو بچوں اور جانوروں میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ جسے بعض پرہیز گاری اور بعض بے اعتدالی سے استعمال میں لاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں جب اسے علیحدہ کر لیا جاتا ہے تو نیکی کے پلڑے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : اس طرح ہمارے جابر حکمراں میں اس کے علاوہ دیگر صفات بھی ہونی چاہئیں۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا! یہ صفات ریاست میں جلد از جلد اور بہترین طریقے سے پیدا ہونی چاہئیں کیونکہ خوشحالی کے لیے یہ اکسیر ہیں۔ کیونکہ کسی سیاسی نظام کے قیام کا جبر کے علاوہ اور کوئی بہتر اور تیز تر طریقہ نہیں ہے۔

کلینیاس : میرے اجنبی دوست آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی رو سے کوئی انسان ایسے انسانیت سوز اصول کو تسلیم کر سکتا ہے۔

اجنبی : میرے دوست کلینیاس فطرت نے جو تنظیم بنائی ہے اس کا مشاہدہ کرنے میں کوئی شے مانع نہیں۔

کلینیاس : آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جابر حکمراں بقول آپ کے جوان، اعتدال پسند، تیز فہم ہوگا۔ اس کا حافظہ مضبوط ہوگا وہ شجاع ہوگا اور فطری طور پر عالی ظرف ہوگا؟

اجنبی : جی ہاں اس میں اضافہ کر لیجیے کہ وہ خوش نصیب ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک باصلاحیت قانون ساز کا ہم عصر ہوگا اور حسن اتفاق سے وہ دونوں یکجا ہوں گے۔ اگر یہ حالات پیدا ہو جائیں تو سمجھ لیجیے کہ خدا نے وہ سب کچھ عطا کر دیا ہے جو کسی عظیم خوشحال ریاست کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جس کی

اسے تمنا تھی۔ گویا اس کا یہ عمل دو حاکموں والی ریاست کے لیے بہترین ہے اور تین حاکموں والی ریاست کے لیے بہترین سے کمتر ہوگا مشکلات میں اضافہ یا کمی حکمرانوں کی تعداد میں اضافے اور کمی پر منحصر ہوگی۔

کلینیاس : گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک جابر سلطان ہی بہترین حکمرانی کا اہل ہوتا ہے اور اس کا آغاز ایک ماہر قانون ساز اور نظم وضبط پر عامل جابر سلطان سے ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ جابر سلطان ہی کے ذریعے ایسی تبدیلیاں بآسانی ظہور پذیر ہوتی ہیں جس سے ایک ہر قسم کے نقائص سے پاک نظم ونسق جنم لیتا ہے۔ اگر حکومت چند افراد پر مشتمل ہو تو یہ تبدیلی اتنی آسانی سے رونما نہیں ہوتی اور اگر حکومت جمہوری ہو تو یہ تبدیلی کا تیسرا درجہ ہوگا۔ آپ کا یہی مطلب ہے نا؟

اجنبی : جی نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ جبر میں تبدیلی لا کر ہی بہترین نتائج حاصل ہوتے ہیں اور اس کے بعد شخصی حکومت میں اور تیسرے مرحلے میں ہر قسم کی جمہوریت میں۔ اور اصلاحی صلاحیتوں کے لحاظ سے چند افراد کی حکومت کا درجہ چوتھا ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں تبدیلی کے عمل کو تسلیم کرنے میں بڑی مشکل ہوگی۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکومت چند بااثر افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ میں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ قانون سازی کا ماہر صحیح معنوں میں مہارت رکھتا ہے اور اس کی صلاحیت حکومت کے اہم عہدہ داروں سے شانہ بشانہ عمل کرتی ہے اور اس صورت میں جب حکمرانوں کی تعداد مثلاً جابر حکمران کے دور میں محدود اور ساتھ ہی ساتھ مؤثر بھی ہوتی ہے تو یہ تبدیلی بہت آسان اور تیز رفتار ہو سکتی ہے۔

کلینیاس : یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ میں سمجھا نہیں۔

اجنبی : میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ بار بار کہہ چکا ہوں۔ لیکن آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا کسی ایسی ریاست سے سابقہ نہیں پڑا جہاں جابر حکمرانی ہو؟

کلینیاس : میں نے نہ ایسی ریاست دیکھی ہے نہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

اجنبی : تاہم جہاں بھی جابر کی حکمرانی ہوتی ہے۔ آپ کو یقیناً وہ تمام باتیں نظر آئیں گی جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔

کلینیاس : آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مشاہدے میں یہ بات آئے گی کہ اگر جابر سلطان چاہے تو ریاست کے نظم ونسق میں بلا کسی افراتفری کے اور کم مدت میں تبدیلیاں لاسکتا ہے۔ اس لیے اپنی مرضی کے مطابق صرف نیکی یا بدی کے راستے پر قدم بڑھانا ہوگا۔ وہ انتظامی امور میں اپنی مثال پیش کرے گا۔ چند امور پر انعامات دے گا اور دوسروں پر سزا دے گا اور جو اس کی حکم عدولی کریں گے ان کی تذلیل کرے گا۔

کلینیاس : لیکن ہم یہ کیسے فرض کرلیں کہ ریاست کے شہری عام طور پر اس کی مثال کی پیروی کریں گے اور وہ انھیں راغب اور مجبور کرنے کے اختیارات کس طرح استعمال کرے گا۔

اجنبی : میرے دوست یاد رکھیے ہمیں کوئی فرد کبھی یہ باور نہیں کرا سکے گا کہ ریاستوں کے قوانین میں تبدیلی کا حکمرانوں کی قیادت کے علاوہ کوئی اور بھی تیز رفتار اور آسان طریق کار موجود ہے۔ ایسی تبدیلیاں نہ ماضی میں کہیں اور کبھی وقوع پذیر ہوئی ہیں اور نہ ہی مستقبل میں رونما ہوں گی۔ محال اور مشکل صورت حال دوسری نوعیت کی ہوتی ہے جس پر امتداد زمانہ کے بعد بھی شاذ و نادر ہی قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن جب وہ ایک بار قابو میں آجاتی ہیں تو لاکھوں، بلکہ ہر طرح کے فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

کلینیاس: آپ کا اشارہ کس جانب ہے؟

اجنبی : اعتدال اور انصاف کے جو دارے کسی مستحکم اور مؤثر حکومت میں موجود ہوتے ہیں ان سے فطری رغبت ورجحان کا پتا چلانا مشکل ہوتا ہے، خواہ وہ حکومت شہنشاہیت ہو یا کہ چند نسلی یا دولتمند افراد پر مشتمل ہو۔ آپ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ آپ میں نیسٹر (Nestor) کی خوبیاں پیدا ہوں گی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خطابت اور اعتدال پسندی میں تمام انسانوں سے بہتر تھا۔ روایت کے مطابق وہ ٹرائے کے زمانے میں تھا۔ ہمارے زمانے میں ایسا کوئی فرد موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسا کوئی شخص آئے گا یا ہمارے دور میں موجود ہے تو خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس کے ہونٹوں سے چشمے کی طرح اُبلتے ہوئے دانائی کے الفاظ سنیں گے اور یہی بات عام طور پر حکومتوں پر صادق آتی ہے اور اسی وقت بہترین قوانین اور بہترین دساتیر جنم لیتے ہیں۔ اس کا کوئی اور دوسرا طریقہ نہیں ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے ایک مقدس روایت یا دیوتا کا الہام سمجھنا چاہیے اور یہ ہماری اس

بات کا ثبوت ہوگا کہ ایک لحاظ سے کسی ریاست کے لیے اچھے قانون کا حصول مشکل ہوگا۔لیکن ہماری بات کوتسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی قانون نہ آسانی سے اور نہ ہی جلدی سے روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔

کلینیاس: یہ کس طرح ہوگا؟

اجنبی: ہم لوگ بوڑھے طوطے ہیں۔یہ سوچ کر ہی خوش ہولیں کہ الفاظ کے الٹ پھیر سے اپنی ریاست کے مطابق قانون سازی کر سکتے ہیں۔

کلینیاس: چلیے یہ کام جلد از جلد کر ڈالیں۔

اجنبی: آیئے ریاست کے معاملات نمٹانے سے قبل فضلِ خداوندی کے طالب ہوں۔وہ ہماری دعا سن لے اور ہماری استعانت فرمائے اور ریاست کے قوانین کو منظم و مرتب کرنے کی توفیق دے۔

کلینیاس: خدا ہماری دعا منظور کرے۔

اجنبی: لیکن ہم ریاست کو کس قسم کا سیاسی ڈھانچا عطا کرنا چاہتے ہیں؟

کلینیاس: آپ ذرا اپنا نفس مطلب تھوڑی بہت تفصیل سے بیان کریں آپ کا ہدف کس قسم کی جمہوریت یا چند افراد کی حکومت یا شخصی حکومت یا شہنشاہیت ہے؟ ہمارا یہ خیال ہے کہ جابر سلطانی کو اس میں شامل نہیں کریں گے۔

اجنبی: آپ میں کون پہلے یہ طے کرے گا کہ ان تینوں مرحلوں میں سے پہلے اپنی حکومت سے رجوع کرنا ہوگا یا نہیں۔

مجی لس: میں چونکہ عمر میں بڑا ہوں اس لیے اس کا جواب پہلے دوں گا۔

کلینیاس: آپ پہلے جواب دیں۔

مجی لس: میرے اجنبی دوست میں سوچتا ہوں کہ اس سوال کا جواب مزید غور کا متقاضی ہے۔میرے خیال میں لیسی ڈیمون کی حکومت ایک طرح کی جابر حکومت ہے۔ہمارا حکمران اعلیٰ الیفورز (Ephors) کے اختیارات بڑی حد تک ظالمانہ ہیں۔لیکن کبھی کبھی مجھے یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ دیگر تمام مملکتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ جمہوری ہے۔لیکن کون معقولیت پسند یہ انکار کرسکتا ہے کہ یہ طبقۂ امرا کی حکومت ہے؟ ہمارے یہاں بادشاہت بھی ہے جو تاحیات قائم رہتی ہے اور صرف ہم

ہی نہیں بلکہ پوری دنیا یہ تسلیم کرتی ہے کہ یہ قدیم ترین بادشاہت ہے۔ اسی لیے میں فوری طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ سپارٹا میں کس قسم کی حکومت قائم ہے۔

کلینیاس: میں بھی اسی مخمصے میں گرفتار ہوں۔ مجی لس صاحب میں یقین سے یہ نہیں بتا سکتا ہوں کہ کنوسس کے سیاسی نظام کی نوعیت کیا ہے؟

اجنبی : میرے عزیز دوستو! اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کے یہاں نظام حکومت موجود ہے۔ لیکن جن ریاستوں کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے وہ صرف ان افراد کا مجموعہ ہیں جو وہاں رہائش پذیر ہیں اور جو اپنی ہی مملکت کے ایک حصے کی رعایا اور خادم ہیں اور ہر ایک کو غالب آ جانے والی قوت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ کوئی نظامِ حکومت نہیں ہے، بالکل نہیں ہے۔ لیکن اگر مملکتوں کو اس کے حاکموں کے نام سے موسوم کرنا ہو تو پھر اصل مملکت کو دیوتا کے نام سے موسوم کرنا چاہیے جو تمام دانا و بینا افراد کا حکمرانِ اعلیٰ ہے۔

کلینیاس: یہ دیوتا کون ہے؟

اجنبی : میں ایک بار پھر ایک لوک کہانی کا سہارا لیتا ہوں مجھے امید ہے کہ اس طرح میں آپ کے سوال کا بہتر جواب دے سکوں گا۔ کہانی بیان کروں؟

کلینیاس: کیوں نہیں ۔کیوں نہیں۔

اجنبی : قدیم زمانے میں اور ان شہری آبادیوں کے قیام سے بہت پہلے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کرونوس (Cronos) کے دور میں ایسا مبارک نظام حکومت قائم تھا کہ موجودہ بہترین نظام حکومت اس کی محض نقل ہے۔

کلینیاس: پھر تو اس کے بارے میں مزید کچھ بتائیے۔

اجنبی : مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ اسی لیے میں نے یہ موضوع چھیڑا ہے۔

کلینیاس: موضوع بہت ہی مناسب اور بروقت ہے۔ آپ تو ہمیں یہ داستان پوری کی پوری سنائیں۔

اجنبی : آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب انسان کے دامن میں مسرتیں ہی مسرتیں تھیں۔ تمام نعمتیں بآسانی اور بافراط دستیاب تھیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ کرونوس کو یہ علم تھا کہ اگر انسان کو اعلیٰ ترین اختیارات حاصل ہو جائیں اور انسانی معمولات پر عمل دخل رکھتا

ہوتو اس کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ ظلم اور بے راہ روی سے پوری طرح کام لے گا۔ یہ بات ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ اسی خیال کے تحت اس نے مملکتوں اور حکومتوں کے فرمانروا انسان نہیں بلکہ ایسے سورما مقرر کیے جن میں دیوتاؤں کی صفات پیدا ہو چکی تھیں اور جو ایک برتر اور الوہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نے وہی کام کیا جو ہم بھیڑوں اور دیگر پالتو جانوروں کے گلوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم بیلوں کا چرواہا کسی بیل کو، بکریوں کے لیے کسی بکری کو مقرر نہیں کرتے۔ لیکن ہم اشرف المخلوقات ہیں اس لیے ان پر حکمرانی کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح دیوتا نے انسانوں سے محبت کے سبب سورماؤں کی ایک نسل ہم پر مسلط کر دی جو ہم سے برتر ہیں۔ انھوں نے اپنے لیے اور ہمارے لیے بھی خوشی خوشی اور بڑی آسانی سے ہمارے امور سنبھالے۔ ہمیں امن و امان ملا، نظم وضبط ملا، احترام ملا، سب سے بڑھ کر انصاف ملا۔ انھوں نے انسانی قبائل کو شیر وشکر کر کے مسرتوں سے ہمکنار کیا۔ یہ قصہ حرف بحرف درست ہے اور ہمیں اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جس حکومت کا سربراہ دیوتا نہیں بلکہ فانی انسان ہوگا، اسے بدعنوانیوں اور رنج والم سے چھٹکارا نہیں مل سکتا ہے۔ تاہم ہمیں چاہیے کہ ہم اس طرز زندگی کی نقل کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں جو روایات کے مطابق کرونوس کے دور میں موجود تھی۔ رہ گیا ہمارے لیے دوام کے حصول کا سوال تو ہمیں نجی اور عوامی محفلوں میں اس پر نظر رکھنی چاہیے اور اپنے گھروں اور مملکت کو قانون کے مطابق چلانا چاہیے۔ لفظ قانون سے ہماری مراد عقل کی تقسیم ہے۔ لیکن اگر کوئی فرد واحد یا چند افراد کی حکومت یا جمہوریت کا مقصد ہی عیش وعشرت ہو اور اس کے حصول کا متمنی ہو لیکن ان کو وہ اپنی مرضی کے مطابق حاصل نہ کر سکتا ہو تو وہ ہمیشہ کے لیے حرص اور طمع کے چکر میں بے چین رہے گا۔ یہ بدروح آغاز میں قانون کو روندتی ہے اور پھر حکومت یا فرد پر غلبہ پالیتی ہے تو جیسا کہ میں بتا چکا ہوں نجات کی کوئی امید نہیں ہوگی۔ میرے دوست کلینیاس ذرا یہ بتایئے کہ آپ میری یہ کہانی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

کلینیاس: بالکل تسلیم کرتے ہیں۔

اجنبی : آپ جانتے ہیں یا شاید نہیں جانتے؟ کہا جاتا ہے کہ جتنی قسم کی حکومتیں ہوتی ہیں، اتنی ہی قسم کے قوانین بھی ہوتے ہیں۔ جہاں تک حکومتوں کا تعلق ہے اس کی مختلف تسلیم شدہ اقسام کا ذکر ہم پہلے

ہی کر چکے ہیں۔ آپ کو یہ اہم ترین نکتہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ہم ایک بار پھر مناسب اور غیر مناسب کی بحث میں الجھنے والے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ قانون کی نظر شجاعت یا عام خوبیوں پر نہیں بلکہ صرف حکومت کے مفادات، اختیارات اور اس کے استحکام پر ہونی چاہیے۔ ان کی رائے میں فطری قانون کے بیان کا یہی بہترین ذریعہ ہے۔

اجنبی : جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ عدل قوی فرد کے مفاد کا دوسرا نام ہے۔

کلینیاس: ذرا وضاحت فرما دیجیے۔

اجنبی : یقینی طور پر، جی ہاں۔ وہ کہتے ہیں کہ قوت حاکمیہ جو بھی قوانین تشکیل دیتی ہے وہ مملکت پر نافذ ہوتے ہیں۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی : اب وہ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ جابر حکومت یا جمہوریت یا کسی اور قسم کی حکومت سب سے پہلے وہ اپنی طرز حکومت کے استقلال کو قانون سازی کا مرکز ومحور بناتی ہے؟

کلینیاس: ان کا کوئی اور دوسرا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

اجنبی : اور جو کوئی بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اسے قانون ساز مجرم بنا کر سزا دیتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو قانون کو منصفانہ کہتے ہیں۔

کلینیاس: ایسا ہی ہوتا ہے۔

اجنبی : بس یوں سمجھ لیجیے یہی وہ سانچا ہے جس میں قانون ہمیشہ ڈھالا جاتا ہے۔

کلینیاس: جی ہاں۔ وہ ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ ان کی بات درست ہے۔

اجنبی : یہی تو حکومت کے وہ بودے اصول ہیں جو ہمارے زیر بحث ہیں۔

کلینیاس: کون سے اصول؟

اجنبی : وہی اصول جن پر ہم اس وقت غور کر رہے تھے ہماری گفتگو کا موضوع تھا کہ کسے کس پر حکومت کرنا چاہیے۔ کیا اس مرحلے پر ہم اس نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ باپ کا بچوں پر، بڑوں کا چھوٹوں پر، شریفوں کا رذیلوں پر تسلط ہونا چاہیے۔ آپ کو یاد ہو تو ہم نے متعدد اصولوں پر بات کی تھی جو ہمیشہ ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ ہمارا اصول یہی طاقت کا اصول تھا۔ اور ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ پنڈر تشدد کو

فطری گردانتا تھا اور اسے جائز سمجھتا تھا۔

کلینیاس: جی ہاں۔ مجھے یاد ہے۔

اجنبی : ذرا سوچیے کہ مملکت کی باگ ڈور کس کے حوالے کی جائے لیکن مملکتوں میں ایک ایسی بات ہے، ان گنت بار جن کا اعادہ ہوتا ہی رہتا ہے۔

کلینیاس: کون سی بات۔

اجنبی : یہ کہ جب طاقت کے لیے آویزش شروع ہوتی ہے تو جسے کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ حکومت پر پوری طرح قابض ہو جاتا ہے۔ اور شکست خوردہ حریف اور اس کی آل اولاد کو امور مملکت میں شریک نہیں کرتا۔ وہ ایک دوسرے پر نظریں جمائے زندگی گزار دیتے ہیں۔ حاکم کو ہمیشہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ کہیں کوئی شخص بغاوت کر کے حکومت پر قابض نہ ہو جائے، ان کی ماضی کی فروگزاشتوں سے آگاہ ہو۔ ہماری رائے میں ایسی حکومتیں کوئی سیاسی نظام نہیں ہوتیں۔ نہ ہی ان کے قوانین صحیح ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ مخصوص گروہوں کے فائدے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ مفاد عامہ کے لیے نہیں۔ جن مملکتوں میں ایسے قوانین نافذ ہوتے ہیں اور سیاسی نظام نہیں بلکہ سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں اور ان کا تصور عدل بے معنی ہوتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں زور دے کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں چاہیے ہم آپ کی مملکت میں کسی کو حکومت محض اس لیے حوالے نہ کریں کہ وہ دولتمند ہے یا اسے کوئی اور فضیلت حاصل ہے مثلاً طاقت، عہدہ یا خاندانی۔ حکومت کرنے کے لائق ہے وہ جو ریاستی قوانین پر خلوص دل سے عمل درآمد کرتا ہو۔ اسی کا سرتاج کے شایان شان ہو گا اور وہ جو اعلیٰ درجہ کا فاتح ہو، وہ اعلیٰ ترین عہدہ اور دیوتاؤں کی وزارت اعلیٰ کا سزاوار ہو گا اور اس سے کمتر کو اس سے کمتر اعزاز ملے گا۔ دیگر عہدوں پر تقرری بھی درجہ بدرجہ اسی طرح عمل میں آئے گی اور میں جب حاکموں میں خادم یا قانون کا رکھوالا کہتا ہوں تو میں محض جدت کے لیے اس لقب سے نہیں پکارتا بلکہ میرا یہ پختہ یقین ہے خدمت اور رکھوالی ہی پر کسی ریاست کی بہتری یا ابتری کا دارومدار ہوتا ہے۔ کیونکہ جس ریاست میں قانون کی حیثیت ثانوی ہو اور اس کا کوئی اختیار نہ ہو تو یوں سمجھ لیجیے کہ وہ تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے لیکن جب ریاستوں میں قانون کو حکمران پر بالادستی حاصل ہوتی ہے اور جو قانون کے تابع ہوتے ہیں تو انھیں

نجات بھی حاصل ہوتی ہے اور دیوتا کا فضل اس کے شامل حال ہوتا ہے۔

کلینیاس: اجنبی آپ کی انگلیاں وقت کی نبض پر ہیں۔

اجنبی : یوں ہی سمجھ لیں۔ ایسے خواب ہر فرد کی نگاہ میں جب وہ جوان ہوتا ہے تو دھندلے ہوتے ہیں لیکن جب عمر رسیدہ ہو جائے۔ یہ تصورات بڑے نمایاں ہو جاتے ہیں۔

کلینیاس: یقیناً یہ درست ہے۔

اجنبی : ہم ان سے کہتے ہیں میرے دوستو! قدیم روایات کے مطابق دیوتا دنیا کا آغاز، وسط اور انجام اپنے ہاتھوں میں لیے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی فطرت کے مطابق ایک خط مستقیم میں سفر کرتا ہے۔ عدل ہمیشہ اس کا ہم سفر ہوتا ہے اور الوہی قوانین کے مجرموں کو سزائیں دیتا ہے۔ جسے خوش و خرم رہنا ہے وہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اور اس پر پورے نظم وضبط اور انکساری سے عمل کرتا ہے۔ لیکن جو مغرور ہے، یا جسے دولت، عہدے یا حسن پر ناز ہوتا ہے یا جس کی روح گستاخیوں سے دہکتی ہے یا یہ سودا ہوتا ہے کہ اسے کسی قائد یا حکمران کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ اس لائق ہے دوسروں کی رہنمائی کرے ئیں تو کہوں گا کہ ایسا شخص دیوتا کی نظر میں مردود ہوتا ہے اور اس طرح مردود ہونے کے سبب وہ اپنے جیسے دوسروں کو بھی اپنے ساتھ ہی نچاتا ہے اور ہر شے کو افراتفری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں گرفتار رہتا ہے کہ وہ بڑا آدمی ہے لیکن مختصر سی مدت میں اسے اس کی وہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ جس کی عدل وانصاف توثیق کرتا ہے۔ وہ یکسر تباہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا خاندان اور ریاست بھی بربادی سے دوچار ہو جاتی ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ انسانی امور اسی نہج پر آگے بڑھتے رہتے ہیں دانا انسان کو کیا سوچنا اور کرنا چاہیے اور کیا نہیں سوچنا اور نہیں کرنا چاہیے؟

کلینیاس: ہر فرد کو چاہیے کہ وہ یہ عزم کر لے کہ وہ دیوتا کے احکام کی پابندی کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اجنبی :۔ اب طے یہ کرنا ہے کہ کس قسم کی زندگی دیوتا کو پسند بھی ہے اور اس کے بندوں کے شایان شان بھی۔ یہ ایک ہی طرز زندگی کہ جس کا اظہار ایک قدیم کہاوت میں یوں کیا گیا ہے کہ:

”شے اپنی ہی جیسی شے سے اور معیار اپنے ہی جیسے معیار سے مطابقت

رکھتا ہے''۔

لیکن جس شے کا کوئی معیار نہ ہو، وہ نہ تو آپس میں ایک دوسرے سے اور نہ ہی معیار رکھنے والی اشیا سے مطابقت رکھتی ہے۔ ہماری رائے میں ہر شے کا معیار صرف ایک ہی ہے وہ ہے ''دیوتا'' نہ کہ انسان۔ عام طور پر یہی کہا جاتا ہے (پروٹاغورس) کہ الفاظ اس کی حقیقت کے بیان سے قاصر ہوتے ہیں۔ جو دیوتا کو عزیز ہوگا وہ حتی الوسع اسی جیسا ہوگا۔ بے اعتدال شخص اس جیسا نہیں ہوگا۔ اس سے مختلف ہوگا اور وہ بے انصاف بھی ہوگا۔ اس اصول کا اطلاق دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔ یہی وہ نتیجہ ہے جو تمام اقوال کے مقابلے میں افضل ترین اور صادق ترین ہے۔ دیوتا کے حضور قربانی پیش کرنا، اس کی عبادت اور دعاؤں اور دیگر نیک اعمال کے ذریعے اس سے رابطہ رکھنا افضل ترین اور بہترین عمل ہے۔ جو زندگی کو خوشگوار بناتا ہے اور نہایت موزوں اور مناسب ہے۔ لیکن بُرے فرد پر اس کا دوسرا پہلو صادق آتا ہے۔ کیونکہ بدکار کی روح بھی ناپاک ہوتی ہے جبکہ نیک بندے کی روح پاک ہوتی ہے اور جو شخص آلودگی سے بھرا ہو اس کا کوئی نذرانہ نہ تو کسی نیک آدمی اور نہ ہی دیوتا کے لیے قابل قبول ہوگا۔ گویا یہ ناپاک لوگ دیوتاؤں کی خدمت محض ضائع کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ خدمت کوئی مردِ صالح پیش کرتا ہے تو وہ خوشی خوشی اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی وہ ہدف ہے جسے ہمیں ہمیشہ نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ لیکن اس ہدف کے حصول کے لیے ہم کون سے اسلحے سے کام لیں اور اسے کس طرح استعمال کریں؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم یہ اعتراف کریں کہ اولمپیا (Olympian) کے دیوتاؤں اور ریاست کے دیوتاؤں کے بعد دیگر دیوتاؤں کا جو ان سے کمتر درجے کے ہیں احترام کیا جائے۔ انھیں ہر شے جفت کے حساب سے پیش کی جائے اور بدشگونی اور طاق اعداد کی پیشکش کو دوسرا درجہ دیا جائے۔ جو فرد پارسائی کے اعلیٰ معیار کو حاصل کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ نیک شگون والی اشیا کو پہلے اعلیٰ مرتبت دیوتاؤں کی خدمت میں پیش کرے۔ ان دیوتاؤں کے بعد دانا انسان آسیب اور ارواح کی خدمت کرے اور پھر ان کے بعد سورماؤں کی اور پھر ذاتی اور آبائی دیوتاؤں کی باری آتی ہے۔ جن کی پوجا پاٹ ضابطے کے مطابق مقدس مقامات پر کی جاتی ہے ان کے بعد زندہ والدین کا احترام ضروری ہے جن کا ہمیں وہ قرض اتارنا ہے جو سب سے زیادہ عظیم اور قدیم ہے کیونکہ انسان کے پاس جو کچھ

ہے دراصل اسی کا ہے، جس کے صلب سے اس کی پیدائش ہوئی ہے، جس اسے پال پوس کر بڑا کیا اور اب اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی خدمت اچھی طرح انجام دے اس کی جائیداد کا خیال رکھے پھر خود اس کا اور اس کے بعد اس کی روحانی ترقی کا۔ یہ خیال رکھے کہ انھوں نے جب وہ چھوٹا تھا تو اس کی کتنی خدمت کی، کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور اب جب وہ ضعیف ہو چکے ہیں اس کا بدلہ چکانا ہے۔ اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ہے اور اسے چاہیے کہ وہ زندگی بھر ان کے لیے اپنی زبان سے کوئی بُری بات نہ نکالے۔ کیونکہ ہلکے اور جلدی سے ادا کیے ہوئے الفاظ کا گناہ بہت زیادہ ہوتا ہے، اسے یاد رکھنا چاہے کہ نمی سس (Nemesis) جو عدل کا ہرکارہ ہے اسی کام پر متعین ہے۔ وہ جب ناراض ہوں اور اپنے جذبات اور خیالات کا بلا روک ٹوک اظہار کرنا چاہیں تو اسے رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ کیونکہ اگر والد کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اس کے بیٹے نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے تو ناراضگی یقیناً جائز ہوگی۔ ان کی موت پر تجہیز و تکفین میں اعتدال سے کام لینا ہی بہتر ہوگا۔ اسے نہ تو معمول کے اخراجات سے زائد اور نہ ہی اس کی حیثیت سے کم۔ بالکل وہی ہو جس کا نمونہ ان سے پہلے کی نسل نے پیش کیا ہو اور انسان کو اس کی برسی پر خراج تحسین پیش کرنا نہیں بھولنا چاہیے اور ایسی کوئی رسم چھوڑنی نہیں چاہیے جو اس کی عزت و احترام کی یاد سے متعلق ہو اور اپنی ملکیت کا ایک معقول حصہ متوفی کی نذر کرنا چاہیے۔ ایسا عمل کر کے اور ایسی زندگی گزار کر ہی میں دیوتاؤں اور جو ہم سے بلند (ارواح اور آسیب) کے انعامات کے حق دار ہوں گے۔ اور ہم بقیہ زندگی امید و آسایش میں گزاریں گے۔ انسان اپنے بعد کی نسل کو عزیز و اقارب، احباب اور ہم عصروں سے متعلق باتوں کو کس طرح منظم کرے اور الوہی تعلیمات نے مہمان نوازی کے جو آداب سکھائے ہیں اور ان فرائض کی ادائیگی کے دوران جو روابط رونما ہوتے ہیں ان کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کو کس طرح سنوارتا اور منظم کرتا ہے۔ یہ تمام باتیں میرے خیال میں قانون کے ذریعے مکمل ہوں گی کچھ تو ان پر مائل کر کے اور جب وہ رسوم کو قبول نہ کرے تو اس کو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے تحت سرزنش کر کے مکمل کرنا ہوگا تاکہ دیوتا کی مدد ہمارے شامل حال ہو اور ریاست میں خوشی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو۔ لیکن اس ضمن میں جو کچھ کہنا ہے اسے ان قانون سازوں کو کہنا چاہیے، جو میرے ہم خیال ہیں۔ لیکن اگر وہ محض قانون کی زبان استعمال

کریں گے تو بات برمحل نہ ہوگی اس لیے میں سوچتا ہوں اسے پہلے خود اپنے اور جن کے لیے قانون تشکیل دیا جا رہا ہے ایک نمونہ تیار کرنا ہوگا اور ان تمام ابتدائی امور طے کرنے کے بعد ہی قانون سازی شروع کرے۔ اس طرح کے نمونوں کا ڈھانچا کیا ہوگا انھیں ایک ہی انداز سے بیان کرنا مشکل ہوگا۔ لیکن اگر ہم ایک بات کو یقینی بنالیں تو ہمیں ان کا ایک اجمالی تصور ضرور حاصل ہو جائے گا۔

کلینیاس: وہ کیا ہے؟

اجنبی : میں چاہتا ہوں ریاست کے باشندوں کو جتنی جلدی ہو سکے نیکی کی ترغیب دی جائے اور یہی قانون تشکیل دیتے ہوئے قانون سازوں کا بھی یہی مقصد ہونا چاہیے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : میری رائے میں تجویز کسی نہ کسی حد تک مفید ہے اور میرا خیال ہے کہ آدمی قانون سازوں کی ہدایت کو اس وقت بڑے تحمل اور نیک نیتی سے سنے گا جب اس کی روح اس کے حصول کے لیے مکمل طور پر غیر آمادہ نہیں ہوگی۔ ہلکے سے مصالحانہ رویے پر بھی عمل ضروری ہے کیونکہ اس طرح انسان کی توجہ مبذول کرانے میں آسانی ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان فطری طور پر نیکی کے حصول بلکہ جلد حصول پر آمادہ نہیں ہوتا۔ متعدد افراد کی مثالیں ہزیوڈ کی دانائی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں جس کا مقولہ ہے کہ بدی کی شاہراہ ہموار ہے اور اسے طے کرتے ہوئے پسینہ بہانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ مختصر بھی ہوتی ہے۔

"لیکن نیکی کی راہ میں لافانی دیوتاؤں نے مشقت کا پسینہ رکھ دیا ہے
اور یہ راستہ ڈھلوان بھی ہے اور طویل بھی، اس کا ابتدائی حصہ سنگلاخ ہے
لیکن جب آپ ہرج مرج کھینچتے ہوئے چوٹی پر پہنچتے ہیں تو راہ آسان ہو
جاتی ہے"۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔ اس کی باتیں بڑی اچھی ہوتی ہیں۔

اجنبی : بات بالکل درست ہے چلیے اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ ماسبق بحث نے مجھے کس طرح متاثر کیا ہے۔

کلینیاس: بات جاری رکھیے۔

اجنبی : فرض کیجیے ہمیں قانون ساز سے تھوڑی دیر گفتگو کا موقع ملتا ہے اور ہم اس سے کہتے ہیں " قانون ساز ذرا ہمیں بتایئے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کہنا اور کیا کرنا ہے؟ آپ کو یقیناً پتا ہوگا۔

کلینیاس: جی ہاں وہ بتا سکتا ہے۔

اجنبی : کیا ہم نے ابھی آپ کی یہ بات نہیں سنی کہ قانون ساز کو شاعروں کو ان کی مرضی کا عمل کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے؟ کیونکہ انھیں یہ احساس ہی نہیں ہوگا کہ ان کے کس لفظ سے قانون شکنی ہوئی ہے اور مملکت کو نقصان پہنچا ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : کیا ہم شاعر کی طرف سے اسے جواب نہیں دے سکتے؟

کلینیاس: ہم اسے کیا جواب دیں گے۔

اجنبی : یہی کہ روایات کے مطابق جن سے ہم ہمیشہ سے آشنا ہیں اور جسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ شاعری کے سنگھاسن پر بیٹھ کر شاعر صحیح الدماغ نہیں رہتا۔ جو بھی خیالات اس کے ذہن میں آتے ہیں اسے وہ ایک فوارے کی طرح باہر اچھالتا ہے۔ اس کا فن چونکہ ایک طرح نقل ہوتا ہے اس لیے وہ متضاد مزاجوں کے انسانوں کی تصویر کشی پر مجبور ہوتا ہے۔ وہ یہ بتا ہی نہیں سکتا کہ اس نے کسی نظم میں جو بات کہی ہے اس میں زیادہ صداقت ہے یا کسی دوسری نظم میں۔ لیکن قانون کی یہ نوعیت نہیں ہوتی۔ قانون ساز کو چاہیے کہ وہ ایک ہی معاملے پر دو قانون تیار نہ کرے۔ بلکہ صرف ایک کرے۔ آپ نے بھی جو کہا ہے اسی کی مثال سامنے رکھتے ہیں۔ تجہیز و تکفین کی تین طرح رسومات میں سے ایک بہت ہی زیادہ اسراف والی ہے۔ دوسری پر صرف بہت ہی کم آتا ہے۔ یعنی کنجوسی پر مبنی ہوتی ہے تیسری میں اعتدال ہوتا ہے اور حالات پر نظر ڈالے بغیر آخری الذکر کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن اگر میری مرحومہ بیوی بہت ہی دولتمند ہو اور اس نے مجھے تدفین کی وصیت کی ہو اور یہ بھی کہا ہو کہ اس کی آخری رسوم کو نظم کے سانچے میں بھی ڈھالوں تو میں اسراف والی رسوم کی توصیف کروں گا لیکن ایک غریب بینوا شخص ظاہر ہے کم سے کم خرچ کی رسوم کا انتخاب کرے گا۔ اور ایک اعتدال پسند شخص جو خود بھی اوسط درجے کا ہے۔ اوسط درجے کی رسم کے گن گائے گا۔ آپ ایک قانون ساز کی حیثیت سے صرف یہ نہیں کہیں گے کہ "تدفین اعتدال کی ہونی چاہیے"

بلکہ آپ کو یہ بتانا پڑے گا اعتدال سے آپ کی مراد کیا ہے۔ اس پر کتنا خرچ آئے۔ جب تک آپ پر خود اچھی طرح واضح نہ ہو جائے آپ یہ نہ فرض کرلیں کہ آپ کا لفظ قانون بن گیا۔

کلینیاس: یقیناً نہیں۔

اجنبی : کیا ہمارا یہ قانون ساز قانون کو بلا کسی تمہید کے تشکیل دے گا۔ بلکہ سیدھے یہ حکم دے گا کہ "ایسا کرو"، ایسا نہ کرو" اور پھر تعزیر کا کوڑا ہاتھ میں لے کر اگلے قانون کی تشکیل میں مصروف ہو جائے اور جن کے لیے قانون بنا رہا ہے ان کی ہدایت اور اصلاح کے لیے ایک لفظ بھی منھ سے نہ نکالے جیسا کہ چند طبیبوں کا رویہ ہوتا ہے۔ یہاں میں آپ کو بتاتا چلوں کہ کچھ طبیبوں کا طریقہ علاج بڑا ہی نرم اور شریفانہ ہوتا ہے جب کہ دوسرے بڑے سخت اور حاکمانہ قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہم اپنے قانون سازوں سے استدعا کریں گے کہ وہ ہمارے عوارض کا علاج دھیمی اور ہلکی دواؤں سے کریں۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ طبیبوں کے علاوہ ان کے شاگرد پیشہ بھی ہوتے ہیں جو خود بھی طبیب کہلاتے ہیں۔

کلینیاس: بالکل درست۔

اجنبی : وہ غلام ہیں یا آزاد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنے آقا کا مشاہدہ کر کے علاج کا فن حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ ان کا عملی تجربہ ہوتا ہے۔ نصابی درس و تدریس نہیں۔ جو آزاد افراد کا طریقہ ہوتا ہے جو اس فن کو باقاعدہ حاصل کرتے ہیں اور اسی باقاعدگی کے ساتھ اپنے شاگردوں کو سکھاتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں نا کہ طبیب اسی دو قسم کے ہوتے ہیں؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : کبھی آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ریاست میں مریض بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ آزاد اور غلام۔ جو طبیب غلام ہیں وہ دوڑ دوڑ کر غلاموں کا علاج کرتے ہیں یا دواخانوں میں ان کے منتظر رہتے ہیں۔ اس طرح کے طبیب کبھی اپنے مریضوں سے فرداً فرداً گفتگو نہیں کرتے یا انھیں اپنے مرض پر بات کرنے کا موقع دیتے ہیں؟ غلام طبیب اپنے تجربے کے مطابق وہ دوا دیتا ہے جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہو اور جب وہ ایک سخت حکمران کی طرح اپنا حکم صادر کر دیتا ہے تو وہ دوڑ کر دوسرے بیمار غلام کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اس طرح وہ اپنے آقا کو معذوروں اور غلاموں کی

نگہداشت کی زحمت سے بچا لیتا ہے۔ اس کے برخلاف وہ طبیب جو آزاد ہے وہ آزاد افراد کا علاج کرتا ہے۔ ان پر توجہ دیتا ہے اور وہ مرض کا پوری طرح پتا چلاتا ہے اور مرض کی تہ تک پہنچتا ہے۔ مریض سے اچھی طرح اس کا حال پوچھتا ہے۔ اس کے احباب سے بھی باتیں معلوم کرتا ہے۔ مریض سے معلومات حاصل کر کے اسے ضروری ہدایات دیتا ہے اور جب تک اسے مرض کے بارے میں اطمینان نہ ہو جائے کوئی دوا تجویز نہیں کرے گا۔ آخر کار وہ مریض کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کر کے اپنی مہارت کا قائل کر کے اسے صحت کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ ذرا سوچیے کہ معالج اور طب کی تعلیم دینے والے کے لیے علاج کا بہتر طریقہ کون سا ہے۔ کیا وہ بہتر ہے جو اپنا کام دوہرے طریقوں سے پورا کرتا ہے یا وہ جو ایک ہی طریقہ استعمال کرتا ہے جو سخت تر بھی ہے اور کمتر بھی؟

کلینیاس: میرے اجنبی دوست میں تو کہوں گا دوہرا طریقہ درست اور بہتر ہے۔

اجنبی: اب میں قانون سازی میں دوہرے اور اکہرے طریقے کی مثال پیش کروں؟

کلینیاس: ضرور، ضرور۔

اجنبی: ہمارے لیے بنیادی قانون کیا ہونا چاہیے کیا قانون ساز فطرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے قانون سازی کی ابتدا ریاست اور پیدائش سے نہیں کرے گا؟

کلینیاس: کرے گا کیوں نہیں۔

اجنبی: ہر ریاست میں بچوں کی پیدائش کا سلسلہ شادی سے شروع ہوتا ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی: اور صحیح تنظیم تو یہ ہوگی کہ شادی کے قوانین وہی ہوں جنھیں تمام ریاستوں میں مرتب کیا گیا ہو۔

کلینیاس: بلاشک۔

اجنبی: شادی کا ایک سادہ سا قانون میں مرتب کرتا ہوں۔ جو کچھ اس طرح کا ہوگا، مرد کو چاہیے کہ وہ تیس (۳۰) اور پینتیس (۳۵) سال کی عمر کے درمیان شادی کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے فلاں فلاں جرمانہ ادا کرنا ہوگا یا اسے فلاں فلاں فوائد سے محروم کر دیا جائے گا۔ شادی کا یہی سادہ سا قانون ہونا چاہیے اور دوہرے قسم کا قانون کہے گا کہ مرد تیس (۳۰) اور پینتیس (۳۵) سال کی

عمر کے درمیان شادی کرے گا۔ اس کا مقصد ہوگا کہ وہ اس طرح نسل انسانی کا سلسلہ ابدالآباد تک جاری رہے گا کیونکہ یہی ہر انسان کی تمنا ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ مشہور ہو اور قبر میں گمنامی کی حالت میں پڑا نہ رہے۔ یہ خواہش اس کے امر ہونے کی آئینہ دار ہے۔ انسان ہر زمانے میں موجود رہتا ہے۔ اس نے ماضی میں بھی زمانے کا ساتھ دیا ہے آئندہ بھی اس کے قدم بقدم رہے گا۔ اس طرح وہ لافانی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اولاد پھر ان کی اولاد کو دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور نسل انسانی کے اس اتحاد میں اس کی ابدیت پوشیدہ ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے اس نعمت سے خود کو محروم کر دے، نہ اس کی بیوی ہو نہ بچے تو اس سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوتا ہے۔ جو اس قانون کی پابندی کرے گا وہ آزاد ہوگا اسے کوئی جرمانہ ادا نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن جو نافرمانی کا مرتکب ہوگا اور پینتیس (۳۵) سال کی عمر کو پہنچ کر شادی نہیں کرے گا تو وہ ہر سال ایک خاص رقم بطور جرمانہ ادا کرے گا تاکہ وہ اپنی ناکتخدائی کو اپنے لیے باعث آسایش اور نعمت و نفع نہ سمجھے۔ وہ اس احترام کا بھی مستحق نہیں ہوگا جو نوجوان بزرگوں کا کرتے ہیں۔ اب آپ ان دو قسم کے قوانین کا باہم موازنہ کر کے ہر قسم کے قوانین پر رائے زنی کر سکتے ہیں خواہ وہ طویل ہوں یا مختصر۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کا مقصد ترغیب ہے اور تعزیر بھی۔ یا وہ طوالت میں دوسرے قانون کا نصف ہے مگر صرف تعزیری ہے۔

مجی لس : اجنبی دوست آپ کے مجوزہ قانون کا اجمالی خاکہ لیسی ڈیمون کی رسوم و روایات کے مطابق ہوگا۔ حالانکہ اس ضمن میں اگر کوئی مجھ سے میری رائے دریافت کرے گا تو میں یہی کہوں گا کہ مجھے تو تفصیلی قانون بہتر نظر آتا ہے۔ اور میں چاہوں گا کہ ہر قانون اسی نمونے پر تشکیل دیا جائے۔ لیکن میرے خیال میں آپ ذرا کلینیاس کی رائے معلوم کر لیں کیونکہ یہ قانون اسی کی ریاست میں نافذ العمل ہوگا۔

کلینیاس: شکریہ مجی لس۔

اجنبی : سوچنے کی بات یہ ہے کہ الفاظ کم ہوں یا زیادہ یہ امر معقولیت سے بعید نظر آتا ہے۔ ہمیں تو مختصر ترین نہیں بلکہ بہترین کی توثیق کرنی ہے۔ قانون کی طوالت پر توجہ دینی ضروری نہیں ہے۔ میں نے قوانین کے جو دو ڈھانچے پیش کیے ہیں ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں عملی فائدے

کے لحاظ سے دوگنا بہتر ہے۔ لیکن یہ معاملہ بھی دوقسم کے معالجوں والا ہے۔ جس کا میں نے کچھ دیر قبل تذکرہ کیا ہے تاہم قانون سازوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ دو طریقے ان کے پیش نظر ہیں۔ جنھیں وہ قانون سازی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ دو طریقے ہیں ترغیب اور جبر۔ جہاں تک غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کا تعلق ہے وہ جہاں تک ممکن ہو ایک ہی طریقے پر کاربند رہتے ہیں۔ وہ ترغیب میں جبر کو شامل نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف جبر ہی سے کام لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تیسرا پہلو بھی ہے، عزیز دوستو، جن کا مروجہ قوانین میں لحاظ رکھنا ضروری ہے مگر اس کا کبھی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

کلینیاس: یہ کیا ہے؟

اجنبی: یہ نکتہ ہماری گزشتہ بحث سے پیدا ہوا ہے۔ جو میرے ذہن میں بڑے پراسرار طور پر ابھرا ہے۔ صبح سویرے سے لے کر دوپہر تک اس خوبصورت سبزہ زار میں ہم قانون کی باتیں کرتے رہے ہیں اور اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ ہم ان کو نافذ کرنے والے ہیں گویا اس سے قبل جو کچھ بھی ہوا وہ محض تمہید تھی۔ آخر میں اس کا ذکر کیوں لے بیٹھا ہوں؟ وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہمارے تمام زبانی جمع خرچ ہیں تمہیدیں بھی تھیں اور تجویزیں بھی جو ایک طرح کی فنی ابتدا تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارا یہ عمل اس طریقے کے لیے معاون ثابت ہو جس پر عمل درآمد ہوگا۔ گیت کے اوزان اور دیگر اقسام کی موسیقی کی دھنوں کا ابتدائیہ بڑی محنت سے تیار کیا جاتا ہے لیکن قانون اور سیاست کی اصل اور اعلیٰ طریقے سے متعلق کسی نے بھی نہ کوئی بات کی ہے نہ کسی نے اسے مرتب کیا ہے اور نہ ہی شائع کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فطرت میں ایسی کسی شے کا وجود ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ہماری موجودہ بحث میں یہ بات مضمر نظر آتی ہے۔ یہ دوہرے قوانین جو ہماری گفتگو کا موضوع ہیں دوہرے نہیں ہیں بلکہ یہ دو حصوں پر مشتمل ہیں یعنی قانون اور قانون کی تمہید۔ شخصی حکم ہی اصلی قانون ہے جس کا موازنہ ہم نے طبیب کی سخت ہدایت سے کیا تھا اور جسے ہم نے کمتر حیثیت کا قرار دیا تھا اور اس سے قبل کا قانون جسے ہمارے دوست نے تعزیری کہا تھا۔ وہ حقیقتاً آمادہ کرنے والا کسی بحث کی تمہید کے مثل تھا۔ کیونکہ ذرا سوچیے کہ یہ نرم اور قائل کرنے والی باتیں جو قانون ساز نے قانون کی تمہید میں بیان کی ہیں۔ صرف اس لیے تھیں کہ اس سے مخاطب کے دل میں خیر خواہی پیدا ہوتا کہ وہ اس کے حکم

یعنی قانون کو زیادہ سمجھداری کے ساتھ تسلیم کرے۔ اس لیے میرے طرز کلام کے مطابق اسے قانون نہیں بلکہ قانون کا دیباچہ ہی سمجھنا چاہیے۔ میں مزید کہوں گا کہ قانون ساز کو چاہیے کہ وہ ہر قانون کا دیباچہ ضرور لکھے۔ اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قانون کے لیے اس طرح کے دیباچہ کی موجودگی یا غیر موجودگی سے کتنا عظیم فرق پڑ سکتا ہے۔

کلینیاس: قانون ساز اگر میری رائے پوچھے گا تو میں یہ کہوں گا کہ اسے آپ کی تجویز کے مطابق قانون بنانا چاہیے۔

اجنبی : میرا بھی خیال ہے کہ آپ کی یہ رائے درست ہے کہ ہر قانون کا دیباچہ ہونا چاہیے نیز قانون سازی کے سارے عمل میں ہر قانون کے آغاز میں اس کا موزوں دیباچہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کی باتیں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں اور دیباچے کے نکات کی بات سے بہت بڑا فرق پڑ سکتا ہے۔ خواہ وہ اچھی طرح ہمارے ذہن نشین رہے یا نہ رہے۔ تاہم یہ ہماری غلطی ہوگی اگر ہم ہر چھوٹے بڑے قانون کے لیے ایک ہی جیسا دیباچہ لازمی قرار دیں۔ یہی بات تمام نغموں اور تقریروں پر صادق آتی ہے۔ اگرچہ ان تمام کے لیے دیباچہ فطری طور پر درکار ہوگا تاہم وہ ضروری نہیں ہے۔ اس کے استعمال کا فیصلہ مقرر یا موسیقار اور موجودہ صورت میں قانون ساز کو کرنا ہوگا۔

کلینیاس: میں سمجھتا ہوں بات بالکل درست ہے۔ میرے اجنبی دوست اب ذرا جلدی سے ہم اپنی اصل بحث کا رخ کریں۔ کھلاڑیوں کی زبان میں کھیل دوبارہ شروع کریں۔ بحث کا آغاز اگر آپ کی مرضی ہو تو ان اصولوں سے کریں جن کو ہم نے تجویز کیا ہے۔ لیکن اس سے قبل ہم نے انھیں تمہید کا درجہ نہیں دیا تھا۔ بلکہ اب انھیں حادثاتی موضوع نہیں بلکہ باقاعدہ تمہید سمجھ کر ان پر غور کریں۔ یہ تسلیم کریں کہ یہ تمہید ہے۔ دیوتاؤں کی تکریم اور والدین کے احترام پر بہت باتیں ہو چکی ہیں۔ اب ہمیں اگلے موضوعات پر غور کرنا چاہیے تاکہ آپ اس تمہید کو مکمل سمجھ لیں۔ اس کے بعد آپ خود قوانین کو زیر بحث لائیں۔

اجنبی : تو گویا آپ کا یہ خیال ہے کہ ہم نے دیوتاؤں، سورماؤں ارواح اور زندہ مردہ والدین پر بحث و مباحثہ کر لیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ بقیہ موضوعات پر کھل کر روشنی ڈالیں۔ یہی بات

ہے نا؟

کلینیاس: جی ہاں بالکل یہی بات ہے۔

اجنبی: اس کے بعد مناسب اور موزوں یہی ہے کہ آپ سامع اور میں مقرر کی حیثیت سے ان تمام امور پر توجہ مرکوز کروں جن کا تعلق شہریوں، روح، جسم اور جائیداد سے، ان کے پیشوں اور کھیل تماشوں سے ہے۔ اس طرح ہم ہر ممکن طریقوں سے تعلیم کی خصوصیات کو زیر بحث لائیں گے۔

کلینیاس: بہت خوب۔

☆☆☆
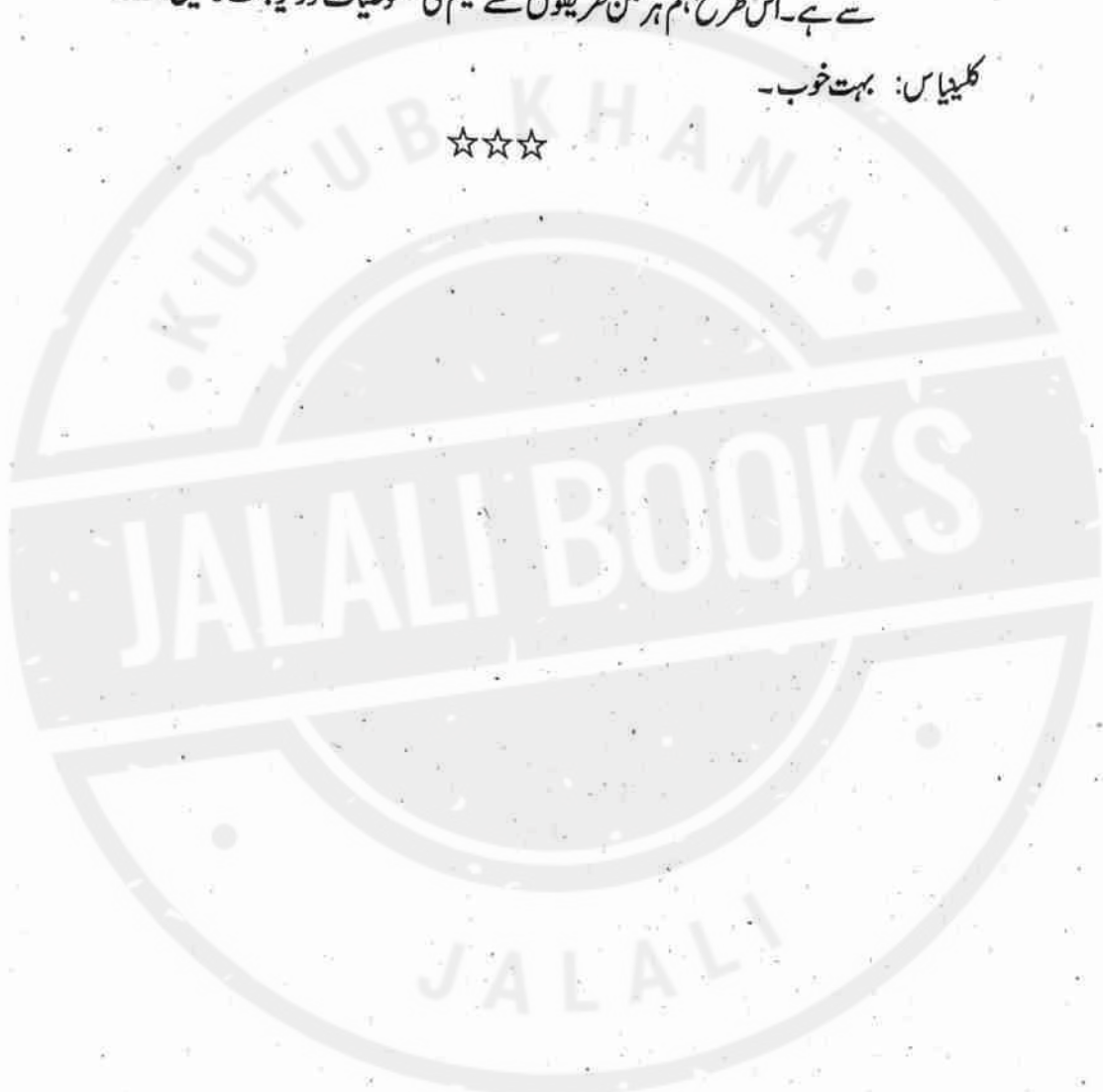
پانچویں کتاب

اجنبی : آپ نے دیوتاؤں اور ہمارے عزیز اجداد سے متعلق قوانین کے بارے میں باتیں سُنی ہیں۔ دیوتاؤں کے بعد انسان کے لیے سب اہم شے اس کی روح ہے۔ جو دیوتاؤں کے بعد سب سے زیادہ الوہی ہے جو صحیح معنوں میں اس کی اور صرف اسی کی ہے۔ ہر انسان کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک بہتر اور افضل تر ہے۔ جو حکم چلاتا ہے اور دوسرا بدتر اور کمتر ہے جو خدمت بجالاتا ہے۔ اس کے حکمران حصے کو حکم بردار حصے کے مقابلے میں ہمیشہ فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ہم حق بجانب ہوں گے اگر ہم دیوتاؤں کے بعد حکمرانوں (مثلاً سورماؤں، ارواح وغیرہ) کو افضل سمجھیں اپنی روح کے احترام کا حکم دیں۔ ہر شخص اپنی روح کا احترام کرتا ہے لیکن یہ احترام اس طرح نہیں کرتا جیسا کہ حق ہے کیونکہ احترام، الوہی نیکی ہے۔ اور کوئی بُری شے قابل احترام نہیں ہوتی۔ اگر کوئی فرد یہ سمجھتا ہے کہ وہ الفاظ یا نذرنیاز یا کسی طرح کا حکم مان کر روح کا احترام کرتا ہے لیکن اسے بہتر بنانے کے لیے کچھ نہیں کرتا تو وہ اس کا احترام نہیں کر رہا ہے۔ مثلاً ہر فرد بچپن ہی سے یہ سوچتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور یہ کہ ثناء کر کے اپنی روح کا احترام کر رہا ہے اور وہ جو کچھ کرنا چاہے اس کے لیے وہ آمادہ ہے لیکن میں کہتا ہوں ایسا شخص اپنی روح کو مجروح کر رہا ہے اور اس کا احترام قطعی نہیں کر رہا ہے۔ جب کہ ہمارا خیال ہے کہ اسے روح کا احترام بتوں کے بعد ہی کرنا چاہیے۔ دوسری مثال یوں ہے کہ جب کوئی یہ سوچتا ہے کہ ان غلطیوں کے لیے جو اس سے وقتاً فوقتاً سرزد ہوئیں اور اس کے نتیجے میں جن مصائب سے وہ دوچار ہوا اس کا ذمہ دار وہ نہیں بلکہ دوسرے ہیں اور وہ ہمیشہ خود کو معصوم عن الخطا گردانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح اپنی روح کا احترام کر رہا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل ہی برعکس ہے تو وہ روح کو مجروح کر رہا ہے۔ اور جب وہ قانون ساز کے الفاظ اور توثیق کو پس پشت ڈال کر عیش وعشرت میں ڈوب جاتا ہے تو وہ اپنی روح کی تذلیل

کا سامان کرتا ہے اور اسے گناہوں اور تاسف سے لبریز کر دیتا ہے اور جب وہ قانون ساز کی متعین کردہ سزاؤں، جسمانی کلفتوں، مصائب وآلام کو آخر تک برداشت نہیں کرتا بلکہ درمیان میں ہی ان کے آگے سر تسلیم خم کر لیتا ہے تو اس عمل سے وہ اپنی روح کا احترام نہیں کرتا بلکہ اسے مزید ذلتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ یہ سوچتا ہے کہ ہر قیمت پر زندگی کو عیش کا گہوارہ ہونا چاہیے۔ جب وہ یہ سوچتا ہے کہ زندگی ہر قیمت پر خوشگوار ہے تو پھر وہ اس کی تکریم نہیں کرتا بلکہ اس کی مزید تذلیل کا باعث بنتا ہے کیونکہ روح کا یہ خیال ہے کہ زمین پر آباد دنیا گناہوں سے لبریز ہے۔ وہ روح کی اس غلط فہمی کو بخوشی تسلیم کرتا ہے اور اس کی نہ تو تردید کرتا ہے نہ ہی اس کو قائل کرتا ہے کہ اس ضمن میں اس کا علم صفر ہے۔ دنیا تو دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔ یہاں گناہ کا بول بالا نہیں ہے بلکہ ہر طرف نیکی کا راج ہے۔ مزید برآں جب کوئی فرد حسن کو نیکی پر ترجیح دیتا ہے تو کیا یہ سیدھی سادی روح کی تذلیل نہیں ہے؟ کیونکہ اس ترجیح کا یہ مطلب ہوا کہ جسم کو روح پر افضلیت حاصل ہے۔ یہ تاثر غلط ہے کیونکہ کوئی دنیاوی تخلیق سماوی تخلیق سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ اور روح کے بارے میں جو اس کے برخلاف رائے رکھتا ہو اسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی اس قیمتی متاع کو کتنا کمتر سمجھ رہا ہے علاوہ بریں جب کوئی شخص ناجائز فوائد کے حصول کے لیے رضا مند ہوتا ہے یا غیر رضا مند نہیں ہوتا کیا وہ روح کے حضور نذرانے پیش کرتا ہے۔ وہ بالکل ایسا نہیں کرتا۔ وہ اس کی عزت وحرمت کو چند طلائی سکوں کے عوض فروخت کر دیتا ہے۔ لیکن روئے زمین یا زیر زمین جتنا بھی سونا ہے وہ نیکی کا بدل نہیں بن سکتا ہے۔ مختصراً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو شخص بدی اور گناہ، نیکی اور نجابت میں قانون سازوں کے معیار کے مطابق تمیز نہیں کر سکتا اور ایک سے حتی المقدور اجتناب کرتا ہے اور دوسرے پر عمل کرتا ہے۔ اس بیچارے کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی روح کی جو انسان کا سب سے زیادہ الوہی جزو ہے، بڑے پیمانے پر ہتک کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے کسی شخص نے اس سزا پر غور نہیں کیا جو اسے ملتی ہے کیونکہ وہ بدطینت افراد جیسا بن جاتا ہے اور ایسے افراد کی طرح نشوونما پاتا ہے جو نیکی کے تذکروں سے دور ہوتے ہیں۔ ان سے لاتعلق ہوتے ہیں اور نیک لوگوں سے کٹ کر برے لوگوں کی صحبت میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو ان کا ساتھی بن جاتا ہے وہ وہی کام کرتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ وہی سختیاں جھیلتا ہے جو وہ

جھیلتے ہیں۔ وہی کچھ کہتا سنتا ہے جو وہ کہتے سنتے ہیں۔ یہ وہ کرب ہے جو عدل نہیں بلکہ مکافات ہے کیونکہ عدل اور عادل ہمیشہ شریف النفس ہوتے ہیں جب کہ مکافات وہ کرب ہے جو ناانصافوں کے حصے میں آتا ہے۔ خواہ وہ اسے برداشت کریں یا اس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ذلیل اور حقیر ہی رہتا ہے کیونکہ اوّل الذکر لحاظ سے اس کی اصلاح نہیں ہوئی اور ثانی الذکر معاملے میں اسے اس لیے تباہ کر دیا جاتا ہے تا کہ بقیہ نسل انسانی کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔

عمومی لحاظ سے ہماری عظمت یہی ہے کہ ہم بہتر کی پیروی اور بدتر کی اصلاح کریں اگر وہ اصلاح پذیری کی اہلیت رکھتا ہو۔ انسان کی تمام متاع میں روح ہی ایسی ہے جو گناہ سے دامن کشاں رہنے پر سب سے زیادہ مائل رہتی ہے۔ اور عظیم نیکی کو تلاش کر کے اس سے استفادہ کرتی ہے۔ اور جب انسان کو عظیم نیکی حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ بقیہ زندگی اس کو ساتھ ساتھ لے کر چلے کیونکہ تکریم کے اعتبار سے روح دیوتا کے بعد دوسرے درجے میں آتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ فطری درجہ بندی میں تیسرے درجے میں جسم آتا ہے جس کی تکریم میں کچھ تو اصلی ہوتی ہیں اور کچھ جعلی۔ اس معاملہ کو طے کرنے کے بعد ہمیں یہ سوچنا ہے کہ جسم کی ایک فطری تکریم بھی ہے اور ان میں سے چند اصل اور چند جعلی ہوتی ہیں۔ کون سی تکریم کیسی ہے یہ طے کرنا قانون سازوں کا کام ہے اور میرا اندازہ ہے کہ وہ یہ بتائے گا کہ وہ درج ذیل نوعیت کی ہوتی ہیں:

تکریم نہ گورے جسم کی ہو گی نہ چست و توانا کی، نہ طویل القامت کی، نہ تندرست کی (ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کا خیال اس سے مختلف ہو) اور نہ ہی اس کے خلاف صفات رکھنے والے جسم کی۔ لیکن ان تمام خوبیوں میں اعتدال والی حالت ہی محفوظ ترین اور معتدل ترین ہوتی ہے کیونکہ ایک کی زیادتی روح کو شیخی خورہ اور گستاخ اور دوسرے کی تنگ نظر اور کمینہ طینت بنا دیتی ہے۔ دولت جائیداد اور اعزاز سب اسی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی زیادتی بھی ریاستوں اور افراد میں نفرتوں اور انتشار کا سرچشمہ بن سکتی ہے اور اس کا بُرا نتیجہ غلامی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی شخص ہو گا جو اپنی اولاد کے لیے دولت کے انبار لگانے کا اس لیے شائق ہو گا کہ وہ ان کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت ورثے میں

چھوڑ جائے۔ کیونکہ بہت زیادہ دولت تو کسی فرد کے اور نہ ہی ریاست کے کام آسکتی ہے۔ وہ نوجوان جو خوشامدیوں سے دور رہنے کے ساتھ ساتھ ضروریات زندگی کا حاجتمند نہیں رہتا بہترین ہوتا ہے اور جو ایک متوازن زندگی گزارتا ہے۔ وہ ہماری فطرت سے ہم آہنگ ہوتا ہے اور اس کی زندگی رنج وغم سے یکسر پاک ہوتی ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے لیے دولت نہیں بلکہ احترام کا جذبہ ترکے میں چھوڑیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ حقیقت میں وہ ہم سے احترام کا جذبہ ورثے میں حاصل کریں گے بشرطیکہ جب وہ احترام میں کسی قسم کی کمی دکھائیں تو ہم ان کی سرزنش کریں لیکن سرزنش کا جو مروجہ طریقہ ہے اس سے یہ خوبی ان تک منتقل نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ تو صرف یہ نشاندہی کرتی ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ باادب رہیں۔ معقول قانون ساز کا یہ فرض ہے کہ وہ بزرگوں کو یہ تلقین کرے کہ وہ نوجوان نسل کا احترام کریں۔ مزید برآں اس بات پر توجہ دیں کہ کوئی انسان خود کسی کی بدکلامی یا بدعملی کا مرتکب نہ ہو۔ کیونکہ اگر بزرگوں میں شرم ولحاظ نہ ہوگا تو یقیناً نوجوانوں میں ادب تقریباً ناپید ہوگا۔ نوجوانوں کی تربیت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ خود اپنی بھی تربیت کریں۔ ان کی تادیب نہ کریں، پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جو اپنے عزیزوں کا احترام کرتا ہے اور ان کا بھی جو ایک دیوتا کو مانتے ہیں اور ایک ہی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں یہ امید رکھنی چاہیے کہ جو دیوتا نسلوں کے امور کے ذمہ دار ہیں وہ اس کے معاون ہوں گے اور اس کی نسل تیزی سے پھیلے گی اور جو آدمی ان خدمات کو جو اس کے احباب اور ملاقاتی اس کے لیے انجام دیتے ہیں ان کے اپنے اندازے سے کہیں زیادہ اور اپنی نیکیوں کو جو وہ ان کے لیے کرتا ہے کمتر تصور کرے گا اسے زندگی بھر ان کی نیک نیتی حاصل رہے گی۔ اسی طرح جہاں تک ریاست اور ہم وطنوں کے ساتھ اس کے تعلقات کا سوال ہے۔ وہ بہترین ہے حالانکہ نہ اس نے اولمپک یا کسی جنگ اور صلح کے قضیے میں کامرانی حاصل کی ہے اور نہ وہ اپنے ملک کے قوانین پر عملدرآمد میں کسی اعزاز کا متمنی ہے۔ اگرچہ اس نے تمام انسانوں سے کہیں زیادہ پوری زندگی قوانین کے مطابق اطاعت میں گزاری ہے۔ اجنبی افراد سے میل جول میں انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ معاہدہ بہت ہی زیادہ مقدس ہوتا ہے اور دیگر شہریوں کی تشویش اور غلط کاریوں کے مقابلے میں اجنبی افراد کی تشویش اور غلط کاریاں براہ راست دیوتا کی حفاظت پر منحصر ہوتی ہیں۔

کیونکہ اجنبی فرد کا وہاں نہ کوئی عزیز ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دوست۔ اس لیے دیوتا اور دوسرے آدمی اس کے ساتھ رحم و ہمدردی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے جو شخص خود انتقام لینے پر آمادہ ہوتا ہے وہ اپنے نقطۂ نظر کا پرزور حامی ہوتا ہے جو شخص سب سے لائق ترین ہوتا ہے وہ ذہین و فطین ہوتا ہے اور اجنبی کا مربی بن جاتا ہے جو اجنبیوں کے دیوتا زیوس کے ہمراہیوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس میں احتیاط کی ذرا سی رمق بھی موجود ہے وہ اجنبیوں سے زندگی بھر کبھی کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ اجنبیوں یا ہم وطنوں اور مظلوموں کے خلاف جن گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے ان کا شمار کبائر میں ہوتا ہے کیونکہ جو دیوتا مظلوموں کے ساتھ سلوک کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اس متاثرہ فرد کا ایک لحاظ سے سرپرست بن جاتا ہے اور یقیناً اس پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں اس کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔

ہم نے اب تک اس طریقۂ کار کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جس پر آدمی اپنے اور اپنے والدین کے ساتھ سلوک میں، اپنے معاملات میں، ریاست، احباب، اعزا اور اپنے ہم وطنوں اور اجنبیوں کے ساتھ تعلقات میں بروئے کار لاتا ہے۔ اب ہم اس معاملے کو زیرِ غور لائیں گے کہ وہ آدمی کس طرح کا ہوگا جو قانون کے علاوہ دیگر امور میں جن کا تعلق محض توصیف اور تنقیص سے ہے اور یہی توصیف و تنقیص اس کی تربیت کرتے ہیں اور اسے تربیت پر آمادہ رکھتے ہیں۔ اور نافذ ہونے والے قوانین کو تسلیم کرنے کے لیے اسے تیار کرتے ہیں۔

ہر نیک کام کا آغاز خواہ وہ دیوتا سے متعلق ہو یا انسان سے ہمیشہ صداقت ہی سے ہوتا ہے۔ اور جو شخص نعمتوں اور مسرتوں سے مالا مال ہوتا ہے وہ ابتدا ہی سے صداقت میں شریک رہتا ہے۔ وہ ایک صادق آدمی کی طرح پوری زندگی گزار دیتا ہے۔ وہ قابل اعتماد ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص غیر ارادی طور پر جھوٹ کو محبوب رکھتا ہے وہ کسی اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ اور جو غیر ارادی طور پر جھوٹ کو محبوب رکھتا ہے وہ عقل سے عاری بھی ہوتا ہے یہ دونوں صورتیں قابل رشک نہیں ہیں کیونکہ بے اعتماد اور بے عقل انسان کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ہی اس سے سب لوگ واقف ہو جاتے ہیں اور جب وہ بوڑھا ہو کر چڑچڑا ہو جاتا ہے تو تنہائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی اولاد اور احباب زندہ ہیں یا نہیں۔ وہ تنہا ہی

رہتا ہے۔ اعزاز کا مستحق تو وہ ہوتا ہے جس سے کبھی کوئی ناانصافی سرزد نہ ہوئی ہو اور اس صورت میں اس کا اعزاز دوگنا ہو جاتا ہے۔ جب وہ نہ صرف خود اپنے خلاف کوئی ناانصافی نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو بھی ناانصافی سے روکتا ہے۔ پہلی صورت کا تعلق صرف ایک فرد سے لیکن دوسری صورت کا متعدد افراد سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حکمران کو دوسروں کی ناانصافی سے مطلع کرتا ہے تاہم وہ زیادہ عزت و تکریم کا مستحق ہے جو شہریوں کی اصلاح کے کام میں حتی الوسع حکمراں کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ ایسے شخص کو عظیم اور مکمل شہری کہنا چاہیے اور اسے نیکی کے اعزاز سے نوازنا چاہیے۔ اعتدال، دانائی اور اسی نوع کی دوسری نیکیوں کو حاصل کرنے والے اشخاص کو بھی اسی طرح کے اعزازات کا اہل قرار دینا چاہیے۔ لیکن جو شخص ان خوبیوں کی تربیت دے، اسے فرد فرید کا اعزاز اور جو اس تربیت پر راضی ہو مگر تربیت کے حصول کے قابل نہ ہو اسے دوسرے درجے کا اعزاز دینا چاہیے۔ لیکن جو شخص حاسد ہو اور اگر اس کے بس میں ہو تو کسی کو نیکی کے عمل میں شریک نہ ہونے دے وہ قابل ملامت ہے تاہم اس میں جو خوبی ہے اسے صرف اس لیے کمتر نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ ایسے شخص میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں بھی اس کے حصول کی پوری تندہی سے کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ آزادی کے ساتھ نیکی کے اعزاز کے حصول کے لیے جدوجہد کرے ۔ اور کوئی کسی سے حسد نہ کرے۔ کیونکہ جن کی فطرت میں حسد نہیں ہوتا وہ ریاست کی عظمت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ وہ اس مقابلے میں اپنی ذاتی خوبیوں کے سبب شریک ہوتے ہیں اور دوسروں پر کیچڑ نہیں اچھالتے۔ لیکن جو حاسد ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کی خامیاں نمایاں کر کے اپنی خوبی ثابت کرے۔ ایسا آدمی خوبی کے اکتساب میں زیادہ مستعدی سے کام نہیں لیتا اور اپنے مقابل کو اپنی بے بنیاد افترا پردازی سے مایوسی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔ اور اس طرح سے وہ سارے شہر کو نیکی کے مقابلے کے لیے بلا کسی تربیت کے اکھاڑے میں اُترنے پر مجبور کر دیتا ہے اور جہاں تک اس کے بس میں ہے ریاست کی عظمت میں تخفیف کا باعث بنتا ہے۔ ہر فرد کو شجاع ہونا چاہیے لیکن اسے شریف النفس بھی ہونا چاہیے۔ دوسرے افراد اس کے ساتھ جو ظالمانہ یا تقریباً لاعلاج یا کلی طور پر لاعلاج ناانصافی کرتے ہیں۔ اس سے وہ شخص اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے کہ وہ باقاعدہ اس کا مقابلہ کرے، اپنا دفاع کرے اور فتح حاصل کرے اور ان کو

کیفر کردار تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف رہے اور جو شخص شریف النفس نہیں ہے اس کام کو پورا نہیں کر سکتا۔ جہاں تک بدکاروں کے عمل کا تعلق ہے ایسے بھی ہیں جو قابل اصلاح ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ناانصاف آدمی اپنی مرضی سے ناانصاف نہیں ہوتا۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے لیے برضا و رغبت بدی کا انتخاب خصوصاً اپنی شخصیت کے معزز ترین حصے میں کبھی نہیں کرے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ سب یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ روح انسان کا معزز ترین جزو ہے۔ اسی لیے کوئی فرد اگر اس کے بس میں ہے تو روح میں جو اس کا معزز ترین جزو ہے کسی قسم کی بدی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔ تاہم گناہگار اور بدکار ہر حال میں اس کے سامنے خم ٹھونک کر ڈٹ جاتے ہیں۔ ہمیں ہر اس شخص سے ہمدردی ہونی چاہیے اور اسے معاف کر دینا چاہیے جس کی بدی قابل اصلاح ہے۔ اس پر غصہ نہ آنے دینا چاہیے اور اگر آئے تو اس پر قابو پانا چاہیے۔ اور کسی خاتون کی طرح نہ تو غیض میں آنا چاہیے اور نہ اس کے خلاف دل میں کوئی کینہ رکھنا چاہیے۔ لیکن اس شخص پر ہمارے غیض و غضب کا ابلتا ہوا دیگچہ الٹ دینا چاہیے جو نہ قابل اصلاح ہے اور سرتاپا بُرائی ہے۔ اسی سبب میں کہتا ہوں کہ موقع محل کے اعتبار سے انسان کو شریف النفس بھی ہونا چاہیے اور تندخو بھی۔

سب سے بڑی بُرائی وہ ہوتی ہے کہ جو پیدائشی طور پر انسان کی روح میں جاگزیں ہو اور جس پر انسان ہمیشہ معذرت خواہی کرتا رہے مگر اس کی اصلاح نہ کرے۔ میرا اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے جو اس جملے میں مضمر ہے۔ ''ہر فرد فطرتاً اپنا بہی خواہ ہوتا ہے اور اسے ہونا چاہیے'' ہرگاہ کہ اپنی ذات سے بے حد و حساب محبت ہی ہر شخص کے لیے تمام جرائم کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ کیونکہ معشوق کی خامیوں سے عاشق آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اسی لیے انصاف نیکی، عزت اور تکریم کے بارے میں اس کے اندازے غلط ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ یہی سوچتا ہے کہ اس کی ذات صداقت سے بالاتر ہے۔ لیکن جو شخص صحیح معنوں میں بڑا ہوتا ہے وہ خود کو یا اپنے مفاد کو نہیں بلکہ صرف عدل و انصاف کو اہمیت دیتا ہے۔ جو انصاف اس نے کیا ہو یا کسی اور نے۔ ایسی ہی غلط فہمیوں کا یہ شاخسانہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس کی لاعلمی ہی اس کی دانائی ہے۔ اور ہم جو صحیح معنوں میں کچھ نہیں جانتے عقل کُل بن جانے کے زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ہم

ان باتوں میں جس سے ہم دراصل ناواقف ہوتے ہیں کسی کو دخل نہیں دینے دیتے، جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ہم غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ خود پرستی سے اجتناب کرے اور اپنے سے بہتر انسان کی پیروی پر راضی رہے۔ اور اپنی راہ میں کسی قسم کی غلط شرم وحیا کو حائل نہ ہونے دے۔ کچھ چھوٹے چھوٹے اصول بھی ہوتے ہیں جن کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے اور وہ بہت مفید ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ ان کو یاد کرتا رہے۔ کیونکہ اگر ندی ہے تو اس میں پانی ضرور بہتا ہے۔ جب یادوں کی یورش ہوتی ہے تو عقل رخت سفر باندھ لیتی ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ انسان کو ہر قسم کی زیادتی سے پرہیز کرنا چاہیے خواہ وہ ہنسی ہو یا رونا اور اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسایہ کو بھی اسی اصول پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔ اسے اپنی غیر معتدل خوشیوں اور رنج پر پردہ ڈالے رہنا چاہیے۔ ہر حالت میں خواہ خوش بختی کی نعمت اس کے شامل حال ہو یا بدقسمتی کے بحران سے وہ دوچار ہو۔ یا وہ بلند اور ڈھلوان والی جگہوں پر چڑھ رہا ہو اور دیوتا کسی معاملے میں اس کی مخالفت بھی کر رہے ہوں۔ اسے چاہیے کہ وہ معقولیت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اسے چاہیے کہ وہ مایوس نہ ہو۔ کیونکہ جہاں تک نیکوکاروں کا تعلق ہے آگے چل کر ان پر جو بھی مصائب آنے والے ہیں دیوتا ان میں کمی کر دیں گے اور حالیہ برے حالات کو وہ اچھے حالات میں تبدیل کریں گے۔ اور جہاں تک نیکیوں کا تعلق ہے جو برائیوں کا تضاد ہوتی ہیں اسے یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ ان میں اضافہ کر دیا جائے گا اور یہ ان کی خوش بختی ہوگی۔ یہی انسان کی توقعات ہونی چاہیے اور یہی وہ پند ونصائح ہونے چاہئیں جو وہ ایک دوسرے سے کریں۔ انھیں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے بلکہ ہر موقع پر سنجیدگی سے بھی اور ہنسی ہنسی میں بھی خود کو اور دوسروں کو یہی باتیں یاد دلاتے رہنا چاہیے۔

الوہی معاملات پر ہم کافی باتیں کر چکے ہیں جن کا تعلق ان امور سے تھا جن پر انسان کو عمل کرنا چاہیے اور ایسی بات سے بھی کہ آدمی کو انفرادی طور پر کس طرح کا ہونا چاہیے لیکن ابھی تک ہم نے انسانی امور کا تذکرہ نہیں کیا ہے حالانکہ ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہماری بحث کا موضوع تو انسان ہے۔ دیوتا نہیں۔ مسرت، درد اور آرزو انسانی فطرت کے جزو ہیں اور ہر فانی شخص کو ان ہی پر انحصار کرنا ہوتا ہے اور ان ہی میں پوری پوری دلچسپی لینی چاہیے۔ اس لیے ہمیں

چاہیے کہ ہم نیک اور اشرف ترین زندگی کو سراہیں۔ اس لیے کہ وہ دیکھنے میں بھی حسین ترین ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی کو اس کا ذرا سا مزہ بھی مل جائے اور نوجوانی کی حالت میں اسے کسی دوسرے کی نذر نہ کرے تو وہ محسوس کرے گا کہ ہر اس شے سے آگے نکل گیا ہے، جس کی ہمیں تمنا ہوتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ زندگی سے مسرت کا بڑا حصہ ملے گا اور بہت ہی کم درد سے اسے سابقہ پڑے گا۔ اگر انسان اس کا اصل لطف حاصل کرلیں تو جلد ہی یہ بات صاف صاف اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اصل مزہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا علم ہمیں دلیل سے حاصل ہوگا۔ یہاں یہ نکتہ زیرِ غور ہے کہ کون سی شے فطرت کے مطابق ہے اور کیا چیز فطری نہیں ہے۔ ایک زندگی کا موازنہ دوسری سے کرنا چاہیے۔ مسرت سے بھری زندگی کا دکھوں کی ماری زندگی سے۔ ہمیں مسرت کی تمنا ہوتی ہے لیکن ہمیں درد کی بالکل بھی خواہش نہیں ہوتی۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں خوشیاں زیادہ اور درد کم ہوں اور ان کے عوض ہم ایسی حالت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں جس میں نہ خوشی ہو نہ دکھ، ہم کم درد اور زیادہ مسرت کے متمنی ہوتے ہیں لیکن ہم کبھی یہ نہیں چاہتے کہ خوشیاں کم اور دکھ زیادہ ہوں اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ جذبے برابر ہمیں مل جائیں اور یہ تمام جذبے تعداد، تندی، شدت اور برابری کے لحاظ سے انفرادی طور پر مختلف بھی ہوتے ہیں اور نہیں بھی ہوتے۔ یہ صورت حال اس حالت میں پیدا ہوتی ہے جب آرزو کے لحاظ سے یہ جذبے تندی، شدت اور برابری سے عاری ہوتے ہیں۔ حالات اسی نہج کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں ایسی زندگی کی تمنا ہوتی ہے جس میں درد اور مسرت کے بے شمار اور شدید جذبات ہوتے ہیں لیکن مسرت کے جذبات کی اکثریت ہوتی ہے اور ہم یہ کبھی نہیں چاہتے کہ درد کی زیادتی ہو۔ مزید برآں ہم ایسی حالت کی آرزو کبھی نہیں کرتے جس میں ان دونوں جذبوں کے اجزا چھوٹے، کم اور کمزور ہوتے ہیں اور درد زیادہ ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں جب زندگی میں مسرت اور درد متوازن ہوں تو ہم ایسی زندگی کو متوازن زندگی کہتے ہیں جب کہ ایسی زندگیوں کو ہم ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان میں ہمارے پسندیدہ جذبوں کی افراط ہوتی ہے اور ایسی زندگی کو ترک کر دیتے ہیں کہ ان میں وہ جذبہ بافراط پایا جاتا ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ہر شخص کی زندگی ان ہی حدود میں بندھی ہوتی ہے اور ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہمیں کس طرح کی

زندگی فطری طور پر پسند ہے اور اگر ہمیں کسی دیگر قسم کی زندگی کی تمنا ہے تو میں کہوں گا کہ ہم اس کی خواہش اس لیے کرتے ہیں کہ ہم اصل زندگی سے لاعلم ہیں اور ہمیں اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ وہ زندگیاں کیسی اور کتنی ہوں گی جس میں انسان تلاش اور تحقیق کے بعد اپنی رضا اور تمنا کے مقاصد کو جلوہ گر دیکھے گا۔ ان کے ضوابط مقرر کرے گا۔ اس کے لیے وہ عزیز، خوشگوار، بہترین اور اشرف ترین اجزا کا انتخاب کرے گا تا کہ وہ امکان بھر خوشیوں سے لبریز دن گزار سکے؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک قسم کی زندگی وہ ہوتی ہے جس میں اعتدال ہو۔ دوسری وہ ہے جس میں معقولیت ہو، تیسری وہ ہے جس میں حوصلہ مندی ہو، چوتھی وہ جس میں صحت مندی ہو، ان چاروں اقسام کے مقابلے میں چار ایسی زندگیاں لاتے ہیں جوان کے برعکس یعنی احمقانہ، بزدلانہ، اعتدال سے عاری اور امراض کی ماری ہوں۔ جو شخص اعتدال والی زندگی سے واقف ہے وہ اسے سب سے زیادہ دھیمی بتائے گا۔ اس میں خوشی بھی دھیمی ہوگی اور دکھ بھی دھیمے ہوں گے۔ خواہشیں پرسکون ہوں گی اور محبتیں، دیوانگی نہیں بنیں گی۔ اعتدال سے عاری زندگی ہر معاملے میں پُر جوش ہوگی اس میں خوشی بھی حد سے بڑھ کر ہوگی اور درد بھی۔ تمنائیں بھی تند و تیز ہوں گی اور محبتیں تو دیوانگی ہی دیوانگی ہوں گی۔ اعتدال والی زندگی میں مسرتیں، درد پر غالب رہتی ہیں۔ لیکن اعتدال سے عاری زندگی میں درد اپنی زیادتی، تعداد اور وقوع پذیری میں مسرت پر غالب رہتا ہے۔ اسی لیے ان میں سے ایک قسم کی زندگی فطری طور پر زیادہ خوشگوار اور دوسری قسم کی زیادہ درد آمیز ہوتی ہے اور جو خوشگوار زندگی بسر کرنا چاہے گا وہ اعتدال سے عاری زندگی کا انتخاب کبھی نہیں کرے گا اور اگر یہ بات درست ہے تو اس سے یہی بدیہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اپنی مرضی سے اعتدال سے عاری زندگی اختیار کرتا ہے۔ تاہم انسانوں کی اکثریت یا تو لاعلمی یا ضبط نفس یا دونوں کی کمی کے سبب اعتدال سے عاری زندگی گزار رہی ہے۔ یہی بات امراض سے پُر اور صحت مند زندگی پر بھی صادق آتی ہے۔ ان دونوں میں خوشی بھی موجود ہے اور درد بھی۔ لیکن صحت کی حالت میں خوشی درد پر حاوی ہوتی ہے اور مرضی کی حالت میں درد، مسرت پر غالب ہوتا ہے۔ ہم کس قسم کی زندگی اختیار کریں اس کا انحصار اس بات پر نہیں ہوتا کہ درد زیادہ سے زیادہ ہو اور نہ ہی ایسی زندگی کو جس میں درد مسرت پر غالب ہو، ہم کبھی خوشگوار قرار نہیں دیں گے۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اعتدال والی زندگی میں مسرت اور درد دونوں ہی موجود ہوتے ہیں لیکن درد کا جز و تعداد اور وقوع پذیری میں اعتدال سے عاری زندگی سے کم ہوتا ہے۔ یہی صورت حال دانائی اور نادانی سے، حوصلے اور بزدلی سے، اعتدال سے عاری اور بیماری کی حالت میں گزارنے والی زندگی کی بھی ہوتی ہے۔ ان حالات کی ہر جوڑی میں سے ایک میں مسرت، درد پر غالب ہوتی ہے اور دوسرے میں درد مسرت پر حاوی ہوتا ہے۔ اور اس طرح ایک قسم کی زندگی میں خوشیاں زیادہ اور درد کم ہوتے ہیں۔ اعتدال، دانائی اور حوصلہ والی زندگی، بزدلی، نادانی، اور اعتدال سے عاری زندگی سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس کسی میں جسمانی یا روحانی کسی بھی قسم کی کوئی خوبی موجود ہے اس کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے، المناک نہیں۔ وہ حسن، راست بازی، فضیلت اور نیک نامی میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اور جو ایسی زندگی گزارتا ہے اسے مخالف طرز زندگی اختیار کرنے والوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بے حد و حساب خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

تمہید ذرا طویل ہو گئی ہے۔ اب بات قانون پر بلکہ صحیح تو یہ ہوگا اس کے خدوخال پر ہونی چاہیے۔ جیسا کہ مکڑی جالے یا دیگر دھاگوں کا معاملہ ہے۔ تانا اور بانا ایک ہی مادے سے تیار نہیں کیے جاتے کیونکہ تانا مضبوط ہونا چاہیے۔ وہ زیادہ پائیدار ہوتا ہے اور بانا نرم اور کسی حد تک لچکدار ہوتا ہے۔ اسی لیے جن لوگوں کو ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونا ہے۔ انھیں ان کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہونا چاہیے جو تعلیمی لحاظ سے ان کے مقابلے میں کمتر ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ ریاست کے دستور کے دو جز و ہوتے ہیں ایک کا تعلق عہدوں کی تشکیل سے ہے اور دوسرے کا قوانین سے جنھیں اس کو نافذ کرنا ہے۔

لیکن ان تمام امور سے قبل درج ذیل باتوں پر توجہ دینی ضروری ہے:

گلہ بان، چرواہے، یا گھوڑے پالنے والے یا اسی قسم کے پیشہ ور لوگ اس وقت تک جانوروں کو سدھانے کا کام شروع نہیں کرتے جب تک وہ ان جانوروں کو ان کی اجتماعی ضرورتوں کے سانچے میں ڈھال کر ان کی تطہیر نہیں کرتے۔ وہ گلے کو صحت مند اور بیمار، اعلیٰ نسل اور ادنیٰ نسل کے جانوروں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بیمار اور ادنیٰ نسل کے جانوروں کو ان کے گلے میں

واپس بھیج دے گا اور پھر منتخب جانوروں کی پرداخت میں مصروف ہو جائے گا۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ ایسے جانوروں پر اس کی تمام محنت ضائع ہو جائے گی جنھیں فطرت یا بدفطرتی نے خراب کر دیا ہے اور یہ جانور خالص اور صحت مند جانوروں کو بھی تباہ کر دیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ انھیں علیحدہ کرے۔ دیگر جانوروں کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے۔ ان کا ذکر محض مثال ہی کے لیے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جن امور کا انسان سے تعلق ہے وہ بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور قانون ساز کو چاہیے کہ وہ اچھی طرح تفتیش کر کے یہ بتائے کہ تطہیر یا دیگر باتوں کے ضمن میں ہر فرد کے لیے کیا مناسب اور موزوں ہے۔ مثال کے طور پر کسی شہر کی تطہیر کو لیتے ہیں۔ یہ تطہیر کئی طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔ کچھ آسان ہیں اور کچھ دشوار۔ قانون ساز اگر فطرتاً مطلق العنان ہے تو ان میں سے چند بہترین اور مشکل ترین طریقوں کو نافذ کرے گا۔ لیکن جو قانون ساز مطلق العنان نہیں ہے تو وہ نئی حکومت قائم کرے گا۔ نئے قوانین نافذ کرے گا اور تطہیر کا بہت ہی معمولی عمل بھی اس کے لیے اطمینان کا باعث ہوگا۔ بہترین تطہیر دواؤں کی طرح ہمیشہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس کا تعلق منصفانہ تعزیر سے ہوتا ہے جس کے تحت زیادہ سے زیادہ ملک بدری اور موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ہم بڑے بڑے ناقابل اصلاح مجرموں سے جو پوری ریاست کو زخمی کر دیتے ہیں اسی طرح نمٹتے ہیں لیکن نرم قسم کی تطہیر کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ جب وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ بھوکے ہوتے ہیں اور اپنے قائد کے اکسانے پر امیروں کی جائیداد پر حملہ آور ہوتے ہیں تو انھیں قانون ساز نہایت نرمی سے بھگا دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ فطری طور پر ریاست کے تن کا پھوڑا ہوتے ہیں۔ اور ان کے اس بھیجے جانے کو نرم الفاظ میں علیحدہ بستی کہا جاتا ہے اور ہر قانون ساز کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ کام جلد از جلد انجام دے۔ ہماری موجودہ حالت بڑی عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ ہمارے حالات کے بموجب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کوئی علیحدہ بستی بسائیں یا تطہیر کے لیے علیحدہ علیحدہ تقسیم کریں۔ لیکن جس طرح کئی ندیاں پہلو بہ پہلو رواں رہتے ہوئے ایک ہی جھیل میں جا گرتی ہیں اور ان کے سرچشمے مختلف ہوتے ہیں، جو چشمہ ہوسکتا ہے یا پہاڑی نالہ ہوسکتا ہے ہماری لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کے ملے جلے پانی کو صاف ستھرا رکھیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں چاہیے کہ غلاظت اور گندگی کو نکال باہر کر دیں۔ اس طرح سیاسی تنظیم میں

خرابیاں اور انتشار ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ اب تک ہم نے صرف لفظی بحث کی ہے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تطہیر کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ ایسے بدکرداروں کو جو ہماری ریاست کے شہری بننا چاہتے ہیں۔ پہلے ہر ممکن طریقے سے تادیر ہم ان کی آزمائش کریں گے اور انھیں داخلے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن نیکوکاروں کا ہم کھلے بازوؤں سے دوستوں کی طرح استقبال کریں گے۔

خوش قسمتی کا ایک اور پہلو ہے جسے ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم کہہ رہے تھے ہماری ایک بستی ہے ہراکلیڈ (Heraclid) جہاں ہم نے نہ اراضی تقسیم کی اور نہ ہی قرضے ختم کیے۔ کیونکہ یہ خطرناک قسم کے مناقشات کا باعث بنتے ہیں۔ اور جس شہری ریاست میں ضرورتاً ایسے حالات کے لیے قانون سازی کرنی پڑتی ہے نہ ہی پرانے طور طریقوں کو جاری رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تبدیلی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ بس ہمیں دعا ہی سے کام چلانا ہوگا اور یہ امید رکھنی ہوگی کہ عرصۂ دراز کے بعد تھوڑی بہت تبدیلی رونما ہو جائے گی اور یہ تبدیلی وہی لوگ لا سکتے ہیں جو افراد اراضی کے مالک ہیں اور ان کے قرضدار بھی بے شمار ہوں اور وہ نیک نیتی سے ضرورت مندوں کی امداد کے لیے بھی آمادہ ہوں، کبھی وصول کریں اور کبھی عطا کریں اور اعتدال کا راستہ اختیار کر کے یہ سوچیں کہ غربت انسان کی خواہشوں کے بڑھنے سے پیدا ہوتی ہے اس کی متاع میں کمی سے نہیں۔ کیونکہ کسی مملکت کی نجات کے لیے یہ بہت ہی اہم آغاز ہے اور اسی بنیاد پر آگے چل کر سیاسی عمارت حسب ضرورت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس تبدیلی کی بنیاد بودی ہوگی تو مملکت کے مستقبل کا نظام مسائل سے دوچار ہوتا رہے گا۔ یہ وہ خطرہ ہے جس میں ہم محفوظ ہیں نا۔ ہمیں یہ ضرور بتانا ہوگا کہ ہم کس طرح محفوظ ہوئے۔ اور اگر محفوظ نہیں ہوئے تو محفوظ رہ سکتے تھے۔ اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بچاؤ کا کوئی راستہ خواہ وہ تنگ ہو یا کشادہ ہم اختیار نہیں کر سکتے جب تک ہم حرص و طمع سے آزاد نہ ہوں اور عدل کا احساس بھی ہو۔ اسی چٹان پر ہماری شہری ریاست قائم ہو سکتی ہے کیونکہ وہاں شہریوں کے درمیان زر اور زمین کا کوئی تنازع نہیں ہونا چاہیے۔ اگر شہریوں کے درمیان پرانے تنازع موجود ہیں تو بڑے سے بڑا لائق قانون ساز بھی جب تک کہ وہ طے نہ کر لیے جائیں، ایک

قدم آگے نہیں بڑھا سکتا۔ لیکن جنھیں دیوتا نے ہماری کسی شہری ریاست کی بنیاد رکھنے کا موقع عنایت فرمایا ہے، جو دشمنی سے پاک ہو اور یہ بہت بڑی حماقت ہوگی کہ وہ اراضی اور مکانات کی تقسیم کا آغاز کر کے خود دشمنی کا بیج کاشت کر دیں۔

ہمیں اراضی کی تقسیم کے کام کا صحیح طور پر کس طرح حکم دینا چاہیے؟ اول تو شہریوں کی تعداد کا تعین کرنا ہوگا اور پھر تقسیم ہونے والی اراضی کی تعداد اور رقبے کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد جہاں تک ہو سکے گا اراضی اور مکانات کو نہایت دیانتداری سے ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ شہریوں کی تعداد کا تعین ریاست کے رقبے اور اردگرد کی مملکتوں کو مدنظر رکھ کر ہی اطمینان بخش طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ ریاست کا رقبہ اتنا ہونا چاہیے جس میں وہاں کے باشندے اچھی خاصی زندگی گزارنے کے لائق ہوں۔ اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے اور باشندوں کی تعداد اتنی ہو جو ہمسایہ ممالک کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اور مظلوم ہمسایہ ملک کی امداد کے لیے کافی ہو۔ اپنی اور اپنے ہمسایوں کی سرزمین کا اندازہ لگانے کے بعد ہی ہم نظریاتی اور عملی طور ان کی حدود متعین کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ اب ہمیں مملکت کے خدوخال اور حدود کی تکمیل کی قانون سازی پر توجہ دینی ہوگی۔ ہمارے شہریوں کی تعداد ۵۰۴۰ ہوگی جو بڑی مناسب تعداد ہے جو اراضی کے مالکوں اور حاصل شدہ حصوں کے محافظوں پر مشتمل ہوگی۔ مکانات اور زمین اسی طرح تقسیم کی جائے گی تاکہ ہر شخص کو حصہ مل جائے۔ پہلے اس تعداد کو دو حصوں میں تقسیم کیجیے۔ پھر تین حصوں میں، یہ تعداد چار، پانچ بلکہ زیادہ سے زیادہ دس حصوں تک تقسیم کی جا سکتی ہے۔ قانون ساز کو اتنا حساب تو آنا چاہیے کہ وہ یہ بتا سکے کہ تمام شہریوں کے لیے کتنی تعداد درکار ہوگی اور ہمیں وہ تعداد حاصل کرنی ہوگی جس میں تقسیم کے لیے بڑی سے بڑی ترتیب وار اور سلسلہ وار تعداد موجود ہوگی۔ مجموعی تعداد ہر طرح تقسیم کے لائق ہوگی اور ۵۰۴۰ کے عدد کے ۵۹ مقسوم علیہ ہو سکتے ہیں اور ان میں سے دس کو ایک سے لے کر دس تک تسلسل کے ساتھ تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ تعداد ہوگی جو جنگ اور امن اور تمام معاہدوں کے لیے موجود رہے گی، جس میں ٹیکس اور تقسیم اراضی بھی شامل ہو گی۔ عددوں کی اس خصوصیت کا تعین ان کی ذمہ داری ہوگی جنھیں قانوناً اس کا علم ہونا چاہیے۔ یہ بالکل درست ہوں گے۔ اس لیے ریاست کی تشکیل کے وقت ہی ان کا اعلان کرنا ہوگا تاکہ اس

سے استفادہ کیا جا سکے۔ قطع نظر اس امر کے کہ قانون ساز کسی نئی مملکت کی بنیاد رکھ رہا ہے کہ قدیم خستہ سلطنت کی اصلاح کر رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر ریاست میں دیوتاؤں اور ان کی عبادت گاہوں کا خاص خیال رکھے۔ جو ہر شہر میں تعمیر ہوتی ہیں اور وہ کسی نہ کسی دیوتا یا نیم روحانی شخصیت سے منسوب ہوتی ہیں۔ اگر وہ مردِ معقول ہے تو وہ ان عبادت گاہوں میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گا جن کی ڈیلفی (Delphi)، یا ڈوڈونا (Dodona) یا ایمون (Ammon) دیوتا یا کسی قدیم روایت نے کسی صورت اجازت دے رکھی ہے خواہ وہ کسی روحانی ہیولے یا روحانی فیضان کے طفیل ہو۔ جس کی اطاعت کرتے ہوئے انسان باطنی رسوم کی ادائیگی کے لیے قربانی دیتا چلا آ رہا ہے۔ رسوم یا تو مقامی ہوتی ہیں یا انھیں ٹائیرینیا (Tyrrhenia) یا قبرص (Cyprus) یا کسی اور مقام سے لایا گیا ہے اور اسی بنا پر انھوں نے ہاتف غیبی، عورتوں، قربان گاہوں اور مندروں کا تقدس تسلیم کر کے ان کے لیے قطعات اراضی متعین کیے ہیں جن کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ قانون ساز کو چاہیے کہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی تقسیم نہ کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ علاقے کو کسی نہ کسی دیوتا ،نیم روحانی شخصیت یا سورما سے منسوب کر دے اور جب زمین تقسیم کرے تو انھیں منتخب قطعہ اور تمام ضروری ساز و سامان فراہم کر دے تاکہ مختلف علاقوں کے لوگ کسی معینہ وقت پر جمع ہو کر ان متبرک مقامات کی تمام ضروریات فوری طور پر پورا کریں اور قربانیاں دے کر ایک دوسرے کی ضیافت بھی کریں۔ اور ان میں دوستی اور تعاون پروان چڑھے۔ کسی مملکت کے لیے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے باشندے باہم شناسا ہوں جب ان میں ایک دوسرے کے کردار کے بارے میں روشنی نہیں بلکہ تاریکی اور لاعلمی عام ہو تو کسی کو وہ شرف حاصل نہیں ہوگا جس کا وہ اہل ہے یا اسے وہ اختیار اور انصاف حاصل نہیں ہوگا جو اس کا حق ہے۔ اسی لیے ہر ریاست میں اہم ترین امر یہ ہے کہ ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ احتیاط کرے یا اس میں کوئی چھل کپٹ نہ ہو اور وہ ہمیشہ صداقت شعار ہو اور سادگی سے دن گزارے اور کوئی فریبی اور دغاباز اس کی سادگی سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

وقت گزارنے کے لیے ہم جو یہ قانون سازی کر رہے ہیں اس کا اگلا مرحلہ جب سامنے آئے گا تو وہ نہایت حیران کن ہوگا۔ بالکل ڈرافٹ (چوسر) کے کھیل کی طرح جس میں

مقدس قطار سے گوٹ کو نکال لیا جاتا ہے جو ایک غیر معمولی بات ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اس معاملہ پر احتیاط سے غور کرے تو اسے یہ احساس ہوگا کہ ہماری ریاست اس نہج پر قائم کی گئی ہے جو اگرچہ بہترین نہیں تاہم بہتر ضرور ہے۔ ممکن ہے کسی کو ہماری مجوزہ ریاست کے اس خاکے سے اتفاق نہ ہو کیونکہ وہ یہ سوچے گا کہ ایسا دستور اس قانون ساز کے مزاج کے مطابق نہیں ہوگا جسے مکمل اختیار حاصل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومتیں تین نوع کی ہوتی ہے۔ بہترین، بہتر اور اس سے کم تر، جس کا ہم محض تذکرہ کر کے اس کا انتخاب حکومت کے حکمراں پر چھوڑ دیں گے۔ موجودہ مثال میں اس طریق کار پر عمل کرتے ہوئے ہم ایسی ریاستوں کا ذکر کریں گے جو تفوق میں پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کی ہوتی ہیں اور ہم اس کا انتخاب کلینیاس یا کسی ایسے شخص کے لیے چھوڑ دیں گے جسے اس طرح کے دساتیر سے انتخاب کرنا ہوگا۔ اور جو یہ چاہے گا کہ ریاست کو ایسی خصوصیت عطا کر دی جائے جو اس کے مزاج کے مطابق ہو اور جسے وہ اپنے ملک کے لیے پسند کرے گا۔

مملکت، حکومت اور قانون کی اول اور اعلیٰ ترین شکل یہ ہوگی کہ یہ قدیم ضرب المثل حاوی ہو کہ ''دوستوں میں ہر شے مشترک ہوتی ہے'' ایسی ریاست کا کہیں وجود اب یا آئندہ ہوگا۔ جہاں بیویاں، بچے، جائیداد مشترک ہوں اور فرد کو اور اس کی ذات کو زندگی سے بالکل خارج کر دیا جائے۔ اور وہ اشیا جنھیں فطرت نے انفرادی طور پر عطا کیا ہے مثلاً آنکھیں، کان، ہاتھ سب مشترک ہو جائیں اور کسی نہ کسی طرح سب ایک ہی بات سنیں، دیکھیں اور ایک ہی طرح عمل کریں۔ اور تمام لوگ ایک موقع پر ہنسیں ایک ہی موقع پر آنسو بہائیں۔ ایک ہی وقت تعریف کریں، ایک ہی وقت عیب جوئی کریں اور تمام قوانین ریاست کو حتی الوسع متحد رکھیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس سے میں کہوں گا کہ کوئی شخص کسی دیگر اصول پر عمل کرتے ہوئے ایسی ریاست کی تشکیل کر سکتا ہے جو نیکی کے معاملے میں اس سے زیادہ اصلی، بہتر یا افضل ہو سکے۔ ایسی ریاست کا حکمران اعلیٰ دیوتا ہو یا اس کے ایک یا ایک سے زیادہ بیٹے ہوں۔ وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہوں گے جو وہاں رہ کر ایسی زندگی گزاریں گے۔ اس لیے ہمیں ایک ایسی ہی ریاست کے نمونے کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ اس سے وابستہ رہنا ہوگا اور اپنی پوری قوت کے ساتھ ایسی ہی ریاست کو تلاش کرنا ہوگا۔ ایسی ریاست جس کا خاکہ ہمارے ہاتھ میں ہے اگر قائم ہوگئی تو وہ تقریباً

لازوال ہوگی اور اسے دوسرا درجہ حاصل ہوگا۔ اس کے بعد ہم دوسرے درجے کی ریاست کی خصوصیات اور آغاز سے بحث کریں گے۔

شہری فوراً ہی اپنی زمینیں اور مکانات تقسیم کر دیں اور مشترکہ زمینوں پر ہل نہ چلائیں کیونکہ مال واسباب کی مشترکہ ملکیت ان کی مجوزہ ابتدا، مزاج اور تعلیم کی حدود سے آگے نکل جاتی ہے۔ لیکن تقسیم کرتے وقت مختلف مالکان کو یہ محسوس ہونے دیں کہ یہ جائیدادیں مملکت کی بھی ملکیت ہیں اور یہ محسوس کر کے کہ زمین ان کی ماں ہے انھیں اس کی دیکھ بھال پیار سے کرنے دیں۔ جس طرح بچے اپنی ماں کی کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کی دیوی بھی ہے اور ملکہ بھی۔ اور وہ ان کی فانی رعایا ہیں۔ ملک کے دیوتا اور نیم روحانی شخصیات کے بارے میں بھی ان کے ایسے ہی جذبات ہونے چاہئیں۔ اور یہ یقینی بنانے کے لیے کہ یہ تقسیم اسی طرح قائم رہے انھیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ خاندانوں کی موجودہ تعداد کو بھی برقرار رکھنا ہوگا۔ نہ ان میں کمی ہو اور نہ اضافہ، مندرجہ ذیل طریقے سے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جائیدادوں کے مالک کو چاہیے کہ وہ اپنی جائیداد صرف اور صرف اپنے عزیز ترین بیٹے کو ورثے میں دے دے۔ یہی بیٹا دیوتاؤں کے لیے قربانی دینے کا بھی ذمہ دار ہوگا، اسی طرح ریاست اور خاندان کی تمام ذمہ داریاں بھی وہی ادا کرے گا۔ خاندان کے زندہ اور مردہ لوگوں کا بھی لحاظ رکھے گا۔ جہاں تک اس کی دوسری اولادوں کا تعلق ہے اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ لڑکیوں کی اس قانون کے تحت شادیاں کر دے جو جلد ہی نافذ ہوگا اور لڑکوں کو ان شہریوں کے حوالے کر دے گا جو لاولد ہیں اور وہ اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ جہاں تک اس صورت حال کا تعلق ہے، جس میں ان لڑکوں کو قبول کرنے والا کوئی نہ ہو یا کسی کے بچوں کی تعداد زیادہ ہو یا بانجھ ہونے کی صورت میں بالکل نہ ہو تو ہم جس اعلیٰ ترین عدالتی نظام کی تشکیل دے رہے ہیں وہ اس معاملے پر غور کر کے ان بچوں کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں فیصلے دے گا اور ایسا طریقہ متعین کرے گا جس کے تحت ۵۰۴۰ مکانات ہمیشہ دستیاب رہیں گے۔ اس تعداد کو برقرار رکھنے کے متعدد طریقے ہو سکتے ہیں جو زیادہ اولاد والے ہیں انھیں پیدائش میں اضافے سے روکا جاسکتا ہے۔ پیدائش میں اضافے کے لیے انعامات یا سزائیں مقرر کی جاسکتی ہیں۔ ہم اس خرابی پر قابو پانے کے لیے بزرگوں سے مدد لے سکتے ہیں جو

نوجوانوں کو مشورے بھی دیں گے اور انھیں برا بھلا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر اس کے باوجود بھی ۵۰۴۰ کی تعداد قائم رکھنے میں بہت زیادہ مشکلات در پیش ہوں اور ایک ساتھ رہنے کے سبب جو محبت پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے شہریوں کی تعداد بہت بڑھ جائے اور ہماری سمجھ میں کچھ آئے تو ایک قدیم طریقہ موجود ہے جس کا ہم بارہا ذکر کر چکے ہیں کہ ہم بہتر افراد کا انتخاب کر کے اپنے پاس رکھیں اور باقی افراد کی علیحدہ بستی بسا دیں۔ اگر اچانک کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے یا طاعون پھیل جاتا ہے یا جنگ شروع ہو جاتی ہے اور شہریوں کی تعداد ضرورت سے کم ہو جاتی ہے پھر بھی ہمیں بدنسلوں اور لاعلموں کو لا کر جہاں تک ممکن ہے آباد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیوتا بھی ضرورت کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔

آیئے اب ہم یہ سمجھ لیں کہ اس اعلیٰ دلیل کے نتیجے میں ہمیں درج ذیل راستے پر آگے بڑھنا ہوگا۔ جہاں تک بہترین افراد کا تعلق ہے ہمیں چاہیے کہ ہم مزاج کی یکسانیت، برابری اور مشابہت، تعداد اور ہر اچھی اور افضل خوبی کی عزت و تکریم سے دستبردار نہ ہوں، اور سب سے بڑھ کر زندگی بھر ۵۰۴۰ کے اصول پر عمل پیرا رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو وراثت میں جو تھوڑا حصہ ملے اسے خرید کر اور بیچ کر اس کی حقارت کے مرتکب نہ ہوں۔ کیونکہ اس طرح نہ دیوتا جس نے آپ کو متاع عطا کی ہے اور نہ ہی قانون آپ کو عزیز رکھیں گے۔ فی الحقیقت قانون خلاف ورزی کرنے والوں کو یہ جتا دیتا ہے کہ آپ ان شرائط پر جائیداد قبول یا رد کر سکتے ہیں۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ زمین کو دیوتا مقدس سمجھتا ہے۔ مزید برآں مردانہ اور زنانہ پروہت ایک بار دوبار بلکہ تیسری بار کی قربانی کے بعد ہی دعا کریں گے اور جو شخص اپنے حصے کے مکان کی زمین کی خرید وفروخت کرتا ہے اسے وہی سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کی یہ دعائیں دیوار کی تختیوں پر کندہ کی جائیں گی تاکہ آنے والی نسلیں اس سے ہدایت حاصل کریں۔ علاوہ بریں وہ ایسے معاملات کے لیے نگراں مقرر کریں گے۔ عدالت جو شاہین کی آنکھیں رکھتی ہے وہ ان احکام کی خلاف ورزی پر نظر رکھے گی اور قانون اور دیوتا دونوں کے خلاف جرم سمجھ کر انھیں سزا دی جائے گی۔ کسی بدکردار شخص کے تصور میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ ان تمام ریاستوں کے لیے یہ قانون کتنی بڑی نعمت ہے جہاں ان پر عمل ہوتا ہے اور ان کا نظام اسی نہج پر چلتا ہے۔ پرانی کہاوت کے مطابق اس کا

احساس صرف تجربہ کار اور خوش خصلت فرد کو ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے نظام کار میں دولت پیدا کرنے کے مواقع بہت کم ہوں گے کسی شخص کو کسی قسم کا ایسا غیر شریفانہ پیشہ اختیار کرنے کی نہ تو اجازت ہو گی اور نہ وہ ایسا کرے گا جو ایسی بیہودگی سے پُر ہو جو کسی آزاد شخص کے لیے باعث ملامت ہو اور وہ کبھی اس طریقے سے دولت کمانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

مزید برآں قانون کی رو سے کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ سونا یا چاندی اپنے پاس رکھے اسے روزمرہ کے اخراجات کے لیے صرف چند سکے رکھنے کی اجازت ہوگی جسے وہ لوگ جو اس کے مجاز ہیں کاریگروں یا غلاموں کی مزدوری کے لیے خرچ کریں گے۔ اس طرح ہمارے شہریوں کو ہمارے الفاظ میں اپنے پاس سے سکوں کی لہر گزارنے کا اختیار ہوگا اور بس لیکن یہ امر دیگر انسانوں کے لیے قبول نہیں کیا جائے گا ریاست کو ایک ایسے مشترکہ یونانی سکے کا انتظام کرنا ہو گا جس سے غیر ممالک کے سفر، وفد بھیجنے، سفیر بھیجنے اور سفارت خانوں کے اخراجات پورے کیے جائیں گے۔ اگر بالفرض کسی شہری کو نجی ضرورت کے تحت دوسرے ملک جانا ہوگا تو اسے عدالت سے اجازت لے کر جانا ہوگا اور واپسی پر اس کے پاس جو غیر ملکی رقم ہوگی وہ سرکاری خزانے میں جمع کرانی ہوگی۔ جس کے بدلے اسے مقامی سکے مل جائیں گے۔ اور اگر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس نے غیر ملکی رقم میں خیانت کی ہے تو وہ ساری رقم بحق سرکار ضبط ہو جائے گی اور اگر کسی شخص کو اس کا علم ہے مگر وہ حکومت کو مطلع نہیں کرتا۔ اسے اس شخص کی طرح جو یہ رقم لایا ہے بے عزت کیا جائے گا اس پر لعنت ملامت کی جائے گی اور اس پر غیر ملک سے لائی جانے والی رقم کے برابر جرمانہ بھی کیا جائے گا۔ جہاں تک شادی کرنے کرانے کا تعلق ہے کسی کو نہ جہیز دینے اور نہ ہی لینے کی اجازت ہو گی۔ کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے پاس اپنی رقم امانت نہیں رکھے گا جس پر اسے بطور دوست اعتماد نہ ہو اور نہ ہی کسی کو سود پر قرض دے گا۔ اس طرح ادھار لینے والا اصل اور سود کی ادائیگی کا پابند نہیں ہو گا۔ اگر ان امور کا ریاست کے بنیادی مقاصد اور اصولوں سے موازنہ کیا جائے تو وہ بہترین نظر آئیں گے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کسی معقولیت پسند حکمراں کا وہ مقصد نہیں ہوتا جسے بہت سے لوگ قانون سازوں کا سمجھتے ہیں یعنی ریاست جس کے اصل مفادات کے لیے وہ مشاورت کا فریضہ انجام دے رہا ہے حتی الامکان وسیع وعریض اور دولت مند ہو۔ اس کے خزانے سونے

چاندی سے بھرے ہوئے ہوں اور اس کی سلطنت زمین اور سمندر دونوں پر محیط ہو۔ ان کے خیال میں قانون سازی کا اصل مقصد یہی ہونا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ہی یہ بے جوڑ بات بھی کہی جاتی ہے کہ اصل قانون ساز وہ ہوتا ہے جو ریاست کو جہاں تک ہو سکے خوشحال اور خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ کہتے ہوئے وہ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ان میں سے کچھ باتیں ممکن ہیں اور کچھ ناممکن۔ جو یہ حکم دے گا کہ ریاست وہی کام کرے جو ممکن ہو تو وہ ناممکن کے حصول کے لیے نہ کوشش کرے گا اور نہ ہی بے معنی خواہشات میں مبتلا ہو گا۔ یہ سچ ہے کہ شہری کو خوش اور نیک چلن ہونا چاہیے اور قانون ساز کو اسے ایسا بنانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ بیک وقت دولتمند بھی ہو اور نیک چلن بھی جیسا کہ دولت کے بارے میں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کیونکہ ''دولتمند'' سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ایسا شخص خواہ وہ بدقماش ہی کیوں نہ ہو، جس کے پاس قیمتی اثاثے ہوں۔ اور اگر یہ بات درست ہے تو میں یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ دولتمند فرد، خوش وخرم ہو یا وہ نیک چلن بھی ہو اور دولتمند بھی۔ وہ نیک چلنی میں اعلیٰ درجے کا ہو اور دولت کی فراوانی میں بھی۔ ایسا ممکن ہو ہی نہیں سکتا آپ پوچھیں گے کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ کیونکہ جو ملکیت جائز، ناجائز یا مشتبہ قسم کے ذرائع سے حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار اس ملکیت کے مقابلے میں جو صرف جائز ذرائع سے حاصل ہوتی تقریباً دوگنی ہوتی ہے جس رقم کو نہ باعزت اور نہ ہی شرمناک طریقے سے خرچ کیا جاتا ہے ان کی مقدار اس رقم سے تقریباً نصف ہوتی ہے جو باعزت طریقے اور نیک مقصد کے لیے صرف کی جاتی ہے۔ اس لیے جب کوئی شخص دوگنا حاصل کرتا ہے اور صرف نصف خرچ کرتا ہے اس لیے وہ شخص جس کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اور وہ نیک چلن بھی ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس سے زیادہ دولت کا مالک ہو۔ اوّل الذکر یعنی بچت کرنے والے کی میں بات کر رہا ہوں، خرچ کرنے والے کی نہیں، بدکردار نہیں ہو گا۔ لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں وہ چند معاملات میں کبھی نیک چلن نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جائز اور ناجائز ہر طریقے سے رقم حاصل کرتا ہے اور اسے نہ تو جائز اور نہ ہی ناجائز طریقے سے خرچ کرتا ہے اسی صورت میں دولت مند ہو سکتا ہے جب وہ کفایت شعار ہو۔ دوسری جانب جو بالکل ہی بدچلن ہوتا ہے وہ عموماً فضول خرچ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ قلاش رہتا ہے۔ لیکن جو شخص

نیک کاموں پر رقم خرچ کرتا ہے اور دولت جائز طریقوں سے حاصل کرتا ہے۔ وہ بمشکل نہ تو دولتمند ہوسکتا ہے اور نہ ہی قلاش۔ اسی لیے ہمارا یہ بیان درست ہے کہ بہت زیادہ دولتمند نیک چلن نہیں ہوتے اور اگر نیک چلن نہیں ہیں تو وہ خوش بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن ہمارے قوانین کا مقصد یہ تھا کہ شہری اتنے خوش ہوں جتنا ممکن ہو اور ان میں حتی الامکان باہمی دوستی پیدا ہو اور جو لوگ قانونی مقدمات میں ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے خلاف متعدد جرائم پروان چڑھتے ہیں وہ کبھی باہم دوست نہیں بن سکتے۔ دوست تو وہی بن سکتے ہیں جن میں مقدمہ بازیاں اور جرائم کم سے کم ہوں۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ ریاست میں سونا چاندی رکھنے کی اجازت ہی نہیں ہونی چاہیے۔ اور نہ ہی وہ بیہودہ تجارت جو قرض کے ذریعے یا گھٹیا قسم کے مویشیوں کے ذریعے جاری رہتی ہے۔ زرعی پیداوار کی تجارت صرف اس حد تک ہونی چاہیے کہ ہم دولتمند ہونے کے خوف سے اسے نظر انداز نہ کریں جو صرف جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے ہو۔ جو ورزش اور تعلیم کے بغیر ہمارے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس لیے ہم نے بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ دولت کی فکر کو ہماری سوچ میں کوئی اہمیت نہیں ملنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین باتیں ہیں جن میں انسان دلچسپی لیتا ہے۔ ان میں دولت کا مقام درست فکر والوں میں تیسرا ہے۔ دوسرا مقام جسم کو حاصل ہے اور اول درجہ روح کا ہے۔ اور جس ریاست کا خاکہ ہم پیش کر رہے ہیں اگر اسے درست انداز پر قائم کیا جائے تو وہاں عزت و تکریم اسی معیار کے مطابق عطا ہو گی لیکن اگر کسی نافذ شدہ قانون میں صحت کو اعتدال پسندی یا دولت کو صحت اور معتدل مزاجی پر فوقیت حاصل ہو تو ایسا قانون صریحاً غلط ہوگا۔ اسی لیے قانون ساز کو چاہیے کہ وہ اکثر اس سوال پر غور کرے کہ ''میں کیا چاہتا ہوں''؟ اور ''کیا میں حصول مقصد میں کامیاب ہوں؟ یا میرا نشانہ خطا ہو رہا ہے؟ صرف اسی طرح وہ اپنا فرض پورا کرسکتا ہے اور دوسروں کو قانون سازی کے کام سے نجات دلا سکتا ہے۔

حصہ پانے والے کو چاہیے کہ وہ اپنا حصہ ان ہی شرائط پر حاصل کرے جنھیں ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ ہر شخص اس بستی میں مساوی حیثیت سے داخل ہو۔ لیکن اس صداقت کے پیش نظر کہ یہ بات ممکن نہیں ہے اور ایک کی متاع دوسری سے بوجوہ زیادہ ہوگی اور بحرانوں کے

موقع پر ریاست میں مساوات کا قیام ضروری ہوگا۔ جائیدادوں کے کوائف برابر نہیں ہوں گے اس لیے اس خیال سے کہ ہر شخص کی دولت کی قیمت کی نسبت سے عہدوں، مالی امداد، اور تقسیم کے عمل کو مکمل کیا جائے گا۔ صرف اس کے اجداد یا اس کے اپنے اعزاز یا خود اس کی جسمانی وجاہت اور ذاتی حسن کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ صرف اس کی امارت اور غربت پر نظر رکھی جائے گی۔ اسی لیے عدم مساوات کے قانون کے تحت جو اس کی دولت کے تناسب سے نافذ کیا جائے گا اسے اعزاز اور عہدہ جہاں تک ممکن ہو مساوی بنیاد پر عطا کیا جائے گا اور اس طرح نہ اختلاف ہوگا نہ کوئی قضیہ کھڑا ہوگا۔ اس مقصد کے تحت جائیداد کی مقدار کے مطابق چار مختلف معیار وضع کیے جائیں گے۔ اس طرح اول، دوم، سوم اور چہارم درجے کے گروہ معرض وجود میں آئیں گے۔ شہریوں کو ان ہی گروہوں میں جگہ دی جائے گی اور انھیں ایسے ہی ناموں سے موسوم کیا جائے گا اور اگر وہ انفرادی طور پر غریب سے امیر یا امیر سے غریب ہو جائیں تو انھیں اسی درجے میں یا کسی دوسرے درجے میں رکھا جائے گا۔ اس تصور کے فطری نتیجے کے طور پر جو قانون تشکیل دیا جائے گا اس کی ہیئت درج ذیل ہوگی:

ایسی ریاست جو یہ چاہتی ہے کہ وہ سب سے بڑی وبا یعنی گروہ بندی سے نہیں بلکہ انتشار سے محفوظ رہے تو اسے چاہیے کہ وہاں نہ تو بہت زیادہ غربت ہو اور نہ ہی بہت زیادہ امارت کیونکہ برائی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ اب یہ قانون ساز کا فرض ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ امارت اور غربت کی حد کیا ہونی چاہیے۔ غربت کا معیار اس کے حصہ کی قیمت کے مطابق مقرر کیا جانا چاہیے۔ کسی حکمران کو اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ اس کا مقصد نیکی کمانا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ قانون ساز ایک معیار مقرر کردے گا اور وہ کسی کو بھی اس معیار کا دوگنا، تین گنا یا چار گنا تک حاصل کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی کے پاس اس سے بھی زیادہ دولت ہو تو خواہ وہ اسے ملی ہو یا اسے عطا کی گئی ہو یا اس نے تجارت کے ذریعے حاصل کی ہو یا خوش قسمتی سے اس کے حصے میں آ گئی ہو تو اسے چاہیے کہ مقررہ معیار سے جو کچھ بھی زائد ہے اگر اسے ریاست یا دیوتاؤں کی نظر کردے جو ریاست کے نگہبان ہیں اس پر نہ تو جرمانہ ہوگا نہ کوئی بدنامی اس کے حصے میں آئے گی۔ لیکن اگر وہ ہمارے اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو جو کوئی

چاہے اس کی اطلاع دے سکتا ہے۔ اسے زائد رقم کا نصف بطور انعام دیا جائے گا۔ اس زائد رقم کا دوسرا نصف دیوتاؤں کی نذر ہوگا، لیکن مجرم کو اس زائد رقم کی مساوی رقم اپنی ذاتی جائیداد سے ادا کرنی ہوگی۔ اسی طرح اس کے حصہ سے جو زائد جائیداد ہے وہ کسی مجاز عدالتی افسر کے پاس درج ہوگی تا کہ رقم کے تمام مقدمات بڑی آسانی سے طے کیے جائیں۔

دوسری بات جس پر توجہ دینی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو شہر صدر مقام ہے اسے جہاں تک ہو سکے مملکت کے وسط میں آباد کیا جائے۔ یہ شہر ایسی جگہ بسایا جائے جہاں ضرورت کا تمام سامان فراہم ہو جنھیں آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم شہر کو بارہ حصوں میں تقسیم کریں گے۔ پہلے ہم مناسب جگہ پر جسے ایکروپولس (Acropolis) کہا جائے گا ہسٹیا (Hestia)، زیوس اور ایتھین (Athene) دیوتا کے مندر تعمیر کیے جائیں گے جس کے گرد دائرے میں چار دیواری کی تعمیر ہوگی اور اسی نقطے سے پورے شہر بلکہ ملک کی تقسیم کا آغاز ہوگا۔ ان بارہ حصوں میں مساوات اس طرح قائم کی جائے گی جو بہتر زمین ہے اس کا رقبہ چھوٹا ہوگا جب کہ کمتر قسم کی زمینوں کا رقبہ زیادہ ہوگا اس میں جو قطعات تقسیم کیے جائیں گے ان کی مجموعی تعداد ۵۰۴۰ ہو گی۔ جس کے مزید دو حصے کیے جائیں گے اور ہر شخص کے حصے میں یہی دو قطعات آئیں گے۔ ایک قطعہ شہر کے قریب ہوگا اور دوسرا شہر سے قدرے دور۔ اس کو مندرجہ ذیل طریقے سے ترتیب دیا جائے گا:

جو قطعہ شہر کے قریب ہے اسے اس قطعہ میں شامل کر دیا جائے گا جو سرحد پر ہے۔ اور یہ ایک فرد کو ملے گا۔ اسی طرح جو قطعہ قریب تر ہے اسے دوسرے قطعے میں شامل کر کے ایک ہی شخص کو دیا جائے گا۔ علیٰ ھذا القیاس۔ مزید برآں انفرادی حصے کے دونوں قطعات میں زمین کی کیفیت کے مساوی رکھنے کے اصول پر کاربند رہنا ہوگا۔ زمین کی بہتری اور کمزوری کو قطعے کے رقبے کو چھوٹا، بڑا کر کے مساوات حاصل کی جائے گی۔ اسی طرح قانون ساز شہریوں کو بھی بارہ اقسام میں تقسیم کرے گا اور ان کی جائیداد کو اس طرح ترتیب دے گا کہ تقریباً سب کی حیثیت مساوی ہو جائے گی۔ اور سب کا کاغذات میں اندراج ہوگا۔ اس کے بعد دوبارہ دیوتاؤں کو بارہ حصے عطا کریں گے۔ جن کو ان کے نام سے موسوم کیا جائے گا اور ہر حصہ دیوتا کی نذر کر دیا جائے

گا۔ اور وہاں کے آباد قبائل کو بھی ان کے ہی نام سے موسوم کر دیا جائے گا۔ انھوں نے جس طرح مملکت کے بارہ حصوں کو تقسیم کیا ہے بالکل اسی طرح شہر کو بھی بانٹ دیں گے۔ اور ہر فرد کی دو بستیاں ہوں گی ایک مملکت کے وسط میں اور دوسرے ایک سرے پر۔ ہم نے آباد کار کے طور طریقوں پر کافی باتیں کر لی ہیں۔

ہمیں ہر لحاظ سے یہ سوچنا ہوگا کہ جس صورت حال کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ایسا حسن اتفاق ممکن نہیں ہے۔ حسب ضرورت ہر شے کا حصول آسان نہیں ہوگا کوئی اس بات پر بھلا کس طرح راضی ہوسکتا ہے کہ اس طرح مل جل کر زندگی گزارے اور وہ اتنی تھوڑی سی جائیداد کے تعین کو تا عمر برداشت کرے اور ہمارے قانون کے مطابق اولاد پیدا کرے اور قانون ساز کے احکام کے مطابق سونے چاندی سے محروم رہے۔ اور زمین کے محل وقوع پر راضی ہو کہ ایک تو شہر کے وسط میں ہو اور دوسرا اس کے کنارے پر۔ لگتا ہے یہ تمام قانون ساز کا خواب ہے۔ یا وہ شہری اور شہر کے پتلے موم سے تیار کر رہا ہے۔ ان اعتراضات میں بڑی صداقت ہے۔ اس لیے جو میں کہنے والا ہوں اسے غور سے سماعت فرمائیے۔ ایک بار پھر قانون ساز ہمارے سامنے آ کر ہم سے مخاطب ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میرے عزیز دوستو! مجھے نادان نہ سمجھو۔ تمہاری باتوں میں وزن اور سچائی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے جن امور کا تعلق حال سے نہیں بلکہ مستقبل سے ہوتا ہے اس کے بارے میں جو شخص ایسے منصوبے کا ذکر کرتا ہے جو اس کا مقصد ہے تو سچ بھی ہوتا ہے اور عادلانہ بھی اور اگر وہ اپنے منصوبے کے کسی حصے کو ناقابل عمل سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ترک کر دے بلکہ وہ کوشش کرے کہ اس حصے کے قریب ترین امکانات پر عمل پیرا ہو۔ آپ کو چاہیے کہ آپ قانون ساز کو اس کے منصوبے کی تکمیل کا موقع فراہم کریں اور جب وہ مکمل ہو جائے تو آپ اس کے ساتھ مل کر یہ طے کریں کہ اس منصوبے کے کس حصے پر فوری طور پر عمل کیا جاسکتا ہے اور کس کی مخالفت ہوسکتی ہے کیونکہ قابل ذکر فن کار وہی ہوتا ہے جو اپنے فن پارے کو ہر لحاظ سے مکمل سمجھتا ہے۔

یہ طے کرنے کے بعد کہ اسے بارہ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ یہ کام کس طرح مکمل کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے کیونکہ بارہ حصوں میں قطعات موجود ہیں انھیں بآسانی زیادہ سے زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا ان میں بعد میں

دوسری تعداد بھی نظر آتی ہے جو ۵۰۴۰ کی تعداد کو پہنچ سکتی ہے۔اسی لیے قانون ایسے گوٹھ، بستیاں اور گاؤں اور فوجی عہدے اور نقل مکانی، سکے اور جامد اور رقیق اشیا کے لیے اوزان پیمانے وضع کرے گا جو ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہوں۔ہمیں چھوٹے چھوٹے اوزان سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ قانون کا یہ تقاضا ہو، ناپ تول کے ہر برتن کا معیار مشترک ہونا چاہیے۔ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اعداد کے تمام ممکنہ حصے اور تغیرات خواہ وہ ان کے اپنے ہوں یا بلندی اور گہرائی کے پیمانے ہوں یا آواز اور حرکت سے متعلق ہوں یا ان کی حرکت خط مستقیم میں ہو اور ایک ہی سمت میں اوپر یا نیچے جائیں یا ان کی حرکت مدور ہو یہ سارے پیمانے، اور ان میں تغیرات اپنی اپنی جگہ کارآمد ہوتے ہیں۔قانون ساز کو چاہیے کہ وہ ان تمام کو نگاہ میں رکھے اور شہریوں پر یہ واضح کر دے کہ اس عددی ترتیب کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ داخلی معیشت، سیاست، فنون اور ریاضی سکھانے کے لیے نوجوان کی تعلیم کے شعبے میں اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی طریق کار نہیں ہے۔مزید برآں ریاضی ان کو جھنجھوڑتی ہے جو فطرتاً کاہل اور سست ہوتے ہیں اور اونگھتے رہتے ہیں اور اسے سیکھنے پر اکساتی ہے سیکھی ہوئی باتوں کو حافظے میں محفوظ رکھتی ہے۔اسے چاق و چوبند بناتی ہے اور غیبی امداد کے طفیل وہ ایسی ترقی کرتا ہے جو اس کی فطری صلاحیت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔اگر قانون ساز کسی نہ کسی طرح انسانی فطرت کو کم ظرفی اور حرص سے نجات دلا دے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو مناسب طور پر اپنے فائدے کے لیے استعمال میں لانے کے قابل ہو جائے اور اسے تعلیم کا نہایت مؤثر ذریعہ بنا دے۔لیکن اگر وہ اس میں ناکام ہو جائے تو غیر ارادی طور پر انسانوں میں دانائی کی جگہ روباہی پروان چڑھے گی جس کی مثالیں مصریوں، فونیکس (Phoenicians) کے باشندوں اور دیگر قوموں میں ملتی ہیں۔ان میں یہ خصوصیت ان کے عامیانہ اشغال اور اکتسابی فوائد کے سبب پیدا ہوئی ہیں ہوسکتا ہے اس میں ان کے کسی نالائق قانون ساز کا ہاتھ ہو یا یہ محض ایک حادثہ ہو یا پھر ان کی فطرت ہی ایسی ہو۔میرے دوست مجی لس اور کلینیاس ہمیں اس بات کا مشاہدہ ضرور کرنا چاہیے کہ مقامات کی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔کہیں اچھے افراد پیدا ہوتے ہیں اور کہیں بُرے۔اس لیے ہمیں قانون سازی میں اس کا خیال رکھنا ہوگا۔چند مقامات، ہواؤں کی تبدیلی اور سخت گرمی کے سبب اور چند پانی کے سبب مہلک قسم

کے تغیرات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کے سبب غذائی اجناس میں ایسی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کے استعمال سے انسانی جسم اور روح میں اچھے اور بُرے اثرات رونما ہوتے ہیں۔ یہ تمام خصوصیات ان مقامات میں بافراط نظر آتی ہیں جہاں ملکوتی فضل ہو۔ جہاں نیم روحانی ہستیوں کا ایسا عمل دخل ہو کہ وہ آبادکاروں کے معاون ہوں، مخالف نہیں۔ اگر قانون ساز عقل سلیم کا مالک ہوگا تو وہ ان تمام امور کا جہاں تک انسان کے بس میں ہے خیال رکھے گا اور اپنے قوانین اسی کے تحت وضع کرے گا۔ کلینیاس آپ کو یہی کچھ کرنا ہے اور چونکہ آپ ایک نئی مملکت بسانے والے ہیں اس لیے آپ کو اس طرح کے امور کا لحاظ کرنا ہوگا۔

کلینیاس: آپ کی باتیں نہایت عمدہ ہیں۔ میں آپ کے کہے پر عمل کروں گا۔

☆☆☆

چھٹی کتاب

اجنبی : ابتدائی باتوں کو یہیں ختم کر کے آیئے اب ہم عدالتی عہدیداروں کے تقرر کی بات کریں۔

کلینیاس: بہت خوب۔

اجنبی : ریاستی نظام کی تشکیل کے دو حصے ہوتے ہیں۔اوّل یہ ہے کہ عدالتی عہدیداروں کی تعداد کا تعین اور پھر ان کی تقرری کا طریق کار۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ ان کی تقرری کے بعد ان میں سے ہر ایک کو حسب ضرورت اور تعداد میں مناسب قوانین فراہم کیے جائیں گے۔لیکن عدالتی عہدیدار کے انتخاب سے قبل ہمیں ذرا توقف کر کے ان کے انتخاب کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔

کلینیاس: آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

اجنبی: میں صرف یہ کہوں گا کہ ہر شخص کو یہ علم ہے کہ اگر چہ قانون سازی کا کام اہم ترین نوعیت کا ہوتا ہے تاہم اگر کسی عمدہ نظم ونسق والی ریاست میں اچھے قوانین کے نفاذ کے لیے نااہل عہدیداروں کا تقرر ہوجائے تو نہ صرف اچھے قانون کی مٹی پلید ہوجائے گی۔ان کی حرکات نہ صرف مضحکہ خیز اور فضول ہوں گی بلکہ ان کے سبب سیاسی طور پر زبردست نقصان رونما ہوگا۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : میرے دوست آیئے!اب دیکھتے ہیں کہ ہماری مجوزہ ریاست کے قیام کے دوران ہمیں کیا مرحلہ پیش آئے گا۔آپ یہ تسلیم کریں گے کہ اول تو جو لوگ عدالتی عہدوں پر مقرر ہوں گے،ان کے اہل خاندان نے فرداً فرداً یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ نوجوانی سے لے کر عدالتی عہدے پر انتخاب تک انھوں نے کس طرح زندگی گزاری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنھیں یہ انتخاب کرنا ہے وہ قانونی امور میں تربیت یافتہ ہوں،اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ان کی قوت فیصلہ درست ہو اور وہ اپنے فیصلے کے مطابق افراد کو منتخب اور رد کرنے کے لائق ہوں۔لیکن ہم یہ کیسے سمجھیں گے کہ ہم جنھیں پہلی بار یکجا

کریں گے جو ایک دوسرے سے ناآشنا ہوں گے، غیر تعلیم یافتہ بھی ہوں گے، ان سے عدالتی عہدیداروں کے انتخاب میں غلطی نہیں ہوگی؟

کلینیاس: یہ ناممکن ہے۔

اجنبی: یہ معاملہ بہت گھمبیر ہے اور محض معذرت سے بات نہیں بنے گی۔ چونکہ آپ نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے اپنے نو ساتھیوں کے ہمراہ کریٹ کے عوام سے نئی ریاست کی تنظیم کا وعدہ کیا ہے اس لیے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہمیں اور آپ کو اس ضمن میں کیا کرنا ہوگا۔ میں موجودہ خیالی ریاست کے توسط سے آپ کی رہنمائی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اس داستان کو دنیا بھر میں بلامقصد گھماتا پھروں جس کا کوئی سر ہو نہ پیر۔ دیکھیے نا! بے سروں والا دیو کتنا مکروہ اور ہیبت ناک ہوتا ہے۔

کلینیاس: بڑی عمدہ بات ہے۔

اجنبی: جی ہاں۔ میں اپنے الفاظ کے ساتھ پورا پورا انصاف کروں گا۔

کلینیاس: آپ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی کریں۔ ہم سب یہی چاہتے ہیں۔

اجنبی: ہم دیوتا کے فضل سے ایسا ہی کریں گے۔ اگر بڑھاپا آڑے نہ آجائے۔

کلینیاس: دیوتا ہم پر ضرور مہربانی فرمائے گا۔

اجنبی: جی ہاں اور اسی کی ہدایت کے بموجب ہم ایک اور نکتے پر غور کریں گے۔

کلینیاس: وہ کیا ہے؟

اجنبی: یاد رکھیے ہماری ریاست کی تشکیل ہمارے جنون، ہماری ہمت اور حوصلے کی آئینہ دار ہے۔

کلینیاس: آپ کیا سوچ کر یہ کہہ رہے ہیں؟

اجنبی: میں سوچتا ہوں کہ ہم نے کتنی آزادی اور بے فکری سے ناتجربہ کار آبادکاروں پر اپنے قانون کے نفاذ کا تذکرہ کر دیا ہے۔ کلینیاس یہ بات سمجھنے کے لیے کسی خاص دانائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر قانون جب پہلی بار نافذ ہوتا ہے تو لوگ اسے بدقت تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں اتنا انتظار کرنا ہوگا کہ ایک ایسی نسل جو جوان ہو اور جو بچپن ہی سے قانون کی عادی ہو، اسی کے تحت ان کی پرورش ہوئی ہو اور ریاست کے عام انتخابات میں حصہ لے رہی ہو، میرا خیال ہے کہ اسے کسی نہ کسی طرح اور کسی

نہ کسی ترکیب سے مکمل کرنا ہوگا۔ اور اگر ریاست کی یہ صورت حال ہو تو اس کے استحکام اور استقلال کو کسی قسم کا خطرہ درپیش نہیں ہوگا۔

کلینیاس: آپ کا یہ خیال معقول نظر آتا ہے۔

اجنبی: آیئے اب اس مشکل کا کوئی حل تلاش کریں۔ میرے دوست کلینیاس میں وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ کنوسیا یا کریٹ کے باشندے اس بات سے مطمئن نہیں ہوں گے کہ وہ صرف بستی کا حق ادا کریں بلکہ ان عہدوں پر تقرری کے لیے جو پہلی بار قائم ہو رہے ہیں پوری تندہی اور احتیاط سے کام لیں۔ یہ تمام باتیں قانون کے عہدیداروں کے انتخاب پر صادق آتی ہیں۔ سب سے پہلے جنھیں بڑی احتیاط سے منتخب کرنا ہوگا۔ دوسرے عہدیداروں کی اہمیت اس سے کم ہوگی۔

کلینیاس: ان کے انتخاب کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

اجنبی: طریقہ یہ ہوگا کہ میں ان سے کہوں گا کہ کریٹ کے باشندوں کے فرزندو! چونکہ کنوسیا کے باشندوں کو تمام ریاستوں پر فضیلت حاصل ہے اس لیے وہ ان لوگوں سے مل کر جو اس نئی ریاست میں قیام کر رہے ہیں، ۳۷ اراکین پر مشتمل ایک ادارہ قائم کریں گے، ان میں سے ۱۹ آبادکاروں میں سے اور باقی کنوسیا کے باشندوں میں سے چنے جائیں گے۔ ثانی الذکر یعنی کنوسیا کے رہنے والے آپ کی بستی کو نذرانہ پیش کریں گے اور آپ خود ۱۸ میں شامل ہوں گے۔ اور اس نئی ریاست کے شہری بنیں گے اور اگر آپ کو اور انھیں جانے پر آمادہ نہیں کیا جاسکا تو کنوسیا والے تھوڑی بہت سختی کر کے آپ کو آمادہ کریں گے۔

کلینیاس: اجنبی دوست کیا آپ اور مجی لس ہماری ریاست میں شریک نہیں ہوں گے؟

اجنبی: ارے بھئی کلینیاس! ایتھنز مغرور ہے اور سپارٹا بھی۔ اور وہ دونوں یہاں سے فاصلے پر ہیں۔ لیکن آپ اور دیگر آبادکار آپ کے قول کے مطابق ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ میں اس طریقے کی بات کرتا چلا آرہا ہوں جس کے ذریعے نئے شہریوں کا انتظام موجودہ حالات کے تحت بہترین طور پر چلایا جاسکتا ہے۔ لیکن آگے چل کر اگر ریاست قائم رہے گی تو انتخابات کو اسی نہج پر جاری رہنا چاہیے۔ ہر وہ شخص جو سواروں یا پیدل فوج میں شامل ہے یا وہ مناسب عمر میں جنگ میں شریک ہوا ہو، جب وہ انفرادی طور پر اس کا اہل تھا، وہ عدالتی عہدیداروں کے انتخاب میں حصہ

لے گا۔اور یہ انتخاب اس عبادت گاہ میں ہوگا جو ریاست کے نزدیک مقدس ترین ہوگا اور ہر شخص دیوتا کی قربان گاہ پر جا کر اپنی رائے کا اظہار اپنے منتخب کرنے والے شخص کا نام، اس کے والد اور قبیلے کا نام ایک تختی پر لکھ کر کرے گا۔جس کے کنارے پر وہ جس طرح چاہے اپنا نام لکھے۔اگر کوئی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے تختی پر نام وغیرہ اچھی طرح نہیں لکھا ہے تو وہ تختی اسے لے جانے کا اختیار ہوگا اور وہ آ گورا (Agora) میں تیس دن تک اس کی نمائش کرے گا۔ایسی تختیاں جو پہلے تین سو (۳۰۰) کی تعداد کو پورا کریں گی۔انھیں عدالتی عہدیدار پورے شہر کو دکھائے گا اور اسی طرح شہری ان امیدواروں میں سے اپنے پسندیدہ امیدوار کا انتخاب کرے گا۔دوسرا انتخاب سو (۱۰۰) امیدواروں پر مشتمل ہوگا۔جنھیں شہریوں کے سامنے رکھا جائے گا تیسری باری میں بھی شہری اُن سو امیدواروں میں سے اپنے پسندیدہ امیدوار کو منتخب کرے گا اور ان میں سے ان امیدواروں کو عدالتی عہدوں کے لیے منتخب کیا جائے گا اور ان ۳۷ افراد کے ناموں کا اعلان کیا جائے گا جنھیں سب سے زیادہ ووٹ ملے ہیں۔لیکن میرے دوست کلینیاس اور مجی لس! سوال یہ ہے کہ عدالتی عہدیداروں کے انتخاب کے اس طریقے کو ہمارے لیے کون نافذ کرے گا اور کون اس عمل کی نگرانی کرے گا؟ اگر ہم ذرا سا غور کریں تو دیکھیں گے کہ جو ریاستیں ہماری طرح زیر تشکیل ہیں، وہاں چند افراد ایسے ضرور ہوتے ہیں جنھیں عدالتی عہدیداروں سے پہلے منتخب نہیں کیا جا سکتا ہے، تاہم ان کا انتخاب ضروری ہے۔وہ معمولی آدمی نہیں ہوتے۔بلکہ بہترین ہوتے ہیں کیونکہ ضرب المثل کے مطابق "اگر آغاز عمدہ ہو تو کام نصف مکمل ہو جاتا ہے" اور عمدہ آغاز کو سب سراہتے ہیں۔اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تو نصف کام سے بھی کہیں زیادہ ہے اور کسی نے اس کی ویسی تعریف نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔

کلینیاس: بات درست ہے۔

اجنبی: اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اس مشکل کو تسلیم کریں اور اپنے ذہن میں یہ طے کر لیں کہ اس کام کا آغاز کس طرح کیا جائے گا۔اس سلسلے میں ایک ہی تجویز میرے ذہن میں آتی ہے جو موجودہ حالت میں بہترین اور موزوں ترین ہے۔

کلینیاس: وہ کیا ہے؟

اجنبی : میں یہ کہتا ہوں کہ ہماری اس بستی کے ماں باپ ہیں جو آبادکاری کرنے والی مملکت کے سوا اور کون ہوسکتا ہے مجھے یہ پتا ہے کہ متعدد بستیوں کو اپنے ماں باپ سے دشمنی تھی اور آیندہ بھی ہوگی۔ لیکن ابتدائی ایام میں ایک خاندان کی طرح بچہ محبّ بھی ہوتا ہے اور محبوب بھی۔ اگرچہ آیندہ کسی زمانے میں توقعات میں کشیدگی آسکتی ہے تاہم جب تک اس کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ فطری طور پر والدین کو پیار کرتا ہے اور ان کا پیارا بنا رہتا ہے اور تحفظ کے لیے عزیز و اقارب کا سہارا لیتا ہے اور انھیں ضرورت پڑنے پر اپنا ملجا اور ماویٰ سمجھتا ہے۔ اور کنوسیا کے لوگ جس طرح اس بستی کی دیکھ بھال کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں والدین کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور نئے شہر کے لوگوں کے دلوں میں بھی کنوسیا کے باشندوں کے لیے ایسے ہی جذبات موجود ہیں۔ میں اپنی بات کا پھر اعادہ کرتا ہوں کیونکہ اچھی بات کو دہرانے میں کوئی حرج نہیں کہ کنوسیا کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان تمام امور میں پوری دلچسپی لیں اور بستی کے کم از کم سو (۱۰۰) ایسے افراد کا انتخاب کریں جو عمر رسیدہ اور بہترین ہوں۔ اور ان کے ساتھ ایک سو (۱۰۰) کنوسیا کے لوگ بھی شامل ہوں گے۔ شمولیت کے بعد یہ لوگ اس امر کی مل جل کر پوری احتیاط کے ساتھ یہ کوشش کریں کہ عدالتی عہدیداروں کی تقرری قانون کے مطابق ہو اور تقرری کے بعد ان کی اچھی طرح چھان بین کی جائے۔ اور جب یہ مرحلہ طے ہوجائے تو پھر کنوسیا کے لوگ اپنی ریاست میں واپس آجائیں اور نئی ریاست خود اپنے استحکام اور خوشحالی کے لیے ہر ممکن اقدام کرے۔ میں چاہوں گا کہ مندرجہ ذیل کاموں کی تعمیل کے لیے جن ۳۷ افراد کو منتخب کیا گیا ہے وہ ہمیشہ دستیاب رہیں۔ اوّل انھیں قانون کا محافظ ہونا ہے۔ دوم اس سرکاری فہرست کو بھی محفوظ رکھنا ہوگا جس میں عدالتی اہل کار نے شہریوں کے مال و متاع کو درج کیا ہے۔ اور جس کی رو سے اول درجے کے شہریوں کو چار سکوں کی، دوم درجے کو تین، تیسرے درجے کو دو اور چوتھے درجے کو ایک سکہ رکھنے کی اجازت ہوگی اور اگر یہ پتا چلے کہ کسی نے قانون کی آنکھ میں دھول جھونک کر اجازت سے زیادہ جائیداد جمع کی ہے تو یہ تمام فاضل جائیداد بحق سرکار ضبط ہوجائے گی اور اس پر اس طرح مقدمہ چلایا جائے گا جس سے اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ناجائز دولت کا الزام عائد کرکے ملزم کے خلاف قانونی اداروں میں مقدمہ چلائے اور اگر یہ شکایت مسترد ہوجاتی ہے تو

سرکاری جائیداد میں اس کا جو حصہ ہے اس سے وہ محروم کر دیا جائے گا اور کسی عوامی تقسیم کی جائیداد کی صورت میں اسے زائد کچھ بھی نہیں ملے گا صرف اس کا ضبط شدہ حصہ واگزار کر دیا جائے گا اور اسے تاحیات معتوب گردانا جائے گا اور کسی نمایاں مقام پر اس کے جرائم کی فہرست آویزاں کر دی جائے گی جسے ہر کوئی پڑھ سکے گا۔ قانون کا محافظ اپنے عہدے پر صرف بیس (۲۰) برس تک برقرار رہے گا اور انتخاب کے وقت اس کی عمر پچاس (۵۰) سال سے کم نہیں ہوگی اور اگر وہ ساٹھ (۶۰) سال کی عمر میں منتخب ہوتا ہے تو وہ صرف دس برس اپنے عہدے پر کام کرے گا اور اسی اصول پر اسے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ بشرطیکہ زندگی ستر (۷۰) برس کے بعد بھی قانون کے محافظ کی ذمہ داریاں نبھائے گا۔

قانون کے محافظوں کے ضمن میں تین احکامات سرفہرست ہیں اور قانون سازی کا عمل جوں جوں آگے بڑھے گا ہر قانون میں اس کی ذمہ داریوں کا تعین ہوتا رہے گا۔ آیئے اب ہم دیگر اہلکاروں کے انتخاب کا ذکر کریں۔ مثلاً فوجی سربراہوں کا انتخاب ہوگا جن کے وزرا ہوں گے، کماندار ہوں گے، سواروں کے کرنل ہوں گے، پیادہ فوج کی بریگیڈ کے اعلیٰ افسر ہوں گے۔ جنھیں بریگیڈیئر کہا جائے گا۔ قانون کے محافظ ایسے افراد کو فوجی سربراہوں کے لیے نامزد کریں گے جو وہاں کے شہری ہوں اور ان کے انتخاب میں وہ شہری حصہ لیں گے جو فوجی خدمات کے لیے مقرر شدہ عمر کی حدود میں ہوں گے اگر کوئی شہری نامزد افراد کے علاوہ بھی کسی دوسرے شخص کو اس بنا پر نامزد کرنا چاہے کہ وہ فہرست میں درج افراد سے بہتر ہے تو اسے حلفیہ بیان کے ذریعے اس شخص کو نامزد کرنا ہوگا اور ان دونوں میں سے جس کے حق میں زیادہ شہری رائے دیں گے وہی حتمی فہرست کے لیے منتخب سمجھا جائے گا۔ اور ان تین افراد کو جو رائے کے مطابق سرفہرست ہوں گے، انھیں جنرل اور عسکری امور کا منتظم مقرر کیا جائے گا لیکن اس سے قبل قانون کے محافظوں کی طرح ان کی بھی مکمل چھان بین کی جائے گی۔ جو جنرل اس طرح منتخب ہو جائیں گے اور اپنی صوابدید کے مطابق ہر قبیلہ سے ایک کے حساب سے ۱۲ بریگیڈیئروں کو نامزد کریں گے۔ جنرلوں کے انتخاب کی طرح یہاں بھی دوسرے نامزد ہو سکتے ہیں جن کا فیصلہ اسی طرح زیادہ سے زیادہ آرا کی روشنی میں کیا جائے گا جس طرح جنرلوں کے انتخاب میں کیا گیا تھا۔ جب تک پنچائتیں اور اسی

نوعیت کے دیگر ادارے منتخب نہیں ہو جاتے۔ قانون کے محافظ اسمبلی کا اجلاس کسی مقدس مقام پر منعقد کریں گے جو اس کام کے لیے موزوں ترین ہوگا۔ جہاں مسلح پیدل افواج اور سواروں اور فوج کے دیگر شعبوں کو علیحدہ علیحدہ جگہ دی جائے گی۔ یہ سب حاضرین جنرل (اور سواروں کے کرنل) کے انتخاب میں حصہ لیں گے۔ لیکن بریگیڈیئروں کا انتخاب وہ لوگ کریں گے جن کے پاس ڈھالیں ہوں گی (مثلاً مسلح پیدل سپاہ) سواروں کے دستے جنرل کے مشیروں کا انتخاب کریں گے۔ لیکن ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے مسلح دستوں اور تیراندازوں اور فوج کے دیگر ڈویژنوں کے کپتانوں کا انتخاب جنرل خود کریں گے۔ اب صرف سواروں کے افسروں کے تقرر کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ انھیں بھی وہی لوگ نامزد کریں گے جنھوں نے جنرلوں کو نامزد کیا تھا اور جنرلوں کے انتخاب ہی کی طرح فہرست سے باہر کی نامزدگی اور انتخاب کا انعقاد ہوگا۔ اس صورت میں سواروں کے دستے رائے کا اظہار کریں گے اور پیدل افواج محض تماشائی رہیں گی۔ وہ جو سرفہرست ہوں گے وہی سواروں کے سربراہ ہوں گے۔ ووٹ کے بارے میں اعتراضات ایک یا دو بار اٹھائے جا سکیں گے لیکن اگر اعتراض تیسری بار بھی اٹھایا گیا تو وہی عہدیدار اس کا فیصلہ کرے گا جس نے متعدد انتخابات کی صدارت کی ہو۔

کونسل ۱۲×۳۰ یعنی ۳۶۰ اراکین پر مشتمل ہوگی۔ کیونکہ اس تعداد کو بآسانی مزید تقسیم کیا جاسکتا ہے اگر ہم مجموعی تعداد کو چار سے تقسیم کریں تو ہمیں ہر درجے کے لیے ۹۰ اراکین درکار ہوں گے۔ پہلے تمام شہری درجہ اول کے لیے اراکین کا انتخاب کریں گے۔ انھیں اپنی رائے کے اظہار کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ اگر وہ اجتناب کریں گے تو ان پر جرمانہ کیا جائے گا۔ امیدواروں کے انتخاب کے بعد ایک شخص کامیاب ہونے والوں کی نشاندہی کرے گا۔ پہلے روز بس یہی ایک کام ہوگا۔ دوسرے روز اسی طرح دوسرے درجے کے لیے اراکین چنے جائیں گے۔ تیسرے روز تیسرے درجے کے لیے انتخاب میں اگر چاہیں تو حصہ لے سکتے ہیں ان پر پابندی کوئی نہیں ہوگی۔ لیکن ابتدا کے تین درجے رائے دینے کے پابند ہوں گے لیکن چوتھے درجے والوں پر رائے دینے کی کوئی پابندی نہیں ہوگی اور اس کمتر درجے کے کسی شخص کو جو رائے نہیں دے گا کوئی سزا نہیں ملے گی۔ چوتھے روز چوتھے اور سب سے ادنیٰ درجے والوں کے اراکین کا انتخاب ہوگا۔ انھیں بھی

سب مل کر ہی منتخب کریں گے لیکن چوتھے درجے والے اور اسی طرح تیسرے درجے والے کو بھی رائے نہ دینے پر کوئی سزا نہیں ملے گی لیکن جس کا تعلق پہلے اور دوسرے درجے سے ہے۔ اگر وہ رائے نہیں دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔ جس کا تعلق دوسرے درجے سے ہے وہ رقم کا دوگنا اور پہلے درجے والا چوگنا جرمانہ ادا کرے گا۔ پانچویں دن حکمراں عوام کی اطلاع کے لیے کامیاب ناموں کا لکھ کر اعلان کریں گے۔ ہر شخص کو ان میں سے جسمانی سزا یا جرمانے کے خوف سے ارا کین کا انتخاب کرنا ہوگا اور جب ہر درجے سے ۱۸۰ ارا کین منتخب ہو جائیں گے تو ان میں سے نصف کا بذریعہ قرعہ اندازی انتخاب ہوگا جن کی چھان بین ہوگی: یہی لوگ ایک سال کے لیے کونسل کے رکن رہیں گے۔

ہم نے انتخاب کا جو طریقہ بیان کیا ہے یہ بادشاہت اور جمہوریت کے بین بین کا راستہ ہے۔ ریاست کو اسی درمیانی راستے کا ہمیشہ خیال رکھنا ہوگا۔ کیونکہ آقا اور نوکر کبھی بھی اچھے دوست نہیں ہو سکتے، نہ ہی اچھے اور بُرے لوگ، یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست صرف اسی بنا پر ہو سکتے ہیں کہ انھیں مساوی حقوق حاصل ہوں۔ کیونکہ ہم مرتبہ نہیں، انھیں اگر مرتبہ والوں کے ساتھ رکھ دیا جائے پھر بھی وہ ان کے ہم مرتبہ اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک انھیں معیاروں کے ذریعہ ہم آہنگ نہ بنا دیا جائے۔ ریاستوں میں باغیانہ رویے مساوات اور عدم مساوات دونوں اسباب سے پروان چڑھتے ہیں۔ پرانی مثل ہے کہ ''مساوات دوست پیدا کرتی ہے'' یہ بہت اچھی بھی ہے اور درست بھی۔ لیکن یہ اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ مساوات کس نوع کی ہوگی۔ کیونکہ دو قسم کی اسی مساوات میں جنھیں محض مساوات ہی کہا جاتا ہے تاہم وہ دراصل ایک دوسرے کی متناقض ہیں۔ ایک نوع وہ ہے جسے مملکت یا قانون ساز اعزازات تقسیم کر کے بلا تکلف رائج کر سکتی ہے۔ اس کا تعلق معیارات، اوزان اور اعداد سے ہے جو ان کے حصوں کو تقسیم بھی کرتا ہے اور ان کی تعدیل بھی۔ لیکن ایک قسم کی اور بھی مساوات ہے جو اس سے بہتر بھی ہے اور افضل بھی اور جس کی شناخت آسان نہیں ہے۔ یہ زیوس دیوتا کا فیصلہ ہے۔ جو انسانوں میں بہت ہی کم نافذ العمل ہے۔ لیکن یہ کم جز بھی افراد اور ریاست کے لیے بہت زیادہ مفید ہے جو فطرت کے مطابق افضل افراد کے حصے میں زیادہ اور ادنیٰ تر کے حصے میں کم آتا ہے۔ مزید برآں عمدہ نیکیوں کو

زیادہ اور اس کے کم کو کم، ان کی نیکی اور تعلیم کی مناسبت سے ملتا ہے۔ یہی عدل ہے جو ہر مملکت کا اصل معیار ہوتا ہے۔ یہی ہمارا ہدف ہونا چاہیے اور ہم جس مملکت کو قائم کر رہے ہیں اس کا بنیادی اصول یہی ہونا چاہیے۔ قانون ساز کو اسی کو نگاہ میں رکھنا ہوگا۔ ظالم اور جابر حکمران کی مرضی یا عوامی طاقت کو نہیں، اسے انصاف کو کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ جو جیسا کہ میں ابھی گزارش کر چکا ہوں یہ ان لوگوں میں مساوات کی تقسیم ہے جو عدم مساوات کا شکار ہیں۔ لیکن ایسا بھی وقت آتا ہے کہ ہر ریاست کو عدل اور مساوات کو اس کے ثانوی معنی میں استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کسی نہ کسی حد تک گروہ بندی پر قابو پا لیا جائے کیونکہ قدرتی انصاف اور قانونی رعایت کے اصول دراصل کامل اور مطلق انصاف سے انحراف ہوتے ہیں۔ اسی کے باعث ہم نے لوگوں کے حصوں کی مساوات پر زور دیا ہے۔ تاکہ ان میں بے اطمینانی پیدا نہ ہو۔ اسی مقصد کے تحت ہم دیوتا کے فضل اور اپنی خوش بختی کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور یہ التجا کرتے ہیں کہ حصوں کی اس تقسیم میں قطعی انصاف ہمارے شامل حال ہو۔ اگرچہ ہم دونوں نوع کی مساوات سے استفادہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تاہم ہمیں اس قسم سے کام لینا چاہیے جس میں اتفاق کے امکانات کم سے کم ہوتے ہیں۔

میرے دوستو! متذکرہ اسباب کی بنا پر مملکت کو اپنے استحکام کی سلامتی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ لیکن جس طرح سمندر میں چلنے والے جہاز کی ہمہ وقت نگرانی ضروری ہوتی ہے اسی طرح مملکت بھی سیاست کے سمندر میں جہاز کی طرح محو سفر رہتی ہے، جس پر چھپ چھپ کر یورشیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک حکام، دیگر حکام کے ساتھ اور نگہبان، دوسرے نگہبانوں کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ایک دوسرے میں اعتماد پیدا کرتے رہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے لوگوں کا ہجوم پوری قوت سے ایسے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ علاوہ بریں نمایندوں کی اکثریت کو سال کے بیشتر حصے میں اس کام سے مستثنیٰ رکھا جائے گا تاکہ وہ اپنے مقامی مسائل پر توجہ دے سکیں۔ اس لیے ان کو سال کے بارہ مہینوں کے لحاظ سے بارہ (۱۲) حصوں میں اس طرح منظم کرنا ہوگا کہ وہ ہر ماہ میں انفرادی طور پر نگہبانی کے لیے دستیاب ہوں۔ ان کا فرض یہ ہوگا کہ وہ غیر ملکی مہمانوں یا شہریوں سے ملاقات کریں تاکہ ایسے

سوالات کے جواب فراہم کریں جو کوئی مملکت کسی دوسری مملکت سے پوچھتی ہو یا خود اپنے آپ سے اس سوال کے جواب کی طالب ہو اور داخلی شورش کی صورت میں جس کا احتمال ہمیشہ ہی موجود رہتا ہے اور اسے فرو کرنے کی جدوجہد کریں گے اور اگر شورش برپا ہو چکی ہے تو وقت ضائع کیے بغیر شہریوں کو اس سے آگاہ کریں گے اور اس کی سرکوبی کریں گے۔ اسی طرح چونکہ وہ مملکت کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے اس لیے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اسمبلیوں کے حسب معمول اور غیر معمولی امور اور ان کی تحلیل کی ذمہ دار ہو۔ یہ تمام احکام اسمبلی کا وہ بارھواں حصہ جاری کرے گا۔ جو سال کے ایک حصے میں دیگر اہلکاروں کے ہمراہ نگرانی کا فریضہ انجام دے گا۔ بعد میں بقیہ گیارہ حصے کی طرح آرام کرے گا۔

ریاست کا نظم ونسق اسی انداز سے چلے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ریاست کے مہتمم کون ہوں گے اور اہتمام کیسا ہوگا؟ چونکہ پورا ملک اور خود شہر بارہ بارہ حصوں میں منقسم ہے اس لیے کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام کوچوں، عمارتوں، مکانوں، بندرگاہوں، کھلے مقامات، فواروں، مقدس گنبدوں، مذہبی مقامات وغیرہ کے لیے ایک مہتمم ہو؟

کلینیاس : مہتمم ہونا تو چاہیے۔

اجنبی : آیئے ہم یہ فرض کرلیں کہ عبادت گاہوں کے لیے خدام، پجاری مرد اور عورتیں ضروری ہوں گی۔ شارعات اور عمارتوں کے مہتمم بھی ہوں گے جو انھیں اور ان کے اردگرد کے علاقوں کو انسانوں اور وحشی جانوروں کی دست برد سے محفوظ رکھیں گے۔ اس طرح گویا تین طرح کے اہلکار متعین کیے جائیں گے۔ تاکہ شہر کی ضرورت کے مطابق سامان فراہم کیا جاسکے۔ جو لوگ شہر کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوں گے انھیں ''وارڈن'' کہا جائے گا۔ اور جو لوگ کھلے مقامات کے نگران ہوں گے انھیں ''کھلے مقامات کا وارڈن'' پکارا جائے گا۔ اور عبادت گاہوں کے نگران کو ''پجاری'' کا نام دیا جائے گا۔ جو افراد خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، موروثی طور پر ان عہدوں پر فائز ہیں، انھیں ہٹایا نہیں جائے گا، لیکن نئی قائم شدہ عبادت گاہوں میں موروثی پجاری یا پجارن کے نہ ہونے کی وجہ سے، ایسے پجاری اور پجارن مقرر ہوں گے جو دیوتا کے خادم ہوں گے، مگران کا کوئی خادم نہیں ہوگا۔ اہلکاروں میں سے چند کا انتخاب ہوگا باقی بذریعہ قرعہ اندازی مقرر کیے جائیں گے۔ دونوں عوام میں سے بھی

ہوں گے اوران سے علیحدہ بھی، جو ہر شہر ہر مقام پر دوستانہ میل جول رکھیں گے۔ ریاست کی سوچ جہاں تک ہو سکے گا، یکساں ہوگی۔ عبادت گاہوں کے اہلکاروں کا تقرر قرعہ اندازی کے ذریعے ہو گا۔ اس طرح ان کے انتخاب پر دیوتا کا کرم ہوگا اور وہ وہی کام کریں گے جو دیوتا کی خوشنودی کا باعث بنیں گے۔ جو قرعہ اندازی میں کامیاب ہوگا اس کی چھان بین ہوگی۔ اوّل یہ دیکھا جائے گا کہ آیا جسمانی طور پر وہ چاق و چوبند ہے اور اس کی پیدائش جائز طور پر ہوئی ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ خالص نسل سے تعلق رکھتا ہے اور ذاتی طور پر اس کی شخصیت میں خودکشی یا اسی قسم کے کوئی بُرے رجحانات موجود نہیں ہیں۔ مزید برآں تحقیق سے یہ بھی معلوم کیا جائے گا کہ اس کے والد اور والدہ میں بھی ایسی کوئی بری خصلت نہیں تھی۔ الوہی امور کے تمام قوانین وہی ہوں گے جو مقدس ڈیلفی کے ہیں۔ البتہ ان پر عملدر آمد کے لیے ان کی تفسیر و تعبیر ضروری ہوگی جس کے لیے لوگ مقرر کیے جائیں گے۔ پجاری کے عہدے کی میعاد ایک سال ہو گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور جو افراد اس مقدس عہدے پر مذہبی قوانین کے مطابق عمل کریں گے ان کی عمر ساٹھ سال سے کم نہ ہوگی۔ پجارنوں کے لیے بھی یہی ضوابط ہوں گے۔ جہاں تک مفسرین کا تعلق ہے ان کے تقرر کا طریق کار کچھ اس طرح کا ہوگا۔ بارہ قبیلوں کو چار چار گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا جو چار چار مفسرین فی قبیلہ ایک کے حساب سے تین تین کا انتخاب کریں گے۔ اور ان میں سے پہلے تین رائے دہی کے مطابق (ہر گروہ کے بارہ میں سے) چنے جائیں گے۔ چھان بین کے بعد نو افراد کو ڈیلفی کے مندر میں بھیج دیا جائے گا تا کہ دیوتا تین کے ہر گروہ سے ایک کا انتخاب کریں، ان کی عمر کی حد وہی ہوگی جو پجاریوں کی ہے اور ان کے کے بارے میں تفتیش بھی پجاریوں ہی کی طرح کی جائے گی۔ وہ عمر بھر کے لیے مفسر مقرر ہوں گے۔ اس کے انتقال کی صورت میں چاروں قبیلے متوفی کے قبیلے میں سے کسی ایک کو اس کی بجائے چن لیں گے۔ مزید برآں پجاری اور مفسرین کے علاوہ ایک خزانچی کی بھی ضرورت ہوگی جو عبادت گاہ کی جائیداد کے انصرام کا ذمہ دار ہوگا اور اس کی پیداوار اور ان کے استعمال اور فروخت کی ذمہ داری بھی سنبھالے گا۔ بڑی بڑی عبادت گاہوں کے لیے افضل قبیلوں سے تین اور کم تر کے لیے دو اور سب سے چھوٹے کے لیے ایک فرد کا انتخاب ہوگا۔ ان کی نامزدگی اور انتخاب کا طریق کار وہی ہوگا جو

جرنلوں کا ہے۔ عبادت گاہوں کا انتظام اسی طرح کا ہوگا۔

ہر شے کا حتی الامکان ایک محافظ ہوگا۔ انتخاب کے بعد شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری جرنلوں اور دیگر بڑے چھوٹے عسکری عہدیداروں کی جبکہ شہر اور کھلے مقامات کی حفاظت کی ذمہ داری وارڈنوں کی ہوگی۔ مملکت کے تحفظ کے یہ انتظامات ہوں گے:

پوری مملکت کو جہاں تک ممکن ہوا بارہ مساوی حصوں میں تقسیم کیا جا چکا ہے اور ان میں سے ہر علاقے میں رہایش پذیر قبائل کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ملک کے پانچ وارڈنوں اور نگہبانی کرنے والے کمانڈروں کے اخراجات سال بہ سال ادا کریں اور ہر پانچ اراکین، اپنے قبیلے کے بارہ عدد دیگر نوجوانوں کو منتخب کریں گے، جن کی عمر ۲۵ برس سے کم اور ۳۰ برس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اور ہر ماہ انھیں انفرادی طور پر مختلف علاقوں کی ذمہ داری سونپی جائے گی تاکہ انھیں پورے ملک کی معلومات اور تجربہ حاصل ہو جائے۔ کمانڈروں اور نگہبانوں کی مدت ملازمت دو سال ہوگی۔ کسی خاص مقام پر ان کو مقرر کرنے کے بعد باقاعدہ طور پر جگہ بہ جگہ ان کا تقرر ہوتا رہے گا۔ وہ اپنے کمانڈروں کے حکم کے مطابق بائیں سے دائیں مقامات پر تبدیل ہوتے رہیں گے (دائیں جانب سے میری مراد مشرق ہے) ملازمت کے دوسرے سال کے آغاز پر ان کا تقرر بائیں سے دائیں جانب کے مقامات پر کیا جائے تاکہ انھیں نہ صرف پورے ملک کی معلومات حاصل ہوں بلکہ انھیں یہ بھی تجربہ ہو جائے کہ مختلف موسموں میں ان مقامات کا کیا حال ہوتا ہے۔ یہ تبادلہ دوسرے سال کے دوران بھی جاری رہے گا۔ تیسرے سال ملک کے لیے دوسرے نگہبان اور ہر علاقے کے لیے پانچ پانچ کمانڈر منتخب ہوں گے۔ جو کہ بارہ اراکین کے گروہ کے مہتمم ہوں گے۔ مختلف مقامات پر تقرری کے دوران وہ درج ذیل نکات پر خصوصی توجہ دیں گے:

اوّل وہ اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ ملک دشمن کے حملوں سے اچھی طرح محفوظ ہو اور حسب ضرورت خندقیں کھودیں اور جہاں تک ممکن ہو وہ بدکرداروں سے بچنے کے لیے قلعہ بندیاں تعمیر کریں تاکہ وہ ملک اور اس کے ساز و سامان کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لیے انھیں مقامی طور پر دستیاب بار برداری کے جانوروں اور مزدوروں سے استفادہ کرنا ہوگا۔ یہی ان کے ذرائع ہوں گے، جن کا وہ اہتمام کریں گے اور ان سے اس وقت کام لیں گے جب وہ اپنے کام

سے فارغ ہوں۔ وہ ملک کے ہر علاقے کو دشمن کی دسترس سے محفوظ رکھیں گے۔ لیکن دوست وہاں بآسانی پہنچ سکیں گے۔ وہ انسانوں اور بار برداری کے جانوروں کے لیے راستے تیار کریں گے جو ممکنہ حد تک ہموار ہوں اور بارش کے نقصانات سے بچا کر رکھیں کیونکہ جب یہ پانی پہاڑوں سے وادیوں میں تیزی سے آتا ہے تو فائدے کے بجائے الٹا نقصان بن جاتا ہے۔ وہ اس سیلاب کو قابو میں رکھنے کے لیے چھوٹے بند اور خندقیں تعمیر کریں گے تاکہ وادی میں آسمان سے جو بارش ہو رہی ہے اور نشیبی حصوں کے کھیتوں اور دیگر علاقوں میں چشمے اور ندیاں رواں ہوں گی اور خشک علاقوں میں بھی باافراط پانی دستیاب ہو جائے گا۔ چشموں اور ندیوں کے گرد خوبصورتی کے لیے درخت لگائے جائیں گی، عمارتیں تعمیر کی جائیں گی، انھیں چاہیے کہ ان چشموں کو زیر زمین آبی گزرگاہوں میں یکجا کریں تاکہ پانی باافراط دستیاب رہے۔ اور اگر اس کے قریب کوئی مقدس علاقہ ہے تو پانی کو دیوتا کے مندر تک لے جایا جا سکتا ہے جہاں درختوں کے جھنڈ ہوں گے جو علاقے کو پورے سال جاذب نظر بناتے ہیں۔ اس لیے ہر نوجوان اپنے لیے اکھاڑے اور معمر حضرات کے لیے گرم حمام تیار کریں گے جہاں خشک ایندھن افراط سے جمع ہوگا تاکہ مریضوں کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ یہاں دیہی علاقوں کے محنت و مشقت کے مارے ہوئے اجسام کو آرام و سکون ملے گا جو اسے کسی قابل معالج سے نہیں مل سکتا۔

اس طرح کی عمارتیں اور تعمیرات مفید بھی ہوں گی اور وہاں کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بھی بنیں گی۔ یہ خوشگوار تفریح بھی مہیا کریں گے اور سنجیدہ فائدہ بھی۔ ساٹھ وارڈن اپنے اپنے علاقوں کی نہ صرف دشمن کے خلاف حفاظت کریں گے بلکہ وہ دوستوں کے لیے انھیں مفید بھی بنائیں گے۔ جب ہمسایوں یا شہریوں کے مابین خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، کسی زیادتی کے سبب اختلاف پیدا ہو تو چھوٹے موٹے معاملات کو پانچ وارڈن اپنے طور پر طے کریں گے۔ لیکن یہ الزام شدید نوعیت کے ہوں گے تو پانچ اور بارہ وارڈنوں پر مشتمل ۱۷ وارڈن اس الزام کا جو کوئی شخص دوسرے پر عائد کرے گا، تصفیہ کریں گے۔ جو تین مقامی سکے سے زیادہ کا نہیں ہوگا۔ ہر منصف اور عدالتی عہدیدار کو اپنے عمل کے بارے میں جوابدہ ہونا ہوگا۔ سوائے بادشاہ کے جو قطعی فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ مزید برآں جہاں تک متذکرہ وارڈنوں کا تعلق ہے اگر وہ ان لوگوں سے

کوئی زیادتی کریں گے جن کی نگہبانی ان کا فرض ہے تو انھیں سرعام رسوا کیا جائے گا۔ ان کی اس زیادتی کا تعلق فرائض کی غیر مساوی تقسیم، زرعی پیداوار یا زرعی آلات پر ناجائز قبضہ یا رشوت میں کسی رقم یا شے کا حصول، یا مقدمات کا غیر منصفانہ فیصلہ یا خوشامد سے متاثر ہونا، ہوسکتا ہے اور جہاں تک ایسے جرائم کا تعلق ہے جو ملک کے باشندوں کے خلاف ہوں یا رقم چھوٹی ہو تو انھیں اردگرد کے دیہی علاقوں کے باشندوں کا فیصلہ تسلیم کرنا پڑے گا لیکن بڑی یا چھوٹی رقم کے مقدمات میں اگر وہ فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کریں گے اور ان کا یہ خیال ہوگا کہ وہ ایک ماہ بعد کسی اور جگہ تعینات ہوجائیں تو انھیں فرار کا موقع مل جائے گا۔ تو ایسی صورت حال میں ضرر اٹھانے والا فریق عام عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور مقدمہ جیتنے کی صورت میں وہ مدعا علیہ سے جس نے فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا دگنا جرمانہ وصول کرسکتا ہے۔

وارڈن اور ملک کے نگران اپنی دوسالہ ملازمت کے دوران اپنی تعیناتی کی جگہ بھی مشترکہ دسترخوان پر کھانا کھائیں گے اور ساتھ ساتھ مقیم رہیں گے اور جو فرد اپنے کمانڈر کی اجازت یا اشد ضرورت کے بغیر مشترکہ کھانے سے غیر حاضر رہے گا یا رات باہر گزارے گا اور پانچ نگہبان اس کی ملامت کرکے اس کے نام کی تختی کھلی جگہ پر اطلاع عام کے لیے آویزاں کردیں گے۔ تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حسب منشا شہر کے مفادات سے غداری کی ہے۔ اس کی سزا یہ ہوگی جو چاہے اس کی اہانت کرکے اسے زدوکوب کرسکتا ہے۔ اگر اس طرح کی بے ضابطگی کسی کمانڈر سے سرزد ہوگی تو ساٹھ اہلکاروں کی پوری جماعت اس کے خلاف اقدام کرے گی اور جو کوئی جرم سے واقفیت کے باوجود مجرم پر مقدمہ نہیں چلائے گا تو اس کے ساتھ بھی نوجوان مجرم ہی جیسا سلوک کیا جائے گا۔ اس پر جرمانہ بھی بہت سخت ہوگا اور اسے آیندہ نوجوانوں کو کمان کرنے کے حق سے محروم کردیا جائے گا۔ قانون کے محافظوں کو ایسے معاملات پر احتیاط سے نظر رکھنی چاہیے اور جرم کے ارتکاب کو روکنا یا ختم کرنا ان کا فرض ہوگا۔ ہر شخص کو یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو اچھا ماتحت نہیں ہوگا وہ اچھا افسر نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو بطور ماتحت اپنی خدمات پر فخر کرنا چاہیے، بطور افسر نہیں۔ اسے پہلے قانون پر عملدرآمد پر ناز کرنا چاہیے کیونکہ یہ دراصل دیوتا کی خدمت ہے۔ دوسرے اس بات پر اس کا سر فخر سے اونچا ہونا چاہیے کہ اس نے نوجوانی میں معمر اور نامور شخصیات کی خدمت کی

ہے۔مزید برآں دوسال کی مدت کے دوران جب اس نے بطور وارڈن فرائض ادا کیے اس کی غذا سادہ اور معمولی ہونی چاہیے۔ جب بارہ کا انتخاب مکمل ہو جائے تو ان کا اور پانچ کا مشترکہ اجلاس ہونا چاہیے۔ جس میں یہ طے ہو کہ وہ عام خادموں کی طرح اپنے خادم خود ہوں گے۔ ان کے پاس نہ ملازم ہوں گے نہ غلام اور وہ اپنے ذاتی کام کے لیے نہ کاشت کاروں اور نہ ہی چرواہوں کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ان سے صرف سرکاری کاموں میں مدد حاصل کریں گے۔ وہ یہ عزم کریں گے کہ عام طور پر وہ انفرادی طور پر زندگی گزاریں گے۔ ایک دوسرے کی اور خود اپنی خدمات انجام دیں گے۔ علاوہ بریں وہ سال کے بارہ مہینے گرمی ہو یا سردی مسلح رہ کر ملک کا بڑی دقت نظری سے جائزہ لیں گے۔ اس طرح وہ بیک وقت نگہبانی بھی کریں گے اور ہر علاقے کے بارے میں مکمل معلومات بھی جمع کریں گے۔ انسان کے لیے اس کے ملک کی صحیح معلومات سے بہتر اور کسی قسم کی معلومات نہیں ہوسکتیں ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے علاوہ تفریح کے لیے بھی نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ کتوں کو ساتھ لے کر شکار کریں۔ جو لوگ اس کام پر متعین کیے جائیں گے۔ انھیں خفیہ پولیس یا ملک کا نگہبان کہا جائے گا۔ اس نام سے اس کی اہمیت کا اظہار نہیں ہوتا ہے تاہم جس کسی کو ریاست کے تحفظ سے دلی لگاؤ ہوگا وہ اس کام کو پوری توجہ اور تندہی سے کرے گا۔

ملک کے نگہبانوں کے بعد ہمیں چاہیے کہ ہم کھلے مقامات اور شہروں کے وارڈنوں کے انتخاب کا ذکر کریں۔ ملک کے لیے نگہبانوں کی تعداد چھ تھی جب کہ شہر کے لیے ان کی تعداد تین ہوگی۔ جو شہر کے بارہ علاقوں کو تین میں تقسیم کریں گے۔ اوّل الذکر کی طرح وہ ملک سے شہر میں آنے والی شارعات اور سڑکوں کی نگرانی کریں گے اور یہ بھی یقینی بنائیں گے کہ شہر کی تمام عمارتیں قانون کے مطابق تعمیر ہوں۔ وہ اس پانی کی بھی نگہبانی کریں گے جو فراہمی آب کے ذمہ دار جمع کرتے ہیں اور شہر تک ان کی ترسیل کرتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہوگی یہ پانی پاک وصاف صورت اور وافر مقدار میں چشموں تک پہنچے۔ یہ شہر کی خوبصورتی میں بھی اضافے کا باعث بنے اور شہریوں کے لیے مفید بھی ہو۔ یہ لوگ اثر ورسوخ والے بھی ہوں اور فرصت کے اوقات میں شہریوں کی بہبود کے کام بھی کریں۔ اعلیٰ ترین درجے کے لوگوں میں سے لوگ اپنی مرضی کے

مطابق جس کسی کو چاہیں وارڈن کے لیے نامزد کر سکتے ہیں۔ اور رائے دہی کے بعد چھ افراد کا انتخاب ہوگا۔ جنھیں سب سے زیادہ ووٹ ملے ہوں گے۔ انتخابی افسران ان چھ میں سے تین کو بذریعہ قرعہ اندازی حتمی طور پر منتخب کریں گے۔ اور چھان بین کے بعد انھیں ضابطوں کے مطابق اپنے عہدے پر فائز ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ اس کے بعد کھلے مقامات کے لیے وارڈنوں کا انتخاب بھی اسی طریقہ سے مکمل کیا جائے گا جن کا تعلق پہلے اور دوسرے درجے کے شہریوں سے ہوگا۔ ان کی تعداد پانچ ہوگی پہلے دس کا انتخاب ہوگا پھر شہر کے وارڈنوں کی طرح پانچ بذریعہ قرعہ اندازی منتخب کیے جائیں گے۔ ان وارڈنوں کو چھان بین کے بعد عدالتی عہدیدار بنا دیا جائے گا۔ ہر شخص ہر امیدوار کو اپنی رائے دے سکتا ہے اور جو اپنی رائے نہیں دے گا اور اگر اس نے عدالتی عہدیدار سے پیشگی اجازت حاصل نہیں کی ہے تو اسے پچاس سکوں کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا اور اسے ایک برا شہری مان لیا جائے گا۔ جو شخص چاہے وہ اسمبلی یا جنرل کونسل میں جا سکتا ہے۔ اول اور دوم درجے کے شہریوں کے لیے یہ لازمی ہوگا اور اگر وہ اسمبلی میں حاضری کے وقت موجود نہ رہے تو ان کو دس سکوں کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا لیکن تیسرے اور چوتھے درجے کے شہریوں پر اس ضمن میں کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا بشرطیکہ عدالتی عہدیدار نے سب کو حاضری کا فرمان جاری نہ کیا ہو۔ ایسا اشد ضرورت ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ کھلے مقامات کے وارڈن متعلقہ قوانین کے نفاذ کو یقینی بنائیں گے اور کھلے مقامات پر جو عبادت گاہیں اور چشمے واقع ہیں ان کی نگرانی کریں گے۔ وہ نظر رکھیں گے کہ کوئی خراب نہ کرے اور مجرموں کو اگر وہ غلام اور غیر ملکی ہوئے تو کوڑوں اور اقرار نامے کی سزا دیں گے لیکن خطار کار اگر شہری ہو تو اسے سو سکوں تک جرمانہ یا شہر کے وارڈن کے مشورے سے اس سے دگنی رقم تک جرمانہ کرنے کا انھیں اختیار ہوگا۔ شہر کے وارڈنوں کو بھی اپنے اپنے حلقے میں اسی طرح کی سزاؤں اور جرمانوں کا حق ہوگا۔ اسے کھلے مقام کے وارڈن کے مشورے سے ایک سکے تک جرمانے کا اختیار ہوگا۔

اس کے بعد یہ مناسب ہوگا کہ موسیقی اور ورزش کے دو دو ناظموں کا تقرر بھی کیا جائے۔ ایک کا کام تربیت ہوگا اور دوسرے کا مقابلوں کی نگرانی اور اہتمام۔ جبکہ تربیت سے قانون کی مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے، اکھاڑوں اور سکولوں میں نظم وضبط اور تعلیم، بچوں اور بچیوں کی

سکول میں حاضری اور سکول کی عمارتوں کی دیکھ بھال جن کی ذمہ داری میں شامل ہو۔ مقابلے سے قانون کا اشارہ موسیقی اور ورزش کے ماہرین کی طرف ہے جو فیصلہ کرنے کے اہل ہوں۔ ان کے بھی دو درجے ہوں گے۔ ایک کا تعلق موسیقی سے ہوگا اور دوسرے کا ورزش سے۔ اور جو لوگ ورزش کے مقابلوں میں فیصلہ دیں گے وہ گھوڑوں پر بھی رائے دیں گے۔ موسیقی میں صرف ایک ہی نوعیت کے ماہر ہوں گے جو انفرادی گانے والوں اور دوسروں کی نقل کرنے والوں، ساز، بانسری وغیرہ بجانے والوں، رزمیہ نظم خوانوں اور کورس گانے والوں کی اہلیت کا فیصلہ کریں گے۔ سب سے پہلے ہمیں لڑکوں، مردوں اور خواتین کے کورس کے لیے ناظمین کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ انتظام رقص اور موسیقی کی دیگر اصناف کے لیے معاون ثابت ہوگا۔ کورس کے لیے ایک ناظم کافی ہو گا۔ اس کی عمر چالیس برس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ تنہا گانے والوں کے لیے علیحدہ ناظم ہوگا۔ جو موسیقی کے مقابلوں میں منصف کے فرائض بھی انجام دے گا اور اس کی عمر ۳۰ سال سے کم نہیں ہو گی۔ کورس کے ناظم اور مہتمم کے لیے انتخاب کا طریقہ درج ذیل ہے:

جس شخص کو ان امور میں دلچسپی ہو وہ موسیقی کی محفل میں شرکت کرے۔ اگر وہ شرکت نہیں کرے گا تو اس پر جرمانہ کیا جائے گا (اس الزام کا فیصلہ قانون کے محافظ کریں گے) لیکن جن کو دلچسپی نہیں ہوگی انھیں شرکت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تجویز کنندہ ایسے فرد کو ناظم کے لیے نامزد کرے گا جسے موسیقی کا علم ہو۔ چھان بین کے وقت اس کی اہلیت پر وہ لوگ اعتراض کر سکتے ہیں جو اسے اس اہلیت سے عاری سمجھتے ہیں۔ اس کی حمایت وہ لوگ کریں گے جو اسے اہل خیال کرتے ہیں۔ لوگوں کی رائے سے دس افراد کا انتخاب کیا جائے گا۔ ان میں سے ایک قرعہ اندازی کے ذریعہ منتخب ہوگا جس کی اچھی طرح چھان بین کی جائے گی اور قانون کے لحاظ سے اسے پورے سال کورس کی قیادت کرنی ہوگی اس طرح جو امیدوار قرعہ اندازی میں کامیاب ہوگا وہ تنہا گانے والوں اور گانے کے مقابلوں کی قیادت کرے گا اور اس طرح کے منتخب افراد مصنفین کے لیے اعزازات کی تقسیم کا اہتمام کریں گے۔ بعد میں ہمیں گھوڑ دوڑ کے لیے گھوڑوں اور سواروں کے لیے منصفین کا انتخاب کرنا ہوگا۔ انھیں دوسرے بلکہ تیسرے درجے کے شہریوں میں سے چنا جائے گا۔ ان میں سے اعلیٰ درجے والے تین اشخاص کو انتخاب میں حصہ لینا پڑے گا، لیکن کمترین

درجے کے لوگ بلاخوف سزا شرکت سے علیحدہ رہ سکتے ہیں۔ منتخب ہونے والے بیس افراد میں سے تین کی کامیابی کا فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔ تاہم انھیں ممتحنوں کی رائے اور منظوری حاصل کرنی ہوگی۔ اگر کسی کو چھان بین، قرعہ اندازی یا حتمی فیصلے کے تحت نامنظور کر دیا جائے گا تو اس کی بجائے دوسرا اسی طرح منتخب کیا جائے گا۔ اور چھان بین کے مراحل سے گزرے گا۔

اب نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے وزیر کا تقرر باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی قانون کے مطابق اپنے فرائض انجام دے گا۔ جس کے لیے ایک ہی وزیر کافی ہوگا جس کی عمر ۵۰ سال ہو گی۔ اس کی جائز اولادیں ہوں گی۔ ان میں سے ان کو ترجیح دی جائے گی جس کے بیٹے بھی ہوں اور بیٹیاں بھی۔ جس کا انتخاب ہوگا اور جو منتخب کریں گے دونوں کو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ مملکت کے تمام عہدوں میں سے یہ اعلیٰ ترین عہدہ ہے۔ کیونکہ اگر پودے کی پہلی شاخ پوری قوت سے آگے بڑھے تو پورے پودے کی نشوونما پر صحت مند اثر پڑتا ہے۔ یہ بات صرف پودوں ہی پر نہیں بلکہ جنگلی اور پالتو جانوروں اور انسانوں پر بھی صادق آتی ہے۔ انسان کو ہم ایک پالتو یا تہذیب یافتہ جانور کہہ سکتے ہیں۔ تاہم اسے مناسب تربیت اور خوشگوار فطری ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح وہ اشرف المخلوقات بن جاتا ہے لیکن اگر اس کی تعلیم و تربیت میں کسر رہ جائے تو وہ دنیا کی وحشی ترین مخلوق بن جاتا ہے۔ اسی لیے قانون سازوں کو یہ اجازت نہیں دینی چاہیے کہ تعلیم ثانوی یا اتفاقی حیثیت حاصل کر لے۔ اوّل تو یہ ہے کہ جو شخص ان کی مناسب نگہداشت کا ذمہ دار ہوگا اسے چاہیے کہ تمام شہریوں میں بہترین ہونے کے سبب وہ انتخاب میں کامیابی کی جدوجہد کرے۔ قانون ساز کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کو مربی اور مہتمم مقرر کرنے کی بہترین سعی کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل اور اس طرح کے دیگر اداروں کے علاوہ تمام عدالتی عہدیدار اپالو کے مندر میں جا کر قانون کے محافظوں میں سے اس ایک فرد کا بذریعہ قرعہ اندازی انتخاب کریں گے جو ان کی رائے میں تعلیم کا بہترین مہتمم ثابت ہوگا اور یہ ایسا فرد ہوگا جسے سب سے زیادہ رائے حاصل ہوگی اور جس کی چھان بین میں قانون کے محافظوں کو چھوڑ کر تمام عدالتی عہدیدار جنھوں نے اس رائے دہی میں شرکت کی ہے، حصہ لیں گے۔ انتخاب کے بعد وہ پانچ سال تک اپنے عہدے پر برقرار رہے گا اور چھٹے سال اس طرح دوسرے شخص کا انتخاب عمل میں آئے گا۔

اگر کوئی سرکاری عہدیدار اپنے عہدے کی میعاد کے اختتام سے تیس روز قبل فوت ہو جاتا ہے تو متعلقہ افراد اس کی جگہ دوسرے کا اسی طرح انتخاب کریں گے اور کوئی شخص جس کی تولیت میں کوئی یتیم دیے گئے ہیں انتقال کر جاتا ہے تو ان بچوں کے ددھیالی اور ننھیالی عزیز و اقارب جن میں اس کے چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد اور پھوپھی زاد شامل ہوں گے دس روز کے اندر اندر کسی نئے فرد کا بطور سرپرست تقرر کریں گے اور تاخیر کی صورت میں انھیں دس سکے یومیہ کی شرح سے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔

جس شہر میں کوئی باضابطہ عدالت نہ ہو وہ شہر کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس طرح اگر کوئی منصف ابتدائی سماعتوں کے دوران جیسا کہ ثالثی میں ہوتا ہے خاموش رہتا ہے اور مقدمہ کے فریقوں کو ہی بولنے دیتا ہے تو وہ کبھی منصفانہ فیصلہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ نااہل ہوں تو خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو یا کم وہ اچھے فیصلے نہیں کر سکیں گے۔ فریقین کے درمیان تنازع کی بنیاد کو صاف صاف طے کرنا ہوگا۔ اسی لیے وقت صرف کر کے پوری سوچ بچار اور بار بار کی جانچ پڑتال کے بعد ہی شکوک کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے جو شخص کسی کے ہمراہ عدالت کے پاس جاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ پہلے اس کے ہمسایوں اور دوستوں سے ملاقات کرے جو معاملے سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور اگر اسے ان سے اطمینان بخش تصفیہ حاصل نہ ہو تو وہ دوسری عدالت رجوع کرے اور اگر یہ دنوں عدالتیں معاملہ طے نہ کر سکیں تو تیسرے کو حتمی فیصلہ دے کر معاملے کو ختم کر دینا چاہیے۔

انصاف کی ان عدالتوں کا قیام عدالتی عہدیداروں کی صوابدید پر منحصر ہوگا کیونکہ ہر عدالتی عہدیدار کسی نہ کسی معاملے میں منصف بھی ہوگا اور منصف خواہ وہ عدالتی عہدیدار نہ بھی ہو بعض معاملات میں بڑا اہم عدالتی عہدیدار ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس روز جب وہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس لیے چونکہ منصف عدالتی عہدیدار کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے اس لیے ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ منصفی کے عہدے کا کون اہل ہو سکتا ہے اور کسی مقدمے میں کتنے افراد منصف مقرر ہوں گے۔ یہ انصاف کا اعلیٰ ترین ادارہ ہوگا جسے مقدمے کے فریق اپنے لیے مقرر کریں گے جن کے افراد کا انتخاب اتفاق رائے سے کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دو اور عدالتیں بھی ہوں گی، ایک

نجی مقدمات کے لیے، جس میں شہری ایک دوسرے کے خلاف شکایت کرتے ہیں اور دوسری سرکاری مقدمات کے لیے جب چند شہریوں کو شکایت پیدا ہو کہ کسی نے عوام کے ساتھ زیادتی کی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مشترکہ مفاد کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ ہمیں یہ منصفین کی اہلیت طے کرنے کے معاملے کو اور اس امر کو کہ وہ کون ہوں گے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اول تو یہ ہے کہ ایک ایسی عدالت ہو جو تمام نجی افراد کی دسترس میں ہو جو تیسری بار ایک دوسرے کے خلاف شکایت کی دادرسی کے خواہاں ہوں۔ اس کی تشکیل اس طرح کی جائے گی:

راس السرطان (۲۱ مارچ) کے ایک ماہ بعد جب سال نو کا آغاز ہوتا ہے یا پرانے سال کے آخری دن تمام سرکاری افسر خواہ وہ سالانہ والے ہوں یا اس سے زیادہ مدت والے، کسی عبادت گاہ میں جلسہ کر کے دیوتا کو حاضر و ناظر جان کر عدالتی عہدیداروں میں سے کسی ایک کو ثمر پیش رس منتخب کریں گے اور ہر عہدے کے لیے ایسے فرد کا انتخاب کریں گے جسے وہ اپنے گروہ میں بہترین سمجھتے ہیں اور جسے وہ شہریوں کے مقدمات اور مسائل کو بہترین اور پاکیزہ ترین طریقے سے حل کرنے کا نئے سال میں اہل مانتے ہیں۔ انتخاب کی تکمیل کے بعد رائے دہندگان کی موجودگی میں چھان بین کی جائے گی اور اگر کسی کو مسترد کر دیا جائے تو اس کی جگہ دوسرے کا اسی طریقے سے انتخاب کیا جائے گا۔ چھان بین کے بعد یہ لوگ ان مقدمات کی سماعت کریں گے جو دو عدالتوں سے فیصلے ہو چکے ہیں مگر کسی فریق کو اس پر اطمینان نہیں تھا۔ ایسے لوگ بھی اپنی رائے کا کھلم کھلا اظہار کریں گے۔ کونسل کے اراکین اور دوسرے عدالتی عہدیدار جنھوں نے انھیں منتخب کیا ہے ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مقدمے کی سماعت کے دوران بطور سامع حاضر رہیں۔ ان کے لیے جو کوئی چاہے حسب منشا حاضر رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے عمداً غلط فیصلہ دیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ قانون کے محافظوں سے رجوع کرے اور اپنی شکایت پیش کرے۔ اور جس کے خلاف الزام ثابت ہو جائے گا وہ اپنے نقصان کی نصف رقم کے مساوی رقم نقصان اٹھانے والے کو بطور جرمانہ ادا کرے گا۔ لیکن اگر یہ طے ہوتا ہے کہ وہ زیادہ بڑی سزا کا مستحق ہے تو فیصلہ منصفین کے ہاتھ میں ہوگا کہ اسے کتنی اور کیسی مزید سزا دی جائے اور وہ اسے سرکاری خزانے میں مزید کتنی رقم داخل کر کے فریق مخالف کو ادا کرنی ہوگی، جس نے

مقدمہ دائر کیا تھا۔

ریاست کے خلاف جرائم کے فیصلوں میں لوگوں کو چاہیے کہ وہ ضرور شریک ہوں کیونکہ ریاست کے خلاف جرم سب کے خلاف جرم ہوتا ہے اور اگر وہ فیصلے کے عمل میں شریک نہیں ہوگا تو اسے بجا طور پر شکایت ہوسکتی ہے۔ ایسے مقدمات عوام کو خود دائر کرنے چاہئیں اور اس کا حتمی فیصلہ بھی ان ہی کو کرنا چاہیے۔ لیکن مقدمہ ایسے تین اعلیٰ ترین عدالتی عہدیداروں کی موجودگی میں چلایا جائے گا جن پر مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو اعتماد ہو۔ اور اگر وہ کسی فیصلہ پر متفق نہ ہوسکیں تو کونسل مجوزہ دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے گی۔ اسی طرح سے نجی مقدمات میں بھی جہاں تک ہوسکے، سب کو شرکت کرنا چاہیے۔ کیونکہ انصاف کے معاملے میں عدم شرکت کا مطلب ریاستی امور میں بھی عدم شرکت ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر قبیلے کی ایک عدالت ہوگی جس کے منصفین کو قرعہ اندازی کے ذریعے منتخب کیا جائے گا۔ جو فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہیں لگائیں گے اور جو التجا اور التماس سے متاثر نہیں ہوں گے۔ حتمی فیصلہ وہ عدالت کرے گی جسے ہمارے خیال میں اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ کسی قسم کی کوئی انسانی کوشش اسے طرح طرح کی بدعنوانی میں ملوث نہیں کرسکتی۔ یہ عدالت ان لوگوں کے لیے قائم کی جائے گی جو اپنے ہمسایہ یا قبیلے کی عدالت سے اپنے مقدمے کے تصفیے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

اس لیے جیسا کہ میں بتا چکا ہوں عدالتوں کی اکثریت ایسی ہوگی جسے واضح طور پر دفتر کہا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک مبہم سا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں چند باتیں بتائی گئی ہیں اور چند کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ مقدمات کے ضمن میں قوانین اور ضابطوں کا مختلف سرخیوں کے تحت بیان قوانین کے مجموعہ کے آخر میں شامل کیا جاتا ہے۔ ہمیں اس کی توقع اسی مقام کے لیے رکھنی چاہیے۔ اب تک ہم نے قوانین کو مختلف عہدوں پر تقرری تک ہی محدود رکھا ہے۔ کسی مکمل یا جزوی سیاسی نظام کے مکمل تسلسل اور صحت کا ذکر پورے طور پر اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس بحث کا آغاز، درمیانی حصہ اور اختتام ہو اور اس کا ہر جز واپنی جگہ مکمل ہو۔ فی الحال ہم نے عدالتی عہدیداروں کے انتخاب پر بحث کی ہے۔ جسے ماقبل بحث کا اختتام سمجھنا چاہیے۔ اور اب اس مرحلے پر قانون سازی کا کام شروع کرنے میں کوئی تعویق یا تامل نہیں ہونا چاہیے۔

کلینیاس: آپ نے جو کہا ہے وہ مجھے پسند آیا۔ آپ نے نئی بحث کے آغاز کو جس طرح نبھایا ہے اور گزشتہ بحث کے بعد نئے موضوع کو جس طرح چھیڑا ہے مجھے وہ بہت ہی بھلا لگا ہے۔

اجنبی: یہاں تک تو درست ہے۔ گویا اس بوڑھے کی وقت گزارنے کی یہ معقول بات ضائع نہیں ہوئی۔

کلینیاس: آپ کی مراد اس کی سنجیدگی اور متانت سے ہے؟

اجنبی: غالباً یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کس بات پر متفق ہوئے ہیں۔

کلینیاس: وہ کون سی بات ہے؟

اجنبی: آپ اس محنت سے تو واقف ہی ہیں جو کوئی مصور تصویر بنانے پر صرف کرتا ہے وہ کہیں رنگ لگاتا ہے کہیں سے رنگ مٹاتا ہے یا اس کے لیے مصور طرح طرح کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے وہ تصویر میں برابر رنگ آمیزی کرتا رہے گا اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا تاکہ تصویر روشن تر اور حسین تر ہو جائے۔

کلینیاس: مجھے چند روداد ئیں پڑھ کر یہ باتیں تھوڑی بہت معلوم ہیں ہر چند کہ مجھے مصوری سے چنداں انس نہیں ہے۔

اجنبی: کوئی حرج نہیں تاہم اس مثال سے ہم کام لیتے رہیں گے۔ فرض کیجیے کوئی یہ چاہتا ہے کہ ایک نہایت خوبصورت تصویر تیار کرے اور اسے یہ توقع ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی تصویر کی قدر و قیمت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہی ہوگا۔ لیکن کیا آپ کو یہ نظر نہیں آئے گا کہ خالی ہونے کے باعث اسے کسی نہ کسی کو یہ فریضہ سونپنا پڑے گا جو وقت کے تقاضوں کے مطابق اس تصویر کی اصلاح کرتا رہے۔ تاکہ مصور کی خامیاں دور ہو جائیں اور وہ اسے مزید حسین اور روشن بنادے۔ آپ کا کیا خیال ہے اس کام میں کم وقت لگے گا؟

کلینیاس: درست فرمایا آپ نے۔

اجنبی: کیا قانون سازوں کا مقصد بھی یہی نہیں ہے؟ اول تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے قوانین کو پوری صحت کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لایا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے بعد جب ان قوانین کے مطابق فیصلے سامنے آئیں گے تو اسے اپنے قوانین کی خامیوں سے آگاہی ہوگی۔ کیا آپ کبھی یہ سوچ سکتے ہیں کہ کیا ایسا کوئی نادان قانون ساز ہو سکتا ہے جسے اتنا بھی معلوم نہ ہو کہ

اس کے قوانین میں چند ایسی فروگزاشتیں ہوسکتی ہیں جس کی بعد میں آنے والے اصلاح کرتے ہیں۔ تاکہ دستور اور سرکاری ضابطوں میں ابتری رونما نہ ہو۔ بلکہ اس کی قائم کی ہوئی مملکت ترقی کے منازل طے کرتی رہے؟

کلینیاس: یقیناً یہی وہ باتیں ہیں جس کی سب آرزو کرتے ہیں۔

اجنبی: اگر کوئی عمل کے یا الفاظ کے توسط سے اس مقصد کو حاصل کرسکتا ہے یا اسے تفصیل یا اجمال سے وہ طریقہ معلوم ہے جس کے ذریعے وہ دوسرے کو یہ کہہ سکتا ہے کہ قوانین پر عملدرآمد اور ترمیم کا کیا طریق کار ہونا چاہیے۔ اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ اپنی بات کو مکمل کردے اور کام کو نامکمل نہ چھوڑے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: اور کیا یہی وہ کام نہیں جسے ہم دونوں کو اس وقت مکمل کرنا ہے؟

کلینیاس: ہمیں کرنا کیا ہے؟

اجنبی: چونکہ ہم قانون تشکیل دینے ہی والے ہیں۔ اور قانون کے محافظوں کو منتخب کرچکے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہماری زندگی کی دھوپ ڈھل رہی ہے۔ ہمارے مقابلے میں کم عمر ہیں۔ اس لیے ہم صرف ان کی طرف سے قانون ہی تیار نہیں کریں گے بلکہ ہم اسے قانون کا محافظ بھی بنائیں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا قانون سازی کی تربیت بھی دیں گے۔

کلینیاس: یقیناً اگر ایسا ممکن ہوا تو۔

اجنبی: تاہم ہر قیمت پر ہمیں یہ جدوجہد کرنی چاہیے۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی: ہم ان سے یوں خطاب کریں گے کہ دوستو اور قانون کے محافظو! کسی قانون کو تشکیل دیتے وقت اس کی متعدد جزئیات کو نظرانداز کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اہم نکات کو تفصیل سے بیان کرنے کی سعی کریں گے اور صرف خاکہ مہیا کریں گے جس کی تفصیلات آپ خود تجویز کریں گے۔ میں آپ کو یہ بھی بتاؤں گا کہ آپ کو کن اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔ مجی لس، کلینیاس اور میں تینوں اس موضوع کو زیر بحث لاتے رہے ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم نے اس موضوع کے ساتھ

انصاف کیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ کو بھی ہم سے اتفاق ہوگا۔ آپ ہمارے شاگرد بن گئے ہیں اور آپ ان باتوں کا لحاظ رکھیں گے جسے ہماری متفقہ رائے میں قانون ساز اور قانون کے محافظ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک ہی خاص نکتہ ہے، جس پر ہم سب متفق تھے کہ انسان کو زندگی بھر اپنی پوری توانائی کو ایسی خوبی کے اکتساب پر صرف کرنا چاہیے جو انسان کے لیے نہایت مناسب ہو خواہ یہ مطالعے یا عادت یا حصول کسی طریقے یا تمنا یا رائے یا علم سے حاصل ہو۔ اس اصول کا اطلاق مرد، عورت، بوڑھے، جوان ہر ایک پر ہوتا ہے۔ ان سب کا مقصد وہی ہونا چاہیے جسے میں نے بیان کیا ہے۔ اس راہ میں جو رکاوٹ آئے نیک آدمی کو چاہیے کہ یہ ظاہر کرے کہ گویا وہ اسے یکسر نظر انداز کر رہا ہے۔ اور اگر بالآخر حالات سے مجبور ہو کر اسے قانون شکن بننا پڑے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے وطن میں غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالنے اور اپنے سے کمتر کی حکمرانی کے آگے سر جھکانے کی بجائے ہجرت کر جائے۔ اسے مہاجر بن کر طرح طرح کی اذیت برداشت کرنی چاہیے۔ اسے کسی ایسی حکومت کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے جو لوگوں کے حالات میں ابتری پیدا کرے۔ یہ ہمارے بنیادی اصول ہیں اور کیا آپ اس معیار کو کہ انسان کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں، نظر میں رکھ کر قانون کی تحسین اور تنقیص کریں گے اور ان کو مورد الزام گردانیں گے جنھیں شہریوں کی اصلاح کا اختیار نہیں ہے۔ تاہم وہ ان پر محیط ہوگا جنھیں اختیار حاصل ہے۔ وہ ان کے درمیان خوشی خوشی زندگی گزارتا ہے اور دیگر اداروں کو دور سے سلام کرتا ہے۔ اور جن کا مقصد دوسری قسم کے اسباب کا حصول ہے۔

آئیے اب دوسری طرح کے قوانین کا ذکر کریں اور ان کی مذہبی بنیاد سے اس کا آغاز کریں۔ پہلے ہم ۵۰۴۰ کے عدد کی جانب لوٹیں گے۔ کیونکہ اس پورے عدد کو بے شمار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور آگے بھی کیا جا سکتا ہے اور قبیلوں کی تعداد جو کل کا بارہواں حصہ تھی جو صحیح معنوں میں ۲۱x۲۰ [(۲۱x۲۰)÷۵۰۴۰ یعنی ۴۲۰x۱۲ ÷ ۵۰۴۰)] سے حاصل ہوا ہے۔ صرف مجموعی تعداد ہی ۱۲ اسے تقسیم نہیں ہو سکتی بلکہ ہر قبیلے کی تعداد بھی بارہ سے تقسیم ہو سکتی ہے۔ اب یہ چاہیے کہ ہم ہر حصے کو عالم بالا کا ایک تحفہ تصور کریں جو مہینوں کی تعداد اور کائنات کی گردش سے مماثل ہے۔ قدرت نے ہر شہر کو ایک مقدس رہنما اصول ودیعت کیا ہے لیکن کہیں یہ تقسیم اور بانٹ مناسب ہے

اور کہیں غیر مناسب، کہیں یہ تقدس اور خوش بختی میں دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ ہماری رائے میں ۵۰۴۰ کے عدد کے انتخاب سے بہتر کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی۔ جو ایک سے لے کر بارہ تک تمام اعداد سے تقسیم ہو جاتا ہے، سوائے گیارہ کے۔ اس نقص کو آسانی دور کیا جا سکتا ہے اگر عدد مقسوم (۵۰۴۰) کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم دو خاندانوں کو اس گروہ سے نکال دیں تو تقسیم کا نقص دور ہو جائے گا اس بات کی صداقت فرصت کے وقت آسانی ثابت کی جا سکتی ہے۔ لیکن فی الحال اس اصول پر اعتماد کرتے ہوئے ہمیں مملکت کو تقسیم کرنا ہوگا اور ہر حصے کو کوئی دیوتا یا اس کا بیٹا تفویض کر دیں۔ وہاں قربان گاہ بنا کر اس کے لیے رسوم کا تعین کریں۔ جہاں مہینے میں دو بار قربانی دینے کی محفلیں منعقد کریں۔ تقسیم کے مطابق ان میں سے بارہ قبائل کے لیے ہوں گی اور بارہ خود شہر کے لیے۔ پہلی دیوتاؤں اور دیگر مقدس چیزوں کو نذر کی جائیں گی اور دوسری کا مقصد دوستی، بہتر جان پہچان اور ہر طرح کا باہمی تعاون پیدا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ لوگ ان سے اچھی طرح واقف ہوں جن کے خاندان میں انھیں شادی بیاہ کرنا ہے یعنی وہاں سے لڑکیاں لاتی ہیں اور اپنی لڑکیاں دیتی ہیں۔ ان تمام امور میں ضروری ہے کہ انسان کسی غلطی کا مرتکب نہ ہو۔ اس سنجیدہ مقصد کے پیش نظر ایسے کھیل شروع کیے جائیں جن میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے رقص بھی شامل ہوں تاکہ وہ شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب عمر میں اور مناسب موقع پر اپنے برہنہ جسم کی نمایش کریں۔

ناظمین ان کھیلوں کے مہتمم اور نگران ہوں گے اور ان امور کے بارے میں قانون سازوں کے ساتھ مل کر قانون بنائیں گے جنھیں ہم نے نظر انداز کیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ چھوٹی چھوٹی تفاصیل کے باوجود قوانین کی کچھ تفصیلات تشنہ رہ جاتی ہیں اور سال بہ سال ملازمت کرنے والے عہدیدار جنھیں تجربہ ہے اور خامیوں سے آگاہ ہیں، ہر سال ان میں اصلاح کے اس وقت تک اقدام کرتے رہتے ہیں جب تک کہ یہ خامیاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ قربانیوں اور رقص کا دس سالہ تجربہ ان کے لیے کافی ہوگا۔ جو تمام پہلوؤں پر محیط ہو اور اگر قانون ساز بقید حیات ہے تو وہ اس سے رابطہ کریں گے لیکن اگر اس کا انتقال ہو چکا ہے تو تمام افسر انفرادی طور پر اپنے تجربے میں آئی ہوئی خامیوں کو قانون کے محافظوں کے علم میں لائیں گے اور اصلاح کرتے رہیں گے

تا آنکہ وہ خامیوں سے پوری طور پر پاک نہ ہو جائیں۔اس کے بعد اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو گی۔ وہ یہ نئے قوانین، قانون سازوں کے بنائے ہوئے پرانے قوانین کے ساتھ نافذ کرتے رہیں گے۔اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کریں گے اور اگر ضرورت پڑی تو عدالتی عہدیداروں سے مشورے کریں گے اور تمام عبادت گاہوں میں دیوتاؤں کے حضور حاضری دیں گے اور اگر سب متفق ہوں تو پھر اس میں تبدیلی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔اگر اتفاق رائے پیدا نہ ہو تو اختلاف رائے کے سبب ان میں تبدیلی لانے کا کوئی طریقہ دستیاب نہیں ہے۔

جو شخص ۲۵ برس سے زیادہ عمر کا ہو وہ لوگوں سے واقف ہو اور لوگ اس سے شناسا ہوں اور جس نے شادی کے لیے جیون ساتھی کا انتخاب کر لیا ہو جسے وہ پسند کرتا ہو اور جو تولید کے قابل ہو۔اگر وہ ۳۵ برس سے کم ہو تو اسے شادی کر لینی چاہیے اور اسے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کے لیے کیا موزوں اور مناسب ہے۔کیونکہ بقول کلینیاس ہر قانون کا ایک دیباچہ ہونا چاہیے۔

کلینیاس: اجنبی دوست ۔آپ کو باتیں وقت پر یاد آتی ہیں اور آپ دلائل کے لحاظ سے برمحل بات کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اجنبی : آپ کا شکریہ! ہم نیک والدین کی اولاد سے کہیں گے کہ بیٹے آپ اس شادی کو ویسی ہی بنائیں جو داناؤں کے لیے قابل قبول ہو۔آپ کو نہ تو یہ مشورہ دیں گے کسی غریب سے شادی کرو اور نہ ہی تلقین کریں گے کہ امیر گھرانے میں نکاح کرو۔لیکن اگر دیگر امور یکساں ہوں تو غریب سے شادی کرنے کو ترجیح دو اور ان سے رشتہ داری قائم کرو۔اس سے شہزاور ان خاندانوں کو فائدہ پہنچے گا جن میں ربط وضبط جاری رہتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مساوی اور متناسب رجحانات کا رخ زیادہ تر نیکی کی طرف ہوتا ہے غیر مخلوط امور سے نہیں۔اور جسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بہت سرکش اور ضدی ہے اور اپنے عمل میں جذبات کی رو میں بہ جاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ایسے والدین سے رشتہ استوار کرے جو بااصول ہوں۔اور جس کی فطرت اس کے برخلاف ہوتی ہے وہ اس کردار کی ضد والے والدین سے رشتہ داری قائم کرے۔ بہر حال ہر قسم کی شادیوں کے لیے ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ انسان کو شادی میں صرف اپنی خوشی اور خوشنودی نہیں بلکہ ریاست کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہیے۔لیکن فطری تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مفاد کو نظر میں رکھتا ہے۔جس کا انجام یہ ہوتا ہے

کہ پورا شہر بلحاظ ملکیت اور مزاج عدم مساوات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس طرح زیادہ تر ریاستوں میں وہ صورت حال رونما ہو جاتی ہے جس کی ہمیں خواہش نہیں ہوتی۔ اب اگر قانون میں یہ گنجایش رکھ دی جائے کہ دولتمند کی شادی دولتمند سے، طاقتور کی طاقتور سے نہیں ہوگی بلکہ ست افراد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ تیز مزاج والوں سے اور تیز مزاج والوں کی نرم مزاج والوں سے شادی کریں۔ ایسے قانون پر لوگوں کو یقیناً غصہ آئے گا اور کچھ لوگوں کو ہنسی بھی آئے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کا ادراک ذرا مشکل ہی سے ہوتا ہے کہ شہر کو ایک جام کی طرح ملا جلا ہونا چاہیے جس میں جنون آور اور آتش افروز شراب بھی ہوتی ہے جسے دیوتا معتدل بنا دیتے ہیں اور بڑے نیک ساتھی جمع ہو جاتے ہیں اور وہی شراب نہایت عمدہ اور معقول رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتی ہے لیکن جہاں تک شادی کا معاملہ ہے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوگا کہ نتائج کیا بر آمد ہوں گے۔ اس لیے قانون کو چاہیے کہ ان امور میں دخل اندازی نہ کرے لیکن ہمیں کوشش کر کے انسانوں کو اس بات کا بڑی خوبصورتی سے بچوں کو قائل کرنا ہوگا کہ ان کی سلیم الطبعی شادی کے ذریعے بے انتہا دولت کے حصول میں برابری سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور جو دولت مند سے شادی کا متمنی ہے۔ اسے ہم اس امر سے باز رکھنے کے لیے تحریری قانون سے نہیں بلکہ زجر و توبیخ سے کام لیں گے۔

شادی سے متعلق ہماری یہی نصیحت ہے اس سے قبل جو کچھ ہم نے کہا ہے اسے بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ابدیت سے چمٹا رہے اور اپنے پیچھے بچے، ان کے بچے، ان کے بچے چھوڑ جائے جو اس کی جگہ ہمیشہ کے لیے دیوتا کی غلامی کرتے رہیں۔ شادی کی ذمہ داریوں کی تمہید کے طور پر یہ اور ایسی بے شمار باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان پر کان نہیں دھرتا اور اپنے ہم وطن کے لیے اجنبی اور میل جول سے بھاگنے والا بنا رہتا ہے اور ۳۵ برس کا ہونے کے باوجود غیر شادی شدہ ہے تو اسے ہر سال جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ جس کا تعلق اعلیٰ ترین طبقے سے ہے وہ ایک سو، دوسرے طبقے والا ۷۰، تیسرے درجے والا ۶۰ اور ۳۰ سکہ رائج الوقت بطور جرمانہ ہر سال ادا کرے گا۔ اور رقم ہیری دیوی کو نذر کی جائے گی۔ جو سالانہ جرمانہ ادا نہیں کرے گا وہ جرمانے کی مقررہ رقم کا دس گنا ادا کرے گا جسے دیوی کے خزانچی وصول کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اور اگر خزانچی اس رقم کو وصول نہیں کرے گا تو یہ اس کا ذمہ دار ہوگا اور اسے محاسب کو جواب دینا ہو

گا۔ گویا جو فرد شادی سے انکار کرے گا اسے رقم کا جرمانہ ادا کرنے کے علاوہ اس تمام تکریم سے محروم ہوگا جو چھوٹے، بڑوں کو پیش کرتے ہیں۔ کوئی نوجوان ارادی طور پر ان کا حکم نہیں مانے گا اور اگر وہ کسی کو سزا دینے کی کوشش کرے گا تو ہر شخص مظلوم کی مدد کے لیے آگے بڑھے گا جو وہاں حاضر رہنے کے باوجود مدد کے لیے آئے گا تو وہ قانون کی نظر میں بزدل اور برا شہری تصور ہوگا۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے میں اس پر بات کر چکا ہوں تاہم میں مفلسوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں جو غربت کے سبب نہ تو جہیز دے سکتا ہے اور نہ ہی لے سکتا ہے اس کے لیے تلافی کا انتظام ہوگا۔ ہمارے شہریوں کو ریاست کی طرف سے ضروریات زندگی فراہم کی جائیں گی۔ اس لیے غربت کی بنا پر نہ تو خواتین کو تنگ مزاج ہونے کی ضرورت ہے اور ہی مردوں کو بلاضرورت خسیس ہونا ہوگا اور جو اس قانون کی اطاعت کرے گا وہ ایک نیک عمل کرے گا اور جو اس سے سرتابی کر کے شادی کے جوڑے کے لیے ۵۰ سکوں سے زیادہ دے گا یا وصول پائے گا تو اگر وہ کمترین طبقے کا ہوا تو اسے ایک سکہ اور اگر وہ دوسرے یا تیسرے درجے کا شہری ہوگا تو ڈیڑھ سکے سے زیادہ یا اگر اعلیٰ ترین طبقے کا ہوا تو دو سکے بطور جرمانہ ادا کرے گا۔ جو سرکاری خزانے میں جمع ہوگا اور جہیز کی جو رقم وہ دے گا یا وصول کرے گا وہ دیوی ہیری اور دیوتا زیوس کا نذرانہ مانا جائے گا جسے ان دیوتاؤں کے خزانچی خود اسی طرح وصول کریں گے جس طرح غیر شادی شدہ افراد سے دیوی ہیری کے خزانچی وصول کرتے ہیں یا نہ وصول کرنے کی صورت میں خود اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ والد کی طرف سے منگنی اوّل درجے میں، دادا کی طرف سے دوسرے درجے میں اور ایک ہی والد سے بھائیوں کی طرف سے منگنی کو تیسرے درجے میں جائز سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ لوگ حیات نہ ہوں تو ماں کی طرف سے منگنی اسی طرح جائز ہوگی لیکن ان سب کی وفات کی صورت میں چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد یا پھوپھی زاد کو اس کا اختیار ہوگا۔ شادی یا کسی دیگر مقدس عمل سے قبل جن کا تعلق موجودہ، ماضی یا مستقبل کی شادی سے ہوگا کیا رسم و رواج برتے جائیں گے اس کا فیصلہ مفسرین کریں گے۔ ان کے مشورے کو تسلیم کرنے والوں کو اطمینان حاصل ہوگا۔ شادی کے جشن کے سلسلے میں پانچ مرد اور پانچ خواتین اور اسی تعداد میں دولہا اور دلہن کی خاندان کے مرد اور خواتین جمع ہوں گی۔ لیکن کسی شخص کو اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ دولتمند طبقے والے ایک سکہ،

دوسرے درجے والے آدھا سکہ اور اسی نسبت سے دیگر طبقے والے خرچ کریں گے۔ ہر شخص قانون کی پابندی کرنے والے کی تعریف کرے گا۔ لیکن قانون شکنی کرنے والوں کو قانون کے محافظ سزا دیں گے کیونکہ اس کا مذاق ستھرا نہیں ہے اور وہ شادی بیاہ کی رسوم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ شراب نوشی کبھی مناسب نہیں ہوتی۔ اس کی اجازت صرف اس دیوتا کے جشن میں ہوتی ہے جس نے شراب عطا کی ہے۔ مے نوشی ایسے شخص کے لیے نہایت خطرناک ہوتی ہے جو شادی کے کام میں مصروف ہو۔ زندگی کے اس بحرانی موقع پر دولہا اور دلہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمہ تن سنجیدہ رہیں اور ان کی عقل و سمجھ قائم رہے۔ انھیں یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ ان کی اولاد کے والدین معقول ہوں۔ کیونکہ یہ تو کسی کو علم نہیں کہ کس دن یا کس رات دیوتا اس کو اولاد کی نعمت سے سرفراز کردیں۔ علاوہ بریں ان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ نشے کی حالت میں اولاد پیدا کریں۔ انھیں چاہیے کہ ان کی اولاد خوب صحت منداور چاق و چوبند ہو۔ ٹھنڈے مزاج اور جسم وروح کے حسین امتزاج والی ہو۔ مے نوش اپنے تمام اعمال میں بے ربط ہوتا اور نہ وہ اپنے آپ میں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی روح اور جسم اپنی جگہ پر ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مے نوش آبادی میں اضافے کی تخم کاری کے سلسلے میں عمدہ خوبیوں سے عاری اور متلون مزاج ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے اس کی اولاد توازن سے عاری، ناقابل اعتماد ہو اور جس کے لیے ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے راست روی ممکن نہ ہو۔ اسی لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سال کے دوران، زندگی بھر اور خصوصاً اولاد کی پیدائش کے عرصے میں کوئی ایسا کام کرنے میں محتاط رہے جو صحت کے لیے مضرت رساں ہو یا جس کا تعلق گستاخی اور بدکرداری سے ہو۔ کیونکہ اس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کے جسم اور روح کو اپنے اثرات سے محفوظ رکھ سکے اور اسی گھٹیا طریقے سے اولاد پیدا کرتا رہے۔ انسان کو چاہیے کہ شادی کی رات میں ایسے کاموں سے اجتناب برتے۔ کیونکہ آغاز جو انسان میں دیوتا کا مسکن ہوتا ہے ہر شے کو محفوظ رکھتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہر فرد اس کی عزت و تکریم کرے۔ جو شادی کرتا ہے اسے یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اس کے حصے کے دو میں سے ایک مکان اس کے ہونے والے بچوں کی قیام گاہ اور پود گھر ہے۔ اور اسی جگہ اسے شادی کرنی ہے والدین کو چھوڑ کر اپنے لیے گھر بسانا ہے اور بچوں کی نشوونما کرنی ہے۔ دوستانہ مراسم میں یہ ضروری

ہے کہ آرزو کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو تا کہ کردار کی بوقلمونی کو یکرنگی مل جائے۔ لیکن حد سے بڑھا ہوا اختلاط جس میں وقت کی پیدا کردہ آرزو موجود نہ ہو۔ دوستی کے جذبات کو سرد کر دیتی ہے اور اس کی جگہ آسودگی لے لیتی ہے اس کا انجام یہ ہوگا بیوی اور شوہر اپنا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر کا رخ کریں گے یا کسی بستی میں قیام پذیر ہو جائیں گے اور والدین سے ملاقات کریں گے یا والدین ان سے ملاقات کے لیے آتے رہیں گے۔ وہ اولاد پیدا کر کے اس کی پرورش کرتے رہیں گے اور زندگی کی مشعل کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرتے رہیں گے اور گویا دستور کے مطابق دیوتا کی ہمیشہ خدمت کرتے رہیں گے۔

اگلے مرحلے میں ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ کس طرح کی ملکیت ہمارے لیے آسان ہوگی۔ طرح طرح کی ملکیت کو پرکھنے اور اسے حاصل کرنے میں کوئی زیادہ تکلیف نہیں ہوتی لیکن زیادہ دقت اس میں ہوتی ہے جس کا تعلق غلاموں سے ہوتا ہے کیونکہ ہم انھیں یہ طے کرنے کے لیے زیرِ بحث لاتے ہیں کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔ کیونکہ غلاموں کے بارے میں معمول کے مطابق ہماری رائے میں ربط بھی ہوتا ہے اور بے ربطی بھی۔

مجی لس : اجنبی دوست! آپ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اجنبی : میجی لس مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ لیسی ڈیمون کی ریاست ہیلوٹس (Helots) میں یونانی قسم کی غلامی کا جو رواج ہے وہ بہت زیادہ حجت طلب اور متنازعہ ہے۔ چند لوگ اس کو سراہتے ہیں جب کہ دوسرے اسے لائق مذمت سمجھتے ہیں تاہم میں ہیراکلی کے باشندوں میں جنھوں نے میرائینڈائنیا (Mariandynian) کے لوگوں کو محکوم بنا رکھا ہے، مروجہ غلامی اور تھیسالی پنسٹیا کے بارے میں اتنا زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ ان کے اور ایسی ہی مثالوں کے پیش نظر ہمیں غلاموں کی املاک کا کیا کرنا چاہیے؟ میں نے یوں ہی رواروی میں ایک بات کہی تھی جس کے معنی کے بارے مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ سب اس پر متفق ہوں گے کہ غلام ایسے ہونے چاہئیں جو بہترین اور خدمت گزار قسم کے ہوں۔ کیونکہ اکثر لوگوں کو ایسے غلام مل جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے بھائیوں اور بیٹوں سے بہتر ہوتے ہیں اور متعدد بار انھوں نے اپنے آقا کی نہ صرف جان و مال بلکہ پورے خاندان کو بچایا ہے۔ ایسی داستانیں زبان زد خلائق ہیں۔

مجی لس: یقیناً۔

اجنبی: لیکن ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ غلام کی روح یکسر فاسد ہوتی ہے اور کسی معقول شخص کو ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اور ہمارے سب سے زیادہ عقلمند شاعر نے زیوس کے بارے کہا ہے:

''دور اندیش دیوتا زیوس اس شخص کی نصف عقل کو ضائع کر دیتا ہے جو غلامی کے شکنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔''

غلامی کے بارے میں مختلف لوگوں کے ذہن میں دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں چند افراد تو اپنے خدام پر بالکل ہی اعتماد نہیں کرتے گویا وہ وحشی جانور ہیں۔ انھیں چھڑی اور کوڑے سے مار کر سزا دیتے ہیں اور ان کی روح کو پہلے کی نسبت تین گنا یا کئی گنا غلامانہ بنا دیتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں کا سلوک اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

مجی لس: بجا ارشاد!

کلینیاس: اب بتائیے، ہمیں اپنے ملک میں کیا کرنا ہوگا اجنبی دوست آپ نے دیکھ لیا کہ غلاموں سے آقاؤں کے سلوک میں کتنا فرق ہے؟

اجنبی: اس میں شک نہیں کہ انسان بڑا ہی آزار رساں جانور ہے۔ اسی لیے اسے قابو میں رکھنا اتنا آسان نہیں ہوتا خواہ آپ اسے غلاموں، آقاؤں اور آزاد بندوں ہی میں کیوں نہ تقسیم کریں۔

کلینیاس: یہ تو واضح ہے۔

اجنبی: یہ ایک اذیت ناک اثاثہ ہوتا ہے جس کا ثبوت مسینیا کے باشندوں کی بغاوتیں اور ان بے شمار ہنگاموں سے ملتا ہے جو ان ملکوں میں برپا ہوتے ہیں جہاں غلاموں کی معتدبہ تعداد ہوتی ہے اور جو وہی زبان بولتے ہیں جو ان کے آقاؤں کی ہے۔ اور ان قانون شکنوں اور ڈکیتوں سے، جس کا عام خیال کے مطابق اٹلی کے باشندے ارتکاب کرتے ہیں جس کی نظر ان تمام حقائق پر ہوتی ہے وہ سخت حیرانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج صرف دو قسم کا ہے۔ سارے غلام ایک ہی ملک کے نہ ہوں اور وہ آقاؤں کی زبان نہ بولیں۔ اس طرح انھیں مطیع رکھنا آسان تر ہوگا۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ بہت ہی عمدہ سلوک کریں جو ان پر اتنا شفقت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ خود اپنی عزت افزائی کے لیے کیا جائے گا۔ غلاموں کے ساتھ مناسب سلوک یہی ہوسکتا ہے کہ ان کا خاص

خیال رکھا جائے اور ان کے ساتھ اپنے ہمسروں سے بھی بہتر انصاف کیا جائے ۔ کیونکہ جو فطرتاً انصاف پسند ہوتا ہے اور ناانصافی سے نفرت کرتا ہے اس کا انکشاف اس کے سلوک کو دیکھ کر ہوتا ہے جو وہ ان لوگوں کے ساتھ روا رکھتا ہے جن کے ساتھ وہ بآسانی ناانصافی کر سکتا ہے اور جو اپنے غلاموں کی فطرت اور کاموں کو ناانصافی اور ناپاکی میں ملوث پاتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان میں نیکی کا بیج بو دے۔ یہ بات ہر آقا پر خواہ وہ ظالم ہو، ایسا ہو جس کو اپنے ماتحتوں پر کلی اختیار حاصل ہے۔ غلاموں کو ان کی خطا کے مطابق جسمانی سزا دینی ضروری ہے۔ انھیں آزاد شہریوں کی طرح تنبیہ نہیں کرنی چاہیے ورنہ وہ خودسر ہو جائیں گے۔ ملازموں کے ساتھ جس زبان میں بات کی جائے گی وہ تحکمانہ ہوگی ان سے مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت یہ غلاموں کو خوش کرنے کا احمقانہ طریقہ ہے جس پر متعدد لوگ عمل کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی غلامانہ زندگی خود غلاموں اور آقاؤں کے لیے ناپسندیدہ ہو جائے گی۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی : ہر شہری کو حتی الامکان مناسب تعداد میں ایسے غلام فراہم ہو جائیں گے جو اس کے تمام کام کریں گے۔ اب ہمیں مکانات کا ذکر کرنا ہے۔

کلینیاس: بڑی اچھی بات ہے۔

اجنبی : چونکہ شہر بالکل نیا ہوگا اور ابھی آباد نہیں ہے اس لیے ہمیں تمام عمارتوں، ان کی تعمیر کے طریقوں، عبادت گاہوں، اور فیصلوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کلینیاس یہ وہ امور تھے جو بڑے مناسب طریقے سے شادی سے قبل ہی زیرِ غور آئے تھے۔ لیکن چونکہ یہ ساری باتیں محض زبانی کلامی ہیں اس لیے ان کی ترتیب بدل دینے میں کوئی حرج نہیں ۔ لیکن اگر قانون سازی پر کبھی نہ کبھی عمل درآمد کرانا ہے تو دیوتا کی مرضی کے مطابق مکان کا مسئلہ شادی سے قبل طے کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہم شادی کے ضوابط کی تیاری کریں گے۔ لیکن ہم فی الحال ان امور کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔

کلینیاس: بالکل سچ ہے۔

اجنبی : عبادت گاہوں کو کھلے میدانوں کے کناروں پر تعمیر کیا جائے گا اور مکمل شہر کو بلند مقام پر ایک دائرے میں دفاع اور پاکیزگی کے خیال سے بنایا جائے گا۔ مندروں کے قریب ہی عدالت اور عدالتی

عہدیداروں کے لیے مکانات تیار کیے جائیں گے۔ اسی مقام پر مدعی اور مدعا علیہ کو ان کا مطلوبہ انصاف ملے گا۔ یہ علاقہ بہت زیادہ مقدس تسلیم کیا جائے گا، کچھ اس لیے کہ اس کا تعلق مقدس امور سے ہے اور کچھ اس لیے کہ یہ مقدس دیوتاؤں کی قیام گاہ ہے۔ اس جگہ عدالت لگے گی جہاں قتل اور پھانسی کی سزا کے مقدمات طے ہوں گے جو بڑی مناسب بات ہوگی۔ مجی لس! جہاں تک شہر پناہ کا تعلق ہے مجھے سپارٹا کی اس سوچ سے مکمل اتفاق ہے کہ انھیں زمین میں محوِ خواب رہنے دیا جائے اور ہمیں اسے کھود کر اکھاڑنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ایک شاعرانہ ضرب المثل ہے جس کے الفاظ ہیں کہ:

''فصیلوں کو مٹی کا نہیں لوہے اور فولاد کا ہونا چاہیے''۔

مزید برآں یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ ہم ہر سال اپنے جوانوں کو دیہی علاقوں میں بھیج کر خندقیں، دمدمے بنا کر اسی خیال سے دشمن سے محفوظ بنا دیں کہ وہ کبھی ہماری سرزمین پر قدم رکھنے کے قابل نہیں ہوگا۔ دوسری جانب ہم اپنے گرد فصیلیں تعمیر کرتے ہیں جو کسی صورت شہروں کی صحت کے لیے مفید نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہاں کے باشندوں میں ایک طرح کی نامردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے انسان دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کی بجائے فرار کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دماغ پر یہ تاثر ثبت ہو جاتا ہے کہ ان کا تحفظ شب و روز کی نگہبانی پر نہیں بلکہ ان فصیلوں اور دروازوں پر منحصر ہے تا کہ وہ آرام کی نیند سوئیں۔ گویا وہ جانفشانی کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں اور یہ فراموش کر چکے ہیں کہ اصل آرام تو جانفشانی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور شرمناک آرام طلبی اور بے فکری سے اضطراب دوبارہ جنم لیتا ہے۔ لیکن لوگوں کو فصیل کی ضرورت ہے تو نجی مکانات اس طرح تعمیر کیے جائیں کہ پورے شہر کی دیواریں ایک فصیل بن جائیں اور سڑک سے اپنے یکساں فاصلوں اور ایک جیسی بناوٹ کے سبب وہ دفاع کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ شہر کی شکل چونکہ ایک ہی مکان جیسی ہوگی اس لیے اس کا ایک پسندیدہ پہلو بھی ہوگا کہ اس کی نگہبانی آسانی سے ہو سکے گی اس لیے دفاعی لحاظ سے یہ ترتیب بہت ہی بہتر ہوگی۔ جب تک اصل عمارت مکمل نہیں ہو جاتی باشندوں کے بنیادی مقاصد یہی ہوں گے۔ اور شہر کے تمام وارڈن ان تعمیرات کی نگرانی کریں گے اور جو غفلت برتے گا اس پر جرمانہ

عائد کریں گے۔اور شہر سے متعلق تمام امور میں وہ صفائی کا خاص خیال رکھیں گے اور کسی شہری کو سرکاری جائیداد پر تعمیر یا کھدائی کے ذریعے تجاوز نہیں کرنے دیں گے۔مزید برآں وہ یہ بھی احتیاط کریں گے بارش کا پانی شہر سے بآسانی بہ کر نکل جائے اور شہر کے اندر اور باہر کے دیگر معاملات کا نظام بھی سنبھالیں گے۔قانون کے محافظ اپنے تجربے کے لحاظ سے مزید ضروری قوانین نافذ کریں گے اور ان نکات کی نشان دہی کریں گے جو قانون میں خامی ظاہر کرتے ہیں۔اب جب کہ یہ تمام معاملات سلجھائے جا چکے ہیں اور کھلے مقامات کی عمارتیں، اکھاڑے، تعلیمی ادارے اور تھیٹر تیار ہو کر علما اور تماشائیوں کے منتظر ہیں ہم ان امور پر توجہ دیں جن کی باری قانون سازی کے لیے شادی کے بعد آتی ہے۔

کلینیاس: بسر و چشم۔

اجنبی: یہ فرض کرلیں کہ شادی انجام پا چکی ہے۔شادی کے بعد اور بچوں کی پیدائش سے پہلے والے سال کی زندگی کا ذکر کریں گے۔دولہا اور دلہن اس شہر میں کس طرح زندگی گزاریں گے جو دیگر شہروں سے بہتر ہے یہ ایسا معاملہ ہے جس کا طے کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔پہلے ہی ہم متعدد دشواریوں کا سامنا کر چکے ہیں لیکن یہ سب سے بڑی ہوگی۔جو بہت سے افراد کے لیے ناقابل برداشت ہو گی۔کلینیاس پھر بھی میں وہ سب کہنے سے باز نہیں رہ سکتا جسے میں حق سمجھتا ہوں۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ قانون عطا کر سکتا ہے جو ریاستی امور سے متعلق ہو اور شہریوں کی نجی زندگی کو ان کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔بھلا کون یہ سوچ سکتا ہے کہ فرد اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اور ان کے امور میں تنظیم پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی نجی زندگی پر پابندیوں کو خیرباد کہہ کر یہ فرض کر لیتا ہے کہ لوگ سرکاری امور میں قوانین کی پابندی کریں گے بہت سخت غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔آخر میں یہ بات زبان پر کیوں لایا ہوں؟ کیوں کہ میں یہ قانون بنانے والا ہوں کہ دولہا مشترکہ دسترخوان ہی پر کھانا کھاتے رہیں گے جیسا کہ شادی سے پہلے ان کا معمول تھا۔جب آپ کے علاقے میں یہ قانون نافذ ہوا تو غالباً حالات غیر معمولی تھے۔جنگ یا اسی قسم کا کوئی بحرانی واقعہ رونما ہوا تھا۔یہ حالات ان علاقوں میں پھر پیدا ہو

سکتے ہیں جہاں آبادی کم اور دباؤ زیادہ ہے۔ لیکن جب مشترکہ دسترخوان کا معمول بنا تو تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ یہ امر ملکی سلامتی کے لیے، بہت زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح کے حالات میں آپ لوگ مشترکہ دسترخوان سے آشنا ہوئے۔

کلینیاس: بہت ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو۔

اجنبی: میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس طرح کے معمول کے نفاذ میں انفرادیت بھی تھی اور خطرہ بھی تھا۔ لیکن یہ تمام خدشات غائب ہو چکے ہیں تاہم اس کے نتیجے میں ایک اور ادارہ پیدا ہو سکتا ہے جو اگر کہیں قائم ہو جائے تو عمدہ ترین بات ہوگی مگر ایسا ادارہ کہیں نہیں ہے۔ جس ادارے کو یہاں بیان کرنے والا ہوں اس کی تفصیلات اور نفاذ دونوں ہی ذرا دقت طلب ہیں اور ان کا حال قانون سازوں کے لیے ایک محاورے کے مطابق اون کو آگ میں ڈال کر کنگھے سے صاف کرنے کے مترادف یعنی امر محال اور لا طائل ہوگا۔

کلینیاس: اجنبی دوست ! آپ کی اس ہچکچاہٹ کا آخر سبب کیا ہے؟

اجنبی: اس کا جواب وقت ضائع ہوئے بغیر آپ کو مل جائے گا کسی بھی مملکت میں امن و امان کا قیام ہمیشہ مفید لیکن جہاں بدامنی اور بدنظمی ہوگی وہاں نظم و ضبط کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ اور اس مرحلے پر ہمیں دلائل کا انتظار ہے۔ کیونکہ میرے دوست کلینیاس اور مجی لس جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مشترکہ دسترخوان کا ادارہ ایک قابلِ تعریف اور مقدس نعمت ہے لیکن خواتین کو قانون کا پابند نہ بنانا ایک غلطی ہوگی۔ ان کے لیے سرکاری سطح پر مشترکہ دسترخوان کا کوئی اہتمام نظر نہیں آتا۔ اور نسل انسانی کا وہ طبقہ جس میں فطری طور پر پرراز داری کا رجحان ان کی صنفی نزاکت کے سبب موجود ہوتا ہے۔ میری مراد ان خواتین سے ہے جنھیں قانون سازوں نے اس ضابطے کی پابندی سے آزاد رکھا ہے جو ایک عظیم غلطی ہے۔ اس غفلت کے سبب اکثر امور میں ڈھیلا پن آ گیا ہے۔ جو اگر وہ ضابطوں کی پابند بنا دی جاتیں تو بہتر ثابت ہوتیں۔ کیونکہ خواتین کے ضمن میں قانون سازی میں ایسی غفلت نسل انسانی کے نصف حصے کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہی نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ قدرتی طور پر خواتین میں نیکی کا رجحان مردوں کی نسبت کم ہوتا ہے، یہ معاملہ اپنی اہمیت میں نصف نہیں بلکہ دوگنی اہمیت کا حامل ہے۔ اس معاملے پر محتاط غور اور مردوں اور خواتین سے متعلق تمام

اداروں کی ایک مشترکہ نظام کے تحت تنظیم وترتیب سے مملکت کی خوشحالی میں نمایاں اضافہ ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے موجودہ حالات ایسے ہیں کہ کسی معقول آدمی کو یہ حوصلہ نہیں ہوگا کہ وہ ان مقامات اور شہروں میں مردوں اور عورتوں کے مشترکہ دسترخوان کا خیال پیش کرے جہاں یہ ادارہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ جو شخص عورتوں کو مجبور کرے گا کہ وہ عوام میں آ کر یہ دکھائیں کہ وہ کیا اور کتنا کھاتی اور پیتی ہیں اس کا مذاق اڑائیں گے یا نہیں؟ اس مقام سے زیادہ اور کہیں دونوں صنفوں کو اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ خواتین اندھیرے میں چھپی رہنے کی عادی ہوتی ہیں اور اگر انھیں روشنی میں لایا جائے گا تو وہ سخت مزاحمت کریں گی۔ جو قانون سازوں کی برداشت سے باہر ہوگا۔ اسی لیے جیسا کہ میں نے کئی بار کہا ہے وہ حق گوئی کا حوصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ اس پر بہت زیادہ چیخ و پکار ہوگی لیکن اس معاملے میں انھیں ہمت کرنی ہی پڑے گی۔ اب اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مملکت کے ضمن میں ہماری یہ گفتگو محض زبانی جمع خرچ نہیں تھی تو میں بشرطِ توجہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ یہ ادارہ مفید بھی ہے اور مناسب بھی۔ اگر آپ کی مرضی نہیں تو میں باز رہوں گا۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست! آپ جو کچھ کہیں گے ہم دونوں اسے بخوشی سنیں گے اور اس سے بہتر اور کیا ہوگا۔

اجنبی: بہت بہتر۔ آپ حیران نہ ہوں مجھے چونکہ فرصت ہے اس لیے چند گزشتہ باتوں کا اعادہ کروں گا اور قانون کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنے میں ہمارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی: چلیے اس بات پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہیں جو ہم نے آغاز میں کہی تھی کہ ہر شخص کو یہ حقیقت ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نسل انسانی کی کوئی ابتدا نہیں تھی اور نہ ہی کوئی انتہا ہوگی۔ تاہم وہ ہمیشہ موجود رہی ہے اور آیندہ بھی موجود رہے گی یا اس کا آغاز ایسے دور میں ہوا جو بے انتہا دور ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: بہت خوب۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے ریاستیں آباد بھی ہوئیں ہیں اور نیست و نابود بھی، کام کاج میں ترتیب بھی رہی ہے اور بے ترتیبی بھی، کھانے اور پینے کے شوق میں اختلاف بھی رہا ہے اور تنوع بھی، مختلف ماحول اور موسموں میں جانوروں میں بے شمار تغیرات

رونما ہوئے ہیں یا نہیں؟

کلینیاس: بے شک۔

اجنبی: ہمیں یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ انگور کی بیلیں اگنے لگیں۔ جن کا پہلے کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ زیتون بھی پیدا ہوا۔ جو ڈیمیٹر (Demeter) اور اس کی بیٹی کا تحفہ تھا جس کے ایک وزیر کا نام ٹرپٹولیمس (Triptolemus) تھا اور یہ بات بھی ہے کہ ان پودوں کے وجود میں آنے سے قبل جانور ایک دوسرے کو کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ وہ تو اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی: متعدد قوموں میں انسانوں کی قربانی دینے کا رواج اب بھی موجود ہے۔ اس کے برخلاف ہم ایسے آدمیوں کے بارے میں بھی سنتے ہیں جنھوں نے گائے کا گوشت تک نہیں چکھا اور جو جانوروں کی قربانیاں بھی نہیں کرتے۔ وہ صرف شہد میں تر کیے ہوئے کیک، پھل اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کی نذر دیتے ہیں۔ جانوروں کا گوشت بالکل ہی نہیں کھاتے۔ اس رسم کی بنیاد ان کا یہ تصور ہے کہ انھیں نہ اسے کھانا ہے اور نہ ہی دیوتاؤں کی قربان گاہوں کو خون سے آلودہ کرنا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں انسان آرفیئس دیوتا کی تعلیمات کے تحت زندگی بسر کرتا تھا جس میں بے جان اشیا کے استعمال کی تو اجازت تھی، کسی جاندار کو کھانے کی نہیں۔

کلینیاس: جی ہاں ایسا ہی رواج جاری رہا ہے جو ہو سکتا ہے درست ہی ہو۔

اجنبی: ہو سکتا ہے کوئی ہم سے یہ کہے کہ ان تمام باتوں کی منشا کیا ہے؟

کلینیاس: بہت ہی باموقع سوال ہے؟

اجنبی: کلینیاس! اسی لیے میں کوشش کروں گا کہ ان باتوں کا فطری نتیجہ نکالوں۔

کلینیاس: بیان جاری رکھیے۔

اجنبی: میرا یہ مشاہدہ ہے کہ انسان میں تمام امور کا انحصار تین ضرورتوں اور آرزوؤں پر ہوتا ہے جن سے اگر صحیح طریقے سے کام لیا جائے تو نیکی حاصل ہوتی ہے اور غلط طرح سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ کھانے اور پینے کا عمل تو پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے ہر جانور کو ان کی اپنی فطری خواہش ہوتی ہے اور جب کوئی اسے اپنی تمام تمناؤں اور خواہشوں کو ترک کرنے اور اس سے متعلقہ تمام

تکالیف سے نجات حاصل کرنے سے روکتا ہے تو وہ تشدد پر اتر آتا ہے۔ جو شدید خواہش سب سے آخر میں بھڑکتی ہے وہ شہوت ہے جو ہر انسان میں طرح طرح کے بے لگام جنونی جذبات کو ہوا دیتی ہے۔ ان تینوں اقسام کی بدنظمی کا بھی تین طریقوں یعنی خوف، قانون اور معقولیت کی بنیاد پر علاج کیا جاسکتا ہے۔ انھیں بہترین اور خوشگوار ترین امور سے دور رکھ کر فنون لطیفہ کی دیویاں اور دیوتاؤں کی مدد سے مختلف محفلیں اور مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں تاکہ آبادی میں اضافے کو روکا جاسکے۔

چلیے ہم اپنے گزشتہ موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔ شادی کے بعد بچوں کی پیدائش کا ذکر کرنا چاہیے۔ جس کے بعد ان کی نشو ونما اور تعلیم کا مرحلہ آتا ہے۔ مذاکرات کے دوران قوانین کی خامیاں دور کی جائیں گی اور ہماری گفتگو مشترکہ دسترخوان کے اصول پر منتج ہوگی۔ جب ہم ان اصولوں پر تفصیلی نظر ڈالیں گے تو یہ امر بھی زیر غور آئے گا کہ اس عمل کو مردوں تک ہی محدود رکھا جائے یا اس میں خواتین کو بھی شمولیت کا موقع دیا جائے اس موقع پر ہم یہ بھی طے کریں گے کہ کن اداروں کی ضرورت ہے اور کسے ترجیح دی جائے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ ہم ان پر تفصیلی بحث کریں گے اور اس کے بعد ایسے قانون تیار کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو مناسب اور موزوں ہوں گے۔

کلینیاس: سچ ہے۔

اجنبی : ہمیں ان الفاظ کو ذہن میں رکھنا ہوگا جو ہم نے ابھی ادا کیے ہیں جن کی ہوسکتا ہے ضرورت پڑے۔

کلینیاس: ہمیں کیا یاد رکھنا ہوگا۔

اجنبی : وہی مفہوم جو ان تین باتوں کا ہے یعنی اوّل کھانا، دوم پینا اور سوم محبت کا ہیجان۔

کلینیاس: اجنبی! ہم یقیناً اسے یاد رکھیں گے۔

اجنبی : بہتر ہے۔ آیئے اب ہم شادی پر گفتگو کریں اور لوگوں کو یہ سکھائیں کہ بچے کس طرح پیدا کیے جائیں اور اگر وہ بات نہ مانیں تو انھیں قانون کا خوف دلائیں۔

کلینیاس: آپ کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : دولہا اور دلہن کو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے انھیں مملکت کے لیے بہترین اور صحت مند بچے پیدا کرنے ہیں۔ جو لوگ کسی کام میں مصروف ہوتے ہیں اسی صورت میں کامیاب ہوتے ہیں

جب وہ اپنے کام بھرپور توجہ دیتے ہیں۔لیکن جب وہ توجہ نہیں دیتے یا کچھ سوچتے ہی نہیں تو ناکامی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ دولہا دلہن اولاد کی پیدائش پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔اسی طرح دلہن کو چاہیے کہ وہ شوہر کا خصوصاً بچوں کی پیدائش سے قبل ہر طرح سے خیال رکھے اور وہ خواتین جنھیں ہم منتخب کریں گے ان امور کی نگرانی کریں گی۔ جو عدالتی عہدیداروں کی مرضی کے مطابق زیادہ یا کم تعداد میں یا ان کی مقرر کردہ وقت پر سہ پہر میں ایلیتھیا (Eileithyia) کے مندر میں ہر روز جمع ہوں گی جو ایسے ہر مرد اور عورت کے بارے میں ایک دوسرے کو مطلع کریں گی۔ جو اولاد پیدا کرنے کے اہل ہیں اور وہ ان سے مل چکے ہیں اور انھوں نے شادی کے وقت قربان گاہ پر جاری شدہ قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔ بچوں کی پیدائش اور اولاد پیدا کرنے والوں کی نگرانی کا کام صرف دس برس تک جاری رکھا جائے۔ یہ وہ دور ہوگا جب تک شادی بارآور رہے گی لیکن اگر اس وقت تک کوئی جوڑا بے اولاد رہے گا تو انھیں اپنے عزیزوں اور نگرانی پر مامور خواتین سے مشورہ کرنا چاہیے اور طلاق لینا ان کے باہمی مفاد میں ہوگا تاہم اگر کوئی تضیہ کھڑا ہو جائے کہ مناسب بات کیا ہوگی تو ہر فریق کے مفاد میں ہوگا کہ وہ قانون کے دس محافظوں کا انتخاب کریں گے اور ان کی اجازت اور حکم کو تسلیم کریں۔ جو خواتین ان امور کا اہتمام کرتی ہیں وہ نوجوانوں کے گھروں میں داخل ہوسکیں گی اور کچھ تو نرم انتباہ اور تھوڑی بہت دھمکیوں سے انھیں اپنی غلطیوں اور حماقتوں سے باز رہنے پر مجبور کریں گی۔ اگر وہ باز نہیں آتے تو وہ قانون کے محافظوں کے پاس جا کر ان سے شکایت کریں گی جو انھیں اس کام سے روک دیں گے۔ لیکن اگر وہ بھی ناکام ہوئے تو وہ یہ معاملہ عوام کے سامنے پیش کر دیں گے۔ جو ان کے نام کا اندراج کریں گے اور حلفیہ بیان دیں گے کہ فرد مذکور ناقابل اصلاح ہے اگر وہ اس فیصلے کے خلاف عدالت میں جا کر فیصلہ کرنے والوں کو سزا نہیں دلواتا تو وہ شہریت کے مندرجہ ذیل استحقاق سے محروم کر دیا جائے گا۔ اسے کسی شادی میں اور بچوں کی پیدائش پر منعقد شکرانے کی تقاریب میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ وہاں چلا جائے تو ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ اسے بلاخوف سزا زدوکوب کرے۔ خواتین پر بھی ان ہی ضوابط کا اطلاق ہوگا۔ اگر معمول کے مطابق اس کے نام کا اندراج ہو جائے اور وہ اپنے حق میں فیصلہ حاصل نہ کر سکے تو ایسی خاتون تو کسی محفل میں برملا شرکت کرنے،

کوئی اعزاز وصول کرنے، یا شادی اور پیدائش کی تقریبات میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر انھوں نے خود بچے پیدا کرنے کے باوجود کسی ایسے مرد یا عورت سے خفیہ تعلقات پیدا کر لیتا ہے جو بچے پیدا کر رہے ہیں تو ان کو وہی سزا ملے گی۔ جو اہل و عیال رکھنے والوں کو دی جاتی ہے۔ جب بچوں کی پیدائش کا زمانہ ختم ہو جائے تو جو لوگ مرد اور عورتیں ایسے معاملات سے پرہیز کرتے ہیں انھیں ہر احترام دیا جائے گا۔ اور جو پرہیز نہیں کریں گے انھیں وقعت کی بجائے بے وقعتی حاصل ہوگی۔ اگر انسانوں کی اکثریت میانہ روی سے زندگی گزارتی ہے اور قانونی سزا کا کام التوا میں پڑا رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ شورش پسند ہوں تو قانون کا نفاذ ہو چکا ہے ضرورت صرف اس پر عمل کرنے کی ہے۔ ہر انسان کا پہلا سال اس کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش کا وقت والد کے دیوتا کی عبادت گاہ میں درج کر دیا جائے کیونکہ یہی ہر بچے کے وجود کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر قبیلے کی شاخ کو چاہیے کہ وہ سفید دیوار پر ہر سال کے عدالتی افسر کا نام لکھے تاکہ سال کا حساب آسان ہو جائے۔ اس کے نام کے ساتھ قبیلے کی شاخ والوں کے ان لوگوں کے نام درج ہوں جو زندہ ہیں اور موت کی صورت میں ان کا نام مٹا دیا جائے۔ عورت کی شادی کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ سے زیادہ بیس سال اور مرد کی ۳۰ سے ۳۵ سال ہوگی۔ عورت کو کسی عہدے پر چالیس برس کی عمر پر مامور کیا جائے گا اور اگر اسے عسکری شعبے میں ملازمت دینی ضروری ہو تو بچوں کی پیدائش کی عمر کے بعد پچاس سال کی حد ہوگی۔ اس ضمن میں یہ دونوں کے لیے جو ممکن اور مناسب ہوگا اس کا لحاظ رکھا جائے۔

ساتویں کتاب

ہم یہ فرض کریں گے کہ اس کے بچے اور بچیاں پیدا ہوئی ہیں اور اب مرحلہ ان کی پرورش اور تعلیم کا آ گیا ہے، اس معاملے کو اپنی توجہ سے محروم نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ قانون کا نہیں بلکہ نصیحت اور ہلکی پھلکی تنبیہ کا موضوع بن سکتا ہے۔ نجی زندگی میں ایسی متعدد چھوٹی موٹی باتیں ہوتی ہیں جو نمایاں نہیں ہوتیں اور جو فرد کی مسرتوں، تکالیف اور خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو قانون سازوں کے مقاصد کے برعکس ہوتی ہیں۔ اور شہریوں کے کردار کو متنوع اور ایک دوسرے سے مختلف بنا دیتی ہیں۔ یہ کسی ریاست کی ایک خامی ہے کیونکہ چھوٹی ہونے اور بار بار وقوع پذیر ہونے کے سبب انھیں تعزیری قوانین کے تحت لانا غیر مناسب اور معقولیت سے بعید ہوگا۔ اگر انھیں تعزیرات کا حصہ بنا دیا جائے تو یہ تحریری قانون کی تباہی ہوگی۔ کیونکہ انسان چھوٹے چھوٹے معاملات میں قوانین کی خلاف ورزی کر کے ہی قانون شکنی کا عادی ہو جاتا ہے انجام یہ ہوتا ہے کہ آپ ان کے بارے میں قانون سازی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس پر خاموش رہنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ میری باتیں کسی حد تک غیر واضح ہیں۔ اس لیے میں اپنے خیالات کو ذرا واضح اور روشن بنا کر پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے منظور ہے کہ میری باتوں میں وضاحت کی بہت کمی ہے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : میں کہتا ہوں کہ اچھی تعلیم وہی ہے جو جسم اور دماغ دونوں کی نشوونما کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کیا یہ بات درست نہیں ہے؟

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : سیدھی سادی بات یہ ہے کہ وہی جسم خوبصورت ترین ہوتے ہیں جن کی پرورش بہترین اور نیک ترین طریقے سے کی جاتی ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : کیا یہ بات ہمارے مشاہدے میں نہیں آتی کہ ہر ذی حیات شے کی پہلی کونپل بڑی بھرپور اور گنجائش والی ہوتی ہے؟ متعدد افراد پرزور طریقے سے یہ کہتے ہیں کہ پچیس سال کے نوجوان کا قد اس قد کا دگنا نہیں ہوتا جو اس کا پانچ سال میں تھا۔

کلینیاس: بات تو صحیح ہے۔

اجنبی : کیا ہمارے جسم میں لامتناہی عوارض کا سبب مناسب اور کافی ورزش کے بغیر اس کی تیزی سے نشوونما ہے؟

کلینیاس: اجنبی! کیا ہم نوزائیدہ بچوں پر اتنی زیادہ ورزش کا بوجھ ڈالیں گے؟

اجنبی: جی نہیں بلکہ ان بچوں کے جسم پر جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں۔

کلینیاس: عالی جناب! آپ کا کیا مطلب ہے! زمانۂ حمل کی نشوونما کے دوران۔

اجنبی: بالکل میرے لیے یہ حیران کن بات نہیں ہے کہ آپ نے ننھے منے وجود کے لیے اس انوکھی ورزش کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا ہے۔ اگرچہ یہ بڑی انوکھی بات ہے تاہم میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔

کلینیاس: ضرور ضرور۔

اجنبی: اس ورزش کا سمجھنا آپ کے لیے بہت زیادہ آسان ہے کیونکہ اس کا تعلق ان تماشوں سے ہے جو ہمارے ایتھنز میں بکثرت دکھائے جاتے ہیں صرف نوجوان نہیں بلکہ معمر حضرات کو بھی مرغ اور بٹیر پالنے کا شوق ہے جسے وہ لڑائی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ مقابلوں میں جب وہ انھیں لڑنے پر آمادہ کرتے ہیں تو یہ ورزش ان کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ انھیں (مرغ کو) اپنی بغلوں میں اور چھوٹے پرندوں (یعنی بٹیروں) کو اپنے ہاتھوں میں لیے نہ صرف اپنی بلکہ پرندوں کی صحت کے لیے کئی کئی میل سیر کرتے ہیں۔ اس سے وہ اس حقیقت کا ثبوت دیتے ہیں کہ تمام اجسام کو حرکت اور لرزش دینے سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ ان حرکتوں سے تھکن پیدا نہ ہو خواہ یہ حرکت کا ماخذ وہ خود ہوں یا ہلکورے ہوں۔ سمندر کی لہریں ہوں یا گھڑسواری ہو یا حرکت کرتا ہوا کوئی اور جسم ہو اس طرح کھانے پینے پر قابو پانے کے بعد وہ جسم کو توانا اور حسین بنا لیتے ہیں۔ چلیے یہ تسلیم کر لیں تو اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوگا؟ کیا ہم ایسا مضحکہ خیز قانون بنا ڈالیں کہ حاملہ خواتین خوب چہل قدمی کریں گی اور جنین کو مطلوبہ شکل میں ڈھالیں گی

جس طرح پگھلی ہوئی موم کو سانچوں میں ڈھالتے ہیں اور پیدائش کے بعد دو سال تک پٹیوں پر لپیٹ کر رکھیں گی؟ فرض کیجیے ہم بچے کی اناکو جرمانہ کی سزا مقرر کر کے مجبور کریں کہ وہ بچے کو گود میں لے کر اِدھر اُدھر خوب سیر کرائے۔ کبھی مندر میں، کبھی دیہی علاقوں میں یا عزیزوں کے گھروں پر اس وقت تک لے جاتی رہے جب تک کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق نہیں ہو جاتا۔ اسے یہ بھی احتیاط کرنی ہوگی کہ ان کے ہاتھ پاؤں غلط طرح سے وزن ڈالنے کے سبب ٹیڑھے نہ ہوں۔ وہ بچے کو گود میں رکھیں گی جب تک اس کی عمر تین سال کی نہیں ہو جاتی۔ بچے کی دایہ ایک نہیں بلکہ دو ہونی چاہئیں جو تندرست اور توانا ہوں۔ کیا یہی ہمارے ضابطے ہوں گے اور اس ضمن میں غفلت برتنے والوں پر جرمانہ کیا جائے گا؟ جی نہیں۔ بالکل نہیں۔ کیونکہ جس جرمانے کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ تر ہمارے ہی سر پڑے گا۔

کلینیاس: کیسا جرمانہ؟

اجنبی: تمسخر اڑانا۔ جس کی وجہ سے ایسی دایہ کی دستیابی مشکل ہوگی جن کے مزاج میں ملازم کی خصوصیات موجود ہوں۔

کلینیاس: اگر یہ بات ہے تو اس موضوع کو چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اجنبی: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آقاؤں، آزاد لوگوں کے کان میں ایسی باتیں پڑتی ہیں تو ان میں یہ یقین کلی پیدا ہو سکتا ہے کہ شہروں میں جب تک نجی زندگی میں باقاعدگی پیدا کیے بغیر نفاذ قانون میں استحکام ممکن نہیں ہوگا اور جو کوئی بھی ان مسائل پر غور کرے گا وہ مذکورہ قوانین پر خود بخود عملدرآمد کرنے لگے گا۔ اپنے حالات میں ترتیب پیدا کر کے پرمسرت زندگی بسر کرے گا۔

کلینیاس: ایسا ہو سکتا ہے۔

اجنبی: اس لیے اس وقت قانون سازی شروع کر دینی چاہیے جب ہم یہ طے کر لیں کہ بچوں کے لیے کس قسم کی روحانی ورزش درکار ہوگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے جسمانی ورزشوں کے قواعد کا ذکر کیا ہے۔

کلینیاس: بسر و چشم۔

اجنبی: چھوٹے بچوں کی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے لحاظ سے پہلا اُصول یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ بچوں کی

نگہداشت اور شب و روز ان کو سیر کرانا ان کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ وہ جتنے کم عمر ہوں گے اس کی انھیں اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی۔ شیر خوار بچوں کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ گویا وہ ہمیشہ سمندر کی لہروں کی گود میں رہتے ہیں دایہ خواتین کے تجربات اور اسی طرح کوری بینٹس (Corybantes) کی تندو تیز رقص والی رسوم سے علاج نے ہمیں یہی سبق سکھایا ہے، دیکھو نا جب بچہ بے چین ہو کر سونے پر آمادہ نہیں ہوتا تو ماں اسے گود میں لے کر ہلکورے دیتی ہے۔ اسے پُرسکون ماحول مہیا نہیں کرتی بلکہ گود میں لے کر میٹھی میٹھی لوریاں سناتی ہے۔ اسی طرح مدہوش خواتین کو ہوش میں لانے کے لیے رقص و سرود کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔ لیکن اجنبی یہ بتاؤ اس کی وجہ کیا ہے؟

اجنبی: وجہ تو صاف ظاہر ہے۔

کلینیاس: کس طرح؟

اجنبی: مدہوش خواتین اور بچوں دونوں کو ایک ہی طرح کا عارضہ لاحق ہے یعنی خوف کا جذبہ جو روح کی کسی بدعادت کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ جب بیرونی طور پر مشفقانہ جذبات کے ساتھ کوئی تحریک پیدا کی جاتی ہے تو بیرونی ماحول سے آنے والی حرکات داخلی خطرناک ہیجانات پر حاوی ہو جاتی ہیں اور روح میں سکون اور اطمینان کی کیفیت رونما ہو جاتی ہے اور دل کی بے چینی کو سکون مل جاتا ہے اسی بات کی ضرورت اور آرزو ہوتی ہے بچے کو نیند آ جاتی ہے اور مدہوش خواتین اگرچہ جاگتی رہتی ہیں مگر دیوتا کے فضل سے محو رقص و سرود رہتی ہیں اور اس کے حضور قربانی پیش کرتی ہیں۔ ان کے ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں اور جنونی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ میں اپنی بات کو اسی ایک جملے پر ختم کر دوں گا کہ اس علاج کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: لیکن اگر خوف اتنا مؤثر ہوتا تو ہم ان حقائق سے یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہر ذی روح جو جوانی سے آگے خوف سے آشنا ہوتا ہے وہ مزید ڈرے گا اور ہر ایک اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اس طرح بزدلی کی عادت راسخ ہوگی، شجاعت کی نہیں۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی: دوسری جانب جوانی اوراس سے آگے خوف اور دہشت پر قابو پانے کی عادت کو حوصلہ مندی کا عملی مظاہرہ سمجھا جائے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی: ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے ابتدائی ایام میں ورزش اور حرکت کا استعمال روح میں نیکی پیدا کرنے میں بڑی حد تک ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

کلینیاس: بات بالکل درست ہے۔

اجنبی: مزید برآں خوش مزاجی یا گرم مزاجی کا تعلق جوش وجذبے یا دوسری جانب بزدلی سے ہوسکتا ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی :۔ ایک عام رائے یہ ہے کہ تعیش نوجوانوں کے مزاج میں بے اطمینانی اور تندی پیدا کرتا ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جوش میں آجاتے ہیں۔دوسری جانب طبیعت میں غلامی کی عادت کی کثرت اور رشوت انسانوں کو کمینہ اور پست فطرت بنا دیتی ہے۔ وہ ذلیل ہو جاتے ہیں اور دوسرے انسانوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں اوراس طرح وہ شایان صحبت نہیں رہ جاتے۔

کلینیاس: لیکن ریاست ان افراد کو کس طرح تعلیم دے سکتی ہے جو ابھی تک ملکی زبان سے نا آشنا ہیں۔اس لیے کسی قسم کا تعلیمی مواد ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے؟

اجنبی : میں بتاتا ہوں کس طرح ہوسکتا ہے۔ ہر جانور جو پیدا ہوتا ہے کسی نہ کسی قسم کی آواز نکالتا ہے خصوصاً انسان جو دیگر جانوروں سے بڑھ کر رونے پر قادر ہوتا ہے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی: کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بچوں کی دایہ ان ہی علامتوں کے بنا پران کی خواہشات کا پتا چلاتی ہیں؟ جب بچے کو کوئی شے دی جائے اور وہ چپ چاپ رہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ خوش ہے۔لیکن جب وہ روتا چیختا ہے تو وہ ناخوش ہے۔ کیوں کہ رونا اور آنسو ہی وہ علامتیں ہیں جن سے بچہ اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کرتا ہے۔ وہ تین سال کی عمر تک اسی طریق کار پر کار بند رہتا ہے جو اس کی زندگی کا اچھا خاصہ حصہ ہے جسے وہ خوشی یا درد سے گزار دیتا ہے۔

کلینیاس: بات تو درست ہے۔

اجنبی: کیا آپ کو بے اطمینانی اور بے مہری کے شکار افراد اچھے آدمیوں کی نسبت کہیں زیادہ آہ وزاری اور رنج وافسوس میں ضرورت سے زیادہ مبتلا نظر نہیں آتے؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: لیکن اگر ان برسوں کی مدت میں یہ کوشش کی جائے کہ ہمارے ننھے منے بچوں کو رنج، خوف اور عام قسم کی تکالیف سے کم سے کم واسطہ پڑے تو کیا ہمیں یہ توقع نہیں ہوگی کہ آغاز طفولیت ہی میں اس کی روح کریم النفس اور ہشاش بشاش نہیں ہو جائے گی؟

کلینیاس: اجنبی دوست یقیناً ایسا ہی ہوگا خصوصاً جب اسے طرح طرح کی خوشیاں فراہم ہوں۔

اجنبی: میرے دوست کلینیاس! آپ کی اس بات سے مجھے اتفاق نہیں۔ آپ نے یہ کیا کہہ دیا اس نہج پر اس کی پرورش اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی کیونکہ یہ ابتدائی دور ہی تو تعلیم وتربیت کے لیے بڑا اہم زمانہ ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ میری یہ بات کہاں تک درست ہے۔

کلینیاس: جی بتایئے!

اجنبی: جس نکتے پر میرا اور آپ کا اختلاف ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اور مجی لس ہمیں کسی فیصلے تک پہنچنے میں معاونت کریں۔ کیونکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ اصل زندگی نہ صرف خوشیوں کی تلاش میں مصروف رہے اور نہ ہی دوسری جانب غم سے یکسر نا آشنا رہے بلکہ اسے درمیان کی کیفیت کا حامل ہونا چاہیے۔ یعنی جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے وہ بامروت اور فائدہ مند ہو۔ یہی کیفیت ہے جسے ہم کسی نیک شگون کے طفیل دیوتا سے منسوب کرنے میں حق بجانب ہیں۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جو لوگ علوم دینیہ کے ماہر ہیں انھیں بھی اس وسطی راہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ اسے مسرتوں کے پیچھے آنکھ بند کر کے بھاگنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ وہ تکلیف سے آزاد نہیں ہو سکے گا۔ اور ہمیں کسی کو خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، اس طرح زندگی گزارنے نہیں دینا چاہیے۔ خصوصاً نوزائیدہ بچوں کو کیونکہ کسی اور زمانے میں نہیں بلکہ ایام طفولیت ہی میں کردار پر عادات کے نقوش ثبت ہوتے ہیں۔ اگر آپ میری باتوں کی ہنسی نہ اڑائیں تو حاملہ عورت کی دیگر عورتوں سے کہیں زیادہ احتیاط سے نگہداشت کی ضرورت ہے۔ اسے زیادہ اور سخت خوشیوں اور غموں سے بچا کر رکھا جائے۔ اس زمانے میں اسے اپنی ذات میں نرم مزاجی، سیر چشمی اور شفقت

کے جذبات کو پروان چڑھانا چاہیے۔

کلینیاس : اجنبی آپ کومجی لس سے یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس نے ہم سے کہیں زیادہ کھری کھری باتیں کی ہیں۔ کیونکہ مجھے یہ تسلیم ہے کہ ہرفرد بشر کو ایسی زندگی سے اجتناب برتنا چاہیے جس میں خوشی یا رنج کی ملاوٹ نہ ہو۔ اور ہمیشہ درمیانی راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے۔ آپ نے باتیں اچھی کی ہیں۔ کیا میں اتنا اضافہ نہ کروں کہ آپ کو ان کے جواب بھی اچھے ہی ملے ہیں؟

اجنبی: کلینیاس بہت خوب۔ آیئے ہم تینوں ایک اور نکتے کو زیر غور لائیں۔

کلینیاس: وہ کیا ہے۔

اجنبی : وہ تمام امور جن کا اب تک ہم نے تذکرہ کیا ہے انھیں غیر تحریری رسوم کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جنھیں ہم اپنے اجداد کے قوانین کہتے ہیں ان کی نوعیت ایسی ہی ہے ہمارے ذہن میں حال ہی میں یہ جائز خیال پیدا ہوا ہے کہ ہم انھیں نہ تو قانون کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے ذکر سے باز آ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ پوری مملکت کے لیے رابطے کا کام دیتے ہیں اور ان تحریری قوانین کے درمیان آتے ہیں جو نافذ العمل ہیں یا آیندہ ہوں گے۔ یہ محض نہایت قدیم آبائی رسومات ہیں جن کو اگر مناسب طور پر مرتب کیا جائے اور دائمی بنا دیا جائے تو یہ ماضی کے تحریری قوانین کی حفاظت کرتے ہیں اور انھیں استحکام بخشتے ہیں۔ لیکن اگر وہ راہ راست سے دور کر دیے جائیں اور افراتفری کا شکار ہو جائیں تو ان کی حیثیت معماروں کے اس ستون کی ہو جاتی ہے جو اپنی جگہ سے ہٹ کر عظیم تباہی کا باعث بنتا ہے۔ ایک حصہ دوسرے کو گھسیٹ لیتا ہے اور عمارت ملبے کا ڈھیر بن جاتی ہے کیونکہ پرانی بنیاد بودی ثابت ہوتی ہے۔ کلینیاس اس بات پر غور کریں تو ضروری ہوگا کہ ہم نئی ریاست کی طرح شیرازہ بندی کریں۔ کسی شے کو خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، قوانین ہوں، رسوم ہوں، اشغال ہوں کبھی نظر انداز نہ کریں کیونکہ ان ہی کے ذریعے ریاست باہم مربوط ہوتی ہے اور یہ تمام اشیا اسی وقت دوام حاصل کرتی ہیں جب وہ ایک دوسرے پر منحصر ہوتی ہیں۔ اسی لیے ہمیں اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ بے شمار بظاہر حقیر و کم حیثیت رسوم اور معمولات قانون کے زنبیل سے دھڑا دھڑ باہر نکلتی رہتی ہیں۔

کلینیاس: بہت خوب ہمیں آپ سے اتفاق ہے۔

اجنبی: اگر تین سال کی عمر تک خواہ وہ بچہ ہو یا بچی کوئی فرد ہمارے بیان کردہ ضوابط پر سختی سے کاربند رہتا ہے اور اسے اپنا اوّلین مقصد بنا لیتا ہے تو وہ اس ننھے بچے کے مفاد کے لیے بہت اہم کام سرانجام دے رہا ہے۔ لیکن تین، چار، پانچ بلکہ چھ سال تک عادت میں بچپنا موجود رہتا ہے اس لیے بچے کو کھیل کود کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب آپ اس کی خود پسندی سے دامن چھڑا سکتے ہیں۔ اسے ایسی سزادیں جو اس کی انا کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ ہم غلاموں کا ذکر کر رہے تھے کہ ہم سزا میں اس کی ایسی ہتک نہ کریں کہ وہ غیض میں آجائے اور نہ ہی ان کو سزا دیے بغیر ہی چھوڑیں کہ وہ خودسر ہو جائیں۔ آزادی میں پیدا ہونے والوں کے لیے بھی اس اصول پر عمل پیرا رہنا ہوگا۔ اس عمر کے بچوں میں تفریح کے حصول کے فطری تقاضے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مل کر خود معلوم کر لیتے ہیں۔ تین سال سے لے کر چھ سال کے تمام بچوں کو گاؤں کی عبادت گاہوں میں جمع کر دیا جائے۔ اس سے گاؤں کے متعدد خاندان یکجا ہو جائیں گے۔ آیا ؤں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ بچوں پر نظر رکھیں وہ قاعدے اور سلیقے سے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ وہ اور ان کی تمام جماعتیں بارہ منتظم (وارڈن) خواتین کی نگرانی میں ہوں گی جو ہر جماعت کے لیے ایک نگران ہوگی۔ اس کا انتظام ہر سال ان خواتین میں سے کیا جائے گا جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے (یعنی وہ خواتین جنھیں شادی بیاہ کا اختیار حاصل ہے) اور جنھیں قانون کے محافظ مقرر کریں گے۔ ان منتظمین کا انتخاب وہ خواتین کریں گی جنھیں شادی بیاہ کا اختیار حاصل ہے اور ان کا تعلق انفرادی طور پر ایک ایک قبائل سے ہوگا ان سب کی عمر یکساں ہوگی۔ منتخب ہوتے ہی یہ روزانہ عبادت گاہوں کا دورہ کریں گی اور تمام مردانہ اور زنانہ مجرموں کو جو غلام اور غیر ملکی ہوں گے سزادیں گی۔ جس میں سرکاری غلام ان کی اعانت کریں گے۔ لیکن اگر کسی شہری کو اس سزا پر اعتراض ہوگا تو وہ اسے ریاست کے وارڈنوں کے سامنے پیش کرے گا اور اگر اعتراض نہیں ہوگا تو وہ خود اسے سزادے گی۔ چھ سال کی عمر کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ کر دیا جائے گا۔ بچے بچوں کے ہمراہ رہیں اور اسی طرح بچیاں بچیوں کے ساتھ۔ اب ان کی تربیت شروع ہوگی۔ بچوں کو گھڑسواری، تیراندازی، نیزہ بازی، غلیل چلانے کے استادوں کے سپرد کر دیا جائے گا یہ تربیت اگر اعتراض نہ ہو تو بچیوں کو بھی دی جائے گی تاکہ وہ اسلحہ خاص طور پر بھاری اسلحہ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ

مروجہ رواج کے بارے میں بڑے پیمانے پر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔

کلینیاس : کس لحاظ سے؟

اجنبی : اس لحاظ سے کہ انسان کے دائیں اور بائیں ہاتھ کو قدرت نے مختلف کاموں کے لیے تخلیق کیا ہے۔ حالانکہ پیروں اور دیگر نچلے اعضا میں ایسا کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ لیکن ہاتھوں کے استعمال کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیاؤں اور ماؤں کی حماقتوں نے ہمیں تقریباً اپاہج بنا دیا ہے۔ اگرچہ قدرت نے ہمارے اعضا میں توازن رکھا ہے لیکن ہم نے اپنی بدخصلتی کے باعث ان میں تفریق پیدا کردی ہے۔ چند معاملوں میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، مثلاً رباب بجاتے وقت ہم رباب کو بائیں ہاتھ میں اور مضراب کو دائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔ لیکن دیگر امور میں اس طرح کا امتیاز پیدا کرنا صریحاً حماقت ہوگی سائتھی باشندوں کی رسوم سے ہماری غلطی واضح ہوجاتی ہے کیونکہ وہ کمان نہ صرف بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور تیر کو دائیں ہاتھ سے ترکش سے نکالتے ہیں بلکہ وہ ہاتھوں کی اس ترتیب کو بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کی متعدد مثالیں رتھ چلانے وغیرہ میں نظر آتی ہیں۔ جس سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو لوگ بائیں بازو کو دائیں سے کمزور تر بناتے ہیں وہ فطرت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جہاں تک مضراب کا جو ہڈی سے بنایا جاتا ہے یا دیگر ایسے ہی عنائی آلات کا تعلق ہے جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ ہوسکتا ہے یہ عادت ان جنگ آزماؤں کے لیے اہم ہو جو فولادی اسلحہ، کمان، نیزہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت جب وہ بھاری بھرکم زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح تربیت یافتہ فرد اور غیر تربیت یافتہ فرد اور ورزش اور کشتی کے فن کی تربیت پانے والے اور تربیت نہ پانے والوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ جو شخص یونانی مکابازی اور کشتی کا ماہر ہوتا ہے وہ بائیں جانب سے مقابلہ کرنے کے ناقابل نہیں ہوتا اور جب اس کا مدمقابل اسے اپنا پہلو بدلنے پر مجبور کرتا ہے تو وہ نہ لنگڑاتا ہے اور نہ ہی لڑکھڑاتا ہے۔ یہی حال بھاری اسلحہ سے جنگ اور دیگر امور میں اس کا ہوتا ہے۔ میں اگر غلطی پر نہیں ہوں تو یہ بات بڑی مناسب ہے کہ جسے حملہ اور دفاع دونوں قوتیں حاصل ہیں اسے چاہیے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اگر ہوسکے تو غیر مستعمل یا غیر تربیت یافتہ نہ رکھے۔ اگر کسی کا مزاج دیوہیکل جیریون (Geryon) یا بریئریئس (Briareus)

جیسا ہو اور وہ اپنے سو ہاتھوں سے تیر پھینکنے پر قادر ہو۔ عدالتی عہدیداروں کو خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ان تمام امور پر نظر رکھنی چاہیے۔ عورتوں کو جو بچوں کی نگہداشت اور تفریح کی ذمہ دار ہیں اور ان کی تعلیم کے ذمہ دار مردوں کو چاہیے کہ وہ بچوں اور بچیوں کے ہاتھ پاؤں کو صحت مند اور توانا رکھیں اور فطرت کے اس عطیے کو بد خصلتی سے ضائع نہ ہونے دیں۔

تعلیم کی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک کا تعلق ورزش یعنی جسم سے اور دوسری کا موسیقی یعنی روح کی نشوونما سے ہوتا ہے اور ورزش کی بھی دو اقسام ہوتی ہیں رقص اور کشتی۔ ایک قسم کے رقص میں موسیقی کے ساتھ نظم خوانی کی نقل کی جاتی ہے جس کا مقصد حرمت اور حریت کا حصول ہوتا ہے۔ دوسرا تمام اعضا کی صحت، مستعدی اور حسن پر توجہ دیتا ہے جس سے ان میں لچک اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ مربوط قسم کی حرکت ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ جو رقص کے ساتھ سنگت کرتی ہے کشتی کے معاملے میں یوں سمجھ لیجیے کہ اینٹیئس (Antaeus) اور سرکیان (Cercyon) کے سکھائے ہوئے داؤ پیچ صرف مقابلوں میں ہی کارآمد ہو سکتے ہیں یا اپیئس (Epeius) یا ایمیکس (Amycus) نے باکسنگ کے جو داؤ بتائے ہیں وہ بھی بے نتیجہ ہی ہوتے ہیں اور جنگ کے لیے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ اس لیے اس لائق نہیں کہ ان پر زیادہ باتیں کی جائیں۔ کشتی کے فن میں ضروری ہے کہ لڑتے وقت آدمی سیدھا کھڑا رہے اور گردن، ہاتھ اور پہلو کو آزاد رکھ کر بڑے اطمینان سے پورا زور استقلال کے ساتھ صرف کرے۔ یہ طریقہ ہمیشہ مفید رہے گا جسے نظر انداز کرنے کی ضرورت نہیں اور جب اس پر قابو پایا جائے تو وہ آقاؤں اور عالموں پر یکساں لاگو ہوگا۔ ہم چاہیں گے کہ ہدایت بلا روک ٹوک دی جائے اور اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے۔ مزید برآں ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے کورسوں میں جنگ کی موزوں نقل کریں۔ کریٹ میں کیوریٹس (Curetes) کے رقص اسلحہ کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ لیسی ڈیمون کے لوگ ڈائیوسکیوری (Dioscuri) کا رقص اس طرح مسلح ہو کر کرتے ہیں اور ہماری کنواری دیوی نے رقص کا لطف اٹھانے کے لیے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ کھلے ہاتھوں کے ساتھ رقص کرے اس لیے اس نے زرّہ بکتر پہن کر رقص شروع کر دیا۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ رقص میں دیوی کی نقل کریں تا کہ جنگ اور عام تہواروں کے سلسلے میں وہ اس کی عنایتوں سے سرفراز ہوں۔ یہ رقص لڑکوں کے لیے بھی اس وقت

تک کارآمد رہے گا جب تک وہ عازم جنگ نہیں ہوتے۔ جلوس نہیں نکالتے، صف بستہ ہوکر تمام دیوتاؤں کے حضور مناجات نہیں کرتے۔ وہ مسلح ہوکر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ تیز یا سست رفتار رقص میں شرکت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ دیوتاؤں اور ان کی آل اولاد کے حضور دعاؤں کا نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں اور اسی مقصد کے تحت مختلف مقابلوں یا مقابلوں کی تیاریوں میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ اس نوع کی مشقیں جنگ و امن ہر زمانے میں مفید ہوتی ہیں۔ اور ریاست اور فرد دونوں اس سے مستفید ہوتے ہیں لیکن میرے دوست مجی لس اور کلینیاس دیگر مشقیں، کھیل اور ورزش آزاد بندوں کے شایان شان نہیں ہوتیں۔

میں نے وہ ورزشیں وضاحت کے ساتھ بیان کردی ہیں جیسے میں نے آغاز میں کہا تھا کہ جن کا بیان کرنا ضروری ہوگا۔ اگر آپ کے ذہن میں اس سے بہتر تجویز ہو تو مہربانی فرما کر اسے ضرور بتادیجیے۔

کلینیاس: میرے اجنبی دوست آپ نے ورزش اور کشتی کے جو اصول بیان کیے ہیں ان کو ایک طرف رکھ کر اس سے بہتر تجویز دینا بہت مشکل ہے۔

اجنبی: وقت آگیا ہے کہ ہم فنون کی دلیری اور اپالو دیوتا کی بخشش کا ذکر کریں جواب تک نہیں ہوا۔ سوائے ورزش کے ہر اس شے کی بات کی جو ہمارے تصور میں آئی تھی۔ اب ہم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ کون کون سے نکات پر ہم نے توجہ نہیں دی ہے لیکن جن کا پہلے ذکر آنا چاہیے تھا آیئے ان کا تذکرہ شروع کریں۔

کلینیاس: بسر و چشم۔

اجنبی: ایک بار پھر میں آپ کو بتاتا چلوں حالانکہ آپ مجھ سے یہ سب کچھ سن چکے ہیں اگر کوئی بات غیر معمولی یا انوکھی ہو تو اس کے بارے میں کہنے اور سننے والے دونوں کو محتاط رہنا چاہیے۔ اب میں جو بات کہنے والا ہوں بس کم لوگ اسے بیان کرنے کی جرأت کریں گے۔ تاہم میں پورے اعتماد سے یہ بات بتاؤں گا۔

کلینیاس: اجنبی آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی: میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کسی مملکت میں بھی کسی فرد نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ بچوں کے کھیل کا تعلق بڑی

حد تک قانون سازی میں استقلال یا استقلال کی ضرورت پر ہوتا ہے۔ جب بچوں کے کھیل اس نقطۂ نظر سے منعقد کیے جاتے ہیں کہ وہ سب کے لیے یکساں ہوں اور تحصیل تفریح کا طریقہ بھی ایک ہی جیسا ہونا چاہیے۔ ایک ہی طرح کے کھلونے ایک ہی جیسی مسرت کا سامان فراہم کریں۔ اور ریاست کے متین اور سنجیدہ ادارے متاثر نہ ہوں۔ تاہم اگر کھیلوں میں تغیرات پیدا کیے جائیں اور ان میں جدتیں پیدا کریں بلکہ ہر دم ان میں نئی نئی باتیں شامل کرتے رہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے ان کو پسند نہیں کرتے اور ان کے اچھے یا برے ہونے کا تصور بدلتا رہتا ہے جس کا تعلق جسم کے مختلف اعضا سے بھی ہوتا ہے اور کھیل کے لباسوں سے بھی۔ لیکن جو لوگ جدت طرازی سے کام لیتے ہیں حرکات کے انداز اور رنگ میں دوراز کار تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں انھیں بہت زیادہ سراہا جاتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی ریاست میں اس سے بدتر اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص کھیلوں میں تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ گویا غیر محسوس طور پر ان کے کام کرنے کے ڈھنگ پر اثر پڑتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کی نظر میں بزرگوں کی تذلیل اور نوجوانوں کی توقیر ہو۔ میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ کسی مملکت کے لیے اس سے زیادہ مضرت رساں اور کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ یہ سننا چاہیں گے کہ اس خرابی کا نقصان کتنا زیادہ ہوتا ہے؟

کلینیاس : آپ کا مطلب یہی ہے نا کہ مملکت میں قدامت کو مورد الزام گرداننا؟

اجنبی : بالکل۔

کلینیاس : آپ اگر اسی کی بات کر رہے ہیں تو ہم آپ کے ایسے سامع بنیں گے جو آپ کی بات کو پوری توجہ اور ہمدردی سے سنیں گے۔ رواروی میں نہیں۔

اجنبی : مجھے آپ لوگوں سے یہی توقع ہے۔

کلینیاس : ہم ہمہ تن گوش ہیں۔

اجنبی : بہت خوب ہمیں چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کی باتوں پر زیادہ توجہ دیں۔ اس دلیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ برائی کے سوا دیگر امور کی ہر تبدیلی سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ یہ امر موسموں، ہواؤں، بدن کی دیکھ بھال اور ذہن کے خوگر ہونے وغیرہ کے لیے مفید ہوتا ہے سوائے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ برائیوں کے لیے جو لوگ ایسے افراد کی جسمانی ساخت پر نظر رکھتے ہیں

جو خاص قسم کے گوشت، خاص قسم کے مشروبات، خاص قسم کے کام کی عادی ہوتی ہے۔ لیکن آغاز میں جسمانی ساخت اسے قبول نہیں کرتی لیکن رفتہ رفتہ عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ تغیرات سے لطف اندوز ہونے لگتے ہیں اور صحت منداور پرمسرت زندگی کی عادی ہو جاتی ہے۔ لیکن بعد میں اگر انھیں مزید بہتر خوراک ملنے لگے تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں اور بڑی مشکل سے اس کے عادی بنتے ہیں۔ اسی طرح کے اصول کا اطلاق انسانی ذہن اور روح پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب وہ چند قوانین کے تحت زندگی گزارتے ہیں اور غیبی مشیت کے سبب ان میں کوئی تبدیلی ازمنۂ قدیم سے رونما نہیں ہوئی اور کسی کو نہ حقیقتاً اور نہ ہی روئیتاً یہ یاد رہا کہ ان کی کبھی کوئی اور بھی صورت رہی ہو گی۔ اسی لیے ان میں ترمیم کرنے سے ہر شخص خائف رہتا ہے اور شرمندہ بھی تاہم قانون ساز کو کوئی ایسا طریقہ وضع کرنا ہوگا تاکہ ماضی کے احترام کا رشتہ مستحکم تر ہو۔ اس ضمن میں میری ایک تجویز ہے جو درج ذیل ہے:

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے کھیلوں میں تبدیلی محض کھیل ہوتی ہے ان کی نظر اس حقیقت پر نہیں جاتی کہ اس تبدیلی کے نتائج کتنے تباہ کن ہوتے ہیں وہ بچے کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اسے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ بات ان کی عقل میں نہیں آتی کہ یہی بچے جو اپنے کھیلوں میں تبدیلی لاتے ہیں تو بڑے ہو کر وہ اپنی نسل کے بچوں سے جو جوان ہو چکے ہوں گے، یکسر مختلف ہوں گے اور اس اختلاف کی بنا پر وہ ایک دوسری قسم کی زندگی کے تمنائی ہوں گے اور اس خواہش کے زیر اثر وہ دوسرے ادارے اور قوانین کے متمنی بن جائیں گے اور کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اس طرح مملکت میں کیسی کیسی خرابیاں رونما ہوں گی۔ جسمانی طور طریقوں میں تبدیلیاں اتنی زیادہ نقصان دہ نہیں ہوتیں لیکن ان تغیرات کی کبھی تعریف اور کبھی برائی سب سے بڑی خرابی ہوتی ہے جس کے لیے بڑی عاقبت اندیشی درکار ہوتی ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : کیا ہم اب بھی اپنی اسی رائے پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ تال اور سُر عام طور پر انسانوں میں اچھے اور بُرے کرداروں کی نقل ہوتے ہیں؟ آپ کی کیا رائے ہے۔

کلینیاس : یہ اکلوتا اصول ہے جو ہمارے لیے لائق تسلیم ہے۔

اجنبی : کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو موسیقی اور رقص میں جدت طرازیوں سے باز رکھیں؟ اور کسی کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ انھیں انواع واقسام کی مسرتیں پیش کرے۔

کلینیاس : بجاارشاد۔

اجنبی : کیا کسی کو اس مقصد کے حصول کا مصریوں سے بہتر طریقے کا علم ہے؟

کلینیاس : ان کا کیا طریقہ ہے؟

اجنبی : وہ ہر قسم کے رقص وسرود کو دیوتاؤں سے منسوب کر کے مقدس بنا دیتے ہیں۔ پہلے ہمیں جشن کے انعقاد کا حکم دینا ہوگا۔ حساب لگا کر یہ طے کرنا ہوگا کہ ان جشنوں اور تہواروں کا موسم کیا ہوگا۔ وقت کیا ہوگا اور کس دیوتا یا دیوتا کی اولاد یا سورماؤں سے منسوب کیا جائے گا۔ جن کا جشن منانا ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ قربانی کے وقت کیسے اور کتنے مذہبی گیت گائے جائیں گے اور ان کے ساتھ کس قسم کے رقص ہوں گے۔ ابتدا میں اس بات کا فیصلہ چند افراد کریں گے اور جب یہ طے ہو جائے گا تو پھر تمام آبادی قربانی اور قسمت کی دیوی اور دیگر تمام دیوتاؤں کو ایک ایک گھونٹ شراب کی نذر پیش کرنے میں شرکت کرے گی اور متعدد گیتوں کو دریاؤں اور سورماؤں سے منسوب کر کے مقدس بنائے گی اور کوئی شخص کسی ایک دیوتا کو کسی دوسری قسم کے گیت یا رقص کا نذرانہ پیش کرے گا تو پجاری اور پجارنیں قانون کے محافظوں کے تعاون اور مذہبی احکامات کی رو سے اسے جشن سے باہر نکال دیں گے اور اگر نکالا ہوا شخص حکم عدولی جاری رکھتا ہے تو وہ تمام عمر اس خطرے سے دوچار رہے گا کہ کوئی شہری کسی وقت بھی اس کے خلاف عقیدے سے انحراف کا مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔

کلینیاس : یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

اجنبی : اس موضوع پر غور کرتے وقت ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو یاد رکھنا چاہیے۔

کلینیاس : آپ کا اشارہ کس جانب ہے؟

اجنبی : میرا مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان ہو یا عمر رسیدہ جب وہ کوئی نئی یا انوکھی بات دیکھتا یا سنتا ہے تو وہ دوڑ کر فوراً اسے تسلیم نہیں کر لیتا بلکہ یوں شش وپنج میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسے وہ کسی تین راہے پر کھڑا ہو۔ اسے درست راہ کی پہچان نہ ہو۔ وہ تنہا بھی ہو سکتا ہے اور دوسروں کے ہمراہ بھی۔ وہ خود سے

اور دوسروں سے یہی کہے گا کہ "جانا کدھر ہے" اور اس وقت تک قدم نہیں اٹھائے گا جب تک اسے یقین نہ ہو جائے کہ صحیح راستہ کون سا ہے۔ موجودہ مثال میں ہمیں یہی کچھ کرنا ہے۔ قانون کے موضوع پر یہ انوکھی گفتگو شروع ہو چکی ہے۔ جس پر بڑی احتیاط سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور ہم عمر کے جس مرحلے میں ہیں وہاں ایسے امور پر فوری رائے زنی سے گریز کرنا چاہیے اور نہ ہی ہمیں یہ اعتماد ہونا چاہیے کہ ہم جس موضوع پر چاہیں فوری طور پر پختہ رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : اس لیے ہمیں غور کے لیے فرصت درکار ہوگی اور اس کے بعد ہم کسی فیصلے پر پہنچ سکیں گے۔ اپنے قوانین کی فطری ترتیب میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرنے کی غرض سے ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی ترتیب کا جلدی سے فیصلہ کریں کیونکہ دیوتا کی مرضی ہوئی تو اس کی تشریح کے سبب ہماری موجودہ ذہنی الجھن واضح تر ہو جائے گی۔

کلینیاس : اجنبی یہ تو بڑی زبردست بات ہے۔ آپ کی تجویز پر ہمیں عمل کرنا چاہیے۔

اجنبی : اب ہم اس بعید از قیاس بات کا اعتراف کریں گے کہ ہمارے قوانین دراصل ہماری موسیقی کے مختلف انداز ہی ہوتے ہیں اور ثانی الذکر وہ نام ہے جو قانون نے عاشقانہ گیتوں کو دیا ہے۔ انھیں اس لفظ کے موجودہ استعمال پر کوئی خاص اعتراض نہیں ہوا ہوگا (ایک ساز کا نام بھی قانون ہے) کسی شخص کو خواہ وہ سو رہا ہو یا جاگ رہا ہو۔ اس کی نوعیت کا خوابناک سا احساس رہتا ہے۔ ہمارا فیصلہ یوں ہوگا:

رقص و سرود میں کوئی شخص سرکاری اور مقدس معیاروں اور نوجوانوں میں مروجہ طریق کار کی اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرے گا جس طرح وہ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اور جو اس قانون پر عملدرآمد کرتا ہے اس پر کوئی الزام عائد نہیں ہوگا لیکن جو قانون کے تابع نہیں ہوگا جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اسے قانون کے محافظ اور پجاری اور پجارنیں سزا دیں گے فرض کیجیے یہ قانون ہمارے یہاں بھی عائد ہو جاتا ہے۔

کلینیاس : بڑا اچھا ہوگا۔

اجنبی : جو ایسا قانون تیار کرے گا کیا وہ تضحیک کا نشانہ نہیں بنے گا۔ آیئے اس پر غور کرتے ہیں۔ ہماری

سلامتی صرف اس بات پر منحصر ہو گی کہ ہم نغمے ترتیب دینے والوں کے لیے چند نمونے طے کر لیں۔ ایک نمونہ اس طرح ہو گا۔ اگر کہیں قربانی کی رسم جاری ہو اور قانون کے مطابق مجرم کو نذر آتش کیا جا رہا ہو لیکن اگر کوئی آدمی جو بیٹا یا بیٹی یا بھائی ہو اور قربان گاہ پر دوسروں کے ساتھ کھڑا ہو اور مقدس رسوم پر آواز بلند لعنت ملامت کر رہا ہو تو کیا اس کے الفاظ سے سامعین کے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ کیا وہ الفاظ اس کے والد اور دیگر اعزا میں بدشگونی اور بداندیشی کے جذبات پیدا نہیں کریں گے؟

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : ایسے واقعات ہمارے تمام شہروں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ عدالتی عہدیدار قربانی پیش کرتا ہے۔ اسی لمحے کورس گانے والوں کی متعدد جماعتیں قربان گاہ کے قریب آ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور وقفے وقفے سے مقدس رسوم کے خلاف ناپاک الفاظ منہ سے نکالتے رہتے ہیں۔ اور ایسے الفاظ، تال اور گیتوں کے ذریعے سامعین کی روح کو بے چینی میں مبتلا کر دیتے ہیں جن کا سننا بھی المناک ہوتا ہے۔ قربانی کی ان رسوم کے وقت جو شخص شہریوں کو سب سے زیادہ رلاتا ہے وہی انعام کا مستحق گنا جاتا ہے۔ کیا ہمیں موسیقی کے اس انداز پر پابندی نہیں لگانی چاہیے؟ اور اگر کبھی ہمارے شہری کے لیے اس طرح کی آہ و زاری سننا ضروری ہو تو کسی منحوس اور ناپاک دن غیر ملکی اور کرایہ کے موسیقاروں کے کورس کا اہتمام کیا جائے بالکل اسی طرح جس طرح وحشی کیری (Carian) کے جنازوں کے ساتھ کرایہ کے نوحہ گر گاتے بجاتے ہیں۔ اگر موسیقی کا یہ انداز ضروری ہو تو یہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔ موسیقار جو لباس پہنیں اس میں انگوٹھی، چھلے، کمر بند اور سونے کے زیور نہیں بلکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔ اس موضوع پر بہت کچھ کہا سنا جا چکا ہے۔ میں ایک بار پھر یہ پوچھوں گا کہ کیا ہم کسی مرکزی گیت کا فیصلہ کر لیں؟

کلینیاس : کیا مطلب ؟

اجنبی : یعنی ہم بدشگونی کا لفظ منہ سے نہ نکالیں۔ نیک شگون والے گیت ہی چاروں طرف گونجتے رہنا چاہئیں مجھے دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔

کلینیاس : بسر و چشم۔ یہ قانون تو ہم سب نے منظور کیا ہے۔

اجنبی : موسیقی کے لیے اب ہمارا قانون یا اندازہ کیا ہوگا ؟ کیا یہ ضروری نہیں ہوگا کہ قربانی کے وقت دیوتاؤں کے حضور دعا اور مناجات کی جائے؟

کلینیاس : کیوں نہیں۔ضرور۔

اجنبی : جہاں تک ہمارے تیسرے قانون کا تعلق ہے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم اپنے شعرا کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں کہ دعا اصل میں ایک درخواست ہے جو دیوتاؤں سے کی جاتی ہے۔اس لیے انھیں سہواً بھی کسی کی برائی نہیں چاہنی چاہیے بلکہ ہمیشہ بھلائی کا ہی ذکر کرنا چاہیے۔اس طرح کی دعا بہت ہی مضحکہ خیز ہوگی۔

کلینیاس : بات درست ہے۔

اجنبی: تھوڑی دیر قبل کیا ہم یہ بات تسلیم نہیں کر چکے ہیں کہ ہماری مملکت میں سونے یا چاندی کے کسی پجاری کی کوئی گنجایش نہیں ہوگی؟

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : آخر ہماری اس دلیل کا مقصد کیا تھا؟ کیا ہمارا یہ مطلب نہیں تھا کہ شعرا کو ہمیشہ اچھے اور برے کی تمیز نہیں ہوتی۔اگر ان سے کوئی غلط قسم کا دعائیہ گیت کہے تو ہمارے شہری اہم امور میں وہی دعا گائیں گے جو نیکی کے برعکس ہوگی۔اس سے بڑھ کر اور کون سی غلطی ہوسکتی ہے۔کیا ہمیں موسیقی کی دیویوں کے لحاظ سے ایک خصوصی قانون تجویز نہیں کرنا ہوگا؟

کلینیاس : کیا فرمایا۔یہ قانون کیسا ہوگا؟ ذرا تفصیل سے بتائیے۔

اجنبی : کیا ہم ایسا قانون تشکیل دیں جس کے تحت شعرا کو پابند بنا دیا جائے کہ وہ جائز یا عادلانہ یا خوبصورت، یا معیاری خیالات کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے جن کی مملکت میں اجازت ہے؟ اس کے علاوہ اسے یہ بھی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اپنی تخلیقات کو کسی دوسرے شخص کو نہ دکھائیں جب تک کہ وہ مقرر شدہ منصفین اور قانون کے محافظوں سے اس کی توثیق نہ کرالیں۔اور انھیں مطمئن نہ کرلیں۔ جہاں تک ایسے افراد کا تعلق ہے جنھیں ہم موسیقی کے لیے قانون سازوں اور تعلیم کے ناظم مقرر کریں گے۔اس پر پہلے ہی بات ہوچکی ہے۔جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ایک بار پھر یہ طے کرنا پڑے گا کہ کیا یہ ہمارا تیسرا قانون، امتیازی نوع یا نمونہ ہوگا۔آپ کا کیا خیال ہے؟

کلینیاس : مان لیا یہی صورت حال ہوگی۔

اجنبی : اس صورت میں دیوتاؤں کی شان میں گیت اور حمد وثنا مناسب بات ہوگی اس میں دعا بھی شامل ہو گی اور دیوتاؤں کی حمد اور مناجات کے بعد اس قسم کے مناسب جذبات کا اظہار نیم دیوتاؤں اور سورماؤں کی خدمت میں بھی کیا جائے گا۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : اگلے مرحلے میں قانون کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ جن شہریوں نے اچھے اور عمدہ عمل کیے ہیں خواہ وہ روحانی یا مادی نوعیت کے ہوں۔ اور انھوں نے قانون کی تمام عمر پابندی کی ہے لیکن اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کی بھی تعریف وتوصیف کی جائے۔ یہ بہت ہی مناسب بات ہوگی۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : لیکن زندہ شہریوں کی شان میں گیت اور قصائد خطرے سے خالی نہیں ہوتے۔ انسان کو زندگی کا سفر مکمل کرنا چاہیے۔ اور اس کا انجام بخیر ہونا چاہیے۔ اس وقت ہمیں ان کی خدمات کو سراہنا چاہیے۔ یہ تعریف ان مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہونی چاہیے۔ جنھوں نے نیک کاموں میں نام کمایا ہے گیتوں اور رقص کی ترتیب درج ذیل ہونی چاہیے:

بہت سے ایسے قدیم راگ اور راگنیاں اور رقص ہیں جو بہترین مانے جاتے ہیں اور نوتعمیر ریاستیں ان ہی میں سے اپنے لحاظ سے موزوں ترین راگوں اور رقص کا انتخاب کریں۔ پچاس برس سے کم عمر کے کسی فرد کو موسیقی کا منصف مقرر نہیں کیا جائے گا جو کہ نظموں کا انتخاب کرے گا۔ پرانی نظموں کو بھی منتخب مجموعہ میں شامل کر لیا جائے گا جو ان کی ضرورت کے مطابق ہوں گی۔ جو گیت موزوں نہیں ہوں یا جن میں کوئی نہ کوئی خامی موجود ہو انھیں ایک دم رد کرنا چاہیے۔ بلکہ پھر تھوڑی بہت ترمیم اور تنسیخ کے بعد انھیں قابل قبول بنا لیا جائے۔ اس کے لیے شاعروں اور ماہرین موسیقی سے مشورہ لینا ضروری ہوگا۔ تا کہ ان کی شاعرانہ صلاحیت سے بھرپور استفادہ کیا جا سکے۔ رقص، موسیقی اور غنائی انداز کو پسندیدہ اور جائزہ ترتیب میں لانے کے لیے قانون ساز کا جو مقصد ہے اس کی اچھی طرح توضیح وتشریح کرنی ہوگی۔ انھیں ماسوائے چند غیر اہم

باتوں کے کسی اور بات میں اپنی ذاتی خوشی اور خواہشات کو شامل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ موسیقی کے غیر مرتب انداز کو اگر قانون کے تابع بنا دیا جائے اور بظاہر شیریں نغمات کو ترک کر دیا جائے تو وہ دس ہزار گنا بہتر ہو جاتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ مسرت کو جو موسیقی کا اہم جزو ہوتا ہے یکسر فراموش کر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص بچپن سے لے کر پختہ عمر تک منضبط اور کلاسیکی موسیقی کی تربیت پوری تندہی سے حاصل کرتا ہے تو اسے جب اس کے برعکس موسیقی سننے کو ملتی ہے تو وہ اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے شیریں اور بیہودہ موسیقی کی تربیت مل جائے تو وہ خراب موسیقی کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اسی لیے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جو ایسی موسیقی کو سنتا ہے اسے کوئی تفریح حاصل نہیں ہوتی۔ جنھیں اچھی تربیت ملی ہے وہ اسے سن کر بہتر انسان بن جاتے ہیں اور دوسرے اسے بد سے بدتر بنا دیتے ہیں۔

کلینیاس : بجا ارشاد۔

اجنبی: مزید برآں، ہمیں عام اصول طے کر لینا چاہیے جس کے تحت یہ فیصلہ کیا جائے کہ کون سے گیت عورتوں کے لیے مناسب ہیں اور کون سے صرف مردوں کے لیے۔ پھر ان کے لیے مناسب اور موزوں دھنیں اور تال مقرر کر دیے جائیں۔ اگر موسیقی سر و تال سے عاری ہو تو اس سے ذوق اور ذہن کو صدمہ ہوتا ہے۔ ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب تال اور سر موقع محل کے مطابق نہ ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قانون ساز ان کی شکل کا بھی فیصلہ کر دے۔ دونوں جنس یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ نغمے بھی ہیں اور دھنیں بھی۔ خواتین کے گیت ان ہی کے مزاج کے مطابق ہوتے ہیں۔ جو دھنیں شاندار اور مردانگی والی ہوتی ہیں وہ مردوں کے لیے موزوں ہوتی ہیں لیکن جو دھنیں نہ تیز اور نہ ہی دھیمی ہوتی ہیں اور اعتدال پسند ہوتی ہیں قانون اور عرف عام میں خواتین کے لیے مناسب سمجھی جاتی ہیں۔ بس موسیقی کی عام ترتیب یہی ہوگی۔

آیئے اب موسیقی کی تربیت اور اس کو گانے کے طریقوں کو سیکھنے والوں اور سیکھنے کے وقت پر دو چار باتیں کر لیں۔ جس طرح جہاز بنانے والا سب سے پہلے اس کے پیندے کے حصے کا نشان کھینچتا ہے تو گویا وہ مکمل جہاز کا خاکہ تیار کرتا ہے میں بھی اس طرح زندگی کے مختلف انداز میں تمیز روا رکھتا ہوں۔ اور ہر شخص کی روح کے لحاظ سے بنیادی خاکہ تیار کرتا ہوں۔ مقصد یہ طے

کرنا ہوتا ہے کہ کس طرح اور کن راستوں سے زندگی کا یہ سفر طے کیا جائے گا۔ انسانی امور پر سنجیدگی سے غور کرنا مفید نہیں ہوتا پھر بھی ہمیں اس معاملے میں سنجیدہ رہنا ہوتا ہے۔ یہ ایک افسوس ناک ضرورت ہے جو ہمیں مجبور کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ غور کرنے کے بعد اس امر کی تکمیل مناسب ہو گی۔ بشرطیکہ ہم اس کام کا کوئی مناسب طریق کار وضع کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟ آپ یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سنجیدہ معاملات میں ہمیں سنجیدگی سے کام لینا چاہیے اور کامیاب سنجیدہ نہیں ہوتا اس میں سنجیدگی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے مہتم بالشان اور مقدس کام ہی دیوتا کے فطری اور موزوں مقصد کا ہدف ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان، جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں دیوتا کے ہاتھوں میں کھلونا ہوتا ہے اور اگر اس پر اچھی طرح غور کیا جائے تو یہ اس کی بہترین تخلیق ہے۔ اسی لیے مرد اور عورت دونوں کے لیے لازم ہے کہ وہ سنجیدگی سے قدم اٹھائیں اور زندگی کو عمدہ اشغال میں مصروف رہ کر بسر کریں۔ اور اپنی موجودہ سوچ سے مختلف سوچ سے کام لیں۔

کلینیاس : کس لحاظ سے؟

اجنبی : فی الحال ان کا یہ خیال ہے کہ ان کے سنجیدہ اشغال کا تعلق کھیلوں سے ہونا چاہیے کیونکہ وہ جنگ کو سنجیدہ ترین شغل سمجھتے ہیں۔ جس پر امن وامان کے لیے عمدہ طریقے سے عمل کرنا ضروری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ کے عمل میں کسی نہ کسی درجے میں تربیت اور تفریح کا ایسا کوئی عنصر ہو جو نہ پہلے تھا نہ آج کل ہے اور نہ ہی آیندہ ہوگا اور نہ ہی ہم جسے بہت سنجیدہ شغل مانتے ہیں۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کو امن وامان میں عمدہ طریقے سے زندگی گزارنی چاہیے۔ زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا ہمیں زندگی کھیل کود ہی میں بسر کرنی چاہیے؟ اگر یہ درست ہے تو کس قسم کے کھیلوں میں؟ ہمیں تو زندگی قربانی دے کر، گیت گا گا کر اور ناچ ناچ کر گزارنی چاہیے۔ اس کے بعد ہی انسان اس قابل ہوگا کہ وہ دیوتاؤں کو راضی رکھے۔ اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کر سکے اور جنگ میں ان پر غالب آئے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جس قسم کے گیت اور رقص درکار ہوں گے وہ بیان کر دیے گئے ہیں۔ جس راستے پر چلنا ہے اس کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ وہ

شاعر کے اس جذبہ کے رنگ میں آگے بڑھتا رہے گا کہ:

''ٹیلی میکس (Telemachus) کچھ ایسی باتیں جن کو تم بذاتہٖ اپنے قلب میں محسوس کر لو گے اور کچھ ایسی ہوں گی جس کا اشارہ غیب سے ہوگا۔ کیونکہ میرا یہ خیال ہے آپ اس دنیا میں دیوتا ہی کی مرضی ہی سے آئے ہیں''۔ (اوڈیسی)

یہی میرے ہم مکتبوں کا بھی خیال ہونا چاہیے۔ انھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جتنا کہا جا چکا ہے وہ ان کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ جو باتیں ان کی ذکاوت اور دیوتا کے طفیل ان کے ذہن میں آئیں گی، وہ قربانی اور رقص کے بعد یہ طے کریں گے کہ انھیں کسے، کس وقت اور کن دیوتاؤں کے حضور پیش کرنا ہے۔ اور انھیں یہ بھی طے کرنا ہے کہ وہ دیوتاؤں کو کس طرح راضی کریں گے۔ اور فطری تقاضوں کے مطابق دن گزاریں گے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہ کٹھ پتلی کی طرح گزار دیتے ہیں لیکن حقیقت کا تھوڑا بہت حصہ بھی انھیں ملا ہوتا ہے۔

میجی لس: اجنبی آپ انسان کو بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں۔

اجنبی: میجی لس۔ ایسا نہیں ہے۔ حیران نہ ہوں۔ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میں ان کا موازنہ دیوتاؤں سے کر رہا تھا۔ اور اسی کے تحت میں نے یہ جملہ ادا کیا تھا اگر آپ چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان قابل نفرت نہیں ہے بلکہ وہ لائق توقیر ہے۔

اس کے بعد باری آتی ہے ایسے اکھاڑوں اور سکولوں کی عمارتوں کی جس میں سب کو داخلے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ شہر کے وسط میں تین مقامات پر، اسی طرح شہر کے مضافات اور شہر کے باہر بھی تین تین مقامات پر تعمیر ہوں گی۔ جو عمارت گھڑ سواری کے لیے ہوگی اس کے ساتھ بڑا سا میدان بھی ہوگا، جہاں تیر اندازی، نیزہ بازی، کا اہتمام ہوگا۔ جہاں نوجوان ان فنون کی تربیت حاصل کریں گے اور ان کی مشق کریں گے۔ ان کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔ تاہم اگر وہ ناکافی ہے تو اس پر مزید گفتگو کر کے ان کو قوانین کا حصہ بنا لیا جائے۔ ان سکولوں میں اساتذہ کی قیام گاہیں بھی ہوں گی۔ جنھیں اچھے مشاہروں پر دوسرے ممالک سے لایا جائے گا۔ جو سکول میں داخل بچوں کو فن حرب اور فن موسیقی کی تعلیم دیں گے۔ یہ بچے خواہ والدین کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ سکول

میں داخل کیے جائیں گے۔ گویا یہ تعلیم لازمی ہوگی اور یہ سمجھا جائے گا کہ طالب علم کا تعلق والدین سے نہیں بلکہ صرف مملکت سے ہے۔ میرے قانون کا اطلاق مردوں پر بھی ہوگا اور عورتوں پر بھی۔ دونوں ایک قسم کی ورزشیں کریں گے۔ میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ گھڑ سواری اور ورزش جتنی مردوں کے لیے مناسب ہے اتنی ہی عورتوں کے لیے بھی۔ اس کی صداقت کا میں قدیم روایات کے سبب قائل ہوا ہوں۔ فی زمانہ بحر اسود کے نواحی علاقوں میں ہزاروں لاکھوں خواتین ہیں جنھیں سارومٹیڈس (Sauromatides) کہا جاتا ہے جو نہ صرف گھڑ سواری ہی کی ماہر ہیں بلکہ وہ مردوں کی طرح تیر کمان اور دوسرے اسلحہ کے استعمال میں مشاق ہیں۔ میں مزید یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر یہ باتیں ممکن ہیں تو اس دستور سے زیادہ لغو اور کچھ نہیں ہوسکتا جو فی الحال ہمارے یہاں رائج ہے۔ یعنی مرد اور عورت ایک ہی طرح کے مشاغل اختیار نہیں کرتے حالانکہ قوت اور ذہن کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس طرح ریاست ''کل'' کی بجائے نصف رہ جاتی ہے۔ حالانکہ تنخواہ پر اخراجات اور محنت اور مشقت بھی ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک قانون ساز کے لیے اس سے بڑھ کر دوسری اور کیا غلطی ہوسکتی ہے۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔ اجنبی اس کے باوجود ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا بیشتر حصہ مملکت کی روایات اور معمولات کے خلاف ہے۔ لیکن آپ نے یہ بڑی معقول بات کہی ہے کہ بحث کو جاری رہنا چاہیے جس کے اختتام پر ہم بہتر بات کے حق میں فیصلہ کریں گے اور اب مجھے اپنی بات پر ندامت محسوس ہو رہی ہے۔ چلیے اب یہ بتائیے کہ آپ مزید کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعات ان باتوں کے امکانات کی تصدیق نہیں کرتے تو ہمارے دلائل پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں کہ جو قانون کی تردید کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اعتراض کی کوئی اور بنیاد تلاش کرے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو میری بات اپنی جگہ قائم رہے گی۔ اور نہ ہی کسی کو اس بات سے انکار ہوسکتا ہے حتی الامکان خواتین کو چاہیے کہ وہ تعلیم اور دیگر امور میں مردوں کے ساتھ شریک ہوں۔ کیونکہ ذرا سوچیے کہ ان کے لیے زندگی کا کوئی اور نظام ہونا چاہیے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : سوچنے کی بات یہ ہے کہ زندگی کا وہ نظام کون سا ہوگا جو کہیں اور رائج ہو اور جو ہمارے اس معاشرے کے لیے قابل ترجیح ہو جس کی تشکیل میں ہم مصروف ہیں؟ کیا ہم اس نظام کو ترجیح دیں گے جو تھریسیا اور دیگر علاقوں میں رائج ہے جہاں عورتیں ہل چلاتی ہیں۔ مویشیوں کے گلوں کے لیے چرواہے کا کام کرتی ہیں۔ اور خود ان کی خدمت لونڈیوں کی طرح کرتی ہیں؟ یا ہم وہی کچھ کریں جو ہمارے علاقے کے لوگ کر رہے ہیں یعنی ایک ہی مکان میں سارے مال مویشی جمع کر لیں اور اسے خواتین کی نگرانی میں تفویض کر دیں۔ اور وہی کاتنے اور کپڑا سینے کا فریضہ بھی انجام دیں۔ یا مجی لس ہم لیسی ڈیمون کی طرح درمیانی راستہ اختیار کر لیں یعنی لڑکیوں کو ورزش اور موسیقی کی مشقوں میں شریک ہونے سے نہ روکیں ۔ جب کے عمر والی خواتین جو اون کی کتائی میں مصروف ہو کر زندگی کا تانا بانا بنتی رہتی ہیں یہ بھی کوئی حقیر کام نہیں ہے وہ گھریلو کام بھی سنبھالتی ہیں اور بچوں کی پرورش بھی کرتی ہیں ان کاموں میں وہ اعتدال کا خیال رکھتی ہیں۔ اور جنگی امور میں شرکت نہیں کرتیں۔ اور اگر ایسا وقت آ جائے کہ انھیں اپنے شہر اور اہل وعیال کے لیے جنگ کرنی پڑے تو آمیزان (Amazons) قبیلے کے برعکس تو وہ تیراندازی یا نیزہ بازی کر سکیں گی اور نہ ہی دیویوں کی مثال کو سامنے رکھ کر ڈھال اور نیزہ لے کر اپنے ملک و وطن کے دفاع کے لیے صف بستہ ہو جائیں گی۔ اور دشمنوں کا دل دہلا دیں گی۔ یہ اس وقت ممکن ہوتا جب وہ عام نظام کا حصہ ہوتیں۔ وہ جس طرح سے زندگی گزار رہی ہیں ان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ سارومٹیڈس کی مسلح خواتین کے نقش قدم پر چلیں۔ جن کا اگر عام عورتوں سے موازنہ کیا جائے تو وہ مردوں کی طرح نظر آئیں گی۔ جو چاہے آپ کے قانون سازوں کی تعریف کر سکتا ہے۔ لیکن میں وہی کہوں گا جو میں سوچتا ہوں۔ قانون ساز کو "کل" اور مکمل ہونا چاہیے صرف نصف مرد نہیں۔ اسے چاہیے کہ وہ خواتین کو صنف نازک کی طرح زندگی نہ گزارنے دے۔ بیجا اسراف نہ کرنے دے اور زندگی کو تنظیم سے عاری رہنے دے۔ حالانکہ وہ مرد پر پوری توجہ صرف کرتا ہے اور زندگی کے صرف نصف حصے کو خوشیوں سے آشنا کرتا ہے۔ جب کہ وہ پوری ریاست کو مسرت کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔

مجی لس: کلینیاس کیا ہم کسی اجنبی کو اس طرح سپارٹا کی تذلیل کرنے دیں؟

کلینیاس : کیوں نہیں۔ ہم نے انھیں آزادی تقریر دے رکھی ہے۔ اس لیے جب تک ہم قانون سازی کے

کام کو مکمل نہیں کر لیتے انھیں بات کرنے دی جائے۔

مجی لس : بات درست ہے۔

اجنبی : چلیے اب میں بات کو آگے بڑھاؤں؟

کلینیاس : بسروچشم۔

اجنبی : ان مردوں کی زندگی کا اندازکیا ہوگا جن کی خوراک اور لباس کا اعتدال کی حدود میں اہتمام ہوتا رہے گا۔ جنھوں نے فنون کی نمایش کا کام دوسروں کے سپرد کر رکھا ہے۔ جن کی کھیتی باڑی کا کام ان کے غلاموں کے سپرد ہے جو پیداوار کے ایک حصے کے عوض کاشتکاری کی مکمل ذمہ داریاں نباہتے ہیں۔ اوراس طرح انھیں بہت ساری پیداوار مل جاتی ہے جو مشترکہ دسترخوان میں اس طرح شرکت کرتے ہیں کہ مرد علیحدہ ہوتے ہیں اوران کی میزوں کے قریب ان کے اہل خانہ یعنی بیٹیوں اور ماؤں کی میزیں ہوتی ہیں۔ مرد اور عورتیں جو اس کام پر مامور ہیں روزانہ اس کا معائنہ کرتے ہیں۔ وہ مجلس کے باہمی سلوک پر نظر رکھتے ہیں۔ پھر اختتام کا اعلان کرتے ہیں جس کے بعد جو عدالتی افسر اس دعوت کا سربراہ ہوتا ہے وہ اور شرکا دیوتاؤں کو شراب کا گھونٹ نذر کر کے اس کی عظمت کو سلام کریں گے۔ اور شب و روز کو اس سے معنون کر کے گھروں کی راہ لیں گے۔ جن لوگوں کی زندگی اس طرح منظم ہو، ان کے کرنے کے لیے کوئی ضروری کام باقی نہیں بچے گا۔ تو کیا ان میں سے ہر ایک بیل کی طرح فربہ نہیں ہو جائے گا؟ ایسی زندگی نہ موزوں ہے اور نا ہی باعزت۔ اور ایسی زندگی گزارنے والا اپنے حصے سے محروم نہیں رہے گا۔ ایسے موٹے تازے بیل کا حصہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے ایک ایسا خوفناک درندہ چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے جس کا موٹاپا شجاعانہ کارناموں اور مشقت کی نذر ہو چکا ہو۔ ان ضابطوں پر اگر ہم غور کریں تو موجودہ حالت میں اس وقت تک عملدرآمد ممکن نہیں ہوگا جب تک عورتیں اور بچے، مکانات اور دیگر اشیا نجی ملکیت میں ہوں گی۔ اگر ہم دوسرا بہترین قسم کا سیاسی نظام حاصل کر لیں تو ہم بہت زیادہ خوشحال ہوں گے۔ جو مرد اس دوسرے سیاسی نظام کے تحت رہتے ہیں انھیں ایک ایسے کام کی تکمیل کرنی پڑے گی جو نہ تو چھوٹا ہوگا اور نہ ہی غیر اہم۔ بلکہ وہ سب سے عظیم ہوگا۔ عادلانہ قوانین جس کا حکم دیتے ہیں کیونکہ جو زندگی جسمانی اور روحانی خوبیوں سے متعلق ہوتی ہے اس

میں پائتھی (Pythian) اور اولمپک کے کھیلوں میں حاصل کردہ کامیابیوں سے دوگنی بلکہ تین گنی مشقت شامل ہوتی ہے۔اور وہ بے چارہ زندگی کے دیگر مشاغل سے یکسر محروم ہو جاتا ہے۔کیونکہ ایسا کوئی ضمنی کام نہیں ہونا چاہیے جو جسم کو ضروری ورزش اور غذائیت فراہم کرنے اور روح کی تربیت اور تعلیم دینے کے اصل کام میں رکاوٹ پیدا کرے۔شب و روز کی مدت اتنی طویل نہیں ہے کہ تکمیل اور اتمام کے سامان فراہم ہوں۔اسی لیے تمام آزاد شہریوں کو چاہیے کہ وہ یہ طے کر لیں کہ وہ کس طرح صبح سے شام تک اور شام سے دوسرے روز صبح تک اپنا وقت صرف کریں گے۔ وہ قانون ساز نامناسب بات کا مرتکب سمجھا جائے گا جو گھریلو انتظامات کی بے شمار جزئیات طے کرے گا جس میں اس آدمی کی شب بیداری کا معاملہ بھی شامل ہوگا جو شہر کی نگرانی پر مامور ہوں گے۔ہر شہری کے لیے ضروری ہے کہ پوری رات آرام کی نیند سوتا رہے۔یہ بہترین نہیں ہوگا کہ وہ غلاموں سے قبل ہی جاگے اور بستر سے باہر ہو جائے۔اسے خواہ قانون کہا جائے یا روایت ہمیشہ نہایت کمتر درجے کا ہوگا۔جو آزاد شہریوں کے شایان شان نہیں ہوگا۔اسی طرح خاتون کو اس کی لونڈیاں نیند سے بیدار کریں گی۔ بجائے اس کے وہ انھیں جگائے۔یہ وہ عمل ہے جسے گھریلو ملازمین،غلام،لونڈیاں اور غلام بچے بھی حقیر سمجھتے ہیں۔اگر وہ صبح سویرے بیدار ہوں گے تو وہ تمام سرکاری اور نجی گھریلو کام اسی طرح کریں گے جس طرح عدالتی عہدیدار شہر کے اور مالک اور مالکن گھر کے کام طلوع آفتاب سے قبل ختم کرتے ہیں۔زیادہ نیند نہ روح کے لیے اور نہ ہی جسم کے افعال کے لیے ضروری ہوتی ہے۔کیونکہ سویا ہوا شخص اسی طرح ناکارہ ہوتا ہے جس طرح مردہ آدمی ہوتا ہے۔لیکن جسے زندگی اور معقولیت کا احترام ہوتا ہے وہ حتی الامکان جاگتا ہی رہتا ہے۔ اور صرف اتنا ہی سوتا ہے جتنا صحت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔اگر ایک بار اعتدال کی عادت مستحکم ہو جائے تو پھر زیادہ دیر تک سونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ریاست کے عدالتی عہدیدار جو رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔وہ بدکرداروں کے خلاف خواہ وہ دشمن ہوں یا اپنے ہی شہری سخت سلوک کرتے ہیں۔اور انصاف اور اعتدال پسند ان کی خدمات کو سراہتے ہیں جو خود اپنے اور ریاست کے لیے افادیت کے حامل ہوتے ہیں۔

جب رات اس طرح گزاری جاتی ہے تو مذکورہ فوائد کے علاوہ شہریوں کے دل میں

شجاعت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے سورج نکلتے ہی جوانوں کے لیے استاد کی خدمت میں جانے کا وقت آ جاتا ہے۔ دیکھیے ناخواہ بھیڑ ہو یا کوئی اور چوپایہ کوئی بھی گڈریے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح بچوں کو اتالیق اور غلاموں کو آقا کے بغیر زندگی نہیں گزارنی چاہیے۔ تمام جانوروں میں لڑکا ہی ایسا ہوتا ہے جس پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کے دماغ میں جو عقل کا فوارہ ہے وہ قابو میں نہیں آتا۔ وہ جانوروں میں سب سے زیادہ خطرناک، تیز فہم اور نافرمان ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اُسے ایک دو نہیں بلکہ متعدد لگامیں دے دی جائیں۔ اوّل تو یہ کہ جب وہ ماں اور دایہ کی نگرانی سے جدا کیا جاتا ہے تو اس کی طفلانہ حرکتوں اور حماقتوں کے سبب اسے اتالیق کے سپرد کر دیا جانا چاہیے۔ چونکہ وہ آزاد شہری ہے اس لیے اس استاد کے حوالے کر دیا جائے جو اسے اپنی مرضی سے جو چاہے گا پڑھائے گا۔ لیکن چونکہ وہ غلام بھی ہے اس لیے جو بھی آزاد شہری سامنے آئے اسے حق حاصل ہوگا کہ اسے اس کے اتالیق اور اس کے استاد کو جسمانی سزا دے اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اگر کوئی اس کے پاس آئے مگر جس سزا کا وہ مستحق ہے وہ نہ دے تو وہ بڑی سے بڑی تحقیر کا مستوجب ہوگا۔ اور قانون کا محافظ جو تعلیم کا ناظم ہوگا اگر ایسے لوگوں کا پتا رکھے جنھوں نے ان خطاؤں پر وہ سزا نہیں دی یا جیسی سزا دینی چاہیے تھی، وہ نہیں دی تو اسے چاہیے کہ وہ بچوں کی تربیت پر کڑی نظر رکھے۔ ان کے مزاج سے مطابقت رکھے اور قانون کے مطابق اچھے کام سکھائے۔

لیکن ہمارا قانون خود تعلیم کے ناظم کو کس قسم کی تربیت فراہم کرے گا۔ کیونکہ ابھی تک تمام امور نامکمل ہیں اور کسی بات کو تفصیل اور وضاحت سے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا قانون کسی بات کو ان کی صوابدید پر نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ہر بات کی تشریح کی جائے گی اور وہ دوسروں کے لیے مترجم اور اتالیق کے فرائض انجام دے گا۔ جہاں تک رقص، موسیقی اور کورس کے انداز کا تعلق ہے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ان کا انتخاب کن خصوصیات کی بنا پر کیا جائے گا۔ ان میں ترمیم کس طرح ہوگی اور ان کی تقدیس کا طریق کار کیا ہوگا۔ لیکن اے تعلیم کے نامور سرپرستو! مجھے ابھی یہ بتانا ہے کہ آپ کے شاگرد نثر میں لکھے ہوئے اسلوب کو کس طرح استعمال کریں گے ہر چند کہ آپ کو ان عسکری دھنوں سے آشنا کر دیا گیا ہے۔ جنھیں وہ سیکھیں گے اور جنگی مشقیں

کریں گے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے حرف آشنا بنیں۔ پھر بربط نوازی کی تربیت حاصل کریں۔ تھوڑا بہت حساب کتاب، جنگ میں کام آنے والی دیگر باتیں، امور خانہ اور شہر کے انتظامات، اجرام فلکی، ستارے، چاند، سورج کی حرکات میں جو باتیں کارآمد ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو مملکت کے مفاد میں ہیں، انھیں سیکھیں۔ میں دراصل دنوں کی مہینوں میں، مہینوں کی برسوں میں ترتیب کا ذکر کر رہا ہوں تاکہ موسم، قربانی کی رسوم اور میلے اور تہوار قدرتی ترتیب کے مطابق منظم کیے جائیں۔ شہر زندگی کی گہما گہمی سے گونجتے رہیں اور دیوتاؤں کو احترام و اکرام ان کے حق کے مطابق ملتا رہے۔ اور لوگوں کو ان کی بہتر معرفت حاصل ہو۔ دوستو! ابھی تک قانون سازوں نے ان تمام امور کا اطمینان بخش طور پر اظہار نہیں کیا ہے۔ اسی لیے جو باتیں میں کہنے جا رہا ہوں اس پر کان دھریں۔ پہلی بات جو میں نے کہی تھی وہ یہ تھی کہ آپ لوگ پڑھنے لکھنے سے اچھی طرح آشنا نہیں ہیں۔ یہ اعتراض اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ آپ کو یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ ایک باوقار شہری بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی تفصیلی تعلیم کے حصول کی کوشش کی جائے یا بالکل ہی نہ کی جائے۔ یہ بات بربط نوازی پر بھی صادق آتی ہے۔ لیکن اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے اس کام پر توجہ دینی چاہیے۔ ایک دس سالہ بچے کے لیے لکھنے، پڑھنے اور سیکھنے کے لیے معقول مدت تین سال کی ہوتی ہے۔ بربط نوازی کے لیے ۱۳ سال کی عمر نہایت مناسب ہوگی۔ وہ اس کی مشق تین برس تک جاری رکھے گا۔ نہ زیادہ نہ کم، یہ کام خواہ اسے یا اس کے والد کو پسند ہو یا نہ ہو۔ اسے موسیقی کی تربیت پر اتنا ہی وقت صرف کرنا ہوگا جو قانون میں تحریر ہے اور جو اس قانون کو توڑے گا اسے نوجوانوں کے ان تمام اعزازات سے محروم کر دیا جائے گا۔ جن کا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں۔ پہلے آپ یہ سماعت فرمائیں کہ بچوں کو ابتدائی عمر میں کیا سیکھنا چاہیے اور ان کے استادوں کو کیا سکھانا ہوگا۔ انھیں اس وقت حروف شناسی کی تربیت میں مصروف رہنا ہوگا جب تک وہ لکھنا پڑھنا اچھی طرح نہ سیکھ جائیں لیکن اگر قدرت نے انھیں اس دوران خوش نویسی کی صلاحیت سے محروم رکھا ہو تو انھیں اس پر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اور جہاں تک ایسی دھنوں کے سیکھنے کا تعلق ہے جو تحریر میں ہیں لیکن بربط پر بجائی نہیں جاتیں۔ یہ دھنیں وزن اور بحر والی ہیں یا بغیر وزن اور بحر کی ہیں یعنی نثر میں مرتب کی گئی ہیں جن میں نہ وزن ہوتا ہے اور نہ ہی آہنگ۔

دیکھیے اس طرح کی موسیقی لکھنے والوں نے کتنا خطرناک کام انجام دیا ہے اور جو ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ آپ ان کا کیا کریں گے؟ قانون کے نفیس ترین محافظو! ذرا بتائیں یا یہ بتائیں کہ قانون سازان امور میں آپ کو کیسی ہدایات دے سکتے ہیں؟ میرا یقین ہے کہ وہ بے چارہ بڑی مشکل میں گرفتار ہوگا۔

کلینیاس: اجنبی آپ کو کیا پریشانی ہے؟ آپ آخر کار کیوں اس ذہنی الجھن میں گرفتار ہیں۔

اجنبی : کلینیاس، آپ کا یہ سوال فطری ہے۔ آپ اور مجی لس، اس قانون سازی کے کام میں میرے شریک ہیں اس لیے ضروری ہے کہ میں اس کام میں آسانیوں کے ساتھ ساتھ دشواریوں کو بھی بتاتا رہوں۔

کلینیاس: اس مثال میں آپ کس کا حوالہ دے رہے ہیں؟

اجنبی : میں بتاتا ہوں۔ ہزاروں زبانیں ہیں جن کی مخالفت مشکل کام ہے۔

کلینیاس: بہت خوب۔ لیکن کیا ہم بہت سے اہم قوانین کے ضمن میں مقبول آرا کی مخالفت نہیں کر چکے ہیں؟

اجنبی : یہ درست ہے۔ آپ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے جو راہ اختیار کی ہے وہ کچھ لوگوں کے لیے ناپسندیدہ ہے لیکن اتنے ہی لوگوں کے لیے پسندیدہ بھی ہے۔ اگر ان کی تعداد اتنی نہ بھی ہو تب یہ تو ہے کہ یہ لوگ دوسری قسم کے لوگوں سے ذہنی لحاظ سے کمتر نہیں ہوں گے اور آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر خطرات کی پروا کیے بغیر قانون سازی کی اس راہ پر اپنا سفر جاری رکھوں، جس نے موجودہ بحث کا دروازہ کھولا ہے۔ ہمیں خوشی خوشی آگے جانا ہے۔ ہوش سے بیگانہ نہیں ہونا ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : میں نہ ہوش کھوتا ہوں نہ حواس۔ ہمارے شعرا کی کثیر تعداد نے شش رکنی، سہ رکنی اور دیگر بحور اور اوزان میں نظمیں کہی ہیں جن میں سنجیدہ بھی ہوتی ہیں اور مزاحیہ بھی۔ تمام عالم انسانیت کا یہ تقاضا ہے کہ نوجوانوں کو ان نظموں اور گیتوں سے اس طرح آشنا کیا جائے کہ ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائیں۔ کچھ لوگ مُصر ہیں کہ ان نظموں کو کسی دوسرے کی بلند آواز میں متواتر سنتے رہیں یہاں تک کہ وہ ان شعرا کی تخلیقات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو کچھ حصے

اور طویل تقریریں منتخب کر لیتے ہیں اور ان کا خلاصہ مرتب کر لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ اسے زبانی یاد کریں۔ اس طرح وہ تجربے کے سبب بہت سی باتیں سیکھ کر نیک خصلت اور دانشمند ہو جائیں گے۔ اور اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ صاف صاف بتا دوں کہ ان سے کہاں غلطی ہوئی ہے اور کہاں نہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔

اجنبی: لیکن سوال یہ ہے کہ میں ایک لفظ میں ان سب کا کس طرح ادراک کر سکتا ہوں؟ میری یہ رائے ہے کہ اگر میں غلط نہیں ہوں تو عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان شعرا میں سے ہر ایک نے بہت ہی اچھی باتیں بھی کہی ہیں اور بہت سی اس کے برعکس بھی۔ اور اگر یہ بات درست ہے تو میں تو یہ کہوں گا کہ علم کا بیشتر حصہ نوجوانوں کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔

کلینیاس: پھر آپ قانون کے محافظوں کو اس ضمن میں اقدام کے لیے کیا مشورہ دیں گے؟

اجنبی: کس لحاظ سے؟

کلینیاس: میرا مطلب ہے آپ نوجوانوں کو چند باتیں سیکھنے کی اجازت دینے اور چند باتوں سے باز رکھنے کے لیے کیا نمونہ پیش کریں گے؟ آپ جواب دینے سے ہچکچائیں نا۔

اجنبی: نیک دل کلینیاس۔ میں سوچتا ہوں میں کتنا خوش نصیب ہوں۔

کلینیاس: وہ کس طرح؟

اجنبی: میرا خیال ہے کہ مجھے کسی نمونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں جب ان الفاظ پر غور کرتا ہوں جو آج صبح سے ہم لوگوں نے ادا کیے ہیں اور میرا یقین ہے کہ اسے دیوتاؤں کی تائید حاصل ہے۔ اور وہ مجھے ایک نظم کی طرح مرتب و مؤثر محسوس ہوتے ہیں۔ جب میں نے اپنے ان تمام الفاظ پر غور کیا تو مجھے نظم اور نثر میں ان تمام مباحث پر بے انتہا خوشی محسوس ہوئی جسے ہم نے کہا ہے اور سنا ہے۔ مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ باتیں نوجوانوں کے لیے نہایت مناسب اور موزوں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قانون کے محافظ یعنی تعلیم کے ناظم کے لیے اس سے بہتر اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اساتذہ کو یہ مشورہ دے کہ نوجوانوں کو ان الفاظ کی یا ان سے ملتے جلتے الفاظ کی خواہ نظم میں ملیں یا نثر میں، تعلیم دے۔ یا اگر کہیں سے غیر تحریری مباحث اس کے ہاتھ

آ جائیں تو چاہیے کہ اس کو حیطۂ تحریر میں لے آئے اور اسے محفوظ کر لے۔ سب سے پہلے وہ اساتذہ کو انھیں سیکھنے اور ان کی توثیق کرنے پر مجبور کرے اور جو ایسا نہ کر سکے اس کو ملازمت میں نہ رکھے۔ لیکن جو لوگ اس کے اس فیصلے سے متفق ہوں وہ ان سے استفادہ کرے گا اور انھیں نوجوانوں کے تعلیمی نصاب کا حصہ بنا دے گا۔ آیئے اسی مرحلے اور اسی نکتے پر ہم لکھنے، پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے والوں کی دلچسپ داستان بند کر دیں۔

کلینیاس: اجنبی دوست۔ میرا خیال نہیں ہے کہ ہم نے اپنے دلائل کی حدود سے کہیں بھی قدم باہر نکالا ہے۔ لیکن ہمارا یہ خیال مکمل طور پر درست ہے یا نہیں میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

اجنبی : کلینیاس! ہم پہلے بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ قانون سے متعلق بحث کے اختتام پر ہی اصلیت واضح ہوتی ہے۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : اب جب کہ ہم نے لکھنا پڑھنا سکھانے والے اساتذہ پر اپنی بحث مکمل کر لی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم بربط سکھانے والے استاد کے لیے احکامات پر روشنی ڈالیں۔

کلینیاس: بڑی عمدہ بات ہے۔

اجنبی : میرا خیال ہے کہ ہمیں صرف اپنی بحث کو یادداشت میں تازہ کرنا ہوگا۔ اس طرح ہم وہ ضابطے مرتب کر کے بربط سکھانے والے اساتذہ کے حوالے کر سکیں گے جن کا تعلق ہدایات اور تعلیم سے ہے۔

کلینیاس: آپ کا اشارہ کس جانب ہے؟

اجنبی : جہاں تک میرا حافظہ ساتھ دیتا ہے ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ڈائیونائیسس کے کورس میں گانے والے جن کی عمریں ساٹھ سال ہوتی ہیں انھیں تال اور دھنوں کا ادراک بڑی تیزی سے ہو جاتا ہے۔ وہ جذبات کی ہیجانی کیفیت میں دھنوں کی اچھی بری نقول یعنی اچھی اور بری روح میں بآسانی تمیز کر لیتے ہیں۔ وہ مذہبی گیتوں اور نغموں میں ایک کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری قسم کو رد کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ نوجوانوں کی روح کو مسحور کر کے ان کو ان کے نقول کے توسط سے نیکی کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔

کلینیاس: بجاارشاد۔

اجنبی : اسی لحاظ سے اُستاد اور شاگرد کو بربط استعمال کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس کے سُر نہایت موزوں ہوتے ہیں۔ اسی لیے استاد جب بربط کے سُر نکالتا ہے تو شاگرد بھی ان ہی سُروں کو اپنے بربط پر چھیڑتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو تین برس میں موسیقی کا علم تیزی سے حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کے سُروں کی ترتیب پیچیدہ ہو اور ان کی تفصیلی تکرار بھی یعنی کہ تاروں کے سر کچھ اور ہوں اور شاعر یا موسیقار نے لے اور آہنگ کچھ اور مقرر کیا ہو۔ مزید برآں انھوں نے دھن ایسی ترتیب دی ہو کہ فرق کم بھی ہو اور زیادہ بھی، سُر اونچے بھی ہوں اور نیچے بھی اور وہ ایسی پیچیدہ دھنیں تیار کرے جو بربط کے سُروں سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کے برعکس جو اصول ہیں وہ ذہنی الجھنیں پیدا کرتے ہیں اور سیکھنے میں مشکل ہوتی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو یہ فن جلدی سے سیکھنا ہوتا ہے۔ جن ضروری باتوں کو سیکھیں گے وہ معمولی اور کم نہیں ہیں۔ آگے چل کر آپ خود دیکھ لیں گے۔ تعلیم کے ناظم کو چاہیے کہ وہ موسیقی سے متعلق ان اصولوں پر نظر رکھے جنھیں ہم ابھی بیان کرنے والے ہیں۔ جہاں تک ان گیتوں اور ان کے الفاظ کا تعلق ہے جنھیں کورس کے اُستاد سکھائیں گے۔ ان کی خصوصیات کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور وہی ہیں جن کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ جب انھیں تہواروں کے لیے تسلیم کر کے مقدس بنا دیا جاتا ہے۔ تو شہروں کو سیدھی سادی تفریح فراہم کر کے اپنی افادیت ثابت کرتے ہیں۔

کلینیاس: یہ بات بھی درست ہے۔

اجنبی : اس لیے جس شخص کو موسیقی کا مہتمم مقرر کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ یہ قانون جو حقائق پر مبنی ہے ہم سے حاصل کرے۔ دعا ہے کہ وہ اپنے منصب پر کامیابی حاصل کرے۔ اب ہمیں چاہیے کہ موسیقی سے متعلق تمام لائق بیان امور بیان کرنے کے بعد ہم رقص اور ورزش کے عمومی قوانین بھی طے کر لیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ رقص سیکھیں اور ورزش کی مشق کریں۔ انھیں ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟

کلینیاس: جی ہاں۔ کیوں نہیں۔

اجنبی : پھر تو لڑکوں کے لیے اُستاد اور لڑکیوں کے لیے اُستانیاں مقرر کرنی ہوں گی۔

کلینیاس: بہت خوب۔

اجنبی: چلیے ایک بار پھر ان صاحب کو تکلیف دیتے ہیں جن کا اس کام سے اصل تعلق ہے یعنی نوجوانوں کے امور کے مہتمم (تعلیم کے مہتمم) اگر موسیقی اور ورزش کی ذمہ داری اس کے سپرد کر دی جائے تو اس کے فرائض میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔

کلینیاس: لیکن ایک معمر آدمی اتنی ساری ذمہ داریاں کس طرح نباہے گا۔

اجنبی: میرے دوست اس معاملے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ قانون نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ شہر کے مردوں اور عورتوں میں سے جسے چاہے اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسے اس عہدے پر مقرر کیا جائے۔ اس کی کوشش یہی ہوگی کہ اس سلسلے میں اس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ کیونکہ اسے اس کی اہمیت اور نزاکت کا مکمل احساس ہوگا اور اس کی خواہش ہوگی کہ نوجوانوں کو اگر اچھی تربیت ملے گی تو وہ تمام امور نہایت آسانی سے طے ہوتے رہیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس صورت حال کا ذکر کریں جو رونما ہوگی۔ اور لوگ توہمات اور شگون کے قائل ہیں وہ ہماری نوزائیدہ مملکت کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہم نے اب تک رقص اور ورزش کی حرکات کے بارے میں عمومی قسم کی باتیں کی ہیں۔ کیونکہ ورزش تمام حربی فنون کا بھی احاطہ کرتی ہے جس میں تیراندازی، نیزہ وغیرہ پھینکنا، ہلکی پھلکی ڈھالوں کا استعمال اور بھاری اسلحہ کا جنگ میں استعمال اور فوجوں کا ارتقا اور ان کی ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقلی، خیمے لگانا اور گھڑسواری شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے اساتذہ ہونے چاہئیں جنھیں سرکاری خزانے سے تنخواہ ملے۔ ان کے شاگردوں میں وہ لڑکے اور لڑکیاں شامل ہوں گی جو مملکت کے شہری ہیں اور جنھیں ان علوم وفنون سے دلچسپی ہو۔ لڑکیاں ابتدائی عمر میں رقص اور بڑی عمر میں فن حرب سیکھیں گی۔ وہ حربی ارتقا، جنگی چالیں، میدان جنگ میں قیام، اسلحہ کے استعمال کی تربیت حاصل کریں۔ اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو تاہم اس کا فائدہ بڑا ہوگا کہ اگر ایسا وقت آئے کہ تمام فوج کو شہر خالی کرنا پڑے اور جنگ کو مضافات میں جاری رکھنا پڑے تو نوجوانوں کی حفاظت کے جو لوگ ذمہ دار ہیں وہ اپنے فرائض بطریق احسن انجام دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ دوسری صورت میں اگر وحشی قبائل یا یونانیوں جیسے بیرونی دشمن بڑی فوج کے ساتھ زور وشور سے حملہ آور ہوں اور شہر پر قبضے کے

لیے سخت مقابلے کا آغاز ہو جائے۔تو یہ امر کتنا شرمناک ہوگا کہ عورتوں کو ایسی غلط قسم کی تربیت دی گئی ہے کہ وہ اپنے گھر اور بچوں کی چڑیوں کی طرح حفاظت کرنے سے قاصر ہوں جو بڑے سے بڑے دشمن سے مقابلے سے نہیں ہچکچاتی ہیں اور جان دے دیتی ہیں۔ہوگا یہ کہ خواتین گھروں سے بھاگ کر عبادت گاہوں میں جمع ہو جائیں گی،قربان گاہوں اور درگاہوں پر ہجوم کریں گی اور انسان کو لعنت ملامت کا نشانہ بنادیں گی۔گویا وہی تمام جانوروں سے کہیں زیادہ کم ہمت اور بزدل ہے۔

کلینیاس: اجنبی ! کسی مملکت میں تعلیم سے ایسی محرومی نہایت نامناسب اور بدقسمتی کی بات ہے۔

اجنبی : فرض کیجیے قانون اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خواتین کو حکم دیتا ہے کہ انھیں عسکری امور کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ مرد ہوں یا عورتیں تمام شہریوں کو ان پر توجہ دینی چاہیے۔

کلینیاس: مجھے تسلیم ہے۔

اجنبی : کشتی کے بارے میں ہم نے محض جزوی ذکر کیا ہے۔لیکن اس کے سب سے اہم پہلو پر کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔اس پر اس وقت تک کھل کر بات نہیں ہوسکتی جب تک ہم اپنا مفہوم بیان کرنے کے لیے الفاظ کے علاوہ جسمانی اشاروں سے بھی کام نہ لیں۔جب تک الفاظ اور اشارات کا امتزاج نہ ہو ہم اس کو شرح وبسط سے بیان نہیں کرسکتے۔ہم یہ بتائیں گے کہ تمام جسمانی حرکات میں ورزش حربی مشقوں سے قریب ترین ہوتی ہے۔اور اسی مقصد سے اس کی مشق ضروری ہے اس کے برعکس نہیں ہونی چاہیے۔

کلینیاس: بہت خوب۔

اجنبی : کشتی کے بارے میں کافی گفتگو ہو چکی ہے۔اب ہم جسم کی دیگر حرکات پر بات کریں گے ان حرکات کو عموماً رقص کا نام دیا جاتا ہے۔جس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔اول شرفا کے لیے جو قابل عزت حرکات کی نقل ہوتی ہیں۔اور دوسرے ذلیل حرکات کی نقل ہوتی ہے۔ان دونوں کی مزید دو اقسام ہوتی ہیں۔سنجیدہ حرکات میں سے ایک وہ ہوتی ہیں جو جنگ اور دیگر پر جوش کاموں میں استعمال ہوتی ہیں جو شرفا اور بہادروں کی ورزش ہوتی ہے۔دوسری دنیا پرست روح کی ہوتی ہے جس کا مقصد خوشحالی اور تھوڑی بہت مسرت ہوتی ہے۔جو امن کا رقص ہوتا ہے اور اسے اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔جو بہت ہی درست ہے۔حربی رقص اس امن کے رقص سے مختلف ہوتا ہے۔

جسے ''پائرہی (Pyrrhic) کا رقص کہا جاتا ہے۔ اس میں رقاص تیروں اور نیزوں سے بچ نکلنے کے داؤ پیچ دکھاتا ہے۔ وہ کبھی گرتا ہے۔ کبھی سرکتا ہے۔ کبھی کود کر ایک جانب ہو جاتا ہے۔ کبھی اٹھتا ہے اور کبھی زمین بوس ہوتا ہے۔ کبھی اس کے برعکس حرکات کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مثلاً تیر اندازی یا نیزہ پھینکنا۔ اور ہر قسم کی کمانوں سے کام لینا اور جب یہ نقل بہادر جسموں اور روح کی ہوتی ہے اور حرکات براہ راست اور قوی الجثہ ہوتی ہیں جن میں جسم کے اعضا کی بیشتر حرکات خط مستقیم میں ہوتی ہیں۔ میں اسے درست حرکت کہتا ہوں۔ لیکن اس کے برعکس کی حرکات درست نہیں ہوتیں۔ امن کے رقص میں ہمیں جس بات کا خیال رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کیا آدمی کی حرکات قانون کے عین مطابق اور فطری اور پُر وقار ہوتی ہیں۔ لیکن اس موضوع پر مزید گفتگو سے قبل میں ایسے رقص کی شناخت طے کر دوں جن کے بارے میں شکوک پائے جاتے ہیں۔ یا جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ان میں سے شکوک کون سا ہے اور کس طرح تمیز کی جا سکتی ہے۔ کچھ رقص وہ ہوتے ہیں جو باسک (Bacchic) سے متعلق ہیں۔ یعنی وہ جن میں بدمست افراد کی نقل کی جاتی ہے اور جو سمندر کی دیویوں، ظالم فطرت کے دیوتاؤں، گھوڑے کی شکل والے دیوتا، جنگلوں کے دیوتاؤں سے منسوب ہوتے ہیں۔ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں تطہیر کی جاتی ہے یا مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ اس قبیل کے تمام رقصوں کو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پرامن یا جنگی نوعیت کے ہیں۔ یا ان کا کسی قسم کا کوئی مطلب بھی ہوتا ہے۔ میرے خیال میں انھیں بجا طور پر ایک طرف حربی اور دوسری جانب پرامن رقص سے جدا تصور کیا جاتا ہے جو کسی بھی شہری ریاست کے لیے موزوں نہیں ہوسکتا۔ اسے یہیں چھوڑتے ہیں اور اب ہم حربی اور امن کے رقص کی طرف آ جاتے ہیں۔ بے شک ان ہی سے ہمارا تعلق ہے۔ یہ جو غیر حربی رقص ہوتے ہیں ان کا تعلق دیوتاؤں اور ان کے بیٹوں کی تکریم سے ہوتا ہے۔ جس کا مقصد خوشحالی کا حصول ہے اور بس۔ اس قسم کو دو چھوٹی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک کا مقصد خطرات سے پناہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور جس سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کا مقصد حاصل شدہ بھلائی کا تحفظ اور ان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں خوشی کا عنصر ذرا کم ہی ہوتا ہے۔ ان تمام معاملوں میں خوشی کا عنصر جتنا زیادہ ہوتا ہے، انسان اتنا ہی زیادہ اپنے اعضا کو حرکت دیتا ہے۔ اور کم ہونے کی صورت میں جسمانی

حرکات میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ مزید برآں اگر وہ نظم وضبط کا زیادہ عادی ہے اور اس نے حوصلے کو تنظیم کا پابند بنایا ہے تو وہ کم ہی حرکت کرے گا۔ لیکن اگر وہ کم حوصلہ ہے اور اس نے ضبط کرنے کی تربیت حاصل نہیں کی ہے تو اس کی حرکات زیادہ بھی ہوتی ہیں اور شدید بھی۔ وہ جب گفتگو کرتا ہے یا گاتا ہے تو جسم کو حرکت سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح فن رقص کا آغاز ہوا اور انسان الفاظ اور حرکات کی مدد سے اپنا ماضی الضمیر بیان کرنے لگا۔ ان تمام کاموں میں جس میں انسان کسی نہ کسی کی نقل کرتا ہے کوئی شخص انتہائی قاعدے سے حرکت کرتا ہے اور کسی کی حرکت نہایت بے قاعدہ ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں قدما نے ان کی نوعیت اور خوبیوں کے لحاظ سے ان کے نام تجویز کیے ہیں۔ ان میں سے ایک اعلیٰ ترین درجے کا ہے جو مردوں کے اس رقص کو دیا گیا ہے جس میں وہ خوشحالی کے باوصف اظہار مسرت میں اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ جس کسی نے اسے ایمی لیا (Emmeleiai) یعنی منظم رقص کا شاعرانہ اور حقیقت پسندانہ نام دیا۔ اس نے سچ سے کام لیا ہے۔ اس طرح شریفانہ قسم کے دو رقصوں کی نشاندہی ہو گئی۔ پائرہی حربی رقص ہوتا ہے اور ایمی لیا امن کا، دونوں بہت منظم ہوتے ہیں جس کا اظہار ان کے نام سے ہوتا ہے۔ قانون ساز کو ان باتوں کا خاکہ تیار کرنا چاہیے۔ اور قانون کے محافظوں کو چاہیے کہ وہ ان پر تحقیق کریں۔ ان کی تلاش کریں۔ رقص اور موسیقی کو باہم ایک دوسرے سے ملا دیں۔ اور قربانی کی مختلف رسموں اور ضیافتوں کو جو مناسب ہوں منتخب کریں اور جب انھوں نے ان تمام رسوم کو مقدس بنالیا۔ وہ آیندہ کے لیے اس میں خواہ رقص ہو یا نغمہ کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ بعد ازاں شہر اور شہری دونوں ایک ہی طرح کی مسرت سے دوچار ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب کے لیے ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ اس طرح وہ خوش وخرم زندگی گزاریں گے۔

میں نے اس رقص کا ذکر کیا جو شریف لوگوں اور بے لوث روح کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ لیکن اسے ناشایستہ لوگوں اور خیالات اور مضحک باتوں سے دامن بچانا چاہیے۔ ایسے افراد سے بھی جن کے طور طریقے، نغمے اور رقص مزاحیہ رنگ لیے ہوتے ہیں۔ سنجیدہ باتوں کو سمجھنے کے لیے اس کا ہلکا پھلکا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ تضاد کو تضاد ہی نمایاں کرتا ہے۔ آدمی کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے۔ لیکن اگر وہ نیک چلن ہے تو وہ ان دونوں پر عمل نہیں کر سکے گا۔ اسی لیے اسے

چاہیے کہ وہ دونوں سے آشنا رہے تاکہ وہ کبھی اور کہیں بے موقع محل اور غیر معقول بات اس کے ہونٹوں پر نہ آئے۔ وہ ان باتوں کی نقل پیش کرنے کے لیے اسے غلاموں اور کرایے کے غیر ملکیوں سے کام لینا ہوگا۔ لیکن اسے کبھی ان میں سنجیدگی سے دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔ نہ ہی کسی آزاد مرد یا آزاد عورت کو ان فنون کی تربیت لینی چاہیے۔ نقل میں بھی ہمیشہ کچھ نہ کچھ جدت ہونی چاہیے۔ ہم قانون اور اپنی بحث میں مزاح اور ہنسی کی ان باتوں کو ضابطے میں شامل کرلیں۔ جنھیں طربیہ کہا جاتا ہے اور اگر حزنیہ تخلیقات کا خالق سنجیدہ شاعر ہمارے پاس آ کر کہتا ہے کہ اے اجنبی دوستو! ہم آپ کی مملکت اور شہر میں جائیں یا نہ جائیں اپنے ہمراہ اپنی منظومات لائیں یا نہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ہم ان وجدانی خوبیوں والوں کو کیا جواب دیں؟ میری رائے میں ہمارا جواب مندرجہ ذیل ہونا چاہیے:

اے بہترین اجنبی دوستو! ہم بھی اپنی صلاحیتوں کے مطابق المیہ شاعر ہیں اور ہماری المیہ شاعری بہترین اور اشرف ہے۔ کیونکہ ہماری مملکت بہترین اور اشرف ترین زندگی کی نقل ہے۔ جو ہمارے دعوے کے مطابق المیہ کی اصل روح ہے۔ آپ بھی شاعر ہیں اور ہم بھی۔ ہم دونوں نے اس عمدہ ترین ڈرامے کے اسلوب، حریفوں اور مخالفین کے کرداروں کو تخلیق کیا ہے جسے ہماری امید ہے کہ قانون ہی مکمل کرسکتا ہے۔ اس لیے آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ ہم آپ کو کھلے میدان میں سٹیج بنانے یا آپ کے اداکاروں کی حسین آوازیں سنانے اور اپنی خواتین، بچوں اور عوام پر طنز کے تیر برسانے کی فوری اجازت دیں گے۔ ان کی زبان ہماری زبان سے مختلف ہو گی۔ ان کا لہجہ ہمارے لہجے کے برعکس ہوگا۔ ایسی ریاست فاترالعقل ہوگی جو آپ کو ایسی کھلی چھٹی دے دے۔ اس کے بارے میں فیصلہ عدالتی عہدیدار کریں گے۔ جو یہ طے کریں گے کہ آپ کی تخلیقات سنانے اور پیش کرنے کے لائق ہیں یا نہیں۔ اے نازک فن کی دیوی کے نوجوان پرستارو۔ پہلے اپنی منظومات عدالتی عہدیدار کو دکھاؤ وہ ہمارے نغمات سے ان کا موازنہ کریں گے اگر وہ ایسے ہی ہیں یا اس سے بہتر ہیں تو پھر آپ کو کورس میں گانے کی اجازت ملے گی اور اگر ہمارے معیار کے مطابق نہیں ہیں تو دوستو اجازت نہیں ملے گی۔ رقص اور ان کی تربیت کے بارے میں بھی قانوناً یہی طریق کار مقرر کیا جائے گا اور اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو غلاموں کے امور

آقاؤں سے علیحدہ کر دیے جائیں۔

کلینیاس : معاملے کو آپ نے جس طرح پیش کیا ہے۔اس پر کوئی پس وپیش نہیں ہوگا۔

اجنبی : آزاد شہریوں کے لیے اب بھی تین باتوں کا مطالعہ باقی رہ جاتا ہے۔ان میں سے ایک ریاضی کا مضمون ہے۔لمبائی، سطح اور گہرائی کی پیمائش دوسرا مضمون ہے اور تیسرے کا تعلق ستاروں کی باہمی حرکات سے ہے۔ ہر فرد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ پورے ضابطے کے ساتھ ان پر محنت کرے۔صرف چند افراد کو یہ کرنا پڑے گا۔ یہ کون ہوں گے اس کا فیصلہ آخر میں کیا جائے گا۔ جو نہایت مناسب ہوگا۔ یہ بات بڑی غیر معقول ہوگی کہ کسی کو یہ علم نہ ہو کہ انسان کے لیے عام طور پر کیا ضروری ہے اور اصل حقیقت کیا ہے۔لیکن ان امور میں تفصیل کے ساتھ داخل ہونا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی ممکن ہے۔لیکن ان میں کوئی نہ کوئی ضروری شے ہوتی ہے اور جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔اور جس شخص نے دیوتا کے بارے میں یہ کہاوت بنائی ہے غالباً اس کے ذہن میں یہی بات رہی ہوگی کہ ''دیوتا بھی ضرورت کا مقابلہ نہیں کرسکتا'' اگر میں غلط نہیں سمجھا تو اس بات سے اس کا اشارہ ملکوتی ضرورت کی طرف تھا۔کیونکہ جہاں تک انسانی ضروریات پر، جس کا ذکر ہر ایک کرتا ہے، اس کا اطلاق بہت مضحکہ خیز ہوگا۔

کلینیاس : اجنبی! ذرا یہ تو بتائیے کہ علم کی وہ کون سی ضروریات ہیں جو انسانی نہیں بلکہ ملکوتی ہیں؟

اجنبی : میری رائے تو یہ ہے کہ جسے نہ اس کا علم ہو اور نہ اس سے استفادہ کر سکے وہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ دیوتا نہیں ہوسکتا۔وہ چھوٹا دیوتا نہیں ہوسکتا۔انسانوں کے لیے سورما نہیں ہوسکتا۔یا اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے۔وہ انسان روحانی طور پر بلند مرتبہ نہیں ہوسکتا جسے ایک دو تین بھی گننا نہ آئے یا جفت اور طاق اعداد کو پہچان سکے۔یا سرے سے گنتی ہی سے نابلد ہو۔دن اور رات کو شمار نہ کر سکتا ہو اور جسے سورج چاند ستاروں کی گردش کا علم ہی نہ ہو۔یہ سمجھ لینا کتنی بڑی حماقت ہوگی کہ ان تمام باتوں کا اس کے نزدیک علم سے کوئی تعلق نہیں ہے جو علم کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کا تمنائی ہو۔لیکن ضروری ہے کہ پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ مضامین کیا ہیں، کیسے ہیں ان کی کتنی اقسام ہیں، انھیں کب سیکھنا چاہیے، کس کس کو ملا کر پڑھنا ہے اور کسے فرداً فرداً اور ان سب کا باہمی ربط کیا ہے۔ان کے حصول کے بعد جو ہماری رہنمائی کریں

گے ۔ ہم علم کی دوسری شاخوں کی طرف توجہ دیں گے ۔ کیونکہ ضرورت فطرت میں اس طرح پیوست ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی دیوتا ان کا مقابلہ نہ کر سکا ہے اور نہ ہی کرے گا۔

کلینیاس : اجنبی ! میرا خیال ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے۔

اجنبی : جی ہاں ۔ یہ درست ہے ۔ لیکن قانون ساز کے لیے ان مضامین سے آغاز کرنا مشکل ہے ۔ ہم اس پر کسی اور مناسب موقع پر قوانین تشکیل دیں گے۔

کلینیاس : اجنبی ! آپ تو ہماری فطری جہالت سے خوف زدہ نظر آ رہے ہیں ؟ کوئی ایسی وجہ تو نظر نہیں آتی کہ آپ اظہار خیال نہ کریں۔

اجنبی : میں یقیناً ان مشکلات سے خائف ہوں جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے لیکن میں ان لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں جو اس طرح کے علم پر عمل کرتے ہیں اور بُری طرح عمل کرتے ہیں ۔ کیونکہ مکمل جہالت اتنی زیادہ خطرناک اور بری نہیں جتنی بہت زیادہ ہوشیاری اور علم ، جس میں بری تربیت شامل ہو مہلک ہوتے ہیں۔

کلینیاس : بجا ارشاد۔

اجنبی : تمام آزاد شہریوں کو ان مضامین کا اتنا ہی علم ہونا چاہیے جتنا مصر میں بچوں کو حروف تہجی سکھاتے وقت بتا دیا جاتا ہے ۔ وہاں بچوں کے لیے ایسے کھیل وضع کیے گئے ہیں جن میں ریاضی سے کام لیا جاتا ہے ۔ بچے کھیل کھیل میں سیب اور ہار کبھی برابر کی تعداد میں اور کبھی کم و بیش کر کے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ وہ مکا بازوں اور پہلوانوں کی جوڑیاں بناتے ہیں ۔ کبھی مشترکہ جوڑی بناتے ہیں کبھی علیحدہ علیحدہ پھر ان کی باریاں مقرر کرتے ہیں ۔ سونے ، چاندی پیتل اور مختلف دھاتوں کے برتن کی تقسیم کا ایک دوسرا کھیل کھیلتے ہیں ۔ کبھی ایک دھات کے برتن اور کبھی مختلف دھاتوں کے برتن تقسیم کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ جیسا میں عرض کر چکا ہوں وہ ان تمام اطوار سے کام لیتے ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہوتے ہیں ۔ اور اس طرح وہ طالب علموں کو فوجوں کی نقل و حرکت اور گھر کے انتظامی امور سے آشنا کرتے ہیں ۔ اس طرح ان کھیلوں کو وہ زیادہ مفید بناتے ہیں اور لوگوں میں اس معاملے میں بیداری پیدا کرتے ہیں ۔ علاوہ ازیں وہ لمبائی ، چوڑائی اور گہرائی کی پیمائش کے ضمن میں جو لاعلمی ہے اسے دور کرتے ہیں جو نہایت ہی مہمل اور شرمناک

ہوتی ہے۔

کلینیاس : آپ کس لاعلمی کی بات کر رہے ہیں؟

اجنبی : میرے عزیز دوست کلینیاس مجھے بھی آپ ہی کی طرح ان امور سے لاعلمی کا احساس عمر کے اس حصے میں ہو رہا ہے۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ہم انسان سے زیادہ خنزیر سے مشابہ ہیں، جس پر مجھے صرف خود ہی نہیں بلکہ ایتھنز کے تمام باشندوں سے شرمندگی ہو رہی ہے۔

کلینیاس : کس بارے میں؟ اجنبی دوست جو کہنا ہے کھل کر کہہ ڈالیے۔

اجنبی : ضرور کہوں گا۔ بلکہ میں اپنا مفہوم ایک سوال کی مدد سے واضح کروں گا۔ کیا آپ اس کا جواب دینا گوارا فرمائیں گے۔ میرا خیال ہے آپ جانتے ہیں لمبائی کیا ہوتی ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : اور چوڑائی کسے کہتے ہیں؟

کلینیاس : معلوم ہے۔

اجنبی : آپ جانتے ہیں کہ ان دونوں کی نوعیت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی ہوتی ہے جسے گہرائی کہتے ہیں۔

کلینیاس : بے شک۔

اجنبی : کیا آپ کو یہ سب کی سب ہم مقدار محسوس نہیں ہوتیں۔

کلینیاس : کیوں نہیں۔

اجنبی : گویا لمبائی قدرتی طور پر لمبائی کی اور چوڑائی، چوڑائی کی۔ گہرائی، گہرائی کی ہم مقدار ہوتی ہیں۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : لیکن اگر چند چیزیں ہم مقدار ہیں اور دوسری نہیں ہیں اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ساری چیزیں ہم مقدار ہیں تو پھر اس ضمن میں آپ کی رائے کیا ہوگی؟

کلینیاس : صاف ظاہر ہے رائے ٹھیک نہیں ہوگی۔

اجنبی : جہاں تک گہرائی یا چوڑائی کے مقابلے میں لمبائی اور چوڑائی کا تعلق ہے یا لمبائی کا باہمدگر مقابلے کا تعلق ہے، کیا ایتھنز کے لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے کہ تمام کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے کی

ہم مقدار ہیں۔

کلینیاس : بات بالکل درست ہے۔

اجنبی : لیکن اگر اصل حقیقت یہ ہو کہ یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کی ہم مقدار نہ ہوں تو کیا ہمیں اپنے ہم وطنوں کی اس رائے سے شرمندگی نہیں ہوگی۔ اور کیا ہم ان سے یہ نہیں کہیں گے کہ اے اہل یونان کیا یہ وہی بات نہیں ہے جس کے بارے میں ہم کہہ رہے تھے کہ اس سلسلے میں لاعلم رہنا بڑی شرمناک بات ہے اور جس کے بارے میں تھوڑی سی شدھ بدھ بھی کوئی اعزاز کی بات نہیں ہے؟

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : اس سے ملتی جلتی اور بھی باتیں ہیں جن میں اسی قبیل کی دیگر غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔

کلینیاس : وہ کیا ہیں؟

اجنبی : ہم مقدار اور غیر ہم مقدار کیت کی ماہئیتیں باہمی تناسب پر منحصر ہوتی ہیں۔ جو شخص اچھے برے کی تمیز رکھتا ہے وہ ان میں فرق محسوس کر سکتا ہے اور اگر مختلف افراد وقت گزارنے کے لیے ایک دوسرے سے سوالات پوچھنے کا مقابلہ کریں تو یہ بوڑھوں کے گوٹوں والے کھیل (ڈرافٹ) سے کہیں بہتر اور مفید ہوگا۔

کلینیاس: میں ضرور کہوں گا کہ وقت گزارنے کے یہ طریقے گوٹوں کے کھیل (ڈرافٹ) سے زیادہ مختلف ہیں۔

اجنبی : میرے دوست۔ یہ وہ مضامین ہیں جنھیں ہمارے نوجوانوں کو پڑھنا اور سیکھنا چاہیے۔ وہ معصوم ہیں لیکن کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔ ان کا اس طرح سیکھنا ایک تفریحی عمل ہوگا جس سے خود ریاست کو فائدہ پہنچے گا۔ اگر کسی کی رائے مختلف ہے تو وہ بتا دے۔

کلینیاس : بالکل۔

اجنبی : یعنی اگر یہ مضامین اتنے ہی اہم ہیں جتنے ہم سمجھتے ہیں تو ہم انھیں شامل نصاب کریں گے ورنہ انھیں الگ کر دیں گے۔

کلینیاس: یقیناً لیکن اجنبی دوست کیا ہم ان مضامین کو لازمی نہ قرار دیں تا کہ قوانین کی خامی دور ہو جائے؟

اجنبی : ان کو ہم عہد سمجھیں گے۔ جسے ایفا کریں گے یا ریاست سے اس صورت میں ترک کر دیں گے جب

ہمارے لیے وہ جس نے عہد کیا ہے یا آپ کے لیے، جس نے اس کو قبول کیا ہے مرغوب اور دلپسند نہ ہو۔

کلینیاس : شرط معقول ہے۔

اجنبی : آیئے اب ذرا یہ طے کر لیں کہ کیا علم فلکیات کی تعلیم ہمارے نوجوانوں کے لیے قابل قبول ہے یا نہیں؟

کلینیاس : پھر اس کے آگے کیا ہوگا؟

اجنبی : اس موقع پر ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ رونما ہوتا ہے جسے کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے۔

کلینیاس : آپ کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

اجنبی : لوگ کہتے ہیں ہمیں اعلیٰ ترین دیوتا کی معرفت اور کائنات کی ماہیت کی چھان بین نہیں کرنی چاہیے اور اسباب و علل کی جستجو میں مصروف نہیں ہونا چاہیے۔ ایسی جستجو ناپاک جسارت ہوگی۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

کلینیاس: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔

اجنبی : غالباً میری بات بظاہر متناقضات کا مجموعہ اور مروجہ زبان و بیان سے مختلف نظر آئے گی لیکن جب کسی کا خیال درست ہو اور ریاست کے مفاد سے وابستہ ہو اور دیوتا کی خوشنودی کا باعث ہو تو اس کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔

کلینیاس: آپ کی بات بڑی معقول ہے۔ لیکن کیا ستاروں سے متعلق اس میں کچھ عمدہ خیالات نظر آتے ہیں؟

اجنبی : میرے پیارے دوستو! اس مرحلے پر ہم تمام یونانی جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کریں گے اگر ہم دیوتاؤں، سورج دیوتا اور چاند دیوی کے بارے میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کریں۔

کلینیاس : کس قسم کا جھوٹ؟

اجنبی : ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اور اس جیسے دیگر ستارے اپنے راستے پر چلتے ہیں جنھیں ہم سیارے کہتے ہیں۔

کلینیاس: اجنبی یہ بات تو بالکل ہی درست ہے میں نے اپنی زندگی میں بے شمار بار صبح اور شام کے ستاروں کے علاوہ دیگر ستاروں کا بھی مشاہدہ کیا ہے، جو اپنے مقررہ راستے پر نہیں چلتے بلکہ راستے سے الگ

ہو کر آوارہ خرامی کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح میں نے چاند، سورج کو بھی معمول کے مطابق حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اجنبی : بجا ارشاد۔ میرے دوستو میں یہ کہوں گا کہ ہمارے شہریوں اور نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ دیوتاؤں کی معرفت اسی حد تک حاصل کریں تا کہ وہ ان کے حضور قربانیاں پیش کریں اور نہایت خشوع وخضوع سے مناجاتیں کریں۔ ان کے خلاف کوئی کلمۂ کفر ادا نہ کریں۔

کلینیاس : آپ کی بات درست ہے لیکن ضروری ہے کہ اس علم کا حصول ممکن ہو۔ اور اگر ہمارا موجودہ طرز تخاطب صحیح نہیں ہے تو ہمیں اس کی اصلاح کے لیے ہدایت دی جاسکتی ہے اور میں آپ سے کلی طور پر متفق ہوں کہ بات کو اچھی طرح ادا کرنے کے لیے ایسا علم حاصل کرنا ہوگا۔ کیا اب آپ اپنی بات صراحت کے ساتھ بیان کریں گے تا کہ آپ کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اجنبی : میرے مفہوم کو سمجھنے میں تھوڑی بہت دقت ضرور ہوگی۔ اور وقت بھی زیادہ صرف نہیں ہوگا۔ اس بات کا ثبوت میری اپنی ذات ہے۔ میں ان باتوں سے عرصۂ دراز تک واقف نہیں تھا۔ اپنی جوانی میں بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ تاہم میں آپ کو تھوڑے وقت میں اسے سمجھا سکتا ہوں اگر یہ باتیں مشکل ہوتیں تو میں اس کی بالکل ہی صراحت نہیں کرتا۔

کلینیاس : درست ہے۔ لیکن وہ کون سا علم ہے جسے آپ نوجوانوں کے لیے مفید اور ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم اس سے ناواقف ہیں۔ جہاں تک ہو سکے ہمیں اس کے بارے میں صراحت سے بیان کیجیے۔

اجنبی : کوشش کروں گا۔ میرے عزیز دوستو! سورج، چاند اور ستاروں کی چالوں کا اصول حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی راہ پر چلتا رہتا ہے کئی راستوں پر نہیں۔ ان کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ جو مدور ہوتا ہے اور تنوعات صرف نظر کا دھوکا ہیں ہمارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ان میں جو ست رفتار ہیں وہ دراصل تیز رفتار ہوتے ہیں یا بظاہر تیز رفتار دراصل ست رفتار ہوتے ہیں اور اگر میری یہ بات درست ہے تو یہ سوچیے کہ اولمپیا (Olympia) کی گھڑ دوڑ پر یا انسانوں کی لمبی مسافت کی دوڑ پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جہاں ہم تیز ترین کو ست ترین اور ست ترین کو تیز ترین قرار دے کر ہارنے والوں کے قصائد پڑھتے ہیں گویا وہی جیتنے والے ہیں۔ اس صورت میں ہمارے کلمات تحسین ضائع ہوتے ہیں اور دوڑ میں حصہ لینے والوں کو بھی اچھے نہیں

لگتے۔ خیر وہ تو انسان تھے لیکن ہم اسی طرح کی غلطی دیوتاؤں کے بارے میں بھی کرتے رہتے ہیں۔ جو انسانوں کے سلسلے میں تو مضحکہ خیز اور غلط ہی ہوتے ہیں کیا اس بات پر ہنسی نہیں آئے گی؟

کلینیاس : مضحکہ خیز۔ جی نہیں اس سے بدتر!

اجنبی : دیوتا یہ کبھی نہیں پسند کریں گے کہ ہم ہر معاملہ کی غلط روداد پیش کریں۔

کلینیاس : سچ ہے اگر واقعہ ایسا ہی ہو تو۔

اجنبی : اگر ہم یہ ثابت کریں کہ اصل واقعہ ایسا ہی ہے تو ان تمام باتوں کا سیکھنا ضروری ہوگا تاکہ سوءِ عقیدت سے چھٹکارا مل جائے۔ اگر ہم سے یہ نہیں ہو سکتا تو پھر انھیں چھیڑا نہ جائے۔ یہی ہمارا فیصلہ ہونا چاہیے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : تعلیم و تربیت سے متعلق قوانین کا بہت تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب شکار اور اس نوع کے دیگر اشغال ہماری توجہ کا مرکز بن گئے ہیں۔ کیونکہ قانون ساز کے کچھ فرائض ایسے بھی ہوتے ہیں جو قانون سازی سے ماوریٰ بھی ہوتے ہیں۔ ایسی بھی کچھ باتیں ہوتی ہیں جو قانون سے بالاتر ہوتی ہیں جن کے ڈانڈے قانون اور تعزیر سے جا ملتے ہیں۔ اور جن کے بارے میں ہم نے اپنی گفتگو کے درمیان بارہا غور کیا ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کی تعلیم کے ضمن میں کچھ ایسی بھی باتیں ہوتی ہیں جو ہمارے خیال میں ناقابلِ تشریح ہوتی ہیں۔ اور ان کو قانون موضوعہ کا درجہ دینا نہایت ہی مہمل بات ہوگی۔ ہم نے اپنے قوانین اور ریاستی دستور کا خاکہ ان خطوط پر استوار کر لیا ہے تو نیک عمل شہریوں کی تعریف و توصیف میں صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہوگا کہ وہ بہترین طریقے سے قانون کی پاسداری کرتا ہے اور ان پر پوری طرح عمل درآمد کرتا ہے لیکن اعلیٰ درجے کی توصیف یہ ہوگی کہ وہ ایسا شہری ہے۔ جس کی پوری زندگی آلودگی سے محفوظ رہتی ہے اور وہ قانون وضع کرتے وقت اور دوسروں کی توصیف اور مذمت کے وقت قانون سازوں کے الفاظ کا مطیع ہوتا ہے۔ اصل قانون ساز وہی ہوتا ہے جو نہ صرف قانون وضع کرتا ہے بلکہ اس کے تانے بانے میں ایسی باتوں کو بھی بُن لیتا ہے جو اس کی نظر میں حسین بھی ہوتی ہیں اور قبیح بھی۔ اور بے عیب شہری وہی ہوتا ہے جو قانون کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ان کے اصولوں کی سربلندی پر بھی نظر رکھتا ہے اور ان کو

تعزیرات کے ذریعہ مستحکم بناتا ہے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں جس سے میرا مفہوم بہت ہی واضح ہو جائے گا اور میری بات کا ثبوت بھی حاصل ہو جائے گا۔ شکار کا مفہوم بہت ہی وسیع ہے۔ جس میں متعدد امور شامل ہوتے ہیں۔ شکار آبی جانوروں کا بھی ہوتا ہے صحرائی کا بھی، پرندوں کا بھی۔ یہ لفظ صرف جنگلی جانوروں کا ہی احاطہ نہیں کرتا۔ انسانوں کا شکار بھی قابل غور ہے۔ یہ شکار جنگ کے دوران کیا جاتا ہے اور کبھی ان کی تلاش دوستانہ بھی ہوتی ہے جس کی توصیف بھی ہوگی اور جسے برا بھی سمجھا جاتا ہے۔ چوری اور ڈاکا بھی اس کی ایک قسم ہے جو چوروں اور لٹیروں کا کام ہے۔ اس کے علاوہ فوجیں بھی ایک دوسرے کا شکار کرتی ہیں۔ اس لیے جب قانون ساز شکار کے قانون بنانے بیٹھے گا تو ان پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی وہ ان تمام کے لیے یکساں ضابطے اور سزائیں مقرر کرے گا۔ وہ کیا کرے گا؟ وہ اس کی توصیف اور تنقید میں نوجوانوں کے صحت منداشغال کا لحاظ رکھے گا دوسری جانب نوجوان کو اس کی بات پر توجہ دینی پڑے گی اور اسے ماننا پڑے گا۔ اس عمل میں نہ خوشی اور نہ ہی تکلیف مانع آئے گی۔ اور قانون ساز کے ضابطوں اور توصیف کو اپنے عمل کا معیار بنائے گا۔ قانون کے تحت ملنے والی سزاؤں کو نہیں۔ اس تمہید کے بعد شکار کی معتدل تعریف اور تنقیص کی باری آئے گی۔ تعریف اس شکار کی ہوگی جس میں نوجوانوں کو روحانی آسودگی ملے گی اور تنقیص ان کی جو اس کے برعکس ہوں گے۔

آیئے اب نوجوانوں کے لیے ایک دعا پر توجہ دیں۔ ہم ان سے کہیں گے" دوستو آپ کے دلوں میں بحری شکار کی ایسی کوئی خواہش پیدا نہ ہو جو عالم خواب میں اور بیداری میں آپ پر پوری طرح مسلط ہو جائے اور تمہاری نیتوں میں ایسا فتور پیدا نہ ہو کہ تم لوگوں کا شکار کرنے لگو اور بحری قذاقی اختیار کر لو جس کے سبب تم شقی القلب اور قانون شکن شکاری بن جاؤ۔ اور جہاں تک آبادیوں میں چوری کی بدعادت کا تعلق ہے دعا ہے کہ تم لوگوں کے خیالات پر اس کا سایہ بھی نہ پڑے۔ اور نہ ہی تمھارے تصور میں پرندوں کے لیے مکارانہ چالوں کا خیال بھی جاگزیں ہو۔ کیونکہ یہ باتیں آزاد لوگوں کے شایان شان نہیں ہوتیں۔ اس لیے ہمارے کھلاڑیوں کے لیے صرف صحرائی جانوروں کے شکار کی گنجایش باقی رہ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک قسم کا شکار صرف رات میں کیا جاتا ہے۔ جس میں شکاری باری باری سوتے ہیں اور کاہل بن جاتے ہیں۔ اس کی سفارش

نہیں کی جاسکتی۔اس میں وہ شکار بھی شامل ہیں جس میں شکاری آرام سے بیٹھ کر جال کے ذریعے جانوروں کو بے بس کر دیتے ہیں۔قوت اور محنت سے ان پر قابو نہیں پایا جاتا۔اس طرح بہترین قسم کا شکار جس کی اجازت ہوگی وہ چوپایوں کا شکار ہوگا۔ جو گھوڑوں، کتوں اور خود انسانوں کے ذریعے کیا جائے گا۔ وہ ان چوپایوں کو دوڑ دھوپ سے نیزے پھینک کر زیر کرتے ہیں ان کی توصیف اور تنقیص اب واضح ہو چکی ہے۔اس لیے قانون کی شکل مندرجہ ذیل ہونی چاہیے۔کسی فرد کو نہیں چاہیے کہ وہ ان افراد کی راہ روکے جو قانونی شکاری ہیں اور وہ جہاں چاہیں جس طرح چاہیں شکار کا تعاقب کریں لیکن جو شکاری رات میں جال اور نشہ آور مشروبات کے ذریعے شکار کریں انھیں اس کی کہیں بھی اجازت نہیں ہوگی۔

چڑی ماروں کو پہاڑوں اور ویرانوں میں شکار کی اجازت ہوگی مزروعہ اور محفوظ علاقوں میں نہیں اور ان کے علاوہ وہ جہاں کہیں بھی شکار کرتے پائے جائیں تو ہر شہری کو انھیں اس کام سے روکنے کا اختیار ہوگا، جہاں تک پانی میں شکار کا تعلق ہے تو پابندی صرف بندرگاہوں، مقدس دریاؤں یا دلدلوں یا تالابوں میں شکار پر ہوگی۔اس کے علاوہ اسے یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ پانی کو زہر آلود کرے۔ لیجیے تعلیم کے ضمن میں تمام قوانین کی تیاری مکمل ہوگی ہے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

☆☆☆
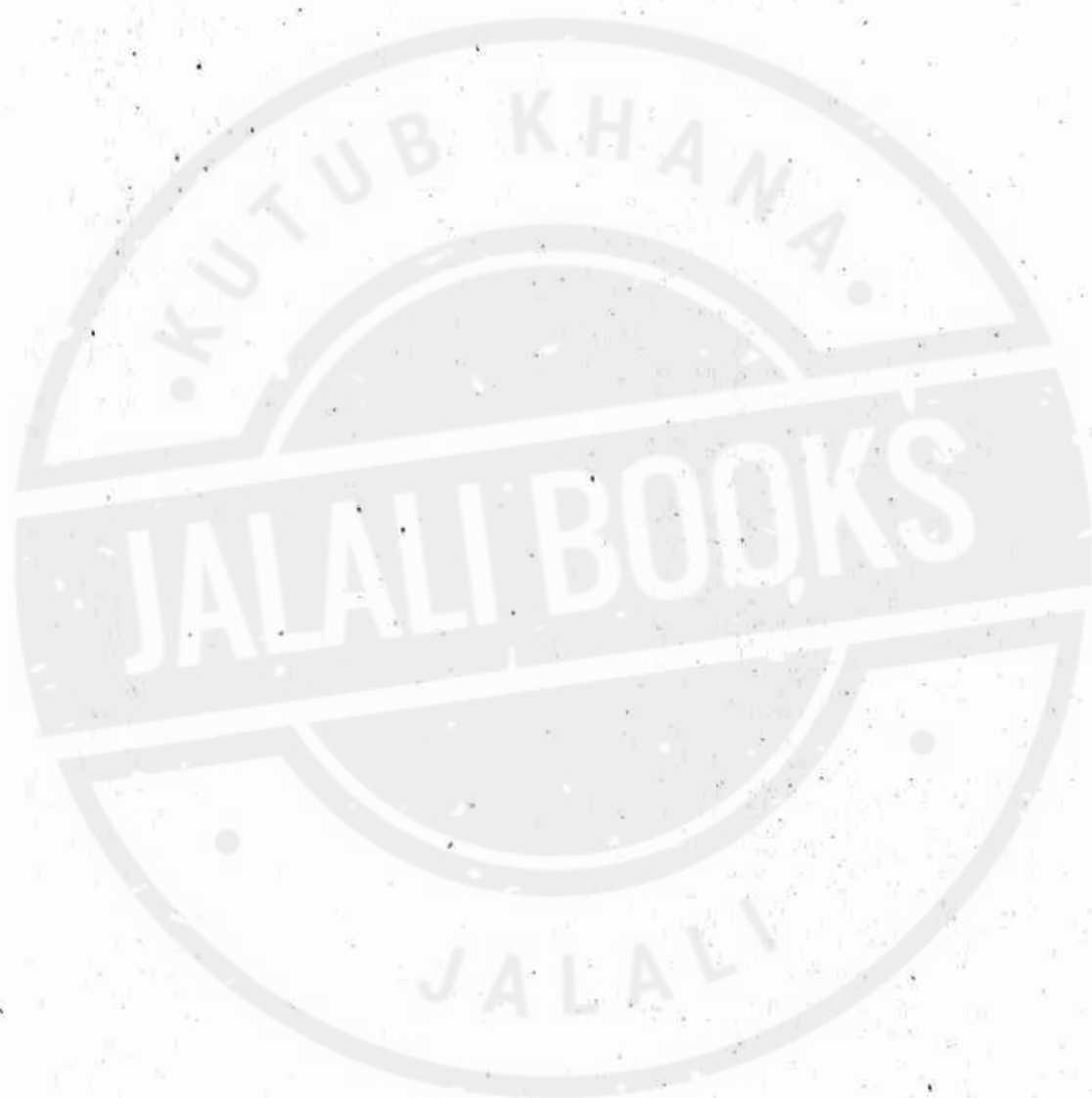
آٹھویں کتاب

اجنبی : اب ہمیں ڈیلفی کی دیوی کی توفیق سے تہواروں کا تعین کر کے ان کے بارے میں قوانین وضع کرنے ہیں، اور یہ بھی طے کرنا ہے کہ شہر کے لیے کس قسم کی قربانیاں مفید ہوں گی اور انھیں کن کن دیوتاؤں کی نذر کرنا ہوگا۔ انھیں کب اور کتنی بار نذر کرنا ہوگا اس کا فیصلہ بھی ہمیں کرنا ہے۔

کلینیاس : ان کی تعداد۔ جی ہاں !

اجنبی : چلیے پہلے ان کی تعداد طے کر لیتے ہیں۔ اس کے لیے مکمل عدد ۳۶۵ لیتے ہیں۔ یعنی ہر روز کے لیے ایک قربانی تا کہ قانون کا عہدیدار ہر روز کسی نہ کسی دیوتا کے حضور شہریوں کی طرف سے قربانی پیش کرے۔ اور مفسرین، پجاری، پجارنیں اور ان کے معاونین باہم جمع ہوں اور قانون کے محافظوں کی معیت میں ان باتوں کا حکم دیں جن کو قانون سازوں نے لازماً حذف کر دیا ہے۔ میں تو کہوں گا کہ یہ وہ لوگ تھے جنھیں یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ وہ کیا شے حذف کر رہے ہیں۔ قانون کے مطابق بارہ دیوتاؤں سے منسوب بارہ ضیافتیں ہیں۔ اور بارہ قبائل جن کے نام سے منسوب ہیں۔ اور ان کے لیے نام بنام ماہ بماہ قربانی دی جاتی ہے۔ اس ضمن میں دیوتاؤں اور موسموں کے مطابق رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کھیلوں اور ورزشوں کے مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں۔ اور وہ مردوں کے تہواروں سے علیحدہ خواتین کے تہوار مناتے ہیں۔ مزید برآں وہ جہنمی دیوتاؤں اور ان سے منسوب تہواروں کو بہشتی دیوتاؤں اور ان کے تہواروں کو خلط ملط نہیں ہونے دیتے۔ دیوتا پلوٹو کو اس کا حق بارھویں مہینے میں ادا کیا جاتا ہے۔ جو قانوناً ان کی نسبت سے مقدس مانا جاتا ہے۔ جنگ آزماؤں کو چاہیے کہ وہ ایسے دیوتاؤں سے اظہار نفرت نہ کریں بلکہ انھیں انسان دوست تسلیم کرتے ہوئے ان کی تکریم و توقیر کریں۔ میں پوری سنجیدگی سے یہ کہتا ہوں کہ جسم و روح کا ارتباط ہر صورت میں اس کے انتشار سے بہتر نہیں ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں جو لوگ ان امور کو منضبط کرنے

کے ذمہ دار ہیں۔ انھیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہمارے شہر کی فرصت کے لمحات اور لوازمات زندگی کے حصول کے اعتبار سے کسی دوسرے موجودہ شہر میں مثال نہیں ملے گی۔ اور لوگ ایک فرد کی طرح ہنسی خوشی زندگی بسر کریں گے جو لوگ ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں وہ کوئی غلط کام نہیں کرتے اور نہ دوسرے ان کے خلاف کوئی کام کرتے ہیں۔ اوّل الذکر کا حصول مشکل نہیں ہے لیکن اس قوت کا حصول بہت ہی مشکل ہے۔ جس کے سبب آپ کے خلاف دوسروں کو کام کرنے کا موقع نہ ملے۔ کوئی بھی فرد ظلم وزیادتی سے مکمل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس کے لیے اس کا نیکوکار رہونا ضروری ہے۔ اس معاملے میں شہر بھی افراد ہی کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ اگر شہر اچھا ہے تو امن وامان کا دور دورہ ہوتا ہے اور اگر اچھا نہ ہو تو جنگ، بدامنی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کے سبب شہری جنگ کے نہیں بلکہ امن کے زمانے میں بھی حالت جنگ میں ہوتے ہیں۔ اور جن شہروں میں دانائی کا راج ہو وہاں ضروری ہے کہ لوگ مہینے میں کم از کم ایک بار جنگ کی مشق کریں اور اگر عدالتی عہدیدار مناسب سمجھیں تو ایک بار سے زیادہ بھی ایسی مشقیں کی جاسکتی ہیں اس میں جاڑے، گرمی، برسات کی کوئی قید نہیں ہونی چاہیے۔ وہ ان مشقوں میں بال بچوں سمیت اجتماعی طور پر شرکت کریں گے۔ اس طرح عدالتی عہدیداروں کی صوابدید کے مطابق پورا شہر یا اس کا کوئی حصہ شریک ہوگا۔ انھیں چاہیے کہ وہ ان مواقع پر ضیافتوں، قربانیوں اور کھیلوں کا اہتمام کریں جس میں جہاں تک ہو سکے اصلی جنگ کا نقشہ پیش کیا جائے اور شرکا کو انعامات اور تمغہ جات سے نوازا جائے۔ اور مقابلے کے نتائج کے مطابق ان کی توصیف اور تنبیہ کی جائے۔ شاعروں کو چاہیے کہ وہ جیتنے والوں کی شان میں قصیدے کہیں۔ شرط یہ ہے کہ شاعر کی عمر پچاس برس سے کم نہ ہو۔ اور نہ ہی شاعری اور موسیقی کی صلاحیتوں کے باوجود اس سے زندگی بھر کوئی غیر معقول اور گھٹیا حرکت سرزد ہوئی ہو۔ لیکن صرف ان کے نغمے اور نظمیں مملکت میں گائی جائیں جو بذاتہٖ نیک اور باعزت ہوں اور ان سے صرف نیک کام ہی سرزد ہو رہے ہوں۔ اگرچہ ان کے کلام میں موسیقیت کی کمی محسوس ہوتی ہو۔ اس بات کا فیصلہ نوجوانوں کے امور کے اتالیق اور قانون کے نگہبانوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو انھیں یہ اعزاز بخشیں گے اور ان کے نغمے ریاست کے گوشے گوشے میں گونجیں گے۔ تاہم دنیا کے دوسرے علاقوں کو یہ آزادی حاصل نہیں ہوگی جن

نغموں کی قانون کے نگہبانوں نے توثیق نہیں کی ہے اسے کوئی بھی گانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ خواہ ان غیر توثیق شدہ نغموں کی خوبیاں اور غنائیت تھیمی راس (Thamy ras) اور آرفیکس جیسے مسلم الثبوت اساتذہ کے نغمات سے بہتر ہی کیوں نہ ہوں۔ صرف ان ہی نغمات کے گانے کی اجازت ہوگی جو مقدس ہوں گے اور کسی نہ کسی دیوتا کی شان میں ہوں گے۔ یا ایسے معروف شعرا نے کہے ہوں جنھیں انعامات اور اعزازات سے نوازا گیا ہوگا۔ اور جو متعین مقاصد کی تکمیل کر رہے ہوں۔

جنگ اور شاعری میں اظہار خیال کی آزادی سے متعلق تمام قوانین کا اطلاق مردوں اور عورتوں پر یکساں ہوگا۔ قانون ساز اس سوال پر اپنے آپ سے اس نہج پر بحث کرے گا کہ میرے وہ کون سے شہری ہیں جن کے لیے میں نے شہر کی اس طرح تنظیم کی ہے؟ کیا وہ عظیم ترین مقابلے میں ایک دوسرے کے حریف نہیں ہیں جن کی تعداد بے شمار ہے۔ اس سوال کا فطری جواب ہی قابل یقین ہوگا۔ لیکن اگر ہم مکابازوں یا یونانی کشتی کے ماہروں یا دیگر قسم کے کھلاڑیوں کی تربیت کر رہے ہوں تو جب تک کوئی مقابلہ نہ ہو ان کی آزمایش ممکن نہیں۔ تاہم کیا ہم روزانہ کی مشقوں میں اس کا اہتمام نہیں کریں گے؟ یقیناً فرض کیجیے ہم مکا باز ہیں تو کئی روز پہلے مقابلے کی تیاری شروع کر دیں گے اور وہ تمام داؤ پیچ اور مکے آزمائیں گے جسے ہمارا حریف استعمال کر سکتا ہے۔ اور مقابلے کے اصل حالات سے نزدیک تر آنے کے لیے ہم بجائے عام دستانوں کے مکابازی کے دستانے پہنیں گے تاکہ ہم اپنے مکوں کو حملوں اور بچاؤ کے لیے زیادہ مؤثر بنا سکیں۔ اور اگر مقابلے کی مشق کے لیے اہل افراد نایاب ہوں تو ہم دوسروں کی پروا کیے بغیر ایک تھیلا لٹکا کر اپنی مشق کو جاری رکھیں گے۔ بالفرض محال اگر کوئی فرد اور کوئی تھیلا دستیاب نہ ہو تو ہم اکیلے ہی مکابازی کی مشق کیوں نہ جاری رکھیں؟ اور کسی طریقے سے حفاظت خود اختیاری کی تیاری کر سکتے ہیں؟

کلینیاس: اجنبی دوست آپ نے جو طریقہ بیان کیا ہے اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

اجنبی : تو کیا ہمارے جنگ باز ان مکابازوں سے بھی کمتر تیاری کرتے رہیں۔ یہ سپاہی اپنی جان و مال، آل اولاد اور شہر کی حفاظت کے لیے وقت پڑنے پر سربکف ہو جائیں گے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہمارے قانون دان محض اس خوف سے کہ لوگ ہنسی اڑائیں گے کہ سپاہی آپس ہی میں

دست و گریباں ہیں۔ انھیں جنگی تیاریوں کے لیے مقابلوں کا حکم نہ دیں۔ کیا وہ اس حکم دینے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ سپاہی اسلحہ کے بغیر مشق اور ورزش میں اپنا زیادہ وقت صرف نہ کریں۔ ان کی تمام ورزشوں اور رقص کا یہی مقصد ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہے گا کہ یہ سپاہی مہینے میں ایک دو بار کبھی کم اور کبھی زیادہ ورزشی کرتب بھی دکھائیں۔ اور ملک بھر میں ایک دوسرے سے مقابلے کا اہتمام کریں۔ ایک دوسرے کی چوکیوں پر قبضہ کریں۔ گھات لگا کر بیٹھیں۔ غرض ہر لحاظ سے جنگ کی اصل صورت حال کی نقل کریں۔ مکا بازی کے دستانوں سے دست بدست جنگ کریں۔ ایک دوسرے پر نیزے پھینکیں اور خطرے کی پروا کیے بغیر اصلی اسلحہ استعمال کریں۔ تاکہ یہ مقابلے محض کھیل نہ ہوں بلکہ پرخطر بھی ہوں۔ تاکہ سپاہیوں میں باہمت اور بے ہمت میں تمیز ہو سکے۔ اور ان کی تکریم و تذلیل سے ہی اہلیان شہر کو زندگی کی اصل آویزش سے آشنا کر دیا جائے۔ اگر اس مصنوعی جنگ میں کوئی فوت ہو جاتا ہے تو یہ موت رضا کارانہ نہیں سمجھی جائے گی۔ اور جب قاتل کی قانون کے مطابق تطہیر ہو جائے گی تو ہم اسے اعلیٰ نسل کا قرار دیں گے کیونکہ ہماری رائے میں اگر چند آدمی مر جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کی جگہ ان ہی جیسے نیک لوگ پیدا ہو جائیں گے تاہم اگر خوف ختم ہو جائے تو شہریوں کو یہ پتا ہی نہیں چلے گا کہ بہتر اور بدتر سپاہی کون ہے، جس سے مملکت کا چند شہریوں کی موت سے کہیں زیادہ نقصان ہوگا۔

کلینیاس: اجنبی دوست ہم لوگ آپ سے متفق ہیں کہ ہمیں ان امور کے بارے میں قوانین اور ضابطے وضع کرنے چاہئیں اور ان پر پوری ریاست کو عملدرآمد کرنا چاہیے۔

اجنبی : یہ بتائیے کیا وجہ ہے کہ اس قسم کے رقص اور مقابلوں کا ریاستوں میں قابل ذکر وجود نظر نہیں آتا؟ کیا انسانوں اور قانون سازوں کی لاعلمی اس کی وجہ ہے؟

کلینیاس : غالباً۔

اجنبی : یقیناً ایسا نہیں ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ جو اس خامی کی نشاندہی کے لیے کافی ہوں گی۔

کلینیاس: وہ کیا ہیں؟

اجنبی : اس کی پہلی وجہ تو مال کی محبت ہے جس میں مرد شہری پوری طرح مبتلا ہوتے ہیں۔ انھیں اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ اپنی نجی ملکیت کے علاوہ کسی اور بات پر توجہ دے سکیں۔ اس کی روح ذاتی منفعت

کے دھاگے سے لٹکی رہتی ہے۔ انسان ہر اس مضمون کو سیکھنے اور اس پیشے کو اپنانے کے لیے ہمہ وقت بے چین رہتا ہے جو اس مقصد کے حصول میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ وہ دیگر مضامین کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ یہی ایک وجہ ہے کہ شہر میں ایسے مقابلوں اور اچھے اور معزز اشغال میں لوگ سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لیکن سونے اور چاندی کی حرص میں ہر شخص دولتمند ہونے کے لیے کسی بھی حد تک گر سکتا ہے اور اسے اس مقصد کے لیے کسی بھی کام سے گریز نہیں ہوگا۔ خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز۔ وہ وحشی درندے کی طرح ہر قسم کی چیزیں کھالے گا پی لے گا۔ اور اپنی حرص کی تسکین کے لیے کسی کام سے دریغ نہیں کرے گا۔

کلینیاس : درست ہے۔

اجنبی : کسی ریاست میں فن حرب اور کسی دیگر اعلیٰ مقصد پر مستعدی سے عمل کرنے میں یہی بات مانع ہوتی ہے اور تمام اعتدال پسند افراد کو تاجر، جہازوں کے کپتان اور ملازم بنانے پر تلے رہتے ہیں اور بہادر لوگوں کو چور، نقب زن اور ڈاکو، پر تشدد، ظالم و جابر بنا ڈالتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر نالائق اور بدنصیب ہوتے ہیں۔

کلینیاس: آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : کیا ایسے لوگ بدنصیب نہیں ہوتے جن کی طمع تمام عمر پوری نہیں ہوتی؟

کلینیاس : اجنبی یہ تو ایک سبب ہوا۔ آپ نے دوسرے کا بھی ذکر کیا تھا۔

اجنبی : یاد دہانی کا شکریہ۔

کلینیاس : آپ نے فرمایا تھا کہ دولت کی نہ ختم ہونے والی طمع انسان پر مسلط رہتی ہے اور اسے صحیح قسم کے فن حرب کی مشق کا موقع فراہم نہیں ہونے دیتی۔ یہ تسلیم ہے۔ اب دوسری وجوہ پر روشنی ڈالیے۔

اجنبی : آپ کا کیا خیال ہے کہ میں بات آگے بڑھانے میں اس لیے دیر کر رہا ہوں کہ میں کسی الجھن کا شکار ہوں۔

کلینیاس: جی نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ دولت کے شوقین افراد پر سختی کر رہے ہیں۔ اور آپ کو ان سے نفرت ہے۔

اجنبی : آپ کی تادیب جائز ہے۔ اب میں دوسری وجہ بیان کر رہا ہوں۔

کلینیاس : جی ارشاد فرمایئے۔

اجنبی: میں تو کہوں گا کہ خود حکومتیں بھی ایک سبب ہوتی ہیں، جمہور کی حکومت، امرا کی حکومت، جابروں کی حکومت، ان سب کے بارے میں ہم پہلے اظہار خیال کر چکے ہیں۔ انھیں حکومت کہنا درست نہیں ہوگا کیونکہ ان میں کوئی بھی رضا کارانہ طور پر نہ حاکم ہوتا ہے اور نہ ہی محکوم۔ انھیں صحیح معنوں میں انتشار کہا جاسکتا ہے جن میں حاکم رضا کار ہوں تو ہوں، محکوم بادل نخواستہ ہی احکام پر کاربند ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں مجبور کیا جاتا ہے۔ حاکم کو محکوموں کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور اگر ان کا بس چلے تو وہ کسی کو معزز، دولت مند، قوی، بہادر یا جنگ آزمانہ بننے دیں۔ تمام بدعنوانیوں کے یہی اسباب ہیں۔ ان تمام بدعنوانیوں کے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ لیکن ہماری ریاست ان دونوں وجوہ سے مبرا ہے کیونکہ اس کے شہریوں کو بڑی فرصت نصیب ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے محکوم نہیں ہیں۔ اور ان قوانین کے ذریعے وہ دولت کے پجاری نہیں بنیں گے۔ معقول بات تو یہ ہے کہ یہ ہمارا دستور اپنی نوعیت کا دنیا بھر میں اکلوتا ہے جس کی رو سے تعلیم کو اہمیت دی گئی ہے اور تفریحی اشغال میں عسکریت کو شامل کیا گیا ہے۔

کلینیاس : بات درست ہے۔

اجنبی : اس کے بعد ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان ورزش کے تمام مقابلوں اور فوجی نوعیت کے کھیلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ انعامات اور اعزازات تقسیم ہوتے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ فوجی نوعیت کے کھیلوں کی تصریح قانون کے ذریعے کر دی جائے ہم اپنی بات کا آغاز دوڑ اور تیز رفتاری سے کرتے ہیں۔

کلینیاس : بہت اچھی بات ہے۔

اجنبی : فوجی نقطۂ نگاہ سے ہاتھ، پاؤں اور دیگر جسمانی حرکات بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ کیونکہ دشمن کو گرفتار کرنے یا اس سے بچ نکلنے کے لیے قدموں کو تیزی سے حرکت دینا ضروری ہے۔ لیکن دست بدست جنگ کے لیے طاقت اور قوت درکار ہوتی ہے۔

کلینیاس: بجا ارشاد۔

اجنبی : یہ دونوں کام اسلحہ کے بغیر نہیں کیے جاسکتے ہیں۔

کلینیاس : کام کس طرح کے ہوں گے؟

اجنبی : اعلانچی معمول کے مطابق سب سے پہلے دوڑنے والے کو پکارے گا جو مسلح ہو کر میدان میں اترے گا کیونکہ غیر مسلح فرد انعام کا حقدار نہیں ہوگا پہلے وہ نوجوان میدان میں آئے گا جو اسلحہ سے لیس ہو کر پورے میدان کا چکر پورا کر سکتا ہو۔ اس کے بعد اس کی باری آئے گی جو دو چکر لگا سکتا ہو۔ پھر وہ آئے گا جو گھوڑ دوڑ کے میدان میں دوڑے گا۔ چوتھی باری اس کی آئے گی جو طویل مسافت کی دوڑ میں حصہ لے گا۔ پانچویں باری اس کی آئے گی جو بھاری بھرکم اسلحہ سے لیس ہو کر ساٹھ سٹیڈیا کی دوڑ آریس (Ares) کے مندر تک دوڑے گا۔ اس کے بعد ہم اسے موقع دیں گے جو مزید بھاری اسلحہ لے کر ہموار میدان میں دوڑے گا۔ اب تیر انداز باقی رہ جائے گا جو اپنا ساز و سامان لے کر پہاڑوں اور ہر طرح کی زمین پر ایک سو سٹیڈیا دوڑ کر اپالو اور آرٹمس (Artemis) کے مندر تک جائے گا۔ مقابلے کی ترتیب یہی ہوگی ہم ان کی واپسی تک ان کا انتظار کریں گے اور ہر مقابلے میں جیتنے والے کو انعامات سے نوازیں گے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ مقابلے تین قسم کے ہوں گے۔ ایک بچوں کے لیے، دوسرا بے ریش و بروت نوجوانوں کے لیے، تیسرا مردوں کے لیے۔ نوجوانوں کے لیے دوڑ کی مسافت دو تہائی، بچوں کے لیے مجموعی مسافت کی نصف ہوگی۔ خواہ وہ تیر انداز ہوں یا بھاری اسلحہ سے لیس۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے، کم عمر بچیوں کو ہر مقابلے میں برہنہ ہو کر شریک ہونا چاہیے۔ جن کی عمر تیرہ سال یا اس سے زیادہ ہے وہ بیس سال کی عمر تک ان مقابلوں میں حصہ لیں گی۔ اٹھارہ سال کی عمر تک شرکت لازمی ہوگی۔ یہ لڑکیاں مناسب لباس پہنیں گی۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے اس طرح کا قانون وضع کیا جائے گا۔

رہ گیا معاملہ قوت اور پہلوانی کے مقابلوں کا تو میرا یہ خیال ہے کہ ہم مسلح افراد کے ایک دوسرے کے خلاف مقابلوں کا سلسلہ شروع کریں۔ انفرادی مقابلے، پھر دو دو کے مقابلے، پھر تین تین کے اور اسی طرح دس دس کے مقابلے ہوں گے۔ ان مقابلوں میں کون کون سی باتیں ممنوع ہوں گی اور کس کس کی کس حد تک اجازت ہوگی اس کا فیصلہ کشتی کی طرح متعلقہ فن کے استاد کریں گے۔ اس لیے ان مسلح مقابلوں کے قواعد و ضوابط کے تعین کے لیے ماہرین کی خدمات سے

استفادہ کرنا ہوگا۔ وہ یہ طے کریں گے کہ ان مقابلوں میں فاتح کسے قرار دیا جائے اسے کیا کرنا تھا اور کیا نہیں کرنا تھا، ہارنے والوں کے ضوابط کیا ہوں گے؟ اس فیصلے کا اطلاق مردوں اور عورتوں پر شادی شدہ ہونے تک ہوگا۔ ہلکے اسلحہ کے مقابلے یونانی کشتی کے مقابلوں کی طرح منعقد ہوں گے۔ وہ صرف کمانوں اور ہلکی ڈھالوں سے یا نیزے یا گوپھنوں سے مسلح ہوں گے اور دست بدست لڑائی کے لیے تیار ہوں گے۔ اس کے لیے ضابطے مقرر کیے جائیں گے اور جو افراد ان ضابطوں پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوں گے انھیں انعامات دیے جائیں گے۔

اس کے بعد گھوڑ دوڑ کے مقابلے کے قوانین مرتب کیے جائیں گے۔ ہمیں ان مقابلوں کے لیے زیادہ گھوڑوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ کریٹ جیسے ملک میں وہ زیادہ مفید نہیں ہوں گے۔ اس لیے ہمیں گھوڑوں کو پالنے اور گھوڑ دوڑ کے لیے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑے گی۔ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے پاس رتھ یا گھوڑا گاڑی ہو۔ اور اس ضمن میں کسی مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے مقابلوں کا انعقاد بے سود ہوگا جو ملکی ضروریات اور ماحول کے مطابق نہ ہوں۔ اس لیے صرف انفرادی طور پر گھوڑوں کو انعام دیا جائے گا بچھڑوں کو جن کے دانت ابھی گرے نہیں ہیں، درمیانی عمر کے اور پوری طرح جوان گھوڑوں کو علیحدہ علیحدہ انعام دیا جائے گا۔ اس طرح گھوڑوں کا یہ مقابلہ ملک کے حالات سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ ان میں مسابقت کا جذبہ قانون کی حدود میں رہے۔ اور اسلحہ لے کر دوڑنے کے راستوں اور ان میں سے مقابلہ بازوں کے بارے میں فیصلہ سوار فوج کے اعلیٰ افسروں پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن ہم کشتیوں یا دیگر مقابلوں میں غیر مسلح شرکا کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔ اس کے برخلاف گھوڑوں پر سوار تیر انداز، نیزہ بردار جو زرہ بکتر پہن کر جنگ کرتے ہیں۔ بہت مفید ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم ان تفریحات میں ان کے مقابلے بھی شامل کرنے کے حق میں ہیں۔ ان مقابلوں میں اپنے گزشتہ تجربوں کی بنا پر لڑکیاں اور لڑکے بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہم نے ورزشوں کے مقابلوں اور ان کی تربیت کو اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ہم نے ان مقابلوں میں ہونے والی محنت اور مشقت کا اور تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں روزانہ کی مشقوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح موسیقی سے متعلق امور پر بھی رائے زنی ہو چکی ہے۔ لیکن جہاں تک رزمیہ

نظموں اور گیتوں کے مقابلوں کا تعلق ہے۔ جو جشن کے موقعوں پر پیش کی جاتی ہیں۔ انھیں اسی وقت مرتب کیا جا سکے گا۔ جب دیوتاؤں اور ذیلی دیوتاؤں سے متعلق دنوں، مہینوں، اور سال کا تعین کر دیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے یہ جشن ہر تین سال یا پانچ سال بعد منعقد ہوں۔ ان کی ترتیب اور درجات وہی ہوں گے جو دیوتا ہمارے دلوں میں القا کریں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ توقع بھی ہے کہ عدالت کے منصفین، تعلیم کے منتظم اعلیٰ اور قانون کے نگہبان مل جل کر گیتوں کے مقابلوں کے اوقات، انواع اور رقص کی شرائط طے کریں گے اور قواعد وضوابط قانون سازوں کی طرح متعین کریں گے۔ اصل قانون ساز بسا اوقات صرف یہی طے کرتے ہیں کہ انفرادی طور پر گیتوں کا اسلوب نگارش اور تال اور سر میں عام طور پر ہم آہنگی کیا ہوگی۔ ان کے بعد آنے والوں کو اسی کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح کھیلوں کے مقابلے اور قربانی کی رسوم مناسب موقع پر منعقد ہوتی ہیں۔ اسی طرح عوامی جشنوں کا بھی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کے دیگر امور کو مرتب کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل سے مملکت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

تاہم ایک اور معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جو وقت طلب بھی ہے اور جس کے بارے میں اگر ممکن ہو تو دیوتا ہی قانون وضع کریں گے۔ لیکن چونکہ الوہی امداد کا حصول ممکن نہیں ہے اس لیے ضروری ہے کہ کوئی شخص ہمت کر کے انسانی روح کی آلودگیوں کے ہوتے ہوئے پوری ریاست کے لیے قانون بنائے۔ اس کے لیے اس کا حق گو وصداقت شعار ہونا ضروری ہے۔ حرص و ہوس کے مضبوط جال کو دوسروں کی مدد کے بغیر یکہ وتنہا توڑنا ہوگا۔ وہ عقل کے سوا کسی اور کی نہیں سنے گا۔

کلینیاس : یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ آپ کی بات ہماری فہم سے بالانظر آتی ہے۔

اجنبی : بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ میں اپنی بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔ جب میں نے تعلیم کے موضوع پر اظہار رائے کیا تو میں نے دیکھا کہ نوجوان مرد اور عورتیں دوستانہ اور پر تکلف میل جول میں مصروف ہیں۔ اور میرے ذہن میں فطری طور پر اندیشہ پیدا ہوا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شہر کی اس صورت حال کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ جہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں صحت مند ہوں ان کے لیے کوئی شغل نہ ہو اور وہ کسی ایسی محنت مشقت میں مصروف نہیں ہیں جس سے آوارگی کا جذبہ سرد پڑ جائے اور جسے زندگی بھر محض، قربانی کے اجتماعات، جشنوں اور رقص کی محفلوں ہی

سے سابقہ پڑے۔ ایسی مملکت میں وہ کس طرح ایسی خواہشوں سے اجتناب کر سکتے ہیں جو متعدد مردوں اور عورتوں کو تباہی کے غار میں دھکیل دیتی ہیں اور جس سے عقل قانون کا سہارا لے کر دور رہنے کی تلقین کرتی ہے۔ جو قوانین پہلے ہی سے نافذ ہیں اور ایسی خواہشات کو لگام دے سکتے ہیں۔ اعتدال پسندی کے حصول کے لیے ارتکاز دولت پر پابندی نہایت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ خود ہمارا نظام تعلیم نوجوانوں کو اعتدال پسند بنانے میں معاون ہے۔ علاوہ بریں حاکم کو ہمیشہ نوجوانوں پر نظر رکھنی چاہیے اور انھیں کبھی نظر انداز نہیں کرنا ہوگا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے جہاں تک انسانی بس میں ہے، بے جا خواہشات کی روک تھام ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم مردوں اور عورتوں کی غیر فطری محبت کی پیش بندی کس طرح کر سکتے ہیں جن سے شہر کے شہر اور خود افراد بے شمار برائیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میرے دوست۔ یہ مشکل ایک حقیقت ہے۔ جو لوگ غیر معمولی قوانین مرتب کرتے ہیں ان کے لیے کریٹ اور لیسی ڈیمون ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن محبت کے اس معاملے میں ہم تنہا ہیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ وہ ہمارے برعکس ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی فطرت کی پیروی کرتے ہوئے ایسے قانون بناتا ہے جو لائیس (Laius) سے قبل کے تھے اور جنسی خواہشات کو خلاف فطرت سمجھ کر ملامت کرتا ہے۔ وہ جانوروں کی مثال دے کر کہتا ہے کہ ایسا میل ملاپ خلاف وضع فطرت ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی رائے کی صداقت ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ آپ کی مملکت کی رسوم کے خلاف ہوگا۔ مزید برآں وہ اس اُصول کے بھی خلاف ہوگا جس کی پابندی ہر قانون ساز کے لیے ضروری ہے کیونکہ ہم ہمیشہ اسی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ ہمارے کون سے قوانین مفید ہیں اور کون سے مضرت رساں۔ بالفرض اگر ہم یہ مان لیں یہ محبت کی پینگیں قانون کی نظر میں اگر شریفانہ نہیں تو غیر شریفانہ بھی نہیں ہیں۔ یہ کس حد تک نیکی کو فروغ دیں گی؟ کیا ایسے شہوانی جذبات ایسے شخص کی روح میں شجاعت کی عادت کو راسخ کر سکتے ہیں جسے جنسی خواہشات نے اپنی لپیٹ میں لے کر اغوا کا ارتکاب کر دیا ہو یا خود اغوا کنندہ کے دل میں اعتدال کا خیال پیدا کیا ہو؟ اس بات پر کسے یقین آئے گا؟ یا کون ہے جو ایسے شخص پر زنانہ پن اور کم ہمتی کا الزام نہیں لگائے گا جو عیش و عشرت کے آگے بند باندھنے کی بجائے ہتھیار ڈال دیتا ہے؟ کیا مرد ایسے آدمی کو زنانہ پن اختیار کرنے کا

طعنہ نہیں دیں گے جو عورتوں کی نقل کرتا ہے؟ اور کون ہے جو اس بات کو رائج کرنے کے لیے قانون کا سہارا لے گا؟ یقیناً جس کے دل میں حقیقی قانون کا تصور موجود ہے وہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہم اپنے قول کی صداقت کس طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ جو ان امور پر درست طریقے سے غور کرے گا وہ دوستی اور جنسی خواہش یعنی برائے نام محبت کے مضمرات پر نظر ڈالے گا۔ اس جذبے کی دو قسمیں ہیں اور ان دونوں کی کوکھ سے تیسرا جذبہ جنم لیتا ہے۔ جسے وہی نام دیا جاتا ہے جو پہلے کا ہے۔ اس طرح ناموں کے مشترک ہونے کے سبب یہ تمام مشکلیں اور ابہام سر اٹھاتے ہیں۔

کلینیاس: وہ کس طرح۔

اجنبی: نیکیاں ایک دوسرے سے مشابہ اور مساوی اور عزیز ہوتی ہیں۔ وہ شخص اختلاف کے باوجود عزیز ہوتا ہے جس میں احتیاج کی بدولت اس کی افراط ہوتی ہے۔ اور جب ان دونوں میں کسی قسم کی دوستی کا رجحان بڑھ جاتا ہے تو اس افراط کو بھی ہم محبت ہی کہتے ہیں۔

کلینیاس: بالکل درست۔

اجنبی: جو دوستی تضادات سے پیدا ہوتی ہے وہ عامیانہ اور سخت ناگوار قسم کی ہوتی ہے اور اکثر یہ خلوص سے عاری ہوتی ہے لیکن جو تعلقات یکساں ہونے سے فروغ پاتے ہیں وہ شریفانہ ہوتے ہیں اور اس کے بندھن تاحیات قائم رہتے ہیں۔ جہاں تک ایسی موانست کا تعلق ہے جو دونوں کے بین بین ہوتی ہے اس امر کا تعین دشوار ہوتا ہے کہ آخر ایسی دوستی رکھنے والے کا مقصد کیا ہے۔ علاوہ بریں وہ مختلف خواہشات کا شکار ہوتا ہے اور وہ دونوں اصولوں کے درمیان جھولتا رہتا ہے۔ یہ بات تمام شکوک سے بالاتر ہے۔ ایک ایسی جوانی سے حظ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے دوسرا اس سے منع کرتا ہے۔ ایک جسم اور پکے ہوئے پھل کی طرح اس قسم کی بھوک کا رسیا ہے جو محبوب کے کردار سے بے پروا ہو کر اپنی تسکین کا سامان فراہم کرے گا۔ دوسرے کی نظر میں جسمانی تقاضوں کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے وہ صرف دیکھتا ہے محبوب کو چاہتا نہیں۔ وہ مناسب طریقے سے روحانی ملاپ کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اور شہوانی محبت کی تسکین کو آوارگی شمار کرتا ہے۔ وہ اعتدال، جرأت، اعلیٰ ظرفی اور دانائی کو معزز اور مکرم سمجھتا ہے اور اپنے باعصمت محبوب کے ساتھ زندگی پاکیزگی سے گزارنا چاہتا ہے جو محبت ان دو قسم کی محبتوں سے ترتیب پاتی ہے اسے ہم تیسری قسم کی محبت کہتے

ہیں۔ان تینوں اقسام کی محبتوں کو دیکھتے ہوئے کیا قانون کو ان پر پابندی نہیں لگا دینی چاہیے؟ یہ بات واضح نہیں ہے کہ ہم مملکت میں ایسی محبت چاہتے ہیں جو پاکیزہ ہو اور جو یہ چاہتی ہو کہ بہترین نوجوان نشوونما پائیں اور اگر ممکن ہو تو دیگر دونوں قسم کی محبتوں کی ممانعت کردیں۔ دوست مجی لس آپ کی کیا رائے ہے؟

مجی لس : میرا خیال ہے کہ آپ نے جو باتیں کی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔

اجنبی : میرے دوست میں چاہتا تھا کہ آپ کی رائے بھی معلوم کرلوں آپ مجھ سے متفق ہیں۔اس لیے آپ کے رسوم ورواج کا تجزیہ چنداں ضروری نہیں رہا۔ میں چاہوں گا کہ کلینیاس کی رضامندی کسی اور معاملے میں حاصل کروں۔ باتیں بہت ہو چکی ہیں۔ آیئے اب قانون کی طرف پلٹ آئیں۔

مجی لس : بہت خوب۔

اجنبی : ذرا سے غور کے بعد مجھے قانون کے نفاذ کا ایک راستہ نظر آ گیا ہے۔ جو ایک لحاظ سے آسان ہے اور دوسرے سے سخت دشوار۔

مجی لس : آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی : ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ بیشتر آدمی قانون شکنی کے عادی ہونے کے باوجود انھیں خواتین سے مباشرت کی مکمل ممانعت ہے۔ یہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس میں ان کی اپنی مرضی بھی شامل ہے۔

مجی لس : ایسا کب ہوتا ہے؟

اجنبی : جب کسی کے صرف ایک بھائی یا بہن ہو اور وہ خود ایک خاتون ہو۔ایک بیٹا یا بیٹی پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوگا۔ جو تحریر میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت مضبوط حصار ہے جس کے سبب دونوں کے درمیان کھلا یا پوشیدہ کسی قسم کا کوئی ناجائز تعلق پیدا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی خیال ان میں سے بیشتر کے دماغ پر اثر انداز ہوگا۔

مجی لس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : کیا اس چھوٹے سے لفظ نے اس قسم کی تمام مسرتوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔

مجی لس : کون سا لفظ؟

اجنبی : یہ اعلان کہ یہ تعلقات ناپاک ہوتے ہیں خدا کو ناپسند ہوتے ہیں۔ اور مطعونِ خلائق ہوتے ہیں۔ کیا یہی وجہ نہیں ہے کہ آج تک کسی نے اس کے برعکس کوئی بات نہیں کی ہے۔ بلکہ بچپن سے انھوں نے ہر وقت اور ہر جگہ لوگوں کو یہی کچھ کہتے سنا ہے۔ کبھی ہنسی ہنسی میں اور کبھی المیہ کی صورت میں۔ جب شاعر سٹیج پر کسی تھائیسٹس (Thyestes) اوڈی پس (Oedipus) یا میکاریئس (Macareus) کو پیش کرتا ہے، جنھوں نے اپنی بہن کے ساتھ مباشرت کی ہے تو جب اس بات سے پردہ اٹھتا ہے تو وہ اس گناہ کا کفارہ اپنی جان دے کر ادا کرتے ہیں۔

مجی لس : آپ نے بڑی صحیح بات کہی ہے کہ اگر کسی روایت کی مخالفت نہ ہو تو اس کی قوت بہت ہوتی ہے۔

اجنبی : کیا میری یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ جو قانون ساز ان قوی جذبوں میں سے کسی ایک پر قابو پانا چاہتا ہے جو انسان کو بآسانی اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں وہ جانتے ہیں انھیں کس طرح زیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ شہر بھر کے غلاموں، آزاد لوگوں، عورتوں، بچوں وغیرہ کے لیے ان روایات کو برائیوں سے پاک کر دیتا ہے اور یہی اس کے مجوزہ قانون کی مستحکم بنیاد ہے۔

مجی لس : جی ہاں۔ لیکن کیا اس معاملے میں تمام عالم انسانیت کو ایک ہی انداز کی زبان استعمال کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں؟

اجنبی : آپ کا اعتراض جائز ہے۔ لیکن کیا میں نے ابھی یہ نہیں کہا ہے کہ مجھے وہ طریقہ معلوم ہے جسے لوگ فطری محبت کے حصول کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اور غیر فطری محبت سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر آبادی میں اضافے کو نہیں روکیں گے۔ یا نسل کشی کی تخم کاری کو پتھریلی زمینوں میں ضائع نہیں کریں گے۔ میں انھیں اس تخم کو ایسی عورتوں پر بھی ضائع کرنے سے منع کروں گا جہاں وہ بار آور نہ ہو سکیں گے۔ اگر اس مقصد کا کوئی قانون ہمیشہ کے لیے نافذ کر دیا جائے اتنا ہی مؤثر ہو جتنا والدین اور اولاد کے درمیان امتناعِ مباشرت کا قانون ہے تو ایسا قانون اگر دیگر شدید ہیجانی جذبات پر بھی لاگو کر دیا جائے تو اس سے لاکھوں فوائد رونما ہوں گے۔ کیونکہ اول یہ کہ اعتدال فطرت کی طرف سے مقرر کردہ عمل ہے جو مردوں کو محبت کی ہر قسم کے جذبوں کی شدت اور دیوانگی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جنسی بے اعتدالیوں اور گوشت اور شراب کے بے تحاشا استعمال سے باز رکھتا ہے اور بیویوں سے بہترین تعلقات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اگر ایسا

قانون نافذ کر دیا جائے تو اس کے اسی طرح کے بے شمار فوائد ظاہر ہوں گے۔ میں چشم تصور سے یہ دیکھ سکتا ہوں کہ نفسانی خواہش کا شکار ایک نوجوان کھڑا ہے اور اس قانون کا اعلان سنتے ہی موٹی سی گالی دے کر کہتا ہے کہ ہم نہایت نامعقول اور غیر ممکن العمل قانون تیار کر رہے ہیں اور چیخ چیخ کر زمین آسمان سر پر اٹھالیتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ مجھے ایسے قوانین کو ہمیشہ کے لیے نافذ کرنے کا ایک طریقہ معلوم ہے۔ جو ایک لحاظ سے آسان بھی اور دوسرے سے مشکل بھی۔ یہ معلوم کرنا دشوار نہیں ہے کہ ایسا قانون کس طرح ممکن العمل ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں جب اس قانون کو تقدیس عطا کر دی جائے گی تو وہ روح میں اتر جائے گا اور لوگ اس کی خلاف ورزی سے خوف کھائیں گے۔ لیکن اب حالات اس مرحلے تک پہنچ چکے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن نہ ہوگا۔ جس طرح ریاست بھر میں مشترکہ دسترخوان کی روایت کا جاری رکھنا ممکن نہ ہوا تھا۔ اگرچہ یہ خیال بڑی حد تک غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ لوگوں میں یہ روایت اب بھی موجود ہے تاہم آپ کے شہروں میں مشترکہ دستر خوان تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ جب میں نے یہ کہا تھا کہ ان باتوں کا مستحکم بنیاد پر قیام دشوار ہے کیونکہ قانون سے بغاوت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

مجی لس : بہت خوب۔

اجنبی : کیا میں ایسے معقول دلائل تلاش کروں جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ایسے قوانین ممکن العمل ہوتے ہیں اور وہ انسانی فطرت سے ماورا نہیں ہوتے؟

مجی لس : ضرور۔

اجنبی : کیا انسان اس صورت میں جنسی محبت کے نشاط سے دور رہتا ہے جب اس کی جسمانی حالت بہتر ہو یا جب وہ بیمار ہو یا ورزش نہ کر رہا ہو؟

مجی لس: وہ ورزش اور تربیت کے دوران اتنا اعتدال پسند نہ ہوگا۔

اجنبی : کیا ہم نے ٹارنٹم (Tarentum) کے آئیکس (Iccus) کا ذکر نہیں سنا ہے جس نے اولمپک اور دیگر مقابلوں میں شرکت کی اور جن کو اپنے فن سے قلبی لگاؤ تھا۔ ان میں مردانگی اور اعتدال پسندی کا جذبہ موجود تھا اور ان کا اپنی تربیت کے دوران کسی عورت یا مرد سے کسی قسم کا کوئی جنسی تعلق نہیں

تھا؟ یہی باتیں کرائسن (Crison)، آسٹی لس (Astylus) اور ڈائیو پومپس (Diopompus) اور متعدد دیگر افراد پر صادق آتی ہیں۔ تاہم میرے دوست کلینیاس وہ دماغی طور پر ہمارے اور آپ کے شہریوں سے کہیں کم تعلیم یافتہ تھے اور جسمانی لحاظ سے بہت زیادہ شہوانی تھے۔

کلینیاس : اس میں شک نہیں قدیم پہلوانوں اور کھلاڑیوں کے واقعات سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

اجنبی : اور کیا ان میں اتنی ہمت تھی کہ کشتی، دوڑ وغیرہ کے مقابلوں میں فتح حاصل کرنے کے لیے ان معمولی مسرتوں سے کنارہ کش ہو جاتے؟ کیا ہمارے نوجوان بھی اعلیٰ فتح کے لیے برداشت کی قوت کا اسی طرح مظاہرہ کریں گے جیسا کہ ہم نوجوانی سے آگے تک انھیں بتاتے رہتے ہیں اور کہانیوں، اقوال اور گیتوں کے ذریعے یہ خیال ان کے دل و دماغ میں بٹھاتے رہے ہیں؟

کلینیاس : آپ کس فتح کا ذکر کر رہے ہیں؟

اجنبی : عیش و نشاط پر غلبہ پانے کا۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو وہ پر مسرت زندگی گزاریں گے۔ اور اگر وہ مغلوب ہو گئے تو خوشیاں خواب و خیال بن جائیں گی۔ مزید برآں کیا ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ گناہوں کے خوف سے وہ ان جذبات پر غلبہ پائیں گے۔ جن پر گھٹیا لوگ پاتے ہیں؟

کلینیاس: میرا بھی یہی خیال ہے۔

اجنبی : اور چونکہ ہم قانون سازی کے دوران اس نکتے تک آ پہنچے ہیں اور انسان کی بدکاریوں کے طفیل مشکلات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں ہمارے قانون کی زبان میں کچھ یوں ہونا چاہیے کہ ہمارے شہریوں کو چاہیے کہ وہ پرندوں اور درندوں کی سطح سے نیچے نہ گریں جو زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے ہیں اور بالغ ہونے تک صحیح معنوں میں کنوارے اور ناکتخدا رہتے ہیں لیکن جب وہ صحیح عمر کو حد تک پہنچتے ہیں نر، مادہ دونوں باہم مباشرت کرتے ہیں اور جوڑے جوڑے بن کر تمام زندگی گزار دیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے آلودہ نہیں ہوتے، بے اعتدالیوں سے پاک رہتے ہیں اور اپنے قبیلے میں پائیداری سے جمے رہتے ہیں۔ یقیناً ہم ان سے یہی کہیں گے کہ آپ لوگ جانوروں سے بہتر ہیں۔ لیکن قانون کی نگرانی کرنے والوں کو ان کے لیے اس صورت میں ایک دوسرا قانون بنانا پڑے گا جب وہ دوسرے یونانیوں اور غیر مہذب قبائل کی عام رسوم سے بے اعتدالیوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور وہ آزاد جنسی میل جول کی باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور کانوں سے سنیں

گے اور گناہ آلود ترغیبات پر قابو پانے کے قابل نہیں رہ جائیں گے۔

کلینیاس: اگر یہ قانون ناکام ہو جائے تو آپ کس قسم کا قانون وضع کریں گے؟

اجنبی: بات صاف ہے، ویسا ہی قانون جو فطری طور پر ضروری ہوگا۔

کلینیاس: وہ کیا ہوگا؟

اجنبی: شہریوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ خوشیوں میں حدود پار کرلیں۔ بلکہ محنت و مشقت سے خوشی کے جذبے اور ہیجان کو جسم کے دیگر حصوں تک منتقل کریں گے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب جنسی عمل میں کسی قسم کی حیا سوزی کی اجازت نہ دی جائے۔ وہ بار بار کی مباشرت سے شرمندہ ہوں گے اور وہ عیش ونشاط کو اپنا آقا نہیں تسلیم کریں گے۔ ان کے اس قسم کے شغل کا پتا نہ چلے۔ ایسے گناہوں کی پردہ پوشی بہتر سمجھی جائے گی اور جس کی رواجاً اجازت ہوگی۔ اور یہ ایک طرح کا غیر تحریری قانون سمجھا جائے گا۔ اس کے برخلاف اس گناہ میں پکڑا جانا ایک ذلیل فعل گردانا جائے گا۔ لیکن اس سے مکمل طور پر گریز نہیں کیا جائے گا اس طرح عزت اور بے عزتی کا ایک دوسرا معیار بھی موجود ہوگا جو نیکی کے ایک اور تصور پر مبنی ہوگا۔ تین اصول ایسے ہیں جو ان تمام بداطوار کا احاطہ کرلیں گے جنھیں ہم ادنیٰ کہتے ہیں جو ایک مجموعہ ہوتے ہیں اور جو ارتکاب گناہ نہیں کرنے دیں گے۔

کلینیاس: وہ کون سے اصول ہیں؟

اجنبی: پہلا اصول پاکبازی کا ہے۔ یعنی نیک چلنی سے محبت اور جسمانی نہیں بلکہ روحانی حسن کی تمنا ہو سکتی ہے یہ ایک خیالی یا غیر حقیقی تمنا ہوگی لیکن اگر انھیں تمام ریاستوں میں حقیقت بنا دیا جائے تو یہ اشرف ترین عمل ہوگا۔ اگر دیوتا کی مرضی ہوئی تو ہم محبت کے ضمن میں دو باتوں پر عمل کرائیں گے۔ کسی شخص کو خواہ وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو، یہ اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اپنی منکوحہ کے کسی دوسرے کو ہاتھ لگائے یا طوائفوں کے کوٹھوں میں جا کر حرام کاری کرکے اپنی شہوانیت کو تسکین پہنچائے۔ کم از کم ہم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ مردوں کے مردوں سے جنسی تعلقات کو یکسر ختم کردیں۔ اگر کوئی مرد اپنی جائز منکوحہ یا لونڈی کے علاوہ کسی دوسری خاتون سے مباشرت کرکے پوری انسانیت کے چہرے کو داغ دار بناتا ہے تو ہم اس کے خلاف ایسا قانون بنانے میں حق بجانب ہوں گے کہ

وہ شہری اعزازات سے محروم کر دیا جائے۔ شہری حقوق معطل کر کے اسے غیر ملکی کا درجہ دے دیا جائے۔ عمومی میل ملاپ اور محبت اور مرد وعورت کے مابین جنسی تعلقات اور مباشرت کے بارے میں جو شہوت پرستی کا شاخسانہ ہوتے ہیں ایک یا دو قوانین نافذ کر دینے چاہئیں۔

مجی لس: اجنبی! جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس قانون کو بسر وچشم قبول کرتا ہوں۔ کلینیاس اپنی رائے خود بتائیں۔

کلینیاس: موقع ملتے ہی میں رائے کا اظہار کروں گا فی الحال میں چاہتا ہوں اجنبی دوست قانون سازی کا ذکر جاری رکھیں۔

مجی لس: بہت خوب۔

اجنبی: ہم ایک مشترکہ دسترخوان رائج کرنے کا طے کر چکے ہیں جو ہمارے لیے ایک مشکل کام ہوگا تاہم کریٹ میں کسی اور طریق کی ترویج کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہاں ان کے طریق کار کا سوال اٹھ سکتا ہے۔ کیا ہم کریٹ کا رواج اختیار کریں گے یا لیسی ڈیمون کا۔ کیا اگر کوئی تیسرا ان سے بہتر ہو تو اسے؟ اس سوال کا جواب آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا زیادہ فائدہ اس لیے نہیں ہوگا کہ اس وقت وہ بہت منظم ہیں۔

چلیے مشترکہ دسترخوان کو یہیں چھوڑتے ہیں اور بات شروع کرتے ہیں کھانوں کی فراہمی سے۔ شہروں میں ضروریات زندگی متعدد اور مختلف ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں۔ خصوصاً دو ذرائع سے، لیکن ہمارے مجوزہ شہر میں حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ ہوگا۔ دیکھیے نا یونان میں زیادہ غذا زمین سے ملتی ہے یا سمندر سے۔ لیکن ہمارے شہر کو صرف زمین سے ملے گی۔ جس سے قانون سازوں کی دشواریاں کم ہو جائیں گی۔ اوروں کے مقابلے میں قانون کی صرف نصف تعداد درکار ہوگی جو ایسے ہوں گے کہ آزاد شہریوں کے لیے مناسب ہوں کیونکہ اسے جہاز کے مالکوں اور تاجروں، پرچون فروشوں، سرائے کے مالکوں، محصول جمع کرنے والوں، کاہنوں، ساہوکاری اور سود در سود جیسے بے شمار امور سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ ان امور سے دامن چھڑا کر وہ کاشتکاروں، گلہ بانوں، مگس بانوں اور نگہبانوں اور انتظام کرنے والوں کے اوزار اور آلات سے متعلق قوانین تیار کرے گا۔ اس نے شادی، اولاد کی پیدائش، ان کی پرورش، تعلیم اور دفاتر کے قیام جیسے اہم

معاملات پر پہلے ہی قانون سازی کر رکھی ہے اور اب اسے اپنی قانون سازی میں ان کو شامل کرنا ہے جو غذا پیدا کرتے ہیں اور اس کے لیے محنت مزدوری کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں اس قبیل کے قوانین بنانے ہوں گے جنھیں کاشتکاروں کے لیے قانون کہا جائے گا۔ سب سے پہلا قانون زیوس دیوتا کے لیے ہوگا جو اراضی کی حدود متعین کرتا ہے۔ کسی کو اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے ہم وطن، ہمسایہ یا ہم سرحد غیر ملکی کی زمین کی حد بندی میں کوئی تغیر و تبدل کرے اور یہ سوچ گا کہ یہ واقعی مستحکم کو غیر مستحکم بنانے کا عمل ہے۔ لوگ اس چٹان کو خوشی خوشی ہٹا دیں گے جو کسی حد بندی کی نشاندہی نہیں کرتی لیکن اس چھوٹے سے پتھر کو نہیں۔ دوستی اور دشمنی ایسا نشان ہے جس کے لیے حلف اٹھایا گیا ہے اور جس کا گواہ دیوتا زیوس ہے۔ جو غیر ملکیوں کا دیوتا ہے۔ اور جب غیر ملکیوں کو چھیڑا جاتا ہے تو وہ بڑی خطرناک جنگ شروع کر دیتے ہیں جو لوگ قانون کے پابند ہوتے ہیں وہ قانون شکنی کے عواقب کی سنگینی کا احساس نہیں کر سکتے لیکن جو قانون سے متنفر ہوتے ہیں انھیں دوگنی سزا ملتی ہے۔ اول وہ جو دیوتا کی طرف سے ملتی ہے اور دوسری قانون کی جانب سے۔ اسی لیے کسی کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے ہمسایہ کی اراضی کی حد بندی کو جان بوجھ کر ہٹائے اور اگر کوئی یہ جرم کرتا ہے تو جو اس کی نشاندہی کرے گا اور زمین کے مالک کو چاہیے کہ معاملہ عدالت میں لے جائے اور اگر اس پر حد بندی کو زبردستی یا چپکے سے ہٹانے کا جرم ثابت ہو جائے تو عدالت یہ فیصلہ کرے گی کہ اسے کیا سزا ملے یا جرمانہ ہو۔ اس کے علاوہ ہمسایوں کو جو چھوٹے موٹے زخم آئے ہیں ان کی زیادتی کے سبب دشمنی کا زہر پیدا ہوگا۔ جو ہمسائیگی کو ناخوشگوار اور تلخ بنا دے گا۔ اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے ہمسایہ کے خلاف کوئی جرم نہ کرے۔ ہمیشہ محتاط رہے اور ہمسایہ کی زمین پر قبضے سے گریز کرے۔ کیونکہ کسی کو نقصان پہنچانا آسان ہے مگر فائدہ پہنچانا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ نقصان کی تلافی اور اس کی گستاخی اور رذالت کے علاج کے لیے وہ نقصان اٹھانے والے فریق کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اس طرح کے تمام معاملات سے ملک کے منتظمین آگاہی حاصل کریں گے۔ وہی اس کا فیصلہ کریں گے اور نقصانات کا اندازہ لگائیں گے۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اہم امور پر بارہ خطوں میں سے کسی ایک خطے کے تمام لوگ فیصلے صادر کریں گے۔ اور معمولی امور کا فیصلہ فوج کے حکام کریں گے یا اگر کوئی

شخص اپنے مویشیوں کو ہمسایہ کی زمین پر چرائے گا وہ نقصان کا اندازہ لگا کر جرمانے کی رقم کا تعین کریں گے۔ اسی طرح اگر کوئی شہد کی مکھیوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے کسی دوسرے چھتے میں بہکا کر لے جائے گا۔ اسے نقصان کا ازالہ کرنا ہوگا یا اگر کوئی اپنے جنگل کو ہمسایہ کا لحاظ کیے بغیر آگ لگائے گا تو اسے عدالتی افسر اپنی صوابدید کے مطابق جرمانہ کرے گا اور اگر شجر کاری کے وقت وہ اپنی اور اپنے ہمسایہ کی زمین کے درمیان فاصلہ نہیں رکھے گا تو قانون کے مطابق اسے سزا دی جائے گی۔ ہم اس بات کا خیال نہیں رکھیں گے کہ ریاست کے عظیم قانون سازوں کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر قانون بنائیں۔ ایسی باتوں کا فیصلہ کوئی بھی کرسکتا ہے، مثلاً گلہ بانوں کے لیے قدیم زمانے سے پانی کے شاندار قوانین موجود تھے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کا راستہ تبدیل کردیں۔ اگر کسی کو ضرورت ہے تو وہ گاؤں کے مشترکہ دریا سے اپنی زمینوں تک خود پانی اس طرح لائے کہ دوسرے کی نہر میں شگاف نہ پڑے۔ وہ اپنا پانی جدھر چاہے لے جاسکتا ہے۔ لیکن کسی مکان، مندر یا مقبرے میں سے نہیں گزار سکتا۔ لیکن اس نہر کے علاوہ اور کسی زمین کی کھدائی کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کسی مقام پر زمین واقعی خشک ہے اور جہاں بارش کا پانی بھی جمع نہیں ہوتا تو کسان کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی زمین میں نرم مٹی کی تہ تک کھدائی کرے اور اگر اتنی گہرائی میں پانی دستیاب نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسایہ سے اتنا پانی حاصل کرے جو اس کے ملازمین کے پینے کے لیے کافی ہو اور اگر اس کا ہمسایہ بھی پانی کی کمی کا شکار ہو تو اسے ایک مقررہ مقدار ملے گی جس کا فیصلہ ملک کے نگران کریں گے اور اسے روزانہ کے حساب سے وہ مقدار ملے گی۔ گویا ان شرائط پر وہ ہمسایہ کے پانی میں حصہ دار بن جائے گا۔ اگر سخت بارش ہو اور نشیبی علاقے کے کسان کے عدم تعاون کے سبب بلندی کے علاقے کے کسان کو نقصان پہنچتا ہے یا کھیت کی مشترکہ دیوار کو پانی کی نکاسی کے لیے تھوڑا سا توڑنے پر راضی نہیں ہوتا یا پھر بلندی کی زمین والا کاشتکار یہ فاضل پانی بڑی بے احتیاطی سے نیچے جانے دیتا ہے وہ باہمی طور پر کسی ایک فیصلے پر متفق نہیں ہوسکتے تو فریقین میں سے جو چاہے وہ شہر کے نگران یا اس کی غیر حاضری میں ریاست کے نگران سے فریاد کرکے اس کا فیصلہ حاصل کرسکتا ہے اور جو اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرے گا تو اسے اپنے اس مریضانہ اور روکھے رویہ کا اس فریق کو تاوان ادا کرنا پڑے گا، جس کا نقصان ہوا ہے۔

اس نے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، جس کی یہ سزا ہوگی۔

اسی نہج پر پھلوں کی تقسیم بھی عمل میں آئے گی۔ خزاں کی دیوی کے دو عظیم تحفے ہیں۔ اول انگور اور شراب کے دیوتا ڈائیونائیسس کے جشن کی مسرتیں جسے سنبھالا نہیں جا سکتا اور دوسرا قدرت کی وہ نعمت جسے بچا کر رکھا جا سکتا ہے۔ خزاں کے پھلوں کے لیے یہی قانون ہونا چاہیے۔ کہ انگوروں کی فصل تیار ہونے اور ستارہ آرکٹورس (Arctarus) کے طلوع ہونے سے قبل انگور یا انجیر جیسے ذخیرہ کرنے والے پھلوں کو خواہ وہ اس کی زمین کے ہوں یا دوسرے کے، ہاتھ لگائے گا تو اسے پچاس چاندی کے سکوں کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ جو ڈائیونائیسس کی نذر کر دیا جائے گا اور اگر پھلوں کی چوری ہمسایہ کے درختوں سے کرے گا تو سونے کا سکہ اور کسی اور کی زمین سے سونے کے سکے کا دو تہائی بطور جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ خوردو انگور یا خوردو انجیر کا ذخیرہ کرتا ہے تو اپنی زمین سے جب چاہے اور جتنا چاہے توڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر دوسروں کی زمین سے توڑے گا تو اسے قانون کے مطابق سزا ملے گی جس کا یہ تقاضا ہے کہ کسی کو وہ فصل کاٹنے کا حق نہیں ہے جسے اس نے کاشت نہیں کیا ہے۔ اور اگر اس قسم کے کسی پھل کو مالک کی بغیر اجازت ہاتھ لگائے گا تو اسے اتنے کے مارے جائیں گے جتنے انگور کے خوشے ہیں یا انجیر درخت پر موجود ہیں۔ تاجر خوردو پھلوں کو خرید کر توڑ سکتا ہے۔ لیکن ادھر سے گزرنے والے مسافر کو اجازت ہے وہ اپنے اور اپنے ایک ہمراہی کے لیے خوردو انگور مفت توڑ سکتا ہے۔ یہ مہمان نوازی کی ایک علامت ہوگی۔ لیکن قانون غیر ملکیوں کو اس قسم کی فصلوں میں شراکت داری سے منع کرتا ہے۔ جو کھائی نہیں جاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی اس کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ غلام ہے تو اسے زدوکوب کیا جائے گا اور اگر آزاد شہری ہے تو اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا جائے گا اور اسے ہدایت کی جائے گی کہ وہ خزاں کے دوسرے ایسے پھل لے جائے جن سے نہ تو مئی بن سکتا ہے اور نہ ہی شراب۔ نہ ہی انھیں انجیر کی طرح خشک کر کے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ناشپاتی، سیب، انار اور دیگر ایسے ہی پھلوں کا تعلق ہے ان کو چوری چھپے لے جانا قابل ملامت فعل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے اور عمر تیس سال سے زائد نہ ہو تو اسے زدوکوب کیا جائے گا لیکن زخمی نہیں لیکن آزاد شہری ایسی سزا کا مستحق نہیں ہو گا۔ ان پھلوں سے غیر ملکی خزاں کے پھلوں کی طرح استفادہ کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی عمر رسیدہ شخص

جس کی عمر تیس برس سے زیادہ ہے موقع پر ہی انھیں کھالیتا ہے تو اسے غیر ملکی کی طرح ان تمام پھلوں کو کھانے کی اجازت ہوگی۔ لیکن وہ اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جائے گا۔ لیکن اگر وہ قانون کا لحاظ نہیں رکھے گا تو اسے اپنی عزت اور اعزاز سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ شرط یہ ہے کہ کوئی اس معاملے میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

باغوں کے لیے پانی زندگی کا ضامن ہے لیکن اسے بآسانی آلودہ کیا جا سکتا ہے۔ نباتات کی نشوونما کے لیے زمین، دھوپ اور ہوا دیگر قدرتی عناصر ہیں جنھیں زہر آلود نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی ان کا راستہ بدلا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کی چوری ہوسکتی ہے۔ لیکن پانی ان تمام بدعنوانیوں کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس لیے قانون کو اس کی حفاظت میں آگے آنا ہوگا۔ جو مندرجہ ذیل ہوگا :

> ''اگر کوئی فرد دوسرے کے پانی کو خواہ وہ چشمے کا ہو یا تالاب کا زہریلے مادے سے یا مٹی کھود کر یا چوری کر کے بالارادہ آلودہ کرتا ہے تو نقصان اٹھانے والے فریق کو چاہیے کہ وہ شہر کے نگرانوں کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے اور نقصان کی مالیت کا تحریری صورت میں مطالبہ کرے۔ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مجرم نے پانی کو مضر مادوں سے آلودہ کیا ہے تو اسے نہ صرف ہرجانہ ادا کرنا ہوگا بلکہ چشمے یا تالاب کے پانی میں موجود آلودگی کو صاف بھی کرنا ہوگا تاکہ منصفوں کے حکم اور فیصلے کے مطابق ان کی اچھی طرح صفائی ہوجائے''۔

جہاں تک اپنی زمینوں سے فصل کی برداشت کا سوال ہے کسان اسے کسی کی بھی زمین سے لے جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کا منافع دوسرے کے نقصان سے تین گنا ہو۔ عدالتی عہدیداروں کو ان باتوں کا اس طرح علم ہونا چاہیے جس طرح ان معاملات کا اسے علم ہوتا ہے جس میں کوئی شخص جان بوجھ کر کسی کی ملکیت دھوکے یا قوت سے کوئی نقصان پہنچاتا ہے اور اپنی ملکیت کو اس طرح زیادہ مفید بنالیتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ تمام معاملات عدالتی عہدیدار کے حضور پیش کردے اور اگر نقصان تین طلائی سکوں سے زیادہ نہیں ہے تو ہرجانہ وصول کرے اور اگر نقصان اس سے زیادہ کا ہے تو مقدمہ عام عدالت میں دائر کردے اور مجرم کو سزا دلوائے۔ لیکن اگر یہ محسوس ہو کہ

عدالتی عہدیدار نے سزا میں انصاف سے کام نہیں لیا ہے تو نقصان اٹھانے والے فریق کا دوگنا ملے گا۔ عدالتی عہدیدار کے خلاف کوئی بھی فرد عام عدالت میں مقدمہ پیش کرسکتا ہے۔ سزاؤں کے انداز، مقدمہ کی درخواستوں، عدالت میں طلبی، گواہوں کی طلبی وغیرہ سے متعلق بے شمار چھوٹے موٹے مسائل ہوتے ہیں مثلاً عدالت میں دو گواہ طلب کیے جائیں یا اس سے کم یا زیادہ اور ایسی تمام تفصیلات جنھیں قانون سے خارج نہیں کیا جاسکتا ہے یا جو معمر قانون ساز کی نظر میں ہوتے ہیں یہ معمولی معاملات جو اہم امور کے مقابلے میں یقیناً معمولی ہوتے ہیں نوجوان نسل کو ماضی کے نمونے یا ان کے تجربے میں آئے ہوئے قانون کے فوائد کے مطابق اس کا پابند بناتے ہیں۔ جب وہ باقاعدگی سے نافذ ہوجائیں پھر اس میں کوئی ترمیم نہیں ہونی چاہیے اور شہریوں کو اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

اب بات آگئی ہے کاریگروں تک جن کے لیے ضوابط مندرجہ ذیل قسم کے ہوں گے:

اولاً کوئی شہری یا اس کا ملازم دستکاری کا پیشہ اختیار نہیں کرے گا۔ کیونکہ جنھیں سرکاری نظم ونسق کی ذمہ داریاں اٹھانی ہیں انھیں زیب نہیں دیتا کہ وہ اسے ثانوی حیثیت دیں۔ انتظامی امور کی دیکھ بھال ایسا فن ہے جس کے لیے بہت زیادہ مطالعہ اور متعدد قسم کے علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ایک ساتھ دو پیشے اختیار کرے یا دو قسم کے فنون پر توجہ دے یا کسی ایک فن پر خود کام کرے اور دوسرے فن پر کام کرنے والے کی نگرانی کرے۔ اس لیے ہماری مجوزہ ریاست کا پہلا اصول یہ ہونا چاہیے کہ دھات کا کام کرنے والا، لکڑی کا کام نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ لکڑی کا کاریگر ہے تو وہ اپنے کام کے علاوہ دھات کے کام کی نگرانی نہیں کرے گا۔ اس کا یہ حیلہ قابل تسلیم نہیں ہوگا کہ متعدد ملازمین کی وہ بہتر نگرانی کے قابل ہوجائے گا کیونکہ اس طرح اس کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اس لیے ریاست بھر میں ہر آدمی صرف ایک کام کر کے روزی کمائے گا۔ شہر کے نگرانوں کو چاہیے کہ وہ اس قانون پر عمل درآمد کے لیے پوری محنت کریں اور اگر کوئی شہری نیکی کے علاوہ کسی اور مقصد سے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے تو اسے سزا دے کر اس وقت تک عزت وتکریم سے محروم رکھا جائے جب تک وہ نیکی کی راہ دوبارہ اختیار نہیں کرلیتا اور اگر کوئی غیر ملکی دو کام ایک ساتھ کرتا ہے تو نگرانوں کو چاہیے کہ سزا اور جرمانہ کر کے اس کی ملامت

کریں اور جب تک وہ ایک ہی کام کرنے پر راضی نہ ہوا سے ریاست بدر کر دیں۔ لیکن جہاں تک اجرتوں اور ٹھیکوں کا معاملہ ہے یا کوئی فرد کسی دوسرے کے خلاف جرم کا مرتکب ہوتا ہے یا دونوں مل کر کسی کو پچاس نقرئی سکوں کے مساوی نقصان پہنچاتے ہیں تو شہر کے نگران اس معاملے کا تصفیہ کریں گے لیکن اگر زیادہ رقم کا معاملہ ہوگا تو عام عدالت قانون کے مطابق اس کا فیصلہ کرے گی۔ کوئی فرد مال کی درآمد یا برآمد پر کوئی محصول ادا نہیں کرے گا۔ جہاں تک لوبان اور دیوتاؤں کے لیے بخور کا تعلق ہے جو غیر ملکوں سے آتی ہیں یا ارغوانی یا دوسرے رنگ جو ملک میں تیار نہیں ہوتے یا مصوری کا سامان جو درآمد کیا جاتا ہے اور جو ضروری نہیں ہے انھیں کوئی درآمد نہیں کرے گا۔ نہ ہی کسی کو ایسی اشیا برآمد کرنے کی اجازت ہوگی جس کی ملک کو ضرورت ہے۔ ان تمام امور کے لیے عملہ قانون کی نگرانی کرنے والوں میں سے منتخب کیا جائے گا جن کی تعداد بارہ ہوگی اور جو پانچ اعلیٰ ترین عہدیداروں کے بعد شمار کیے جائیں گے۔ جہاں تک اسلحہ اور فوجی ساز وسامان اور کسی ہنر، پودے یا دھات یا زنجیریں یا جنگ میں کام آنے والے جانوروں کا تعلق ہے۔ ان کی درآمد اور برآمد کا کلی اختیار سواروں کے کمانڈر اور اعلیٰ فوجی افسروں کو ہوگا۔ شہری انتظامیہ برآمد اور درآمد کا اہتمام کرے گی اور قانون کے نگہبان اس کے لیے ضوابط تیار کریں گے۔ لیکن محض دولت کمانے کے لیے ان اشیا یا دیگر اشیا کی خردہ فروشی کی اجازت نہیں ہوگی۔

اشیائے خورد ونوش اور ملکی پیداوار کی تقسیم کا وہ قانون نہایت موزوں ہے جو کریٹ میں رائج ہے۔ جس کے تحت ضروری ہے کہ ملک کی تمام فصلوں کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ اور انھیں اسی طرح مصرف میں لایا جائے کہ ہر فصل کے بارھویں حصے کو (مثلاً گندم اور جو جس میں دیگر فصلوں کے علاوہ ان مویشیوں کو بھی شامل کیا جائے گا جو بارہ علاقوں میں فروخت کے لیے لائے جاتے ہیں) موزوں تناسب کے حساب سے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ آزاد شہریوں کا، دوسرا ان کے ملازمین کا اور تیسرا کاریگروں اور غیر ملکیوں کو ملے گا۔ خواہ وہ عارضی طور پر شہر میں مقیم ہوں یا دوسروں کی طرح مقیم یا وہ لوگ جو کسی سرکاری یا نجی کام کے لیے آئے ہوئے ہوں۔ تمام ضروری اشیا کے اس تیسرے حصے کو فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن بقیہ دو تہائی کو فروخت کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ان کی تقسیم کا بہترین طریقہ کیا ہوگا۔ اوّل تو

ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ایک لحاظ سے یہ تقسیم مساوی بنیاد پر ہوگی اور دوسرے حساب سے غیر مساوی ہوگی۔

کلینیاس: آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زمین کی پیداوار کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی خراب۔

کلینیاس : بے شک۔

اجنبی : اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ تینوں حصوں میں سے کوئی حصہ دوسرے دو حصوں سے بڑا نہ ہو۔ خواہ وہ آقا کا ہو یا غلام کا یا غیر ملکی کا۔ تاہم سب کو مساوی اور ایک ہی جیسا حصہ ملنا چاہیے۔ اور ہر شہری کو چاہیے کہ وہ اپنے دونوں حصے لے کر غلاموں اور آزاد شہریوں میں بانٹ دے۔ اسے اس کی مقدار اور نوعیت طے کرنے کا پورا اختیار ہوگا۔ اور جو کچھ باقی بچے گا اسے تول کر یا گن کر ان مویشیوں کو برابر ڈال دے گا جو زمین میں اگنے والا چارا کھاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہریوں کے سلیقے سے بنے ہوئے اپنے نجی مکان ہوں گے اور یہ حکم ان جیسے تمام مردوں کے لیے ہوگا۔ ہر بارھویں حصے کے مرکز میں بارہ بارہ محلے ہوں گے اور ہر محلے میں ایک بازار، دیوتاؤں اور ان سے متعلق چھوٹے دیوتاؤں کے مندر ہوں گے اور اگر میگنیٹس (Magnetess) جیسے کچھ مقامی اور قدیم دیوتا بھی ہوں تو ان کی تکریم کا سامان حسب سابق کیا جائے گا لیکن ہیسٹیا (Hestia)، زیوس اور ایتھین کی عبادت گاہیں دیوتا کے ساتھ ہر جگہ قائم ہوں گی۔ جو بارہ کے بارہ ضلعوں میں اعلیٰ ترین دیوتا ہوگا۔ مکانات ان مندروں کے گرد زمین کے بلند ترین قطعوں پر تعمیر ہوں گے تاکہ پسپائی کے وقت محافظوں کو محفوظ ترین اور قابل دفاع علاقہ دستیاب رہے۔ ملک کے دیگر علاقوں میں مکانات کی ترتیب مندرجہ ذیل طریقے کی ہوگی۔ کاریگروں کے تیرہ گروہ بنائے جائیں گے۔ ایک کو شہر میں جگہ دی جائے گی جسے شہر کے ہر حصے میں آباد کرنے کے لیے بارہ چھوٹے گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ باقی گروہوں کو ملک بھر میں آباد کر دیا جائے گا۔ ہر گاؤں میں مختلف قسم کے کاریگروں کو جگہ دی جائے گی تاکہ کاشتکاروں کی ضرورتیں مقامی طور پر پوری ہو جائیں۔ ملک کے نگرانوں کے اعلیٰ افسران امور کی نگرانی کریں گے اور یہ طے کریں گے کس جگہ کتنے اور کس قسم کے کاریگر درکار ہوں گے۔ اور انھیں

وہاں آباد کریں گے جہاں ان کے تکلیف دہ ہونے کا اندیشہ کم سے کم ہوگا اور جہاں وہ کاشتکاروں کے زیادہ سے زیادہ کام آئیں گے۔ شہر کے نگران شہر میں ان امور کے ذمہ دار ہوں گے۔

کھلے میدانوں کے نگرانوں کو اس کی تفصیلات پر نظر رکھنی ہوگی۔ ان میدانوں میں واقع مندروں کی نگہداشت کے علاوہ ان کی اولین ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف جرائم کرنے سے روکیں۔ ان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اعتدال اور تشدد کے نگران ہونے کے سبب ان لوگوں کی سرزنش کریں جو سرزنش کے مستحق ہوں۔ مال تجارت کی فروخت کے سلسلے میں انھیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ قانون کے مطابق یہ مال غیر ملکیوں کو بیچا جا رہا ہے یا نہیں۔ قانون درج ذیل ہے:

"مہینے کی پہلی تاریخ کو ہر وہ فرد خواہ وہ غیر ملکی ہو یا غلام جسے کسی شہری نے اپنے مال کی فروخت کا ذمہ دار بنایا ہے۔ پیداوار کا اپنا حصہ یعنی غلے کا بارھواں حصہ غیر ملکی خریدار کو پیش کرے گا۔ جو مہینے بھر کے خرچ کے مطابق اسے مہینے کی پہلی تاریخ کو بازار میں خریدے گا۔ مہینے کی دس تاریخ کو فریقین مہینے بھر کی ضرورت کے مطابق مشروبات کی خرید وفروخت کریں گے۔ اور مہینے کی تیئس (۲۳) تاریخ کو مویشیوں اور کاشتکاروں کے آلات اور دیگر سامان (مثلاً کھالیں، اون سے بنے کپڑے وغیرہ) کی تجارت ہوگی۔ ان میں وہ سامان بھی ہے جسے غیر ملکیوں کے لیے خریدنا لازمی ہے تاہم خوردنی اشیا کی خردہ فروشی خواہ وہ جو سے بنی ہو یا گندم سے یا ان کا آٹا ہو۔ یا کوئی اور شے قطعاً ممنوع ہوگی۔ وہ آزاد شہری یا غلام کے ہاتھ بیچی جائے گی اور نہ ہی اسے کوئی خریدے گا۔ لیکن غیر ملکی انھیں غیر ملکیوں کے بازار میں کاریگروں اور غلاموں کے ہاتھوں شراب اور غذائی اشیا کے عوض فروخت ہوں گی۔ اسی کو عام طور پر خردہ فروشی کہا جاتا ہے۔ قصاب کٹا ہوا گوشت، غیر ملکیوں، دستکاروں اور ان کے ملازمین کو بیچ سکتے ہیں۔ اگر کسی غیر ملکی کو ایندھن درکار ہو تو وہ تھوک بازار سے ان سے خریدے گا جنھیں سرکار کی طرف سے اجازت حاصل ہوگی۔ وہ جتنے بھی غیر ملکیوں کو جتنی بھی مقدار میں چاہے فروخت کر سکتا ہے۔ اسباب اور آلات وہ اس کھلی منڈی سے خریدے گا جس کا تعین موقع محل کی مناسبت سے قانون کے نگہبان کریں گے۔ ان مقامات پر وہ مال کے عوض رقم کا اور رقم کے عوض مال کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔ کوئی فریق کسی کو ادھار نہیں دے گا

اور ادھار دینے سے قبل اسے یہ اطمینان کرنا ہوگا کہ ادھار کی رقم واپس ملے گی یا نہیں کیونکہ اس طرح کے سودے کو قانونی تحفظ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن جب کبھی قانونی طور پر جائز حدود سے زیادہ قیمت یا مقدار کی ملکیت خریدی یا بیچی جائے گی تو اس کا اندراج قانون کے نگہبان اپنے کاغذات میں کریں گے اور کمی کی صورت میں کاغذات میں یہ تخفیف درج ہوگی۔ اس قانون کا اطلاق عارضی طور پر مقیم غیر ملکیوں پر بھی ہوگا۔ اگر کوئی غیر ملکی چاہے تو چند شرائط پر عارضی طور پر مقیم ہوسکتا ہے۔ جو غیر ملکی یہاں اقامت اختیار کرنا چاہتا ہے اسے اس کی اجازت مل جائے گی۔ بشرطیکہ وہ کسی نہ کسی ہنر کا ماہر ہو اور کاغذات میں تاریخ اندراج کے بعد بیس سال تک رہنا چاہتا ہو۔ اسے چند روزہ قیام کرنے والوں کا اور کسی قسم کی خرید وفروخت کا کوئی محصول ادا نہیں کرنا ہوگا۔ صرف اسے نیک چلن رہنا ہوگا لیکن بیس سالہ مدت ختم ہوتے ہی اسے اپنی ملکیت کے ساتھ اپنے وطن واپس ہونا پڑے گا۔ اور اگر وہ تاحیات قیام کا خواہاں ہوگا تو اسے یہ معاملہ شہر کی انتظامیہ سے ان کی شرائط پر طے کرنا ہوگا۔ ان کا فیصلے پر فوری عمل درآمد ہوگا ایسے عارضی طور پر مقیم افراد کے بچے اگر وہ ہنر مند ہوں اور ان کی عمریں پندرہ برس ہوں تو ان کا عارضی قیام پندرہ برس کی عمر سے آئندہ بیس برس تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں لیکن اگر کسی کو مستقل قیام کی خواہش ہو تو وہ اس صورت میں رہ سکتا ہے کہ وہ کونسل اور اسمبلی کو قائل کر کے ان کی اجازت حاصل کرے اور اگر وہ رخصت ہونا چاہتا ہے تو اسے عدالتی عہدیداروں کے کاغذات کے تمام اندراجات کی تنسیخ کرانی ہوگی۔

نویں کتاب

ان تمام معاملات کے بعد جو فطری طور پر قانون میں مرتب کیے جا چکے ہیں۔ مقدموں کی باری آتی ہے۔ زراعت سے متعلق مقدمات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اہم امور پر کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ ان کے عرفی ناموں کے بعد ہم ان کے تحت دی جانے والی سزاؤں کا اور ان کا فیصلہ کرنے والے منصفوں کا ذکر کریں گے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : اس قسم کی قانون سازی میں ایک طرح کی رسوائی کا بھی احساس ہوتا ہے کیونکہ ہم ایک ایسی ریاست میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم کی تفصیل بیان کریں گے جو ہمارے ادعا کے مطابق نیکی سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔ یہ سمجھنا کتنا شرمناک ہے کہ نیکی پر مبنی ایسی ریاست میں ایسا فرد بھی پیدا ہو سکتا ہے جو دوسری ریاستوں کے باشندوں کی طرح قبیح سے قبیح جرائم کا ارتکاب کرے گا۔ اور ہمیں اس کے لیے پیشگی قانون بنانا ہوگا تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور اسے مناسب سزا مل سکے۔ تاہم چونکہ ہم قدیم قانون سازوں کی طرح نہیں ہیں۔ جنھوں نے دیوتاؤں اور ان کی اولاد کے لیے قانون تیار کیے۔ کیونکہ عام عقیدے کے مطابق وہ خود بھی دیوتاؤں کی اولاد میں شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم تو عام انسان کی حیثیت سے عام انسانوں کے لیے قانون بنا رہے ہیں۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا کوئی تنگ دلی نہیں ہے کہ ہم میں ایک ایسا فرد بھی موجود ہے جو ہڈی جیسا سخت بیج کے مثل ہے اور اتنا سنگ دل ہے کہ اسے سخت بیج کی طرح نرم کرنا ممکن نہ ہوگا خواہ کتنا ہی ابالا کیوں نہ جائے۔ شہریوں میں ایسے بھی ہو سکتے ہیں جنھیں کسی قسم کا کوئی بھی قانون قابو میں نہیں لا سکتا ہے۔ ایسے ہی افراد کے لیے ناخوشگواری کے ساتھ میں اپنے پہلے قانون کا اعلان کرتا ہوں جو مندروں اور عبادت گاہوں میں ڈاکا ڈالنے سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص اس جرم کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے جو کسی صورت میں ایسا شہری نہیں ہوگا جس کی اچھی پرورش کی گئی ہو۔ تاہم اس کے

ملازم، غیر ملکی، غیر ملکیوں کے خدام متعدد جرائم میں ملوث ہو سکتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو نظر میں رکھتے ہوئے انسانی فطری کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے مندروں کے لٹیروں اور ایسے ہی نا قابل علاج یا تقریباً نا قابل اصلاح مجرموں سے متعلق قانون کا اعلان کر رہا ہوں۔ چونکہ ہم پہلے ہی یہ طے کر چکے ہیں کہ ایسے قوانین کی ایک مختصری تمہید بھی ہونی چاہیے۔ جس میں ہم ان مجرموں سے چند باتیں کریں گے اور چند الفاظ میں فہمایش کریں گے جو کسی سوہان روح لالچ سے مجبور ہو کر رات میں، دن میں کسی وقت بھی مندروں میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ میں ان سے کہوں گا جناب عالی! جس ترنگ میں آ کر آپ مندر کو لوٹنے پر آمادہ ہوتے ہیں وہ انسان کے لیے نہ تو کوئی معمولی بیماری ہے اور نہ ہی آپ کے لیے جنت میں جانے کا اجازت نامہ ہے بلکہ یہ ایک ایسی جنونی کیفیت ہے جو مجرم کی نسل کے قدیم اور نا قابل تلافی جرائم کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ یہ بار بار سر اٹھانے والی لعنت ہے آپ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں۔ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کریں گے، ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ جیسے ہی آپ کے دل میں ایسا خیال سایہ فگن ہو آپ فوراً جا کر اس کا کفارہ ادا کریں۔ دیوتا کے حضور دعا کریں جو تمام گناہوں سے بچاتا ہے اور آپ میں سے جو نیکوکار ہوں ان کی صحبت میں وقت گزاریں جو کچھ وہ کہیں اسے بغور سنیں اور بعد میں اس کا اعادہ کرتے رہیں۔ کیونکہ ہر شخص نیک اور شریف لوگوں کی عزت و احترام کرتا ہے۔ بُرے لوگوں کی صحبت سے دور بھاگیں۔ اور دوبارہ ادھر کا رخ نہ کریں۔ اگر ان اقدامات سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے تو بہت ہی اچھی بات ہے ورنہ موت ہی کو علاج سمجھ کر اسے گلے لگا لیں۔

اس قسم کی ابتدائی باتیں ہم ان تمام لوگوں سے کہتے ہیں جنھیں ناپاک اور دیوتاؤں کی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو لوگ ان باتوں پر کان دھرتے ہیں قانون انھیں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن جو بدنصیب ان باتوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے وہ باآواز بلند روتے چلاتے ہیں۔ اگر کوئی مندر میں چوری یا لوٹ مار کرتے ہوئے پکڑا جائے گا تو اگر وہ غلام یا غیر ملکی ہوا تو یہ جرم اس کے ہاتھوں اور چہرے پر لکھ دیا جائے گا۔ اور اسے منصف کے فیصلے کے مطابق درّے مارے جائیں گے اور اسے برہنہ کر کے ملک کی سرحدوں سے پرے دھکیل دیا جائے گا۔ اگر وہ یہ سزا برداشت کر لے گا تو ممکن ہے وہ نیکی کے راستے پر آ جائے اور اس کی اصلاح ہو جائے۔ قانون

کی کسی سزا کا مقصد گناہوں کی ترویج نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ یا تو بہتر ہو جاتا ہے یا جتنا برا تھا اتنا برا نہیں رہتا۔ لیکن اگر کوئی شہری کسی عظیم اور نا قابل بیان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، جس کا تعلق دیوتاؤں، اس کے والدین یا ریاست سے ہے تو منصف اسے اس بنا پر نا قابل اصلاح سمجھے گا کہ اس نے جوانی تک اتنی عمدہ تعلیم و تربیت کے باوصف اس گناہِ عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کی سزا موت ہے۔ جس کی اس کے گناہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر وہ ذلت کی موت مرے یا ملک بدر ہو جائے تو اس کی مثال دوسروں کے لیے نشان عبرت بن جائے گی۔ لیکن اگر اس کی اولاد اور اہل خاندان اپنے والد کے طور طریقے چھوڑ دیں تو ان کی شرافت، عزت و آبرو قائم رہے گی کیونکہ وہ شرافت اور جوانمردی سے گناہ کی دلدل سے باہر نکل آئے تھے۔ ان میں سے کسی کا مال و اسباب بحق سرکار ضبط نہیں ہوگا۔ کیونکہ شہریوں کا حصہ ہمیشہ یکساں اور مساوی رہنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص ایسا جرم کرتا ہے جس کی پاداش میں اسے جرمانہ کیا جائے گا تو اسے بہرحال جرمانے کی رقم ادا کرنی ہوگی۔ بشرطیکہ اس کے پاس اس کے حصے سے زائد مال موجود ہو۔ لیکن زائد حصے سے بڑھ کر ادائیگی نہیں کرنی پڑے گی۔ اصل ملکیت معلوم کرنے کے لیے قانون کے نگہبان متعلقہ محکمے سے رجوع کریں گے اور منصفین کو اصل صورت حال سے آگاہ کریں گے تاکہ اراضی کا کوئی حصہ رقم کی کمی کے سبب کاشت ہونے سے نہ رہ جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص بڑی سزا کا مستحق ہے تو اسے قید کر دیا جائے گا اسے تمام اعزازات سے اس وقت تک کے لیے محروم کر دیا جائے گا جب تک کہ اس کے دوست اس کے ضامن بننے پر آمادہ نہ ہوں۔ اور اسے جرمانہ ادا کرنے کے قابل بنا کر اس کی گلوخلاصی کرائیں گے۔ کوئی بھی مجرم چھوٹے سے چھوٹے جرم کے لیے بھی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ خواہ وہ ملک سے فرار ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سزا خواہ موت کی ہو۔ قید کی ہو، مکوں اور دروں کی ہو یا مجلس میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کے لیے ادنیٰ مقام کی ہو، ملک کی سرحد پر کسی مندر میں مقیم رہنے کی ہو، مجرم کے استحقاق کے مطابق سزا ملے گی۔ بہتر ہوگا کہ وہ جرمانہ خوشی خوشی ادا کر دے۔ موت کی صورت میں منصف قانون کے نگران کے فرائض انجام دے کر گزشتہ برس کے عدالتی عہدیداروں کا انتخاب کر کے عدالت کی تشکیل کریں گے لیکن عدالت میں مقدمہ کس طرح چلے گا۔ سمن پر کس طرح عملدرآمد کرایا جائے گا ان امور کو نئے اور نوجوان

قانون سازوں کو متعین کرنا ہوگا۔ لیکن رائے دہی کا معاملہ ہم خود طے کریں گے۔

رائے دہی سب کے سامنے ہوگی۔ لیکن اس سے پیشتر کہ وہ رائے دہی کے لیے آئیں۔ منصفین کو چاہیے کہ حفظِ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے مدعی اور مدعا علیہ کو ساتھ لے کر بیٹھیں اور شہریوں میں سے جسے فرصت ہو آ کر مقدمے کی کارروائی کو پوری سنجیدگی سے سنیں۔ سب سے پہلے مدعی اپنا بیان دے گا۔ اس کے بعد مدعا علیہ کا بیان ہوگا۔ دونوں کے بیان کے بعد مرتبے میں بڑا منصف فریقین کا جائزہ لے گا اور ان کے بیان کا تجزیہ کرے گا۔ اس کے بعد دیگر منصفین اپنی اپنی باری پر شواہد کا جائزہ لے کر ان خامیوں کی نشاندہی کریں گے جو انھوں نے محسوس کی ہیں یا جو کمی انھیں نظر آئی ہے۔ جس منصف کو کوئی سوال نہیں پوچھنا ہوگا وہ خاموش رہ کر دوسرے کو بولنے کے لیے کہے گا اور ان تمام بیانات اور جرح کو منصفین اپنی مہر کے ساتھ گھریلو امور کی دیوی ہسٹیا کی قربان گاہ پر رکھ دیں گے۔ دوسرے روز ان کا دوبارہ اجلاس ہوگا اور حسب سابق جرح کریں گے اور مقدمہ پر پھر غور کریں گے اور شہادت کے مواد پر مہر لگا کر قربان گاہ پر رکھ دیں گے۔ ایسا وہ مسلسل تین روز تک کریں گے اور گواہوں اور شہادتوں کی اچھی طرح چھان بین کریں گے اور ہسٹیا دیوی کے آگے یہ عہد کر کے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق دیانت سے فیصلہ دیں گے۔ اس عہد کے بعد فیصلہ دے کر وہ مقدمے کو ختم کر دیں گے۔

اب دیوتاؤں سے متعلق ان قوانین کی باری آتی ہے جن کا تعلق ریاست کے عدم استحکام سے ہے جو شخص کسی ایسے آدمی کو اقتدار میں لائے جو قانون کو گھر کی لونڈی بنا لے گا۔ مملکت کو گروہوں میں بانٹ دیتا ہے۔ تشدد سے کام لے کر قانون کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔ ایسا ہی شخص ہمارے خیال میں تمام مملکت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ لیکن جو شخص ان کاموں میں حصہ نہیں لیتا۔ اور مملکت کے اعلیٰ عدالتی عہدیدار ہونے کے باوجود اس غداری سے بے خبر رہے یا علم ہونے کے باوجود صرف بزدلی کے سبب ملک کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتا۔ ایسا شخص بھی اتنا ہی برا ہے جتنا صاحب اقتدار ہے۔ آدمی میں اگر غیرت کی رمق باقی ہے تو وہ عدالتی عہدیدار کو مطلع کرے گا اور ملک کی حکومت کو تشدد اور غیر قانونی طریقے سے بدلنے کی سازش کرنے والوں کو عدالت میں لے آئے گا۔ اس قسم کے مقدموں کے لیے منصفین کا انتخاب بھی اسی طرح کیا جائے

گا جس طرح مندر میں ڈاکا ڈالنے والوں کے معاملے میں ہوتا ہے۔ اس کی رائے وہی بھی اسی طرح ہوگی اور اکثریتی رائے سے موت کی سزا کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن ایک عام اصول یہ ہوگا کہ والد کے جرم کی سزا کا اثر بچوں پر نہیں پڑے، سوائے ان کے جن کے والد، دادا اور پردادا کو موت کی سزا ملی ہو۔ ایسے لوگوں کو شہری انتظامیہ ان کی تمام ملکیت سمیت ان کے آباواجداد کے وطن بھیج دے گی۔ البتہ ان کا حصہ انھیں نہیں لے جانے دیا جائے گا اور جن شہریوں کے دس سال سے زائد عمر کے ایک سے زیادہ بیٹے ہیں۔ وہ ان میں سے ایسے دس کا انتخاب کرے گا جنھیں ان کے دادا یا نانا مقرر کریں گے۔ اور ان کے نام ڈیلفی دیوی کے مندر میں درج کرا دیں گے۔ اور ان میں سے جسے دیوتا کی مرضی ہوگی ایک کو اس خاندان کا سربراہ مقرر کیا جائے گا جو نا کام ہوتا چلا آ رہا تھا۔ اس کو دعا ملتی ہے کہ وہ اپنے پیشروؤں سے کہیں بہتر کامیابی سے ہمکنار ہو۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : علاوہ بریں تیسرا عام قانون بھی مرتب کیا جائے گا جس کا تعلق ان منصفین اور ان کے طریق کار سے ہوگا۔ جو غداری کے مقدموں کا فیصلہ کرتے ہیں اور جو بقیہ اہل خانہ سے اور اخلاف و اولاد سے متعلق ہیں۔ مندر کو لوٹنے والوں، غداروں اور تشدد کے ذریعے مملکت کے قوانین کی دھجیاں اڑانے والے تینوں قسم کے افراد کے لیے ایک ہی قانون ہوگا۔ چور کے لیے خواہ وہ چھوٹی چوری کرے یا بڑی ایک ہی قانون اور ایک ہی سزا مقرر ہونی چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر وہ اقبال جرم کر لیتا ہے تو اسے چوری شدہ مالیت کا دوگنا ادا کرنا چاہیے بشرطیکہ اتنی رقم اس کے پاس اپنے حصے سے زیادہ موجود ہو۔ اگر اس کے پاس یہ رقم نہیں ہوگی تو اسے اس کی ادائیگی کا پابند کیا جائے گا اس وقت تک کہ جس کی چوری ہوئی ہو وہ اسے معاف نہ کر دے۔ لیکن اگر کوئی شخص سرکاری مال کی چوری میں ماخوذ ہوگا تو شہری انتظامیہ کو قائل کرنے کے یا چوری شدہ مالیت کے دوگنے کی ادائیگی کے بعد ہی اسے رہائی ملے گی۔

کلینیاس : اجنبی آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ چوری خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ایک ہی طرح کا جرم ہے۔ خواہ وہ مقدس مقامات سے کی گئی ہو یا عام مقامات سے۔ اسی طرح چوری مختلف النوع نہیں ہوتی۔ اس کی مختلف اقسام کے پیش نظر کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ قانون ساز مختلف سزائیں بھی تجویز کریں۔

اجنبی : نہایت عمدہ بات ہے ۔کلینیاس تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔آپ نے لگام کھینچ لی اور مجھے اس طرف متوجہ کر دیا۔میرا خیال بھی یہی تھا قانون سازی پر مناسب کام ابھی تک نہیں ہوا ہے۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ان لوگوں کو جن کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں ایسے غلاموں سے تشبیہ دی تھی جن کی تربیت غلام کرتے ہیں۔اس بات کی مزید وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ ایک اتائی معالج جو محض اپنے تجربے کی بنا پر علاج کرتا ہے جس نے طب کا باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا ہے۔ایک مستند معالج کی وہ بات سنتا ہے جو وہ اپنے مریض سے کر رہا ہے اس کی باتیں تقریباً فلسفیانہ ہوں گی ۔وہ مرض کے اسباب و علل، اس کی ابتدا اور انتہا، جسمانی ساخت پر تفصیلی گفتگو کرے گا جسے سن کر اتائی معالج نے زوردار قہقہہ لگایا۔وہ ایسی تمام باتیں دوہرائے گا جو عام معالجوں کی نوک زبان ہوتی ہیں۔وہ کہے گا نادان انسان تو مریض کا علاج نہیں کر رہا ہے بلکہ اس کو تعلیم دے رہا ہے۔جو معالج نہیں بننا چاہتا بلکہ مرض سے خلاصی چاہتا ہے۔

کلینیاس : کیا وہ درست بات نہیں کہہ رہا ہے؟

اجنبی : ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔وہ پلٹ کر ہم سے یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ آپ لوگ قانون نہیں بنا رہے ہیں بلکہ انھیں قانون کی تعلیم دے رہے ہیں۔ان کا یہ قول بڑا موثر ہے۔

کلینیاس : درست ہے۔

اجنبی : لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے۔

کلینیاس : کس طرح؟

اجنبی : اس حد تک کہ ہم قانون سازی پر مجبور نہیں ہیں لیکن ہم حکومت کی ہر نوع کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ طے کرتے ہیں کہ بہتر اور ضروری کیا ہے اور اس کے حصول کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے۔اس مرحلے پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ بہترین کیا ہے اور ضروری کیا ہے پہلے ہم بہتر کا فیصلہ کریں یا ضروری کا۔ بتائیے کیا کریں؟

کلینیاس : اجنبی دوست ہماری تجویز میں چند مضحک اجزا بھی شامل ہیں کیونکہ ہم قانون سازی ایسی مجبوری کے تحت کر رہے ہیں جسے ملتوی نہیں کیا جاسکتا ہے۔لیکن ہم دیوتاؤں کی توفیق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پتھروں یا متعدد تعمیراتی اشیا جمع کرنے والوں کی طرح ہم پہلے بے شمار چیزیں جمع کر رہے ہیں

تا کہ اس ڈھیر میں سے فرصت کے وقت حسب ضرورت کام کی اشیا علیحدہ کر کے تعمیر کا آغاز کر سکیں۔ ہم یہ فرض کریں گے کہ ہمیں فرصت حاصل ہے اور ہم مجبوراً کوئی تعمیر نہیں کر رہے ہیں بلکہ کبھی سامان جمع کرتے ہیں کبھی عمارت بنانے لگتے ہیں اور ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ پتھروں کی طرح ہمارے متعدد قوانین اپنے اپنے مقام پر لگ چکے ہیں اور دوسرے پاس ہی پڑے ہوئے ہیں۔

اجنبی : میرے دوست اس صورت میں یقیناً ہمارے قوانین قدرت سے ہم آہنگ ہیں۔ کیونکہ قانون سازوں کو متاثر کرنے والا ایک اور بھی معاملہ ہے جس پر غور کرنے کی میں آپ سے التجا کروں گا۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی : شہروں میں ایسی متعدد کتابیں دستیاب ہوتی ہیں جن میں مختلف مسائل کا ذکر ہوتا ہے جسے قانون سازوں اور دیگر لوگوں نے لکھا ہے۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : کیا ہم ان تخلیقات پر توجہ دیں جو ایسے شاعروں وغیرہ کی ہیں جو وزن میں ہیں اور بے وزن بھی اور جس میں انھوں نے زندگی بسر کرنے کے اصولوں سے بحث کی ہے لیکن قانون سازوں کی تحریروں کو لائق اعتنا نہ سمجھیں؟

کلینیاس : دوسرے افراد سے زیادہ ان ہی کی تحریروں پر توجہ دیں۔

اجنبی : کیا تمام اہل قلم میں سے صرف قانون سازوں کا یہ کام ہے کہ وہ حسن، نیکی اور انصاف سے متعلق اپنی رائے کا اظہار نہ کریں۔ وہ جو کچھ ہیں اس کا علم کسی کو نہ دیں اور جو لوگ خوش رہنا چاہتے ہیں وہ انھیں کس طرح اس کام پر آمادہ کریں؟

کلینیاس : بالکل نہیں۔

اجنبی : کیا یہ امر باعث شرم نہیں ہے کہ ہومر اور ٹائرٹیس جیسے عظیم شعرا زندگی اور لوگوں کے بارے میں اپنے کلام میں نیکی سے بعید اصولوں کو جگہ دیں لیکن کیا لائی کرگس، سولون اور دیگر قانون سازوں کے لیے یہ امر باعث ندامت نہیں ہے؟ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ شہر میں جو تحریری مواد میسر ہے

اس میں قانون سے متعلق تحریروں کے بغور مطالعے اور تشریح کے بعد پتا چلتا ہے کہ انھیں اشرف ترین اور بہترین ہونا چاہیے تھا؟ اور دیگر کتابوں کو ان ہی کے مطابق ہونا چاہیے تھا اور اگر ان سے مختلف ہوں تو کیا وہ اس قابل نہیں کہ ان کی ہنسی اڑائی جائے؟ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ کیا ملکی قوانین کو والدین کی طرح محبت اور دانائی سے پُر ہونا چاہیے یا ظالموں اور جابروں کی طرح جو صرف تحکم اور تہدید سے کام لیتے ہیں۔ اور اپنا فیصلہ دیواروں پر تحریر کرنے کے بعد اپنا راستہ لیتے ہیں۔ کیا ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم قانون پر بحث کرتے ہوئے نرمی کا رویہ اختیار کر کے یہ طے کریں کہ وہ قابل عمل ہیں یا نہیں۔ بہرصورت اس خیال کی تائید کے لیے تیار ہیں۔ اور اس سے پیدا شدہ ہر طرح کے نتائج برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ دعا ہے کہ نتائج بہتر ہوں اور اگر دیوتا کا فضل شامل حال رہا تو بہتر ہی ہوں گے۔

کلینیاس : بہت خوب۔ آپ نے جو کہا ہے ہم اسی پر عمل کریں گے۔

اجنبی : چلیے اب ہم اپنی تجویز کے مطابق مندروں کے لٹیروں اور تمام اقسام کی چوریوں اور عام جرائم کے بارے میں اچھی طرح غور کرتے ہیں۔ اور اگر قانون وضع کرنے کے دوران کچھ امور پر اپنی رائے قائم نہیں کر سکے ہوں تو ہم کسی ناگواری کا اظہار نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہم ابھی تک پوری طرح قانون ساز نہیں بنے ہیں، ہاں جلد ہی بن جائیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم ان امور کو زیر بحث لائیں گے۔

کلینیاس : بسروچشم !

اجنبی : تمام شریفانہ اور عادلانہ امور کے بارے میں ہم کوشش کریں گے کہ ہم یہ طے کرلیں کہ ہم خود اپنی ذات سے کہاں تک مطابقت رکھتے ہیں۔ اور کہاں تک نہیں رکھتے۔ اور جن لوگوں کو ہم سے اختلاف ہے ان میں خود اپنے آپ سے کہاں تک ہم آہنگی موجود ہے یا موجود نہیں ہے۔

کلینیاس : آپ نے ہم لوگوں میں کس طرح کی عدم مطابقت کا مشاہدہ کیا ہے؟

اجنبی : چلیے میں اس کی تشریح کی کوشش کرتا ہوں۔ میں غلطی پر نہیں کہ عدل، عادل لوگ اور عادلانہ امور اور کام سارے کے سارے نیکی میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی شخص کا عقیدہ ہو کہ عادل آدمی جسمانی طور پر بدنما ہونے کے باوصف اپنے عادلانہ خیالات کے سبب حسن عمل سے مزین ہے تو

کسی کو یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اس بات میں کوئی عدم مطابقت نظر آتی ہے۔

کلینیاس : ان کی بات بالکل درست ہے۔

اجنبی : شاید۔لیکن آیئے مزید غور کریں کہ تمام باتیں جو عادلانہ ہیں وہ حسین اور شریفانہ بھی ہوتی ہیں۔ لفظ ''تمام'' میں ہم ان اذیتوں کو بھی شامل سمجھتے ہیں جو عادلانہ عمل کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔

کلینیاس : اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

اجنبی : نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عادلانہ عمل عدل پر مبنی ہونے کے باعث مستحسن بھی ہوتا ہے اور موثر بھی۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : تو کیا اس اذیت کو اسی مناسبت سے مستحسن اور موثر سمجھا جائے تو عادلانہ عمل کا شاخسانہ ہوتی ہے اگر استدلال درست ہو تو سب اسی نتیجے پر پہنچیں گے یا نہیں؟

کلینیاس: بالکل بجا ہے۔

اجنبی : لیکن جب ہم اذیت کو مستحسن سمجھتے ہیں مگر موثر نہیں اور انصاف کے لیے باعث ننگ کی اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے عدل پسند اور باوقار افراد اختلاف نہیں کریں گے؟

کلینیاس : آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی : اس بات کا سمجھنا دشوار نہیں ہے جو قوانین پہلے ہی سے نافذ ہیں وہ ہمارے قول کے یکسر برعکس ہیں۔

کلینیاس : کس طرح۔

اجنبی : جہاں تک یاد پڑتا ہے ہم نے یہ قانون وضع کیا ہے کہ مندر کو لوٹنے والے اور جو لوگ امن و امان کے دشمن ہیں، اب سب کو موت کی سزا دینا عین انصاف ہوگا اور ہم اس طرح کے متعدد قوانین تیار کرنے جارہے تھے لیکن ہم رک گئے۔ کیونکہ ہم نے یہ دیکھا کہ اس طرح کی شکایتیں، کیفیت اور کمیت میں بہت زیادہ ہیں اور بیک وقت یہ عادلانہ بھی ہیں اور تمام تکالیف سے ارذل ترین بھی اور اگر یہ بات سچ ہے تو کیا ایک ایسی صورت بھی ہے جس میں عادلانہ اور مؤثر عمل ایک ہی ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں وہ ایک دوسرے کے متناقض ہیں؟

کلینیاس : بات تو کچھ اسی قسم کی ہے۔

اجنبی : اس طرح عوام کی زبان موقر اور عادلانہ تصور کی ناگواری اور بے قاعدگی کے ساتھ دھجیاں اڑاتی ہے۔

کلینیاس : بالکل صحیح ہے۔

اجنبی : میرے دوست کلینیاس آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ان امور میں ہم کہاں تک باقاعدگی برت رہے ہیں۔

کلینیاس: باقاعدہ کس معاملے میں؟

اجنبی : میرا خیال ہے کہ میں نے بحث کے آغاز ہی میں یہ بات وضاحت سے کہہ دی تھی۔ لیکن اگر نہیں کہی ہے تو اب کہتا ہوں۔

کلینیاس : کیا کہیں گے؟

اجنبی : یہی کہ برے آدمی ہمیشہ غیر ارادی طور پر برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے مزید نتیجہ نکلتا ہے۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی : کہ ناانصاف آدمی برا ہو سکتا ہے، لیکن وہ اپنی مرضی کے خلاف برا ہے۔ یہ عجیب تضاد ہے کہ جو عمل ارادی ہے وہ غیر ارادی طور پر کیا جائے۔ جس کے سبب جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ناانصافی غیر ارادی فعل ہے وہ یہ بھی تسلیم کرے گا کہ ناانصاف آدمی غیر ارادی طور پر ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے۔ میں بھی یہ مانتا ہوں کہ انسان غیر ارادی طور پر ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے اور اگر کوئی حجتی اور جھگڑالو شخص یہ کہتا ہے کہ انسان اپنی مرضی کے خلاف ناانصاف بنتا ہے تاہم متعدد افراد برضا و رغبت ناانصافی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میں اس کی یہ بات تسلیم نہیں کروں گا۔ لیکن میں بذات خود بے اصولی کا مرتکب کس طرح ہو سکتا ہوں جب مجی لس اور کلینیاس آپ دونوں مجھے یہ کہیں گے کہ اجنبی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر درست ہے تو میگنیٹس (Magnetes) کے شہر کے لیے قانون سازی کا کیا بنے گا۔ ہم قانون وضع کریں یا نہ کریں؟ جواب میں کہوں گا کیوں نہیں ضرور بنائیں گے۔ تو کیا آپ یہ بھی طے کریں گے کون سے جرائم ارادی ہیں اور کون سے غیر ارادی، اور کیا ہم ارادی جرائم کے لیے سخت سزا اور غیر ارادی کے لیے نرم سزا تجویز کریں گے؟ یا اس خیال سے کہ ارادی جرائم کا کوئی وجود نہیں ہوتا ایک ہی جیسی سزا مقرر کی جائے گی؟

کلینیاس : بہت خوب۔ یہ بتایئے کہ ہم ان کے اعتراض کے جواب میں کیا کہیں؟

اجنبی : بہت اچھا سوال ہے پہلے ہمیں چاہیے کہ۔

کلینیاس : ہم کیا کریں؟

اجنبی : پہلے ہم ان باتوں کو یاد کریں گے جسے ہم پہلے اچھی طرح بیان کر چکے ہیں کہ عدل کے بارے میں ہمارے خیالات میں بہت زیادہ الجھنیں بھی ہیں اور تضادات بھی۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر آیئے ہم ایک بار پھر اپنے آپ سے پوچھیں کہ ہمیں اس مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ ملا ہے یا نہیں؟ کیا ہم نے کبھی یہ طے کیا ہے کہ ان دو قسم کے افعال ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہیں؟ کیونکہ تمام ریاستیں اور تمام قانون ساز کوشش کر کے ان دو افعال یعنی ارادی اور غیر ارادی میں تمیز کر چکے ہیں۔ اور اس کے مطابق قانون وضع کیے گئے ہیں۔ کیا ہمارا یہ نیا لفظ سروش غیبی کے الفاظ کی طرح صرف زبانوں پر رہے گا اس کی کوئی تصریح وتشریح نہیں کی جائے گی؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے ایک ایسے لفظ کو قانون کی بنیاد بنا دیا جائے جس کے معنی ہی متعین نہیں ہو سکے ہیں۔ یہ بات ممکنات میں نہیں ہے اس لیے قانون بنانے سے قبل ہمیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ دو علیحدہ الفاظ ہیں، ان میں اختلافات کی نوعیت کیا ہے۔ اس طرح جب ہم ان دونوں کے لیے سزا تجویز کریں گے تو ہر شخص ہماری تجویز کو سمجھے گا اور یہ اندازہ لگا سکے گا کہ سزا مناسب ہے یا نامناسب۔

کلینیاس : اجنبی مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کیونکہ ان دو میں سے ایک بات یقینی ہے یعنی یا ہم یہ نہ کہیں کہ تمام غیر عادلانہ افعال غیر ارادی ہوتے ہیں یا ہم اس بیان کے مضمرات اور حقائق سے پردہ اُٹھائیں۔

اجنبی : ان دو صورتوں میں سے ایک تو قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ جس کے بارے میں اپنے یقین کے مطابق حقیقت کا اظہار نہ کرنا میرے نزدیک خلاف قانون اور پاکیزگی سے بعید ہوگا لیکن اگر ناانصافی کے کاموں کو ارادی اور غیر ارادی میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہوا تو مجھے ان میں دیگر امتیازی باتیں تلاش کرنی ہوں گی۔

کلینیاس : اجنبی دوست آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، اس نکتے پر ہماری رائے مختلف نہیں ہو سکتی۔

اجنبی : پھر اس پر غور ضروری ہے کہ زندگی گزارتے ہوئے شہری ایک دوسرے کے خلاف متعدد شکایات

کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ہمیں ارادی اور غیر ارادی جرائم کی بے شمار مثالیں فراہم ہو جاتی ہیں۔

کلینیاس : بجا ارشاد۔

اجنبی : میں نہیں چاہتا کہ کوئی خیال کرے کہ یہ تمام شکایتیں ضرر رساں ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ یہ ضرر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ارادی اور دوسرا غیر ارادی۔ کیونکہ تمام انسانوں کے لیے غیر ارادی ضرر اتنے ہی زیادہ اور بڑے ہوتے ہیں جتنے ارادی اور جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس کے صحیح یا غلط ہونے پر آپ ضرور غور کریں۔ دوستو میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ جو کسی دوسرے کو غیر ارادی طور پر ضرر پہنچاتا ہے وہ اسے غیر ارادی طور پر نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ اس خیال کے تحت کہ میں کسی غیر ارادی ضرر کے بارے میں قانون سازی کر رہا ہوں میں ایسے کسی کام کے بارے میں کوئی قانون نہیں بناؤں گا لیکن میں خود یہ کہوں گا کہ ایسا ضرر خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا کوئی نقصان نہیں ہے۔ دوسری جانب اگر یہ بات درست ہے تو جب کوئی فائدہ غلط طریقے سے پہنچایا جائے تو فائدہ لے جانے والا نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ میرے دوستو کسی شے کے لینے یا دینے کو نہ جائز کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی ناجائز۔ لیکن قانون ساز کو یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا عادلانہ اصول اور نیک نیتی بھی عالم انسانیت کے لیے مضرت رساں ہو سکتی ہے۔ اسے ناانصافی اور ضرر کے امتیاز کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ اور جب ضرر واقع ہو تو اسے اس کی تلافی قانون کے ذریعہ کرانا ہوگی۔ اور برباد ہونے والے کو بچانا ہوگا۔ جو گرے ہوئے ہیں انھیں سہارا دینا ہوگا جو ختم ہو چکا ہے یا تھوڑا بہت ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اسے دوبارہ اصل شکل میں لانا ہوگا۔ اور جب ناانصافی کے لیے ہرجانہ ادا ہوگا تو قانون کی یہ کوشش ہوگی کہ ضرر پہنچانے والوں کا دل اس طرح جیت لیا جائے کہ دشمنی کا جذبہ دوستی میں تبدیل ہو جائے۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : ناجائز ضرر (اور فائدے بھی جو ناانصافی کے سبب حاصل ہوں) کی حتی الوسع تلافی کی جائے گی۔ انھیں ایک روحانی عارضہ تسلیم کیا جائے گا اور ناانصافی کا علاج درج ذیل نہج پر کیا جائے گا۔

کلینیاس : کس نہج پر؟

اجنبی : جب کوئی فرد کسی ناانصافی کا مرتکب ہوگا تو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی تو قانون اس کی فہمائش اس

طرح کرے گا کہ یا تو ایسا فعل اس سے آئندہ کبھی سرزد نہیں ہوگا یا ہوگا تو ارادی نہیں ہوگا۔ یا بہرصورت اتنا شدید نہیں ہوگا۔ تاہم اسے نقصان کی تلافی بھی کرنی ہوگی۔ قانون کا مقصد یہ ہوگا کہ انسان جرم سے نفرت کرنے لگے اور انصاف پسندی سے محبت یا نفرت کرے۔ یہی قانون کا نیک ترین مقصد ہوگا۔ چاہے اس کے اصلاحی اقدامات کے نتائج قول سے حاصل ہوں یا فعل سے رد کر حاصل ہوں یا ہنس کر، سہولتوں کو لے کر لیں یا دے کر، جرمانہ کرکے یا تحائف دے کر حاصل ہوں۔ لیکن قانون ساز یہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص ناقابل اصلاح ہے تو وہ اس کے لیے قانون وضع کرے گا سزا بھی تجویز کرے گا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ خود ایسے شخص کی زندگی اس کے لیے بھی مفید نہیں ہوسکتی اور وہ اسے دنیا سے رخصت کرکے بقیہ انسانوں پر دوہرا احسان کریں گے وہ اس طرح کہ وہ دوسروں کے لیے عبرت کا سامان فراہم کریں گے اور شہر کو بدکاروں سے نجات مل جائے گی۔ ایسے ہی معاملات اور صرف ایسے ہی معاملات میں قانون موت کی سزا مقرر کریں گے۔

کلینیاس : آپ نے جو کچھ کہا ہے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات بہت معقول ہے لیکن آپ کا احسان ہو گا کہ اگر آپ اور ناانصافی اور اس میں شامل ارادی اور غیر ارادی الجھنوں کے فرق کو ذرا تفصیل سے بیان کردیں۔

اجنبی : میں کوشش کروں گا کہ آپ کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے۔ روح کے ضمن میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس کا جزو شدید جذبہ بھی ہوتا ہے جسے ایک حالت یا اس کا ایک جزو کہا جا سکتا ہے۔ جس پر قابو پانا مشکل ہوگا۔ کیونکہ اس قوت کے غیر معقول استعمال سے متعدد امور تہ وبالا ہو جاتے ہیں۔

کلینیاس : صحیح ہے۔

اجنبی : لیکن مسرت اس شدید جذبے کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک ترغیب سے اپنا کام نکالتی ہے اور دوسرا جبر اور دھوکے سے کام لیتا ہے۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جرائم کا تیسرا سبب لاعلمی ہوتی ہے۔ جسے قانون ساز آسانی سے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ معمولی لاعلمی جو چھوٹے موٹے جرائم کا مبدا ہوتی ہے۔ اور دوہری لاعلمی

جس میں دانائی کا غرور بھی شامل ہوتا ہے۔ اور جو شخص موخر الذکر کا شکار ہوتا ہے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اسے سب کچھ معلوم ہے حالانکہ اسے اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ اس دوسری قسم کی لاعلمی میں جب قوت اور اختیار شامل ہو جاتا ہے تو قانون سازوں کی نظر میں ایسا شخص بڑے بڑے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے لیکن جب وہ کمزور ہوتا تو اس سے صرف بوڑھے اور بچوں کی غلطیاں ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ جنھیں قانون ساز صرف غلطیاں مان کر اس کے لیے مناسب قانون تیار کریں گے جو بڑے نرم اور رحم لانہ ہوتے ہیں۔

کلینیاس : بات بالکل ٹھیک ہے۔

اجنبی : ہم سب کسی کو مسرت اور شدید جذبات سے ماورئی اور کسی کو ان سے کمتر کہتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : ہم نے کبھی یہ نہیں سنا کہ ہم میں سے ایک لاعلمی سے بلند اور دوسرا اس سے کمتر ہے۔

کلینیاس : درست۔

اجنبی : ہم ان محرکات کا ذکر کر رہے ہیں جو انسان کو اس کی خواہشوں کی تکمیل کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ حالانکہ ہوسکتا ہے کوئی فرد بیک وقت متضاد سمتوں میں کشش محسوس کرے۔

کلینیاس : جی ہاں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

اجنبی : اب میں اپنے تصور کے مطابق بلا کسی ابہام کے یہ طے کر سکتا ہوں کہ عادلانہ اور غیر عادلانہ سے میری کیا مراد ہے۔ جب غیض اور خوف، خوشی اور غم اور بدگمانی اور خوش گمانی روحانی کرب کا موجب بنتے ہیں خواہ وہ نقصان دہ ہوں یا نہیں۔ میں انھیں ناانصافی کہتا ہوں۔ لیکن جب انسانی فطرت کے کسی پہلو سے یہ رائے دی جائے کہ یہ بہترین ہے۔ جو روح میں جاگزیں ہوتی ہے اور زندگی میں ایک ترتیب پیدا کرتی ہے۔ جس میں غلطیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس ضمن میں جو بھی کام کیے جاتے ہیں اور اس اصول کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور انسان کی تمام زندگی کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ اسی کو انصاف کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سہواً کوئی نقصان اس سے سرزد ہو جائے تو بعض اسے غیر ارادی ناانصافی کا نام دیتے ہیں۔ ناموں کے اس سوال کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس پر

کوئی حجت نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے پہلے ہی ان غلطیوں کے تین ماخذوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ اب ہم ان باتوں کو ذرا تفصیل سے یاد کریں گے۔ ان میں سے ایک تکلیف دہ نوعیت کا ہوتا ہے جسے ہم نے غیض اور خوف کا نام دیا ہے۔

کلینیاس : بالکل درست۔

اجنبی : دوسرا مسرت اور آرزوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور تیسرا امید کہلاتا ہے۔ ان سب کی منشا بہترین کے بارے میں اظہار رائے ہوتا ہے۔ مؤخرالذکر کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہمارا عمل کے پانچ ماخذوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ جن کے لیے ہم دو قسم کے قانون وضع کریں گے۔

کلینیاس : کس قسم کے دو قانون؟

اجنبی : ایک قسم کا تشدد کا کام وہ ہے جو دن کے اجالے میں کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو اندھیرے میں چپکے چپکے فریب کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اور اس میں اکثر تشدد بھی ہوتا ہے اور فریب بھی۔ جن کے بارے میں سخت قانون کی ضرورت ہے۔

کلینیاس : یہ واقعی ضروری ہے۔

اجنبی : آیئے اب ان باتوں کو چھوڑ کر اصل موضوع یعنی قانون کو مکمل کریں۔ ہم نے دیوتاؤں کو لوٹنے والوں، غداروں اور ان لوگوں کے بارے میں قانون بنا دیا ہے۔ جو حکومت کو غیر مستحکم بنانے کے لیے قانون کی شکل بگاڑ دیتے ہیں۔ آدمی ان میں سے چند جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں جو یا تو عالم جنون میں یا مرض کی حالت میں یا زیادہ معمر ہونے کی صورت میں یا طفلانہ لا ابالی پن میں ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ بات مقدمے کے منصف کے علم میں مجرم یا اس کے وکیلوں کی اپیل کے موقع پر لائی جائے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ارتکاب جرم کے وقت اس کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہی تھی تو وہ صرف اس نقصان کی تلافی کرے گا جو اس سے سرزد ہوا ہو گا۔ لیکن اسے کوئی جرمانہ ادا کرنا نہیں پڑے گا۔ بشرطیکہ اس کے ہاتھوں کسی کا قتل نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں اسے ملک بدر ہو کر دوسرے ملک جانا ہو گا۔ جہاں وہ ایک سال گزارے گا۔ اور اگر وہ اس مدت کے خاتمے سے قبل جو قانون نے مقرر کی ہے، واپس آئے گا یا اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھے گا تو قانون کے نگہبان اسے دو

سال کے لیے قید خانے میں بند کر دیں گے۔ اس کے بعد اسے آزادی نصیب ہو گی۔

اب بات قتل کی چل نکلی ہے تو آیئے ہر قسم کے قتل کے بارے میں قوانین بھی وضع کر لیں سب سے پہلے پُر تشدد اور غیر ارادی قتل کا قانون بنے گا۔ اگر کوئی شخص کھیلوں کے مقابلے یا عام مقابلوں میں کسی ساتھی دوست کو اس طرح مار ڈالتا ہے کہ وہ مکے کھاتے ہی کھاتے کچھ دیر بعد مر جائے یا بدقسمتی سے میدان جنگ کے دوران یا فوجی مشق کے دوران یا مصنوعی جنگ میں خواہ وہ اسلحہ کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور عدالتی اہلکار نے جس کی اجازت دی ہو اور اسے ڈیلفی دیوی کے مندر میں قانون کے مطابق پاک کر دیا گیا ہو تو یہ تمام لوگ معصوم عن الخطا قرار دیے جائیں گے۔ لیکن کوئی فرد کسی دوسرے کو غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں جان سے مار دیتا ہے۔ چاہے وہ غیر مسلح ہو یا اس کے ہاتھ میں اسلحہ یا نیزہ ہو یا وہ کچھ شے کھلا پلا کر اسے مار ڈالتا ہے یا آگ لگا کر ختم یا برف میں دبا کر دم گھونٹ کر ختم کر دیتا ہے۔ یہ جرم خواہ اس نے خود کیا ہو یا کسی دوسرے شخص سے کرایا ہو تو اسے قاتل سمجھا جائے گا اور مندرجہ ذیل سزاؤں میں سے کسی ایک سزا کا مستحق ہو گا:

اگر وہ کسی دوسرے کے غلام کو اپنا سمجھ کر قتل کر دیتا ہے تو اسے مقتول کے آقا کے نقصان کو خود برداشت کرنا ہو گا یا متوفی غلام کی قیمت کا دوگنا بطور ہرجانہ ادا کرے گا۔ جس کا تعین منصفین کریں گے۔ لیکن ان کی تطہیر ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بار اور زیادہ تعداد میں ہو گی جو کھیلوں کے مقابلوں میں مارے جائیں گے۔ اس تطہیر کی نوعیت کیا ہو گی۔ اس کا فیصلہ وہ مفسرین کریں گے جن کو دیوتا مقرر کرے گا۔ اگر کوئی شخص خود اپنے ہی غلام کو قتل کرتا ہے تو قانونی تطہیر کے بعد وہ اس الزام سے بری کر دیا جائے گا اور اگر کسی آزاد شہری کو غیر ارادی طور پر قتل کرے گا تو اسے تطہیر کے ان ہی مراحل سے گزرنا پڑے گا جن سے وہ گزرا تھا۔ جس نے غلام کی جان لی تھی۔ لیکن اسے ایک پرانی کہانی کو بھولنا نہیں چاہیے جو کچھ اس قسم کی ہے کہ جس کی موت تشدد سے واقع ہوئی ہے اور وہ زندگی میں آزاد رہا ہو وہ اپنے قاتل سے ناراض ہو گا اور تشدد کی موت کے سبب وہ خوف زدہ بھی ہو گا اور دہشت زدہ بھی۔ وہ جب اپنے قاتل کو اپنی مجلسوں اور آنے جانے کی جگہوں میں چلتا پھرتا دیکھتا ہے تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور اس کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ تو اس کی یہ پریشان حالی اور دوسرے فریق کے مجرمانہ فعل کی یاد اپنے قاتل اور

اس کے فعل بد کو بُری طرح متاثر کرتی ہے۔ جس کے نتیجے میں قاتل سال بھر کے لیے مقتول کے راستے پر آنے جانے سے باز رہتا ہے اور ملک بھر میں کسی ایسی جگہ نہیں جاتا جہاں مقتول اکثر جاتا رہتا تھا۔ اگر متوفی غیر ملکی تھا تو قتل کو غیر ملکی کے وطن سے اتنی مدت کے لیے چھپا کر رکھا جائے گا۔ اگر کوئی ارادی طور پر اس قانون کی پیروی کرتا ہے تو متوفی کا قریبی عزیز صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ان پر رحم کھا کر ان سے صلح کر سکتا ہے۔ اور ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرے گا یا اگر ان میں سے کوئی قانون سے سرتابی کر کے کسی مندر میں جانے کی جرات کرتا اور تطہیر کے بغیر قربانی دیتا ہے یا مقررہ مدت میں ملک سے باہر نہیں رہتا تو متوفی کا قریبی عزیز اس کے خلاف قتل عمد کا مقدمہ دائر کر سکتا ہے اور اگر اسے سزا ہوتی ہے تو اس کی سزا کے ہر جزو کو دوگنا کر دیا جائے گا۔

اگر قریبی عزیز مجرم کے خلاف قانونی اقدام نہیں کرتا تو پھر سارا ملبہ اسی پر گرے گا۔ مقتول اپنے عزیز کو قتل کا ذمہ دار قرار دے گا اور جو شخص چاہتا ہے کہ قاتل کے خلاف چارہ جوئی کی جائے تو وہ اسے قانون کے مطابق ملک سے پانچ برس تک باہر رہنے پر مجبور کرے گا۔ اگر کوئی غیر ملکی کسی ایسے غیر ملکی کو قتل کرتا ہے جو ملک میں مقیم ہے تو وہ قانون کے مطابق اس کے خلاف اقدام کر سکتا ہے۔ اگر وہ غیر ملکی شہر میں عارضی طور پر مقیم ہے تو اسے ایک برس کے لیے ملک چھوڑنا پڑے گا۔ لیکن اگر وہ مکمل طور پر غیر ملکی ہے تو خواہ اس نے کسی غیر ملکی یا کسی عارضی طور پر مقیم غیر ملکی، یا کسی شہری کو قتل کیا ہو تو اسے تاحیات مملکت کے قانونی علاقوں سے نکال دیا جائے گا۔ اور اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے واپس آ جاتا ہے تو قانون کے نگہبان اسے موت کی سزا دیں گے اور اگر اس کی کوئی ملکیت ہے تو وہ نقصان اٹھانے والے کے قریبی عزیز کو مل جائے گی۔ اگر اس کا جہاز ٹوٹ جائے اور اسے ساحل پر اس کی مرضی کے خلاف لایا جائے تو وہ ساحل ہی پر قیام پذیر ہو جائے گا۔ اس کا پاؤں ہمیشہ سمندر میں رہے گا اور موقع ملتے ہی وہ جہاز پر سوار ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسے زمینی راستے سے لایا جائے گا اور وہ آ قا نہیں ہے تو وہ جس عدالتی اہلکار کے پاس پہلے پہنچے گا وہ اسے رہا کر کے سرحد پار بھیج دے گا۔

اگر کوئی شخص کسی آزاد شہری کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا اور یہ فعل طیش میں کیا ہو۔

آغاز کے لیے ایسے معاملات میں ہمیں کچھ نہ کچھ امتیاز برتنا ہوگا۔ کیونکہ طیش میں جو فعل کیا جاتا ہے وہ یا تو فوری جذبات میں آ کر سخت ضرب وغیرہ سے قتل کی نیت کے بغیر ہی ظہور میں آتا ہے اور بعد میں معذرت بھی کی جاتی ہے یا یہ بھی ہوتا ہے کہ قول یا فعل کے ذریعے توہین وتذلیل کا انتقام لینے کے لیے دوسرے کی جان ارادتاً لی جاتی ہے اور اس پر بعد میں اظہار تاسف بھی نہیں کیا جاتا۔ اس لیے ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ قتل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اور دونوں ہی طیش کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بیک وقت ارادی اور غیر ارادی کے درمیان کی صورت ہوتی ہے۔ دونوں کی اس کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کا عکس ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جو اپنے غصے کو جمع رکھتا ہے اور فوری انتقام نہیں لیتا بلکہ اس کے لیے مکر و فریب سے کام لیتا ہے اور موقع محل کا انتظار کرتا ہے تو یہ ارادی فعل ہوتا ہے۔ لیکن جو غصہ کو ذخیرہ نہیں کرتا بلکہ فوری طور پر بدلہ لے لیتا ہے، جس میں کینہ توزی یا ارادے کا عمل دخل نہیں ہوتا تو یہ فعل غیر ارادی کے قریب تر ہوتا ہے تاہم اس کا یہ فعل مکمل طور پر غیر ارادی نہیں ہوتا بلکہ محض اس کا عکس یا سایہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو قتل طیش میں آ کر کیے جاتے ہیں یہ طے کرنے کے لیے کہ قانون اسے ارادی مانے یا جزوی طور پر ارادی، یہاں بڑی مشکلات ہیں۔ بہترین اور صادق ترین رائے یہ ہے کہ انھیں ارادی اور غیر ارادی دونوں کے مشابہ سمجھا جائے اس کا فیصلہ یہ دیکھ کر کیا جائے کہ یہ فعل پہلے سے سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا یا نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان جرائم کی سزائیں بہت سخت تجویز کریں جو طیش میں سوچ سمجھ کر کیے جائیں اور بغیر سوچے سمجھے فوری طور پر جرائم کے ارتکاب کی سزائیں ہلکی ہونی چاہیے۔ کیونکہ جو بڑا گناہ ہے اس کی سزا بھی زیادہ ہونی چاہیے جو گناہ بڑا نہ ہو اس کی سزا بھی ہلکی ہونی چاہیے۔ ہمارے قوانین کا یہی اصول ہونا چاہیے۔

کلینیاس : یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اجنبی : چلیے بات جاری رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی آزاد شہری کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا ہے اور یہ فعل طیش میں سرزد ہوتا ہے، جس کے لیے پہلے سے کوئی تجویز نہیں تھی تو قاتل کو وہی سزا ملنی چاہیے جو غیر ارادی قتل کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اسے دو سال کے لیے ملک بدر بھی کیا جائے گا۔ تاکہ وہ اپنے جذبات کو لگام دینا سیکھ لے۔ لیکن جو شخص طیش میں آ کر دوسرے کو سوچ سمجھ کر موت کے

گھاٹ اُتار دیتا ہے تو اسے اوّل الذکر جیسی سزا دی جائے گی لیکن ملک بدری کی مدت تین سال ہو گی۔ اس کی یہ سزا زیادہ ہوگی کیونکہ اس کا غصہ بھی زیادہ تھا۔ ان کی واپسی کا طریق کار یہ ہوگا (یہاں قانون کے لیے صحیح صحیح تعین کرنا دشوار ہوگا۔ کیونکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو قاتل قانون کی نظر میں بدترین ہے وہ نسبتاً کم ظالم ہو۔ اور جسے کم ظالم قرار دیا گیا ہو وہ زیادہ سنگدل ہو۔ اور اس نے زیادہ وحشیانہ طریقے سے قتل کیا ہو۔ جب کہ دوسرا زیادہ نرم دل ہو۔ لیکن عام طور پر خطا کی شدت ہمارے بیان کے مطابق ہوگی۔ قانون کے نگہبانوں کو ان تمام امور پر نظر رکھنی ہوگی) جب دونوں طرح کے قاتلوں نے ملک بدری کی مدت پوری کر لی ہوگی تو قانون کے نگہبان ملک کی سرحد پر بارہ منصفین کو بھیجیں گے جو اس مدت میں مجرم کے جرم کی نوعیت سے مکمل واقفیت حاصل کر لیں گے اور وہ ان کی سزا کی معافی اور استقبال کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ اور قاتل کو ان کی پابندی کرنی ہوگی۔ لیکن اگر گھر واپس آنے کے بعد وہ شخص دوبارہ طیش میں آ کر اسی جرم کا اعادہ کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ خود ملک چھوڑ کر چلا جائے اور کبھی واپس نہ آئے۔ اگر واپس آ تا ہے تو اس کو وہی سزا دی جائے جو غیر ملکیوں کو دی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کرتا ہے تو اس کی تطہیر کی جائے گی لیکن اگر وہ کسی دوسرے کے غلام کو طیش میں آ کر قتل کر دیتا ہے تو اسے اس غلام کی قیمت سے دوگنا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر کوئی قاتل قانون کی پابندی نہیں کرے گا اور تطہیر کے بغیر کھلے میدان، کھیل کے مقابلوں، عبادت گاہوں کو اپنی حاضری سے پلید کرتا ہے تو ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متوفی کے قریبی عزیز اور خود قاتل کو عدالت میں لائے اور قاتل سے دوگنا ہرجانہ وصول کرے اور تطہیر کا اہتمام کرے۔ اور قانون کے مطابق ہرجانے کی رقم مدعی کو ملے گی۔ اگر کوئی غلام طیش میں آ کر اپنے آقا کو قتل کر دیتا ہے تو مقتول کے رشتے دار کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس غلام سے جو چاہے وہ سلوک کرے (لیکن اسے جان سے نہیں مارے گا) اس طرح وہ پاک ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ کسی آزاد شہری کو قتل کرتا ہے جو اس کا مالک نہیں تھا تو اس غلام کا آقا اسے مقتول کے رشتہ داروں کے حوالے کر دے گا جو اس بات پر مجبور نہیں ہوں گے کہ اس کی جان لے لیں۔ لیکن یہ فعل کسی اور طریقے سے بھی کیا جا سکتا ہے اور اگر ماں یا باپ طیش میں آ کر اپنے بیٹے یا بیٹی کی (اس کی مثال نہایت کمیاب ہے تاہم کبھی ایسا ہو جاتا ہے) ضربات یا کسی اور طریقے

سے جان لے لیں تو قاتل کو دوسروں کی طرح تطہیر کے مراحل سے گزرنا ہوگا اور تین سال کے لیے ملک بدر ہوں گے لیکن واپسی پر بیوی، شوہر سے اور شوہر بیوی سے علیحدگی اختیار کر لیں گے اور اس کے بعد وہ دونوں کسی بچے کے والدین نہیں بنیں گے۔ یا ایک ہی مکان میں نہیں رہیں گے۔ یا ان کے ساتھ مل کر مذہبی رسوم میں شرکت نہیں کریں گے جنھیں انھوں نے ایک بچے یا بھائی سے محروم کر دیا ہے اور اس معاملے میں جو بدعقیدگی اور نافرمانی کرے گا اس پر بدعقیدگی کا مقدمہ کوئی بھی شہری چلا سکتا ہے۔ اگر طیش میں آ کر شوہر اپنی منکوحہ بیوی یا بیوی اپنے شوہر کو قتل کر دیتی ہے تو قاتل کی اسی طرح تطہیر ہوگی اور ملک بدری کی مدت تین سال ہوگی اور جب اس طرح کا مجرم واپس آئے گا تو مذہبی رسومات کے دوران اس کا اولاد سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اور نہ ہی وہ ان کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے گا۔ اور باپ یا بیٹا جو بھی اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ بدعقیدگی میں کوئی بھی ماخوذ کر سکتا ہے اگر کوئی بھائی یا بہن اپنے کسی بھائی یا بہن کو قتل کر دیتا ہے تو اولاد کے قاتل والدین کی طرح ان کی تطہیر بھی ہوگی وہ ملک بدر ہوں گے وہ ایک ہی مکان میں ساتھ ساتھ نہیں رہیں گے اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ مذہبی رسوم میں شرکت کریں گے۔ جن کو انھوں نے اپنے بھائی یا بہن یا بچوں سے محروم کر دیا جو نافرمانی کرے گا وہ بدعقیدگی کے اس قانون کے تحت مستوجب سزا ہوگا جس کا ان امور سے تعلق ہے اگر کوئی والدین کے خلاف طیش میں آ کر اس حد تک تشدد پر اُتر آئے کہ ان میں سے ایک کو قتل کر دے تو اگر مقتول مرنے سے قبل اسے معاف کر دے اس کی اسی طرح تطہیر ہوگی جس طرح غیر ارادی طور پر قتل کرنے والوں کی ہوتی ہے اور انھیں ان ہی کی طرح مختلف مراحل سے گزر کر تطہیر حاصل کرنا ہوگی۔ لیکن اگر اس کو معافی نہیں ملی ہو تو قتل کے مرتکب کو مختلف قوانین کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسے مندر لوٹنے، مجرمانہ حملے اور بدعقیدگی کے قانون کے تحت زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے گی۔ کیونکہ اس نے والدین کی زندگی پر ڈاکا ڈالا ہے۔ اور کسی کو بار بار موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔ تو ماں باپ کے قاتل کو متعدد بار تختۂ دار پر چڑھانا چاہیے۔ بھلا ایسے شخص کو والدین کے قتل کی اجازت دی جا سکتی ہے جو اسے اس دنیا میں لانے کے ذمہ دار ہیں۔ اسے تو اس کی بھی اجازت نہیں کہ والدین کی طرف سے جان کے خطرے کے باوجود وہ انھیں زندگی سے محروم کر دے۔ قانون ساز اسے زیادہ سے زیادہ سزا کا حکم دے گا کیونکہ اسے قانونی طور

پر کوئی اور سزا کس طرح دی جاسکتی ہے؟ جو شخص طیش میں آ کر اپنی ماں یا باپ کو قتل کر دیتا ہے موت ہی اس کی سزا ہو سکتی ہے۔ لیکن کسی مالی تنازع یا اسی طرح کی کسی صورت میں جس کی ابتدا دوسرے نے کی تھی۔ بھائی اپنے بھائی کو اپنا دفاع کرتے ہوئے مار ڈالتا ہے تو وہ مجرم نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے اپنا دشمن مارا ہے۔ اگر کوئی شہری کسی دوسرے شہری کو یا غیر ملکی کسی دوسرے غیر ملکی کو مار ڈالتا ہے تو ان پر بھی اسی قانون کا اطلاق ہوگا۔ یا اگر کوئی غیر ملکی کسی شہری کو یا غیر ملکی کسی دوسرے غیر ملکی اور حفاظت خود اختیاری میں کسی کو قتل کر دیتا ہے تو وہ اسی طرح جرم سے مبرّا سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی غلام جس نے غلام کو مار ڈالا ہے تو اس پر بھی یہی اصول لاگو ہوگا لیکن اگر اپنا دفاع کرتے ہوئے کوئی غلام کسی آزاد شہری کو قتل کر دیتا ہے تو یہ سمجھا جائے کہ اس نے اپنے والد کو مار ڈالا ہے۔ اور قانون اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ والدین کے قتل سے متعلق معافی اور تخفیف سزا کے قانون کا ہر قسم کی رعایتوں پر اطلاق ہوگا۔ جب کوئی متاثر شخص اپنی مرضی سے قتل کے جرم کو اس خیال کے تحت معاف کر دیتا ہے کہ یہ فعل غیر ارادی تھا تو مجرم کو قانون کے تحت تطہیر کرانا ہوگی اور ایک سال تک ملک بدر رہنا ہوگا۔

طیش میں تشدد کے ذریعہ غیر ارادی قتل پر کافی باتیں ہو چکی ہیں۔ اب ہم اس قتل کی بات کریں گے جو خوشیوں کے حصول، آرزوؤں کی تکمیل اور رقابت کے جذبے کے تحت سوچ سمجھ کر ارادی طور پر کیے جاتے ہیں۔

کلینیاس : بہت خوب۔

اجنبی : چلیے ہم جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی مختلف اقسام کے ذکر سے بات کا آغاز کرتے ہیں۔ اس قسم کے قتل کی بنیادی وجہ نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ جو آرزو کے حاوی ہو جانے کے سبب روح پر چھا جاتی ہے۔ اور یہ عموماً وہاں پائی جاتی ہے جہاں بیشتر انسان طیش کا شکار ہوتے ہیں یعنی جہاں دولت کے نشے میں بے شمار جا و بے جا خواہشات جنم لیتی ہیں۔ جن کو پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ حرص فطری ہوتی ہے اور اس کی ایک وجہ تعلیم کا فقدان بھی ہے اور دولت کی وہ جھوٹی تعریف بھی جو یونانیوں اور وحشی قبائل میں عام ہے۔ وہ دولت کو پہلی خوبی سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا درجہ تیسرا ہے۔ اور اس طرح وہ آنے والی نسلوں اور خود اپنے ساتھ ناانصافی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے

زیادہ بہتر اور نیک عمل کیا ہوگا کہ تمام مملکتوں میں دولت کی اصل حقیقت کو بیان کیا جائے یعنی دولت جسم کے لیے ہوتی ہے، جس طرح جسم روح کے لیے ہوتا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ عمدہ ہوتے ہیں اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ دولت دونوں کے لیے مفید ہو۔ اس لیے اس کا درجہ ان دونوں سے کمتر ہے۔ اس استدلال سے یہ سبق ملتا ہے کہ خوش رہنے کے لیے دولت ضروری نہیں ہے۔ یا اسے دولت کو جائز اور اعتدال سے حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح مملکت میں قاتلوں کا وجود نہیں ہوگا۔ جن کو قتل کرنے کے لیے قاتل درکار ہوں گے لیکن جیسا کہ میں گزارش کر چکا ہوں کہ طمع اور حرص ہی قتل عمد کے واقعات کی بنیادی اور اصل وجہ ہے۔ دوسرا سبب آرزومندی ہے۔ اس سے حسد کی بیماری پیدا ہوتی ہے جو نہ صرف حاسد کے لیے بلکہ مملکت کے لیے بھی نہایت اذیت ناک ہوتی ہے۔ تیسرا سبب بزدلانہ اور بے بنیاد خوف ہے جو قتل کے واقعات کا محرک بن جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے جسے وہ چاہتا ہے کہ نہ کوئی دیکھے اور کسی کے علم میں آئے تو وہ ایسے افراد کو قتل کر دیتا ہے، جن کے بارے میں اسے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ اس کے خفیہ فعل سے آگاہی رکھتے ہیں۔ یہ ایک طرح عام جرائم کی تمہید بھی ہے۔ میں یہاں ایک روایت کو ضرور بیان کرنا چاہوں گا جس پر بیشتر افراد کو یقین ہے اور ان لوگوں سے ہم تک پہنچی ہے، جو مذہبی رسوم کے عالم ہیں ان کا کہنا ہے کہ ایسے افعال کی سزا نیچے والی دنیا میں ملے گی اور جب اس جرم کا ارتکاب کرنے والا اس دنیا میں واپس آئے گا تو اسے فطری سزا ضرور ملے گی۔ اور ان کی زندگی کا چراغ بھی دوسروں کے ہاتھوں سے اسی طرح گل ہوگا جس طرح انھوں نے دوسرے کا گل کیا تھا۔ اگر ایسے آدمی کو جو قتل کے جرم پر تلا ہوا ہے اس روایت پر یقین ہو اور ان الفاظ ہی سے اس کے دل میں ایسا خوف پیدا ہو کہ وہ قتل سے باز آ جائے تو اس ضمن میں کسی قانون کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ یہ بات نہ سنے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل قانون وضع کر کے نافذ کر دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص بدنیتی اور منصوبے کے تحت اپنے کسی عزیز کو قتل کرتا ہے تو اسے اول تو تمام جائز اعزازات سے محروم کر دیا جائے گا اور اسے مندروں، کھلی جگہوں یا مجلسوں یا بندرگاہوں کو اپنے وجود سے پلید کرنے کی اجازت نہیں ہوگی خواہ وہ ممنوعہ لوگوں میں شامل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ

قانون جو پوری مملکت کا نمائندہ ہے اس کو منع کرے گا اور کرتا رہے گا۔ مقتول کا عم زاد یا قریبی عزیز خواہ وہ مرد ہو یا عورت، قاتل کو عدالت کے سامنے نہیں لاتا حالانکہ اسے لانا چاہیے تھا یا اسے مفرور قرار نہیں دلاتا تو اولاً تو وہ اس آلودگی میں خود بھی شامل سمجھا جائے گا اور دیوتاؤں کے قہر کا حقدار ہو گا۔ ہر چند کہ قانون کے عذاب کے سبب لوگ اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر کسی کو حق حاصل ہوگا کہ مقتول کی طرف سے اس کے خلاف اس طرح قانونی چارہ جوئی کرے کہ اسے سزا مل جائے اور قتل کا انتقام لے گا اسے چاہیے کہ وہ تطہیر کی تمام رسوم اور دیگر باتوں کو ان کے لیے جس کا حکم دیوتاؤں نے دیا ہے اچھی طرح ادا کرے گا وہ اعلان کر کے قاتل کے پاس جائے گا اور اسے قانونی سزا قبول کرنے پر مجبور کرے گا۔ قانون ساز کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ بتائے کہ ان امور کو دعاؤں اور ان دیوتاؤں کے حضور قربانی پیش کر کے مکمل کیا جا سکتا ہے جو ریاست میں قتل کی روک تھام کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن دیوتا کون ہیں اور مذہبی رسوم کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے مقدمات کو کس طرح چلایا جائے گا۔ قانون کے نگران، مفسرین اور کاہنوں اور دیوتا کی مدد سے اس بات کا تعین کریں گے اور اسی کے مطابق مقدمہ کی کارروائی پوری کریں گے۔ اس مقدمے کے منصفین وہی ہوں گے جو مندر میں ڈاکے کے مقدمات کی سماعت کرتے ہیں۔ جس پر جرم ثابت ہو جائے اسے پھانسی کی سزا دی جائے گی اور اسے مقتول کے ملک میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بڑی بے شرمی اور بدعقیدگی کی بات ہوگی لیکن اگر وہ مفرور ہو جاتا ہے تو اسے تمام عمر کے لیے مفرور ہی رہنا پڑے گا۔ اگر وہ مقتول کے ملک کے کسی حصے میں قدم رکھے گا تو پہلے دیکھنے والے مقتول کے عزیز یا کسی دیگر شخص کو یہ اختیار ہوگا کہ قاتل کو دیکھتے ہی قتل کر دے یا اسے باندھ کر اس منصف کے حضور پیش کر دے جس نے فیصلہ دیا تھا۔ تاکہ وہ اسے قتل کر دے۔ اس مقدمے کی پیروی کرنے والا اس شخص سے ضمانت طلب کر سکتا ہے۔ جو مقدمے میں ماخوذ ہے۔ اس صورت میں مقدمے کے منصف کی صوابدید پر تین ضامنوں کا انتظام کیا جائے گا جو عدالت میں اس کی حاضری کو یقینی بنائیں گے لیکن اگر وہ ضامن فراہم کرنے پر راضی نہ ہو تو عدالتی اہلکار اسے گرفتار کر کے مقررتاریخ پر منصفین کے سامنے پیش کریں گے۔

اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کرتا لیکن اس کی موت کی تدبیر کرتا ہے اور اس کی نیت اور سازش کے نتیجے میں یہ قتل واقع ہوتا ہے اور وہ شہر ہی میں قیام پذیر رہتا ہے اور اس کی روح پر قتل کا داغ موجود رہتا ہے۔ اس پر اسی طرح مقدمہ چلے گا سوائے ضامنوں کے ضمن میں اور اگر وہ مجرم ثابت ہو جائے تو پھانسی کے بعد اسے اس کے وطن مالوف میں ہی دفن کیا جائے گا۔ بقیہ امور مذکورہ نہج پر ہی طے ہوں گے۔ اگر کوئی غیر ملکی کسی شہری کو، یا شہری کسی غیر ملکی کو یا غلام کسی غلام کو قتل کرتا ہے تو اپنے ہاتھ سے یا کسی تدبیر سے قتل میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ سوائے ضامنوں کے معاملے میں جن کی ضرورت صرف اصل قاتل کے لیے پڑے گی۔ اور جو مقدمہ چلائے گا وہ انھیں پابند بنادے گا۔ اگر کسی غلام کو کسی آزاد شہری کو اپنے ہاتھ سے یا کسی تدبیر سے عمداً قتل کرنے پر سزا ملے گی اور جلاد اسے قبرستان میں اس طرف لے جائے گا جہاں سے اس مقتول کی قبر صاف نظر آئے گی اور اس کو اتنے کوڑے مارے گا جتنا گرفتار کرنے والا کہے گا۔ اور اگر وہ پھر بھی زندہ رہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور اگر کوئی کسی ایسے غلام کو جس نے کوئی خطا نہیں کی ہو صرف اس لیے کہ اسے اندیشہ ہو کہ وہ اس کی بداعمالیوں سے دوسروں کو مطلع کر دے گا یا اسے اسی قسم کے کسی سبب سے، اس صورت میں قتل کر دیتا ہے تو وہ قتل کا ہرجانہ اسی طرح ادا کرے گا۔ جس طرح کسی شہری کے قتل کا ہوتا ہے۔ بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں قانون وضع کرنا بلا کا ناخوشگوار کام ہوتا ہے۔ لیکن ناممکن نہیں ہوتا مثلاً اگر کسی کے رشتہ داروں کا قتل ہوتا ہے خواہ وہ رشتہ دار کے ہاتھوں ہوا ہو، یا کسی دیگر تدبیر سے کیا ہو اور عمداً بدنیتی کے سبب کیا گیا ہو جو عموماً بدنظمی اور برے نظام تعلیم کی شکار ریاستوں میں عام ہوتے ہیں۔ اور ایسی مملکتوں میں بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ جہاں اس کی بالکل ہی توقع نہ ہو۔ ہم اس کہانی کا اس موقع پر اعادہ کریں گے جسے ابھی بیان کر چکے ہیں۔ ہمیں توقع ہے جو کوئی اسے سنے گا تو وہ جان بوجھ کر قتل کے جرم سے اجتناب برتے گا اور اسے قابل نفرت فعل تسلیم کرے گا۔ کیونکہ یہ دیومالائی کہانی یا کہاوت یا آپ جو چاہیں کہہ لیں قدیم زمانے سے زبان زد خاص و عام ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو منصف عزیزوں کے خون کا محافظ ہوتا ہے اور اس کا انتقام لیتا ہے۔ وہ پاداش کے قانون پر عمل درآمد کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جس نے کسی قتل کے فعل کا ارتکاب کیا ہے اسے بھی اسی انجام سے دوچار ہونا

ہے۔ جو اس سے سرزد ہو چکا ہے۔ جس نے اپنے والد کو قتل کیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی دن اپنی اولاد کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ماں کے قاتل کو خاتون رشتہ دار کسی نہ کسی وقت قتل کرے گی۔ کیونکہ جس خاندان کا خون آلودہ ہو جاتا ہے تو اس کی تطہیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی آلودگی کی اس وقت تک صفائی ہو سکتی ہے جب تک قاتل کی روح جس نے یہ جرم کیا ہے جان کے بدلے جان کے اصول پر عمل پیرا نہیں ہوتی اور خاندان کے غیض وغضب کو رضامندی کی نیند نہیں سلا دیتی۔ یہ فطرت کا انتقام ہے ایسی سزاؤں سے انسان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے لیکن ان کی حوصلہ شکنی ممکن نہیں۔ آج بھی کوئی نہ کوئی فرد طیش میں آ کر اپنے باپ، ماں، بھائی یا بہن کو زندگی سے عمداً محروم کر دیتا ہے۔ اسی لیے ایسے ہی لوگوں کے لیے قانون ساز نے مندرجہ ذیل قانون مرتب کیا ہے:

قانون شکنی کے لیے اسی طرح کے اعلانات کیے جائیں گے۔ اور ان کے لیے وہی ضمانتیں ہوں گی جن کو گزشتہ معاملات میں شامل قانون کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس معاملے میں اگر اسے سزا مل جائے تو منصفین اور عدالتی عہدیداروں کے ملازم اسے مقررہ وقت پر شہر سے باہر کسی تین راہے پر قتل کر کے اس کی برہنہ لاش وہاں چھوڑ دیں گے اور ہر عدالتی عہدیدار ایک پتھر اٹھا کر شہریوں کی جانب سے لاش کے سر پر مارے گا اور اس طرح اس کو آلودگی سے پاک کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ لاش اٹھا کر ملک کی سرحد پر لے جائے گا اور وہاں یوں پھینک دے گا کہ یہی قانون کا حکم ہے۔ جس نے اسے قتل کیا ہے اسے کیا سزا ملے گی جو بقول شخصے تمام انسانوں میں صرف اپنا خود ہی دوست ہوتا ہے؟ میری مراد خودکشی سے ہے۔ جو تشدد کے ذریعے اپنی مقررہ زندگی کا پیمانہ خود ہی لبریز کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ نہ تو کوئی قانونی مجبوری ہوتی ہے اور نہ ہی کسی المناک اور ناگزیر حالت ہوتی ہے نہ ہی کوئی ایسا شرمناک عمل جس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ لیکن وہ آرام طلبی اور بزدلی کے سبب خود پر یہ ناجائز حد جاری کر لیتا ہے۔ اس کی تطہیر اور تجہیز وتکفین کی رسومات کا علم صرف دیوتا ہی کو ہوگا۔ اس کے بارے میں متوفی کے قریبی عزیز مفسرین قانون سے رجوع کر کے ان کے مشورے پر عمل کریں۔ جو لوگ اس طرح مرتے ہیں ان کو تنہا دفن کر دینا چاہیے۔ ان کی قبر کے قریب دوسری قبر نہیں ہونی چاہیے۔ انھیں احساس ذلت کے ساتھ اس مقام پر دفن کر دیا

جائے۔ جہاں بارہ کے بارہ حصے ملتے ہیں اور جو بنجر اور غیر آباد ہوں۔ ان کی قبر پر کوئی نشانی یا کوئی کتبہ نہیں لگایا جائے گا۔ اگر کسی کی موت بار برداری کے کسی جانور کی وجہ سے واقع ہوئی ہے سوائے کھیلوں کے مقابلے کے تو مقتول کے عزیز قاتل پر مقدمہ چلائیں گے۔ جو اپنی مرضی کے مطابق جتنے چاہیں اتنے نگرانوں کو فیصلے کے لیے مقرر کریں گے جو مقدمہ کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد قاتل جانور کو مار ڈالیں گے اور اسے سرحد سے پار پھینکوا دیں گے، اس طرح اگر کسی بے جان شے سے کسی کی جان لی جاتی ہے سوائے آسمانی بجلی کے جو دیوتا کی طرف سے آتی ہے یا کوئی بے جان چیز اس پر گر جاتی ہے یا وہ اس پر گرتا ہے اور وہ مر جاتا ہے تو قریبی رشتہ دار اپنے کسی ہمسایہ کو اس معاملے میں حکم مقرر کرے گا۔ اس طرح وہ اور پورا خاندان اس جرم سے بری ہو جائیں گے۔ وہ شے جس کے سبب جان گئی ہے اسے سرحد پر پھینک دیا جائے گا۔

اگر کہیں کوئی لاش ملتی ہے۔ اور قاتل نا معلوم ہوتا ہے تو تلاش کے باوجود اس کا کہیں پتا نہیں چلتا تو گزشتہ معاملات کی طرح اس کا بھی اعلان کیا جائے گا۔ اور نا معلوم قاتل کے لیے بھی امتناعی احکام اسی نوعیت کے ہوں گے اور قانونی کارروائی کے بعد کھلے میدان میں نقیب یہ اعلان کرے گا کہ جس کسی نے فلاں فلاں کو قتل کیا ہے اسے پھانسی کی سزا دی گئی ہے۔ وہ کسی عبادت گاہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی مقتول کے علاقے میں قدم رکھے گا اور اگر وہ وہاں آیا اور اس کی شناخت ہو گئی تو اسے قتل کر کے اس کی لاش بے گور و کفن سرحد پر پھینک دی جائے گی۔ بس اندھے قتل کے سلسلے میں یہی ایک قانون کافی ہوگا۔ اور اس طرح کے مقدمات اسی طریقے سے فیصل ہوں گے۔

آیئے اب یہ طے کرتے ہیں کن صورتوں میں قاتل کو جائز طرح سے قتل کے الزام سے بری کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص کسی چور کو رات کے وقت اپنے گھر میں چوری کرتے ہوئے پکڑتا ہے اور اسے مار ڈالتا ہے۔ یا حملہ آور کو حفاظت خود اختیاری کے دوران قتل کرتا ہے تو وہ الزام سے بری ہوگا۔ جو شخص کسی آزاد قانون یا نوجوان کو تشدد کا نشانہ بناتا ہے تو زخمی خود یا اس کے والد یا بھائی یا بیٹے تشدد کرنے والے کو اس کے جرم کی پاداش میں قتل کر دیں گے اگر بیوی پر تشدد ہوا تو شوہر انتقاماً مجرم کو قتل کر دے گا اور قانون کی نظر میں معصوم عن الخطا ہو

گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے والد، والدہ، بچوں یا بیوی کو حملہ آور سے موت کے منہ میں جانے سے بچاتا ہے اور اسے قتل کر دے گا تو قانون اسے معصوم قرار دے گا۔زندہ انسان کی تعلیم اور فطرت سے متعلق یہ باتیں یہیں ختم کرتے ہیں۔یہ روحانی صفات ایسی ہیں جس کے بغیر اس کا زندہ رہنا محال ہوتا ہے۔علاوہ بریں ہم نے قتل کی سزاؤں پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔اس لیے قانون وضع کرنا چاہیے۔جسمانی تقاضوں اور تعلیم کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔اس کے بعد اب ہمیں ارادی اور غیر ارادی تشدد پر اظہار خیال کرنا ہوگا۔ان کی ہم، جہاں تک ہو سکے گا ان کی نوعیت اور تعداد کے مطابق شناخت طے کریں گے اور مختلف قسم کے تشدد کے لیے سزائیں بھی تجویز کریں گے۔اور قانون کے سلسلوں میں انھیں مناسب مقام پر رکھا جائے گا۔ادنیٰ سے ادنیٰ قانون ساز بھی تشدد سے پیدا ہونے والے زخموں اور ان زخموں کے سبب پیدا ہونے والی جسمانی اعضا کی قطع و برید کو قتل کے بعد اہمیت دی جائے گی۔زخموں کو بھی اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح قتل کو کیا گیا ہے۔غیر ارادی اور وہ جو طیش میں آ کر کیے جاتے ہیں۔اور وہ جو ارادی طور پر سوچ سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ہمیں اس سے متعلق کچھ اس قسم کے قوانین بنانے ہوں گے:

انسان کے لیے قانون ضروری ہوتا ہے اور اس کی پابندی ضروری ہے۔ورنہ ان کی زندگی وحشی درندوں سے بدتر ہو جائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کو فطری طور پر یہ علم نہیں ہوتا کہ معاشرے کے لیے کیا مفید ہے۔لیکن اتنا ضرور احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بہترین اصلاحات پر قادر ہو سکتا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امر کا احساس ذرا مشکل ہی سے ہوتا ہے کہ فن یا سیاست کا تعلق نجی نہیں بلکہ عوامی مفاد سے ہوتا ہے کیونکہ عوامی مفاد ریاستوں کو مربوط کرتا ہے جب کہ نجی مفاد انتشار پیدا کرتا ہے۔اور خواہ عوامی مفاد ہو یا نجی کے مقابلے میں ریاستی مفاد، اس صورت میں افضل تر ہوتا ہے جب ریاست کو فرد پر ترجیح دی جاتی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ انسان کو ہلکا سا یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ یہ بات درست ہے لیکن اگر اسے مطلق اور غیر ذمہ دارانہ اختیارات حاصل ہوں تو وہ اپنے اصولوں پر بھی ڈٹا ہوا نہیں رہے گا۔یا عوامی مفاد کو ریاست کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل اور نجی مفاد کو ثانوی درجے پر سمجھنے میں ثابت قدم نہیں رہے گا۔انسانی

فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ طمع اور خودغرضی میں ہمیشہ گرفتار رہتا ہے۔ اور بلا سبب تکلیف سے دامن بچاتا ہے۔ اور مسرت کی تلاش میں مگن رہتا ہے۔ ان ہی کو اپنے سامنے اس طرح رکھتا ہے کہ عدل و انصاف اور بہتر باتوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ان کا اثر اس کی روح پر گہرا ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ نہ صرف اس کا وجود بلکہ پورا ہی بدی کی قوتوں سے بھر جاتا ہے۔ کیونکہ اگر پیدائش ہی سے کسی شخص پر دیوتا کی مہربانی ایسی ہو کہ وہ سچائی کو شناخت کرلے تو اسے کسی قانون قاعدے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کوئی قانون، قاعدہ وضابطہ ایسا نہیں ہے جو علم سے برتر ہو اور نہ ہی یہ سوچا جاسکتا ہے کہ ناپارسائی کے بغیر عقل کسی دوسرے انسان کی غلام بن سکتی ہے کہ وہ تو سب کی آقا ہوتی ہے۔ میں ایسی عقل کا ذکر کررہا ہوں جو اصل، آزاد اور فطرت سے کلی طور پر ہم آہنگ ہے۔ لیکن ایسی عقل کسی جگہ موجود نہیں ہے اگر ہے بھی تو کمیاب ہے اس لیے ہمیں قانون قاعدے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو عقل کے بعد بہتر مانا جاتا ہے۔ جو چیز جیسی ہے اور جہاں ہے وہ اسے اسی طرح دیکھتے ہیں۔ مکمل منظر ان کی نگاہ میں نہیں ہوتا۔ اسی لیے میں نے ایسی باتیں کہی ہیں۔

اب ہم یہ طے کریں گے کسی کو زخمی کرنے والے کی کیا سزا متعین کی جائے اور وہ مضروب کو کیا ہرجانہ ادا کرے۔ ان معاملات میں جس قسم کے سوالات پوچھے جائیں گے اس سے سب ہی واقف ہیں۔ یہ زخم اس کے کیسا لگا ہے۔ کس نے لگایا ہے۔ کیسے لگایا ہے اور کب لگایا ہے؟ اس طرح کی بے شمار تفصیلات ہیں جو ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف ہوتی ہیں اور عدالت کو اس کا ذمہ دار بنا کر وہ ان سب کا تعین کرے یا نہ کرے تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ ایک صورت ایسی ہے جس کا تعین ہر معاملے میں ضروری ہے۔ یعنی اصل واقعہ کیا تھا؟ اور یہ بھی کہ قانون ساز انھیں یہ اختیار نہیں دے گا کہ ان معاملات میں خود ہی سزا کا تعین کریں۔ لیکن چھوٹے بڑے معاملات میں تفصیل سے یہ تعین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

کلینیاس : اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

اجنبی : نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ امور کو عدالت کی صوابدید پر بھی چھوڑ دینا چاہیے اور باقی کا تعین قانون ساز خود کریں۔

کلینیاس : قانون ساز کن امور کا تعین کرے گا اور عدالت کن امور کا؟

اس کے جواب میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جن ریاستوں میں عدالتیں بری اور خاموش رہتی ہیں۔ کیونکہ منصف اپنے فیصلوں کو مخفی رکھتے ہیں اور مقدموں کا فیصلہ چھپ چھپا کر کرتے ہیں۔ اس سے بدتر بات یہ ہے کہ جب وہ ہنگامہ اور شور شرابہ کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی تھیٹر میں مقرروں کو تالیاں بجا کر نعرے لگا کر داد دی جا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں ایک بڑی غلطی ہے جس سے پوری مملکت متاثر ہوتی ہے۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ ایسی عدالتوں کو قانون سازی کی ضرورت پڑتی ہو۔ لیکن جہاں ضرورت ہو قانون معمولی جرائم کے لیے ہلکی سزائیں تجویز کرے۔ لیکن اگر جس ریاست کے لیے قانون سازی ہو رہی ہے جہاں ایسے قوانین ضروری ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ بیشتر امور کو اپنے ہاتھ میں لے کر بات صاف صاف کرے۔ لیکن جس ریاست میں عدالت عمدہ ہو اور منصفین اچھے اور تربیت یافتہ ہوں اور ان کی احتیاط سے آزمائش ہو چکی ہو۔ تو مجرم کی سزا اور جرمانوں کا فیصلہ ان پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ اور اسی لیے ہمیں موردالزام نہیں ٹھہرانا چاہیے کہ ہم نے بہت سے بڑے بڑے معاملات پر قانون سازی نہیں کی بلکہ ان کا فیصلہ ان منصفوں پر چھوڑ دیا جو ہم سے کم تعلیم یافتہ ہیں۔ وہی ہر جرم کے لحاظ سے مجرم اور نقصان اٹھانے والے دونوں کی ذمہ داریاں متعین کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جن کے لیے قانون بناتے ہیں وہی اس کا بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے بیشتر معاملات کو ان پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اسی کے ساتھ ہی ہم منصفین کو بھی سزاؤں کے خطوط اور ہیئت سے بھی آگاہ کر دیں گے۔ اس طرح وہ انصاف کے تقاضوں میں حد سے نہیں گزریں گے۔ یہ بہترین طریقہ کار ہے۔ جس پر ہم کارفرما رہے ہیں۔ اور اب ہم قانون سازی میں اس کا اعادہ کر سکتے ہیں۔

زخمی کرنے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل خطوط پر قانون وضع کیا جائے گا:

اگر کسی کا کوئی مقصد ہے اور ایسے شخص کے قتل کا ارادہ ہے۔ جس سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور جسے قانون کے تحت قتل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ اسے زخمی کر دیتا ہے لیکن اس کی جان نہیں لیتا۔ اس کی نیت قتل کی تھی لیکن صرف زخمی کرنے کا موقع ملا۔ ایسا شخص کسی رعایت کا اہل نہیں ہے۔ اسے قاتل ہی سمجھنا چاہیے۔ اور اس پر قتل کا مقدمہ چلے گا۔ لیکن چونکہ قسمت نے اس کے ساتھ یاوری کی۔ اور دیوتا نے ایک لحاظ سے مجرم اور مضروب دونوں پر رحم کیا کہ وہ جان نہ لے سکا اور

دوسرا قتل کے الزام سے بچ گیا۔ اس دیوتا کے اس فعل کے ٹھکرانے کے علاوہ جہاں کی نفاذ کی مخالفت نہ کرتے ہوئے مجرم کو قتل کی سزا نہیں ملے گی اور اسے صرف قریبی کسی دوسرے شہر میں رہنے کے لیے مجبور کر دیا جائے گا جہاں وہ اپنی تمام ملکیت سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ لیکن اگر اس نے مضروب کو نقصان بھی پہنچایا ہے تو عدالت قانون کے مطابق اس سے تاوان وصول کرے گی۔ اور یہی منصف اس بات کا بھی فیصلہ کرے گا جو موت کی صورت میں فیصلے کا مجاز ہوتا۔ اگر کوئی بچہ جان بوجھ کر اپنے والدین یا ملازم اپنے مالک کو زخمی کرتا ہے تو اس کی سزا موت ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی بھائی یا بہن عمداً کسی بھائی یا بہن کو زخمی کرتا ہے تو اسے بھی موت کی سزا ملے گی۔ اور اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے شوہر کو قتل کی نیت سے زخمی کرتی ہے تو اس کی سزا ملک بدری ہوگی اور اگر ان کے بیٹے اور بیٹیاں کم عمر ہیں تو ان کے قانونی ولی ان کی جائیداد اور ملکیت کا نظام سنبھالیں گے اور بچوں کی ذمہ داری ان کو یتیم سمجھ کر اٹھائیں گے۔ اور اگر بچے بڑے ہیں تو جلاوطن ہونے والے والدین کی ذمہ داری اٹھانے کے پابند نہیں ہوں گے اور والدین کی ملکیت کے مالک ہوں گے۔ اگر ایسا کوئی شخص جس کو یہ سزا ملی ہے بدقسمتی سے لاولد ہے تو جلاوطن شخص کے ددھیالی اور ننھیالی ابن عم باہم مل کر قانون کے نگرانوں اور پروہتوں کے مشورے سے ملک کے پانچ ہزار چالیسویں شخص کو مکان کا وارث بنا دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عدد کا مکان کسی ایک فرد یا خاندان کا نہیں ہوتا بلکہ وہ سرکار کی ملکیت ہوتا ہے۔ اب یہ سرکار کا کام ہے کہ وہ اپنے مکانات کو صاف ستھرا اور اس کے مکینوں کو خوش وخرم رکھے۔ اگر ان مکانوں کا کوئی مکین بدقسمت اور بدعقیدہ ہو اور متوفی غیر شادی شدہ یا لاولد ہو اور اسے قتل یا دیوتاؤں یا کسی ہم وطن کے خلاف جرم پر موت کی سزا ملی ہو یا وہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیا گیا ہو اور لاولد بھی ہو تو اس مکان کی پہلے تطہیر کی جائے گی اس کے بعد قانون کے مطابق کفارہ ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے متوفی کے قریبی عزیز قانون کے نگران اور پروہتوں کے مشورے سے یہ طے کریں گے کہ ریاست میں کون سا خاندان نیکی کے لیے بہت زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اور خوش نصیب بھی ہے اور جس کے متعدد بیٹے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کا انتخاب کر کے اسے متوفی کے والد اور اس کے اجداد سے اس کے بیٹے کی طرح متعارف کرایا جائے گا اور نیک شگون کے لیے اسے اس

خاندان کا بیٹا پکارا جائے گا۔ تاکہ اس سے خاندان کا سلسلہ جاری رہے۔ وہ مکان کا وارث ہو اور اس حیثیت سے اپنے والد سے بہتر نظریے لے کر مذہبی رسومات ادا کرے۔ اور جب یہ دعائیں ہو جائیں گی تو اسے قانوناً اس کا وارث تسلیم کرلیا جائے گا اور اس طرح کے مصائب ٹوٹنے کی صورت میں جرم کا ارتکاب کرنے والے کو بے نام ونشان کر دیا جائے گا وہ لاولد سمجھا جائے گا اور کسی حصے کا حقدار نہیں ہوگا۔

چند امور کی حدود ایک دوسرے کو چھوتی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان ایک طرح سرحدی علاقہ رونما ہو جاتا ہے جو انھیں ارتباط سے روکتا ہے۔ ہم یہی کہہ رہے تھے کہ جو کام طیش میں آ کر کیے جاتے ہیں۔ وہ اسی نوع کے ہوتے ہیں اور وہ ارادی اور غیر ارادی کے بین بین نہیں ہوتے۔ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کو زخمی کرنے کی سزا دی گئی ہو۔ پہلے اسے قابل علاج زخم سے دوگنی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اور اگر زخم لاعلاج ہوا تو یہ قیمت چار گنا ہو جائے گی۔ اور اگر زخم قابل علاج ہو لیکن زخمی شخص کے لیے ذلت کا سامان فراہم کرے تو اسے چار گنا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اور اگر زخم اس نوعیت کا ہو کہ وہ شخص ملک کے دفاع کے قابل نہ رہے تو اسے انفرادی اور مملکت کا نقصان بھی مانا جائے گا۔ تو وہ دیگر ہرجانوں کے علاوہ ریاست کے نقصان کی تلافی کرے گا۔ اس کے لیے وہ اپنی دفاعی خدمت کے علاوہ معذور ہونے والے شخص کے دفاعی فرائض بھی انجام دے گا اور جنگ میں شریک ہوگا اور انکار کی صورت میں اسے قانون کے مطابق سزا ملے گی۔ زخم کا ہرجانہ خواہ وہ دوگنا ہو، تین گنا ہو یا چار گنا اس کا فیصلہ سزا دینے والا منصف کرے گا اور اگر ایک بھائی دوسرے بھائی کو اسی طریقے سے زخمی کرتا ہے تو ان کے والدین، دونوں جن کے قریبی عزیز واقارب ددھیال اور ننھیال کے ابن عم، ان کے بچے سب مل کر اس کا سبب معلوم کریں گے۔ اس نقصان کا تخمینہ والدین کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس تخمینے پر والدین راضی نہ ہوئے تو ددھیالی رشتے دار دوبارہ تخمینہ لگائیں گے اور اگر وہ یہ کام نہ کر سکے تو معاملہ قانون کے نگرانوں کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر زخمی کرنے کا اسی قسم کا الزام بچے اپنے والدین کے خلاف لگائیں تو جو ساٹھ برس سے زیادہ عمر کے ہوں گے اور ان کے اپنے بچے ہوں لے پالک نہ ہوں انھیں یہ معاملہ طے کرنے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ وہ لوگ خواہ مرد ہوں

یا عورت یہ فیصلہ کریں گے کہ اسے موت کی سزا دی جائے یا اس سے بھی زیادہ یا کم نہیں ہوگی۔ مجرم کے کسی عزیز کو خواہ قانونی حد عمر کا ہی کیوں نہ ہو اس معاملے کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ اگر کوئی غلام طیش میں آ کر کسی آزاد شہری کو زخمی کرتا ہے تو غلام کا آقا اسے زخمی کے حوالے کر دے گا جو اس کے ساتھ اپنی مرضی کا سلوک کرے گا اور اگر وہ غلام کو حوالے نہیں کرتا تو اسے زخم کا ہرجانہ خود ادا کرنا ہوگا اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ غلام اور زخمی شخص دونوں نے سازش کر رکھی ہے تو اسے اس نکتے کا تصفیہ کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ غلطی پر ہوا تو اسے تین گنا ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ ہار جاتا ہے تو جس آزاد شہری نے غلام کے ساتھ مل کر سازش کی ہے اس پر اغوا کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور اگر کوئی غیر ارادی طور پر کسی دوسرے کو زخمی کر دیتا ہے تو وہ صرف زخم کا ہرجانہ ادا کرے گا۔ کیونکہ حادثہ تو کسی قانون ساز کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں منصفین اسی طرح مقرر کیے جائیں گے جس طرح والدین کے خلاف بچوں کے مقدمے میں مقرر کیے جاتے ہیں۔ اور وہی اس زخم کا تخمینہ طے کریں گے۔

تمام قسم کے مذکورہ زخم اور ہر طرح کے مجرمانہ حملے تشدد کا عمل ہوتے ہیں۔ ہر مرد، عورت یا بچے کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دیوتاؤں اور لوگوں کی نظر میں عزت اور تکریم کے لحاظ سے بزرگوں کو نوجوانوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ انھیں حفاظت اور ہنسی خوشی سے رہنا چاہیے۔ اسی لیے دیوتاؤں کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ نوجوان کسی بزرگ پر حملہ آور ہو۔ یہ بہت معقول بات ہوگی کہ جب بزرگ کسی نوجوان کو ماریں تو وہ اپنے ہنگامی غصے کو قابو میں رکھے۔ اس کے سبب جب وہ معمر ہوگا تو اسے عزت و تکریم حاصل ہوگی۔ اس اصول کو قانون کی شکل دینی چاہیے کہ ہر شخص بزرگوں کی قول و فعل کے ذریعے عزت و احترام کرے گا۔ وہ ہر اس مرد اور عورت کا احترام کرے گا جو اس سے عمر میں بیس سال بڑے ہوں۔ انھیں وہ اپنے ماں باپ کی طرح محترم سمجھے گا۔ اس لیے وہ ہر اس مرد اور عورت پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرے گا جو اس کے والدین کے ہم عمر ہوں گے۔ یہ اس احترام کا آئینہ دار ہوگا جو وہ ان دیوتاؤں کا اپنے دل میں رکھتا ہے، جنھیں بچوں کی پیدائش پر مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح وہ غیر ملکی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا خواہ وہ نو وارد ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ایسے لوگوں کی اصلاح زد و کوب کر کے نہیں کرے گا چاہے وہ جارحانہ ہو یا

مدافعانہ اگر وہ سمجھتا ہے کہ کسی غیر ملکی نے اسے بلاوجہ اور گستاخی سے زدوکوب کیا ہے اور وہ سزا کا مستوجب ہے تو وہ اسے شہر کے نگرانوں کے حضور پیش کرے گا۔ لیکن اسے اس پر ہاتھ اٹھانے کا اختیار نہیں ہوگا۔ تاکہ غیر ملکی کو کسی شہری کے خلاف ہاتھ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ شہر کا نگران مجرم کو اپنے ساتھ لے جا کر تفتیش کرے گا اور اس دوران غیر ملکیوں کے دیوتا کی خوشنودی کا خاص خیال رکھے گا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ غیر ملکی نے شہری کو بلا سبب زدوکوب کیا ہے تو غیر ملکیوں کو اتنے درّے لگائے گا جتنے اس نے گھونسے مارے تھے۔ اور اس طرح وہ اپنے انتقام کو ٹھنڈا کرے گا۔ اور اگر وہ غلط کار ثابت نہ ہو تو جس نے اسے پکڑا تھا تو اس کی سرزنش کی جائے گی اور دونوں کو جانے دیا جائے گا اگر کوئی فرد کسی ایسے شخص کو جو اس کا ہم عمر یا تھوڑا بڑا ہو اور لا ولد ہو اور کوئی بوڑھا آدمی کسی دوسرے بوڑھے کو یا نوجوان کسی دوسرے نوجوان کو زدوکوب کرے تو مضروب فطری طور پر غیر مسلح ہو کر اپنا دفاع کرے گا۔ اگر ایسا شخص چالیس سال سے زیادہ عمر کا ہے وہ کسی جارحانہ یا مدافعانہ دست درازی میں حصہ نہیں لے گا تو اسے بیہودہ اور بدتمیز سمجھا جائے گا۔ یہ ایک بڑی بے عزتی کی بات ہوگی جو اس کے لیے بڑی مناسب سزا ہے۔ جو لوگ فطری طور پر مطیع ہوتے ہیں وہ اس نصیحت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جو نافرمانبردار ہوتے ہیں وہ نصیحت پر کاربند نہیں ہوتے ان ہی کو قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے سے بڑی عمر والے کو جو اس سے بیس سال بڑا ہے زدوکوب کرتا ہے تو جو قریب ہے اور جھگڑنے والوں سے نہ تو چھوٹا ہے اور نہ ہی ان کا ہم عمر تو وہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرے گا ورنہ قانون کے تحت اس کی تذلیل کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ مضروب کا ہم عمر یا اس سے چھوٹا ہے تو اس کا اسی طرح دفاع کرے گا جس طرح وہ اپنے بھائی، والد یا کسی بڑی عمر کے عزیز کا دفاع کرے گا۔ علاوہ بریں جو اپنے سے کسی بڑی عمر والے شخص کو زدوکوب کرتا ہے تو اس پر زدوکوب کا مقدمہ چلایا جائے گا اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اگر وہ مجرم ثابت ہوتا ہے تو اسے کم از کم ایک سال کے لیے قید کر دیا جائے اور اگر منصفین زیادہ مدت کے لیے قید کا حکم دیتے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی غیر ملکی یا عارضی مدت کے لیے مقیم شخص کسی ایسے آدمی کو زدوکوب کرتا ہے جو اس سے بیس برس یا اس سے زیادہ بڑا ہو تو ان تماشائیوں پر بھی اسی قانون کا اطلاق ہوگا جو اس کی مدد کریں گے۔ اور اس مقدمے میں جس پر جرم

ثابت ہوگا اور وہ غیر ملکی ہوگا مگر مقیم نہیں تو وہ دو سال کے لیے قید کر لیا جائے گا۔ جو عارضی طور پر شخص قانون سے سرتابی کرے گا اسے تین سال قید کی سزا ملے گی۔ عدالت اس مدت میں اضافہ بھی کر سکتی ہے اور اس وقوعہ کے دوران جو حاضر تھا مگر قانون کے مطابق مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا تو اسے بھی سزا ملے گی، اگر وہ اعلیٰ طبقے کا ہوا تو ایک طلائی سکہ یا اگر دوسرے طبقے کا ہو تو پچاس نقرئی سکے اور تیسرے طبقے والے کو تیس نقرئی سکے اور چوتھے طبقے والے کو بیس نقرئی سکے جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ اس مقدمے میں اعلیٰ فوجی افسر، محاصل وصول کرنے والے عہدیدار اور دیگر افسر منصف کے فرائض انجام دیں گے۔

قوانین کچھ نیک کردار آدمیوں کے لیے بھی وضع کیے جاتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گزر بسر کر سکیں۔ اور کچھ ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو کسی تربیت کا اثر قبول نہیں کرتے۔ اور جس کی روح کو نہ مطیع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں نرمی پیدا کی جا سکتی، نہ ہی گناہوں کی دلدل سے نکالا جا سکتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے الفاظ نے مجھے یہ باتیں کہنے پر آمادہ کیا ہے۔ ان کی رائے میں قانون ساز کسی نہ کسی ضرورت کے تحت قانون اس توقع پر تجویز کرتے ہیں کہ ان قوانین کو استعمال کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جو شخص اپنے والد، والدہ یا کسی بزرگ رشتہ دار پر تشدد کرتا ہے اور اسے نہ دیوتا کے غیض کا، نہ ہی ان سزاؤں کا جو دنیا میں ایسے جرائم کے لیے مقرر کی گئی ہیں، کوئی خوف ہوتا ہے۔ وہ قدیم اور عالمگیر روایات کو بڑی حقارت سے اس طرح پامال کرتا ہے گویا وہ بزرگوں سے زیادہ عاقل و دانا ہے۔ ایسے فرد کو سختی سے لگام دینے کی ضرورت ہے۔ انسان کے لیے موت ہی سب سے بڑی مصیبت نہیں ہے۔ اس کی کہیں زیادہ شدید وہ سزائیں ہیں جو زیریں دنیا میں اس کی منتظر رہتی ہیں۔ اگرچہ یہ باتیں سچ ہیں تاہم وہ ایسی ارواح کے تدارک میں مؤثر نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وہ مؤثر ہوتیں تو ماں کا کوئی قاتل نہ ہوتا یا کوئی ناپاک ہاتھ والدین پر نہ اٹھتا۔ اس لیے اس دنیا میں جو سزائیں دی جائیں وہ اتنی سخت اور شدید ہوں کہ زیریں دنیا کے تقاضے پورے ہو جائیں۔ اس خیال کے پیش نظر ہمارا قانون درج ذیل قسم کا ہوگا:

اگر کوئی شخص اپنے والد، والدہ یا ان کے والد اور والدہ کو بقائمی ہوش و حواس زدوکوب

کرتا ہے تو جو کوئی بھی ان کے قریب موجود ہو اس کو چاہیے کہ وہ ان کی مدد کے لیے آگے بڑھے۔ اور عارضی طور پر مقیم یا غیر ملکی شخص جو مدد کے لیے آئے گا اسے کھیلوں کے مقابلے کے لیے مدعو کیا جائے اور اگر وہ شریک نہیں ہوتا تو اسے ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ جو عارضی طور پر مقیم نہیں اور مدد کے لیے آتا ہے تو اس کی تحسین کی جائے گی اور اگر وہ مدد نہیں کرے گا اس کی ملامت کی جائے گی۔ اگر غلام مدد کرتا ہے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا اور اگر مدد نہیں کرتا تو اسے ایک سو درّے مارے جائیں گے۔ جس کا حکم کھلے میدان کا نگران جاری کرے گا۔ جہاں یہ تقریب منعقد ہوگی۔ بصورت دیگر شہر کے جس علاقے میں تقریب کا انعقاد ہوگا وہاں کا نگران حکم صادر کرے گا اور ملک میں کسی بھی جگہ کی صورت میں نگرانوں کا حاکم اعلیٰ حکم صادر کرے گا۔ اگر زدوکوب کے موقع پر اس جگہ کے باشندے موجود ہوں خواہ وہ نوجوان ہوں، مرد ہوں، عورت ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ مدد کو آئیں اور اس کی بدعقیدگی کی مذمت کریں۔ اور جو کوئی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھے گا تو قانون کی رو سے اس پر رشتہ داری اور اجداد کے دیوتا زیوس کا عذاب نازل ہوگا اور اگر کوئی والدین کو زدوکوب کرنے کا مجرم ثابت ہوتا ہے تو اسے شہر سے نکال کر کسی گاؤں میں بھیج دیا جائے گا اور مندر میں اس کا داخلہ ممنوع ہوگا۔ اور اگر وہ مندر میں داخل ہوتا ہے تو شہر کے نگران اس کو گھونسے ماریں گے یا دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔ اور اگر وہ شہر میں واپس آتا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی آزاد شہری اس کے ساتھ کھاتا پیتا یا میل جول رکھتا ہے تو ملاقات پر ارادی طور پر اس کے بدن کو ہاتھ لگاتا ہے تو وہ بھی تطہیر ہونے تک نہ کسی مندر میں، نہ ہی کھلے میدان میں یا شہر میں داخل ہوگا۔ کیونکہ اسے یہ احساس ہونا چاہیے وہ ایک عذاب میں ملوث ہو چکا ہے۔ اور اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شہر اور مندر کو آلودہ کرتا ہے اور کوئی عدالتی عہدیدار اسے دیکھ کر نظر انداز کر دیتا ہے تو اس کے بیان کا یہ حصہ اس پر سب سے بڑا الزام بن جائے گا۔

اگر کوئی غلام کسی آزاد شہری کو جو مقامی ہو یا غیر ملکی مارتا پیٹتا ہے تو موقع پر موجود فرد کو چاہیے کہ وہ اس کی مدد کرے ورنہ مذکورہ ہرجانہ ادا کرے۔ تماشائیوں کو چاہیے کہ وہ اسے پکڑ کر مضروب شخص کے حوالے کر دیں جو اسے زنجیروں سے باندھے گا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق کوڑے لگائے گا۔ لیکن اس سزا کے بعد وہ قانونی طور پر غلام کو اس کے آقا کے حوالے کر دے گا

اور اس طرح آقا کو اس کی ملکیت (غلام) سے محروم نہیں کرے گا۔ اس لیے قانون کچھ اس قسم کا ہوگا:

تو جو غلام کسی شہری کو زدوکوب کرے گا جس کا حکم عدالتی عہدیدار نے نہ دیا ہو تو اس کا مالک اسے مضروب شخص سے زنجیر میں بندھا ہوا وصول کرے گا اور اس وقت تک زنجیریں نہیں کھولے گا جب تک کہ غلام مضروب شخص کو اسے آزاد کرانے پر راضی نہ کر لے۔ ملزم اور مضروب اگر دونوں خواتین ہوں، ایک فریق مرد اور دوسری فریق عورت ہو تو ان پر بھی اسی قانون کا اطلاق ہوگا۔

☆☆☆
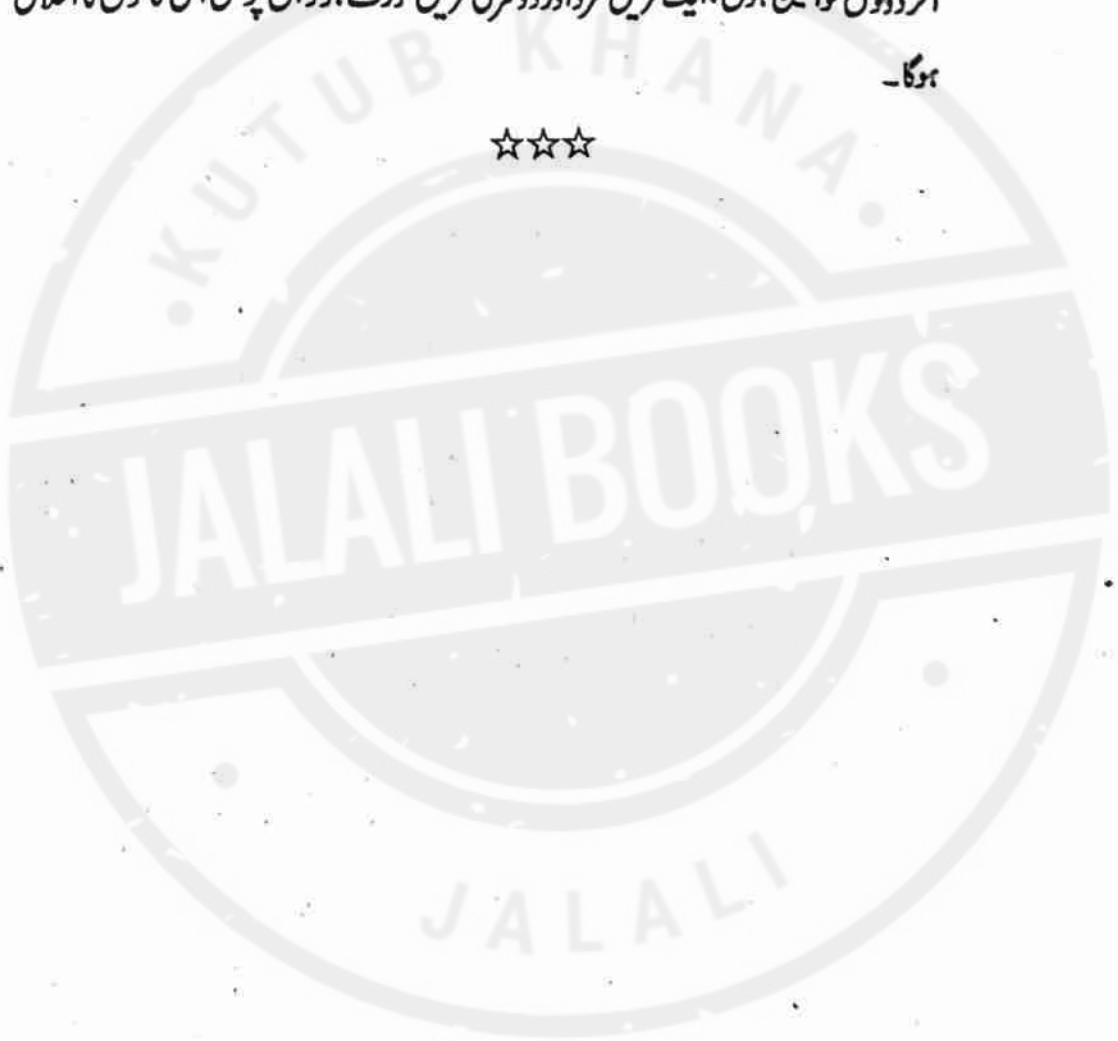
دسویں کتاب

زدوکوب کے اس ذکر کے بعد آیئے اب تشدد کے تمام واقعات کو ایک ہی قانون کے تحت یکجا کر لیتے ہیں کہ:

اس کی اجازت کے بغیر کوئی اپنے ہمسایے کا نہ سامان لے گا، نہ لے جائے گا۔ اور نہ ہی اسے اپنے استعمال میں لائے گا۔ کیونکہ یہی وہ جرائم ہیں جو تمام مذکورہ گناہوں کا سبب بنتے ہیں۔ اور آئندہ بھی بنتے رہیں گے۔ ان میں سب سے بڑی جوانی کی زیادتیاں اور گستاخیاں ہیں۔ جن کی شدت میں اس وقت اضافہ ہو جاتا ہے جب ان کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے۔ خصوصاً جب یہ عوامی اور مقدس روایات کے یا جزوی طور پر مشترکہ رسوم کے خلاف ہوں۔ جس میں مختلف قبائل اور گروہ شامل ہوں ان کی شدت کا یہ دوسرا درجہ ہوتا ہے کہ نجی رسوم اور قبروں کی بے حرمتی کی جائے۔ تیسرے درجے میں (پہلے سے بیان کردہ امور کا اعادہ نہیں ہوگا) وہ جرم ہے جس میں والدین کی تذلیل کی جاتی ہے۔ چوتھے درجے میں وہ تشدد آتا ہے جب کوئی شخص حاکم کے اختیارات کو پس پشت ڈال کر اس کی کوئی چیز اچک لیتا ہے یا اسے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور پانچویں قسم کسی فرد کے شہری حقوق کی خلاف ورزی ہے جس کی سزا جلاوطنی ہے۔ ان تمام امور پر محیط ایک ہی قانون ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہم نے عمومی طور پر یہ بتا دیا ہے کہ مقدس مقامات کی فریب یا تشدد سے کی ہوئی بے حرمتی کی سزا کیا ہوگی۔ اب ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ ان لوگوں کو کیا سزا دی جائے تو اپنے قول و فعل سے دیوتاؤں کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن پہلے ہمیں ان الفاظ میں ان کی مذمت کرنا ہوگی۔ کوئی ایسا شخص جو قانون کے مطابق دیوتاؤں پر ایمان رکھتا ہے غیر متبرک کام جان بوجھ کر کرتا ہے یا ناجائز الفاظ استعمال کرتا ہے وہ عموماً یہ سمجھتا ہے کہ اول یہ کہ دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر وہ موجود ہیں تو انھیں انسانوں کی کوئی فکر نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ انھیں قربانیوں اور دعاؤں سے بآسانی راضی کیا جا سکتا ہے۔ یا پس پشت ڈالا جا سکتا ہے۔

کلینیاس : ہم ایسے لوگوں سے کیا کہیں یا کیا سلوک کریں؟

اجنبی : میرے عزیز دوست پہلے ذرا ان کی ہلکی پھلکی باتیں سنیں جو وہ احساس برتری کے تحت کہیں گے۔

کلینیاس : کیسی ہلکی پھلکی باتیں؟

اجنبی : وہ کچھ اس قسم کی غیر متعلق باتیں کریں گے ''اے ایتھنز، سپارٹا اور کنوسس کے باشندو! وہ جواب دیں گے'' آپ کی یہ بات درست ہے کیونکہ ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیوتاؤں کے وجود کے منکر ہیں۔ جب کہ کچھ ایسے ہیں جو بقول آپ کے انسانوں کی پروا نہیں کرتے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ تحفے تحائف سے بہل جاتے ہیں۔ اب قانونی معاملات میں آپ کے قول کے مطابق ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ اس سے قبل کہ آپ ہمیں دھمکائیں یا ہم پر سختی کریں آپ ہم سے بحث کر کے ہمیں قائل کریں۔ اول تو آپ معقول شہادتوں سے ہمیں قائل کر دیں کہ دیوتاؤں کا وجود ہے یا یہ کہ وہ اتنے نیک ہیں کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ یا انھیں تحفے تحائف سے رام کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب وہ افراد ایسے ہیں جنھیں بہترین شاعر، خطیب، پروہت، پجاری اور بہت سے دوسرے افراد مانا جاتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں تو پھر گناہوں سے اجتناب کرنے کا خیال دل میں جگہ نہیں پاتا۔ بلکہ یہی جی چاہتا ہے کہ گناہ کرو اور اسے معاف کراتے رہو۔ جب قانون ساز یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شریف النفس ہیں، سختی کرنے والے نہیں۔ تو ہمارا خیال ہے کہ ہمیں اس بات کا قائل کریں کہ دیوتا موجود ہیں۔ یہ بات وہ اگر عام لوگوں سے بہتر طریقے سے بتا نہیں سکتے تو کم از کم صحیح بات تو بتائیں۔ اور کسے خبر کہ ہم آپ کی باتیں سن رہے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ ہماری درخواست کو حق بجانب سمجھتے ہیں تو ہمارے اس چیلنج کو قبول کیجیے''۔

کلینیاس : لیکن دیوتاؤں کے وجود کا ثبوت فراہم کرنا کچھ مشکل ہے؟

اجنبی : آپ اسے کس طرح ثابت کریں گے؟

کلینیاس : کس طرح؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ زمین، سورج، ستارے، پوری کائنات، موسموں کی منصفانہ ترتیب، پھر سال، اور مہینوں میں ان کی تقسیم ہی ان کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مزید برآں یہ بھی مصدقہ امر ہے کہ یونانی اور غیر متمدن قبائل بھی انھیں تسلیم کرتے ہیں۔

اجنبی : میرے عزیز دوستو! میں یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ مجھے اس بات کا بہت لحاظ ہے کہ دیوتاؤں کو نہ ماننے والے ہماری بات کی بڑی حقارت سے شدید مخالفت کریں گے۔ کیونکہ آپ کو ان کی شکایت کے مضمرات سے آگاہی نہیں ہے۔ آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ بدعقیدگی میں اس لیے تیزی دکھاتے ہیں وہ عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں۔

کلینیاس : اجنبی دوست اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اجنبی : ایک تو وہ جس کا آپ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ ایک مختلف ماحول میں رہتے ہیں۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی: ایک بہت ہی خطرناک قسم کی لاعلمی جسے اعلیٰ ترین دانائی سمجھ لیا جاتا ہے۔

کلینیاس: بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اجنبی : مجھے بتایا گیا ہے۔ ایتھنز میں ایسی تحریری کہانیاں موجود ہیں جسے آپ کی ریاست کے پاکیزہ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ وہ بتوں کا نثر میں بھی اور نظم میں بھی تذکرہ کرتے ہیں ان میں جو قدیم ترین ہیں ان میں زمین وآسمان کی پیدائش کا بیان ہے۔ اور کہانی کے آغاز ہی میں بتوں کی پیدائش کا ذکر ملتا ہے۔ کہ وہ پیدائش کے بعد ایک دوسری طرح کا میل جول رکھتے ہیں۔ ان کہانیوں کا کس طرح اچھا اثر پڑا یا بُرا، میں ان پر سخت اعتراضات نہیں کروں گا۔ کیونکہ وہ بہت ہی قدیم ہیں۔ لیکن جب ان پر بچوں کے والدین پر حقوق کے لحاظ سے نظر ڈالتا ہوں تو ان کی تعریف نہیں کر سکتا اور نہ انھیں مفید سمجھتا ہوں اور نہ ہی صحیح۔ قدما کے الفاظ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں اور میں ان کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا جتنا دیوتاؤں کو پسند آتا ہے۔ لیکن جہاں تک نوجوان نسل اور ان کی عقلمندی کا تعلق ہے میں انھیں ان کی شرارتوں پر بخش نہیں سکتا۔ آپ ذرا الفاظ کے مؤثر ہونے پر غور کریں۔ جب ہم آپ دیوتاؤں کے وجود پر بحث کرتے ہیں اور اس ضمن میں سورج، چاند، ستارے، زمین کے ساوی وجود کو ثبوت کے طور پر پیش کریں اور اگر ہم متذکرہ بالا فلسفیوں کی باتیں سنیں تو ہم یہی کہیں گے کہ وہ تو محض مٹی اور پتھر ہیں جنھیں انسانوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی اور مذہب الفاظ کا گورکھ دھندا اور دکھاوا ہوتا ہے۔

کلینیاس : اجنبی دوست ایسا ایک ہی اُستاد برائی کے لیے کافی ہوگا۔ آپ کہتے ہیں یہ متعدد ہوں گے تو حالات بہت ہی خراب ہوں گے۔

اجنبی : بہت خوب۔ ہم کیا کہیں اور کیا کریں؟ کیا ہم یہ مان لیں کہ پاکیزہ لوگوں کے سامنے کوئی ہم پر الزام لگا رہا ہے جو ہمارے قانون کی زد سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور وہ ہمارے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کتنی خطرناک بات ہے کہ آپ اس مفروضے پر قانون سازی کریں کہ دیوتاؤں کا وجود ہوتا ہے؟ کیا ہمیں اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہیے یا معاملے کو اسی مرحلے پر ختم کر کے قانون سازی شروع کی جائے۔ کیونکہ یہ بحث بہت طویل ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم بدعقیدہ لوگوں سے ان کی خواہش کے مطابق سلوک کریں۔ وہ جن امور کی تشریح طلب کریں گے۔ اسے تھوڑی بہت تفصیل سے سمجھایا جائے گا۔ جس سے وہ کچھ نہ کچھ خوف زدہ یا غیر مطمئن ہوں گے اور پھر مطلوبہ قانون سازی پر متوجہ ہوں گے۔

کلینیاس : جی ہاں۔ لیکن یہ بھی دیکھیے کہ ہم کتنی بار یہ اعادہ کر چکے ہیں کہ موجودہ موقع پر کوئی وجہ نظر آتی ہے کہ ہم اجمال کو تفصیل پر ترجیح دیں۔ کیونکہ کون ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے؟ اور اجمال کو بہتر پر ترجیح دینا بے معنی اور مضحکہ خیز ہوگا۔ یہ کوئی کم نتیجہ خیز بات نہیں ہوگی کہ ہم کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کر دیں کہ دیوتاؤں کا وجود ایک حقیقت ہے اور وہ نیک دل ہیں اور انھیں انسانوں سے زیادہ عدل کا خیال رہتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار ہمارے تمام قوانین کے لیے بہترین اور عمدہ ترین تمہید کا کام دے گا۔ اس لیے بے صبری اور عجلت کے بغیر ہم پورے معاملے پر کھلے دل و دماغ سے غور کریں گے اور پوری قوت سے اپنی ترغیبی صلاحیت سے کام لیں گے۔

اجنبی : آپ کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے میں برضا و رغبت یہ دعا مانگوں گا کہ مجھے کامیابی نصیب ہو۔ لیکن مجھے فوری طور پر کام کو آگے بڑھانا ہے۔ بھلا کوئی شخص کس طرح چین سے رہ سکتا ہے جب اس سے دیوتاؤں کے وجود کے اثبات کا مطالبہ کیا جائے؟ جن لوگوں نے اس بحث کا آغاز کیا ہے، کون ہے جو ان سے نفرت اور کراہت کا اظہار نہیں کرے گا؟ میں ان لوگوں کا ذکر کرتا ہوں جو ان کہانیوں پر یقین نہیں کرتے جو انھوں نے بچپن میں اپنی ماں اور دایہ سے سن رکھی ہیں اور جسے انھوں نے کبھی سنجیدگی سے اور کبھی تفریحاً اسے دوسروں کو سنایا ہے۔ انھوں نے ایک منتر کی طرح

اسے قربانی کی دعاؤں میں سنا ہے۔اس کے ساتھ مناظر بھی دیکھے ہیں۔ایسی آوازیں اور ایسے مناظر جو بچوں کا دل موہ لیتے ہیں۔ان کے والدین خود اپنے اور بچوں کی طرف سے بھی اس معاملے پر پوری سنجیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور بڑی بیقراری سے دیوتاؤں سے محو گفتگو ہو جاتے ہیں۔اور ان سے اس طرح التجائیں کرتے ہیں کہ گویا انھیں ان کے وجود کا یقین کامل ہے۔وہ ان جوڑ توڑ دیکھتے اور ان مناجاتوں کو سنتے ہیں جو یونانی اور غیر مہذب قبائل سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کے وقت زندگی کے تمام مرحلوں میں پیش کرتے ہیں۔اس طرح نہیں کہ دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ اس طرح کہ انکا وجود ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔اور ان کے وجود کی نفی ناممکنات میں سے ہے۔جب لوگ جنھیں ان تمام باتوں کا علم ہے۔ان سے بلاوجہ نفرت کرتے ہیں جس کا اعتراف ہر وہ فرد کرے گا جس میں شمہ برابر بھی عقل موجود ہے۔اور جب وہ ہمیں وہ کچھ کہنے پر مجبور کرتے ہیں جو ہم اس وقت کہہ رہے ہیں۔بھلا کوئی ان جیسوں پر نرمی سے کسی طرح معترض ہوسکتا ہے جب کہ اسے اس کا آغاز ہی دیوتاؤں کے وجود کے ثبوت سے کرنا ہوگا؟ تاہم کوشش تو کرنی ہی ہوگی۔کیونکہ یہ بات بڑی نامعقول ہوگی کہ آدھے انسان تو عیش وعشرت کے حصول کے لیے پاگل ہوں اور بقیہ آدھے لوگوں کے خیالات پر دل جلاتے رہیں۔ہم ان گم گشتہ اور گمراہ فطرت لوگوں سے طیش سے خطاب نہیں کریں گے۔فرض کیجیے ہم ان میں سے ایک کا انتخاب کرکے اس سے اپنے غصے پر قابو پاکر خوش دلی سے بحث ومباحثہ کریں گے۔اور اس سے کہیں گے" بیٹے آپ نوجوان ہیں جب آپ بڑی عمر کو پہنچیں گے تو آپ کے موجودہ خیالات یکسر بدل جائیں گے۔ذرا توقف کریں اور اعلیٰ ترین باتوں پر ابھی کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔یہی اعلیٰ ترین بات ہے۔جس پر تم ابھی غور نہیں کررہے ہو کہ دیوتاؤں کو اچھی طرح پہچانو اور ان کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرو۔پہلے میں ایک نکتے پر تمھاری توجہ مبذول کراؤں گا۔جو نہایت اہم ہے۔جس کے بارے میں مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔تم اور تمہارے دوست پہلے نہیں ہیں جو دیوتاؤں کے بارے میں ایسی ہی رائے رکھتے تھے۔بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اسی مرض کا شکار ہیں۔میں ایسے متعدد افراد سے واقف ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کہ جوانی میں جس کی بھی یہ رائے رہی ہوگی کہ دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہوتا اس کی یہ رائے بڑھاپے تک قائم نہیں رہی۔دیگر

دو رائے البتہ چند افراد میں قائم رہتی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔ یہ تصور کہ دیوتا موجود ہیں لیکن انسانی امور میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے یا یہ کہ وہ دلچسپی لیتے ہیں لیکن قربانی اور مناجاتوں سے انھیں راضی کیا جاسکتا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ دیوتاؤں کے بارے میں ان کی رائے رفتہ رفتہ واضح تر ہوتی جاتی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ جا کر انتظار کریں اور سوچیں کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ دوسرے افراد خصوصاً قانون سازوں سے پوچھیں۔ اس دوران اتنی احتیاط برتیں کہ دیوتاؤں کو ناراض نہ کریں۔ کیونکہ قانون ساز کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ آپ کو حقائق سے آگاہ کرے۔

کلینیاس : اجنبی دوست ہمارا یہ خطاب اب تک نہایت عمدہ رہا ہے۔

اجنبی : بالکل درست۔ لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے غیر ارادی طور پر کسی نئے اصول پر روشنی ڈالی ہے۔

کلینیاس : کیا مطلب، کون سا اصول؟

اجنبی : بیشتر کی رائے ہے کہ یہ اصول بڑی ہی عقلمندی پر منحصر ہے۔

کلینیاس : میں چاہتا ہوں آپ ذرا مزید وضاحت فرمائیں۔

اجنبی : اصول یہ ہے کہ چیزیں فطرتاً یا کسی ترکیب سے یا اتفاقاً موزوں بن جاتی ہیں، بن چکی ہیں یا بنیں گی۔

کلینیاس : کیا یہ درست نہیں ہے؟

اجنبی : جی ہاں۔ فلسفی غالباً سچ ہی کہتے ہیں۔ تاہم ہمیں ان کی راہ پر چلنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کا اور ان کے شاگردوں کا مطلب کیا ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : ان کا یہ قول ہے کہ اعلیٰ ترین اور عمدہ ترین چیزیں زیادہ تر فطرت اور حادثات کا عطیہ ہوتی ہیں۔ فن کا اس میں حصہ کم ہی ہوتا ہے جو فطرت کی اعلیٰ ترین اور قدیم ترین تخلیقات کو حاصل کر کے ایسی تمام کم درجہ تخلیق کو نئی شکل اور نئے سانچے میں ڈھالتا ہے جنھیں مصنوعی کہا جاتا ہے۔

کلینیاس : بھلا یہ کیا بات ہوئی۔

اجنبی : چلیے بات کو مزید واضح کر دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آتش، باد، خاک، یہ سب فطرتاً اور اتفاقاً وجود میں آئے۔ اور ان میں سے کسی کو بھی کسی ترکیب سے تیار نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد اجسام کی باری آتی

ہے۔ زمین اور سورج اور چاند اور ستارے یہ سب اجسام ان چاروں بے جان عناصر کے سبب پیدا ہوئے۔ یہ عناصر اتفاقاً علیحدہ علیحدہ کسی مخفی قوت کے طفیل کسی نہ کسی مماثلت کی وجہ سے حرکت پذیر رہتے ہیں۔ گرم سرد کے ساتھ، خشک تر کے ساتھ، نرم سخت کے ساتھ، تضادات کا یہ امتزاج ضرورتاً ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی طریقے اور اسی انداز سے اجرام فلکی تخلیق ہوئے ہیں۔ جو کچھ آسمان پر ہے اس کے علاوہ جانور، پودے اور تمام موسمی تبدیلیاں ان ہی عناصر کی مرہون منت ہیں۔ نہ کسی کی ذہنی اختراع ہیں نہ ہی کسی دیوتا کی نہ کسی ترکیب سے بلکہ محض فطری اور حادثاتی طور پر وجود میں آئے ہیں۔ فن تو بعد کی پیداوار ہے۔ فانی اشیا اور ان کی پیدایش کو ڈراموں وغیرہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا فطرت کی ایک ہلکی سی نقل کی جاتی ہے اس کی مثال موسیقی اور مصوری اور اس جیسے فنون ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے فن بھی ہیں جن کا مقصد سنجیدہ اور اعلیٰ ہوتا ہے جو فطرت سے ہم آہنگ ہوتے ہیں، مثلاً طب، زراعت اور ورزش وغیرہ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیاست بھی فطرت سے کم درجے میں تعاون کرتی ہے۔ اور زیادہ انحصار تدبیر پر ہوتا ہے۔ نیز قانون سازی ایک طرح کی فنکاری ہوتی ہے۔ جو ایسے مفروضات پر مبنی ہوتی ہے جن میں صداقت نہیں ہوتی۔

کلینیاس : کیا مطلب؟

اجنبی : عزیز دوستو! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ دیوتا فطرتاً موجود نہیں ہوتے بلکہ وہ ترکیب اور ریاستی قانون ہی کے ذریعے وجود میں آتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ ان کے بنانے والوں کی مرضی کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ نیز فطرتاً افضل ہونا دوسری بات ہے اور قانوناً افضل ہونا دوسری۔ اور یہ بھی کہ فطرت میں عادلانہ اصولوں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ لیکن انسان ہمیشہ ان کے بارے میں دست وگریبان رہتے ہیں۔ اور ان میں ترامیم کرتے رہتے ہیں۔ اور جو تبدیلیاں ترکیب اور قانون کے تحت کی جائیں فطرت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اور ان کے اختیارات اسی وقت قائم رہتے ہیں جب وہ بنائے جاتے ہیں۔ میرے دوستو یہ داناؤں، شعرا اور نثر نگاروں کے اقوال ہیں جو نوجوان کے دماغوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ انھیں یہ بتادیا جاتا ہے کہ اعلیٰ ترین حق صرف طاقت ہوتی ہے۔ اس طرح نوجوان گناہوں میں آلودہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے

ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوتی ہے کہ دیوتا ایسے نہیں ہوتے جیسا کہ قانون انھیں خیال کرتا ہے۔ اس طرح فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فلسفی انھیں قانون فطرت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے مدعو کرتے ہیں۔ یعنی دوسروں پر تسلط جمائے رکھو۔ قانون کی تابعداری مت کرو۔

کلینیاس : یہ تصور کتنی بھیانک ہے۔ یہ کتنا گہرا زخم ہے جو نوجوانوں کو لگایا جاتا ہے اور جس سے ریاست اور خاندان دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔

اجنبی : کلینیاس بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر یہ خرابی طویل مدت سے جاری ہے تو قانون ساز کو کیا کرنا چاہیے۔ کیا وہ تنہا ہی کھڑا ہو کر ریاست میں اعلان کرے کہ اگر لوگ یہ نہیں تسلیم کریں گے دیوتا ویسے ہی ہوتے ہیں جیسا قانون بتاتا ہے (یہ بات تمام اشرف، افضل، عادل اور نیکی و بدی کے تصور پر صادق آئے گی) اور اگر ان کے افعال و کردار قانون میں درج اصولوں کے مطابق نہیں ہوں گے اور وہ قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی سزا موت ہوگی یا اسے دُرّے مارے جائیں یا قید کیا جائے یا شہریت سے محروم کر دیا جائے یا چند معاملات میں اس کی جائیداد ضبط کی جائے اور اسے ملک بدر کر دیا جائے؟ کیا اسے یہ نہیں چاہیے کہ وہ قانون سازی کرتے وقت ان میں ایسے الفاظ بھی شامل کرے جس سے لوگوں کو نیکی کی ترغیب ملے اور حتی الوسع ان کی شدت میں تخفیف کا باعث بنے۔

کلینیاس : اجنبی! اگر ایسی ترغیب کا کہیں امکان ہو تو قانون ساز کو جس میں ذرا سی بھی سمجھ موجود ہے لوگوں کو ترغیب دینے سے کبھی باز نہیں رہنا چاہیے۔ اسے اس قدیم عقیدے کے بارے میں ہر بات کہہ دینی چاہیے۔ جواب تک نہیں کہی گئی ہے کہ دیوتا موجود ہیں اور تمام باتیں حق ہیں جن کا آپ نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ اسے قانون کی بھی حمایت کرنی چاہیے اور فن کی بھی۔ اور یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ دونوں ایک ہی طرح فطرت میں موجود ہیں۔ اگر وہ معقول استدلال کے مطابق ذہنی اختراع ہیں جیسا کہ آپ کے خیالات بتاتے ہیں تو میں آپ کے خیالات سے اتفاق کرتا ہوں۔

اجنبی : جی ہاں۔ میرے پر جوش دوست کلینیاس لیکن جب یہ باتیں کسی مجمع میں کی جائیں تو کیا ان کا سمجھنا دشوار نہیں ہوگا۔ اور میں اس کا ذکر نہیں کرتا کہ اس میں کتنا طویل وقت درکار ہوگا۔

کلینیاس : میرے اجنبی دوست بھلا یہ کیوں کر ہوگا۔ جب شراب نوشی اور موسیقی کی بحث نے ہمیں نہیں

تھکا یا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اب دیوتاؤں اور انوہی باتوں کے ذکر سے تھک جائیں؟ اور معقول قانون سازی کے لیے سب سے عمدہ سہارا یہ ہے کہ یہ قانون جب حیطۂ تحریر میں آ جاتے ہیں تو وہ مستقل شکل اختیار کر لیتے ہیں انھیں آگے چل کر کسی وقت بھی آزمایا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر پہلی بار انھیں سن کر یہ محسوس ہو کہ وہ مشکل ہیں تو ان کے بارے میں کسی قسم کا اندیشہ بے بنیاد ہوگا۔ کیوں کہ غبی سے غبی آدمی ان کو بار بار پڑھ کر ان پر غور و خوض کر سکتا ہے۔ فرض کیجیے وہ واقعی وقت طلب ہیں تو بھی ان کے مفید ہونے کے باعث کسی کے لیے یہ جواز یا ایقان موجود ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں اپنی پوری قوت صرف کر دے۔

مجی لس : اجنبی، کلینیاس نے جو کچھ کہا ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔

اجنبی : بہت خوب مجی لس اور ہم جو کچھ کلینیاس نے کہا ہے ویسا ہی کریں گے۔ کیونکہ اگر ناپاک مباحث ساری دنیا میں بکھرے ہوئے نہ ہوتے تو دیوتاؤں کے وجود کے اثبات کی کوئی حاجت ہی نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ وہ گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اس قسم کے استدلال کی ضرورت ہے۔ اور عظیم ترین قوانین کی تائید میں جب بدکردار لوگ ان کی بیخ کنی کر رہے ہوں تو بجز قانون سازوں کے اور کون ہے جو سامنے آئے گا؟

مجی لس: اب تو ان کے باصلاحیت تائید کرنے والے نظر نہیں آتے۔

اجنبی : جی ہاں۔ کلینیاس، میں آپ کو اپنا دست راست سمجھتا ہوں۔ آپ ذرا یہ بتائیں کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ آتش، آب، باد و خاک یہ سارے عناصر ہر شے کے بنیادی مبدا ہیں؟ ان کو وہ فطرت سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ بعد میں روح ان ہی کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔ ان کے معنی سے متعلق یہ ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ دراصل وہ یہی کچھ سمجھتے ہیں۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : روحانی مسرت کی قسم اس طرح ہم نے ان تمام لوگوں کی بے معنی رائے کے ماخذ کا پتا چلایا ہے جن کی تحقیق مادی اشیا پر مبنی ہوتی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے دلائل کا نہایت احتیاط سے جائزہ لیں۔ کیونکہ ناپاکی ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔ وہ لوگ نہ صرف برے اور غلط دلائل سے کام لیتے

ہیں بلکہ دوسروں کو گمراہ بھی کرتے ہیں ان کے بارے میں میری بھی رائے ہے۔

کلینیاس : آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یہ سب کچھ ہوتا کیسے ہے۔

اجنبی : مجھے ڈر ہے کہ دلیل آپ کو بے تکی محسوس ہوگی۔

کلینیاس : آپ کوئی تامل نہ کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسی بحث کہیں آپ کو قانون سازی کی حدود سے پرے نہ لے جائے۔ لیکن اگر دیوتاؤں کے وجود کے اثبات کی توثیق کرنے کے لیے دلائل کا کوئی اور راستہ نہ ہو تو میرے عزیز دوست آیئے یہی راستہ اختیار کریں۔

اجنبی : اس لیے میرا خیال ہے کہ میں ان لوگوں کے بے تکے دلائل کا اعادہ کروں جو روح کو اپنے ناپاک تصورات کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو تخلیق اور فنا کی اولین وجہ ہیں وہ اولین نہیں ہیں وہ آخری ہیں اور اولین وہ ہیں جنھیں آخری سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ دیوتاؤں کی اصل حقیقت کے بارے میں مغالطے کا شکار ہیں۔

کلینیاس : بات پھر بھی سمجھ میں نہیں آئی۔

اجنبی : ان میں تقریباً سارے کے سارے روح کی نوعیت اور قوت بالخصوص ان کی اصل سے قطعی ناآشنا نظر آتے ہیں۔ انھیں یہ علم نہیں کہ تمام اشیا میں اسی کو اولیت حاصل ہے۔ وہ تمام اجسام سے قبل وجود میں آئی اور بڑی بڑی تبدیلیوں میں اسی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ خیال درست ہے تو روح، جسم سے زیادہ قدیم ہے تو یقیناً روح سے متعلق تمام اشیا جسم سے متعلق اشیا سے قبل پیدا ہوئی ہیں۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : اس طرح، خیال، توجہ، ذہن، فن اور قانون ان اشیا سے پہلے کی ہیں جو سخت، نرم، بھاری اور ہلکی ہوتی ہیں۔ اور ابتدائی دور کے کارناموں اور اعمال دراصل فنکاری ہی کا نتیجہ ہیں۔ ان کو اولیت حاصل ہے ان کے بعد فطرت اور پھر فطری تخلیقات کی باری آتی ہے جو ایک طرح سے غلط لفظ ہے جسے انسان عموماً استعمال کرتا ہے یہ بعد میں آتے ہیں اور فن اور ذہن کے تابع ہوتے ہیں۔

کلینیاس : لیکن ''فطرت'' کا لفظ غلط کیوں ہے؟

اجنبی : کیونکہ جو لوگ اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فطرت اولین تخلیقی قوت ہے۔ لیکن اگر روح پہلا عنصر ہوئی، آتش و باد نہیں تو اصل معنوں میں دیگر اشیا سے قطع نظر کر کے

روح فطرت ہی کے طفیل موجود رہتی ہے اور بات درست ہوگی جب یہ ثابت ہو جائے کہ روح دیگر اجسام سے قدیم تر ہے، اس کے برعکس نہیں۔

کلیباس : بالکل درست۔

انجبی : تو کیا اب یہ ہماری بحث کا دوسرا موضوع ہوگا؟

کلیباس : یقیناً۔

انجبی : ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جوش جوانی سے سرشار یہ مغالطہ انگیز دلیل ہم بوڑھوں کو چکما دے کر غلط فہمی میں مبتلا کر دے اور یوں ہم لوگ نقل محفل بن کر رہ جاتے ہیں۔ کسے خبر کہ ہم عظیم تر کو ہدف بناتے ہیں مگر کمتر بھی ہمارے ہاتھ نہیں آتا۔ فرض کیجیے ہم تینوں کو ایک تیز دریا پار کرنا ہے اور میں جو سب سے کم عمر اور دریائی امور کا ماہر ہوں خود بخود سب سے پہلے پار کرنے کا ذمہ لیتا ہوں اور آپ لوگ بے خطر ہو کر ساحل پر رہتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ کیا دریا اس لائق ہے کہ اسے معمر لوگ پار کر سکتے ہیں۔ اور اگر پار کر سکتے ہیں تو میں آپ دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا مشورہ دوں گا اور میرا تجربہ آپ کو پار کرانے میں معاون ثابت ہوگا۔ لیکن اگر دریا ایسا ہے کہ آپ لوگ پار نہیں کر سکتے تو خطرہ آپ کے لیے نہیں بلکہ صرف میرے لیے ہوگا۔ کیا یہ بہت منصفانہ تجویز نہیں ہوگی؟ یعنی یہ دلیل اپنے تناظر میں آپ کے لیے قابل فہم نہیں ہوگی آپ کے جذبے کی گہرائی اور گیرائی کچھ بھی مفید نہیں ہوگی۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے سوالات کی بوچھاڑ آپ کو چکرا دے گی اور آپ ذہنی پراگندگی کا شکار ہو جائیں گے۔ کیونکہ آپ جواب دینے کے عادی نہیں ہیں۔ جس سے ناخوشگواری اور ناموزونیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے خود سوال کروں گا اور ان کے جواب اس طرح دوں گا کہ آپ لوگ اطمینان قلب سے سنیں۔ اس طرح میں اس دلیل کو اس وقت تک جاری رکھ سکتا ہوں جب تک میں یہ ثابت نہ کر لوں کہ روح جسم سے مقدم ہوتی ہے۔

کلیدیاس : بہت خوب۔ توقع ہے آپ نے جیسا کہا ہے ویسا ہی عمل کریں گے۔

انجبی : اگر ہمیں دیوتاؤں کو پکارنا ہے تو ہم اس وقت کیوں نہ پکاریں کہ وہ اپنے وجود کو ثابت کریں، اس لیے اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ہی ہم اس دلیل کی گہرائی میں اترنے کی ہمت کرتے ہیں۔

جب اس قسم کے سوالات مجھ سے پوچھے جاتے ہیں میرا سیدھا سادہ جواب یہ ہوگا ''اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ اجنبی کیا ہر شے متحرک ہے اور کوئی شے حالت سکون میں نہیں ہے یا حقیقت اس کے برعکس ہے یا کچھ چیزیں حرکت میں ہوتی ہیں اور کچھ حرکت نہیں کرتیں'' میں جواب میں یہی کہوں گا کہ چند اشیا حرکت میں ہوتی ہیں اور چند حرکت نہیں کرتیں۔ اور کیا متحرک اشیا ایک مخصوص مقام پر حرکت کرتی ہیں اور حالت سکون والی اشیا بھی ایک مقام پر ہوتی ہیں؟ ''یقیناً'' چند ایک ہی مقام پر متحرک یا پرسکون رہتی ہیں۔ اور چند ایک سے زیادہ مقامات پر؟ آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جواب میں یہ کہیں کہ جو اشیا مرکز میں حالت سکون میں ہوتی ہیں وہ ایک ہی مقام پر حرکت پذیر رہتی ہیں۔ جس طرح محیط دائرے کو جو غیر متحرک ہوتا ہے گھیرے میں لینے کے لیے حرکت کرتا ہے جی ہاں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ محوری گردش میں جو حرکت بیک وقت بڑے اور چھوٹے دائرے کے گرد جاری رہتی ہے وہ ایک خاص تناسب سے بڑے اور چھوٹے دائروں میں تقسیم ہوتی ہے اور بڑی اور چھوٹی حرکتیں متناسب ہوتی ہیں۔ یہ بہت تعجب کی بات ہے جو ناممکنات میں شامل ہے کہ ایک ہی حرکت بڑے اور چھوٹے دائروں کے تناسب سے تیز بھی ہوتی ہے اور سست بھی'' بات درست ہے'' اور جب آپ متعدد مقامات پر حرکت پذیر اجسام کی بات کرتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں آپ کا اشارہ ایسے اجسام کی طرف ہوتا ہے جو ایک مقام سے دوسرے تک حرکت کرتے ہیں اور ان کا مرکز حرکت کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زیادہ۔ کیونکہ وہ اپنے محور پر گردش کرتے ہیں اور جب ان کے راستے میں کوئی غیر متحرک شے آ جاتی ہے تو وہ اسے تقسیم کر دیتی ہے۔ لیکن اگر وہ ایسے اجسام کے درمیان آ جاتی ہے جو ایک مقام کی طرف مخالف سمتوں سے رواں دواں رہتے ہیں تو وہ ان سے مل جاتے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں۔ میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور جب وہ باہم ملتے ہیں تو وہ بڑی ہو جاتی ہیں اور جب تقسیم ہوتی ہیں تو ضائع ہو جاتی ہیں۔ یعنی فرض کیجیے ہر ایک کی ساخت اپنی صورت پر قائم رہتی اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو ان کی تحلیل کی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے'' اور تمام اشیا کب اور کس طرح تخلیق ہوئیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت تخلیق کی گئیں جب پہلا اصول نشو ونما پاتا ہے اور اس میں دوسری سمت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح وہ دوسرے وجود کے قریب آتا ہے جو اس کی ہمسایہ ہوتی ہے۔ اور تیسری شے

سے قربت کے بعد وہ حد ادراک میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو شے حرکت پذیر رہتی ہے تبدیل ہوتی رہتی ہے وہ تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہوتی ہے۔ حالت سکون میں ان کی اصل حقیقت برقرار رہتی ہے۔ لیکن جب وہ کسی اور حالت میں تبدیل ہوتے ہیں تو وہ یکسر تباہ ہو جاتی ہے۔ دوستو! کیا ہم نے یہ نہیں بتایا ہے کہ تمام حرکات میں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں؟

کلینیاس: کون کون سی دو اقسام؟

اجنبی: بس دو ہوتی ہیں جن سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے۔

کلینیاس: ذرا صاف صاف بتائیں۔

اجنبی: کیا ہمارے اس سوال کا تعلق روح سے نہیں ہے؟

کلینیاس: سچ ہے۔

اجنبی: چلیے مان لیتے ہیں کہ ایک حرکت ایسی ہوتی ہے جو دوسری اشیا کو متحرک کرتی ہے لیکن خود کو نہیں، یہ تو ہوئی ایک قسم۔ دوسری قسم وہ ہے جو خود بھی حرکت کرتی ہے اور دوسروں کو بھی متحرک کرتی ہے جو تخلیق میں بھی اور تحلیل میں بھی اضافے اور تخفیف سے، تخلیق اور تخریب سے عمل کرتی ہے۔ یہ بھی حرکت کی متعدد حرکات میں سے ایک حرکت ہے۔

کلینیاس: مانتے ہیں۔

اجنبی: ہم یہ فرض کریں گے جو دوسروں کو متحرک رکھتی ہے اور جسے دوسرے ہی تبدیل کرتے ہیں وہ نویں حرکت ہے اور وہ جو خود کو بھی تبدیل کرتی ہے اور دوسروں کو بھی اور تمام جذبوں اور حرکتوں سے ہم زمان اور ہم مکان ہوتی ہے اور یہی تمام تبدیلیوں اور حرکات کا اصولِ اولیٰ ہے جسے ہم دسویں حرکت کہہ سکتے ہیں۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی: ان دس حرکتوں میں سے کسے ترجیح دیں اور کسے طاقتور ترین اور مؤثر ترین مانیں؟

کلینیاس: میں تو کہوں گا کہ جو حرکت خود کو متحرک رکھتی ہے وہ دوسری حرکتوں سے ہزاروں گنا زیادہ افضل ہے۔

اجنبی: بہت خوب۔ لیکن اجازت ہے کہ میں نے جو باتیں کہی ہیں ان میں سے دو ایک کی تصحیح کرلوں؟

کلینیاس: وہ کیا کیا ہیں؟

اجنبی : میں نے جب دسویں قسم کی حرکت کہا تو وہ درست نہیں تھا۔

کلینیاس: غلطی کہاں تھی؟

اجنبی : اصلی ترتیب کے مطابق دسویں دراصل تخلیق اور قوت کے اعتبار سے پہلی تھی اس کے بعد یعنی دوسری وہ ہے جسے ہم نے نویں کہا ہے۔

کلینیاس: آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

اجنبی : میرا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شے کسی دوسری کو تبدیل کرتی ہے تو اس دوسری میں ہوسکتا ہے تبدیلی کا کوئی ابتدائی عنصر موجود ہو۔ بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جس شے کو کوئی دوسری شے متحرک رکھتی ہے وہ تبدیلی کا آغاز بن سکتی ہے؟ یہ ناممکن ہے۔ لیکن جب خود حرکت کرنے والی کسی دوسری شے میں تغیر لاتی ہے اور وہ کسی دیگر شے میں اور اس طرح ہزاروں لاکھوں اجسام حرکت میں آجاتے ہیں تو کیا اس حرکت کو شروع کرنے والی خود حرکت کرنے والا اصول ہی اس تبدیلی کا سبب نہیں ہوگا؟

کلینیاس: بالکل درست ہے۔ مجھے پورا پورا اتفاق ہے۔

اجنبی : چلیے اس سوال کو اس طرح پوچھ لیتے ہیں تا کہ ہم خود اس کا جواب دے سکیں۔ اگر جیسا کہ بیشتر فلسفی اس کا اثبات بڑی بے باکی سے کرتے ہیں کہ تمام اشیا ایک ہی ملغوبے میں حالت سکون میں تھیں۔ اب بتائے ان میں سے کون سی حرکت سب سے پہلے نمودار ہوئی؟

کلینیاس: صاف ظاہر ہے وہ جو خود متحرک تھی۔ کیونکہ ان میں کسی خارجی سبب سے کوئی تغیر رونما نہیں ہوسکتا تھا۔ تبدیلی تو پہلے ان میں خود پیدا ہونی چاہیے۔

اجنبی : پھر تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ یہ خود متحرک حرکت ہی تمام حرکات کی مبدا ہے اور پہلی حرکت جو حالت سکون والی یا متحرک اشیا میں ہوتی ہے وہ ہی تبدیلی کا سب سے پہلا اور سب سے طاقتور اصول ہوتا ہے اور جس شے کو دوسری شے تبدیل کرتی ہے اور حرکت دیتی ہے وہ اس کے بعد کی حرکت ہوتی ہے۔

کلینیاس: ٹھیک ہے۔

اجنبی : دلیل کے اس مرحلے پر آیئے سوال اٹھاتے ہیں۔

کلینیاس: کون سا سوال؟

اجنبی: اگر ہمیں یہ قوت کسی خاکی، آبی، آتشی شے میں نظر آئے جو مفرد ہو یا مرکب تو ہم اسے کیا کہیں گے؟

کلینیاس: غالباً آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آیا ہم ایسی خود متحرک شے کو زندگی کا نام دے سکتے ہیں؟

اجنبی: جی ہاں۔

کلینیاس: ہمیں ایسا ہی کہنا چاہیے۔

اجنبی: جب ہمیں کسی شے میں روح نظر آتی ہے تو ہم یہی کیوں سوچیں۔ یہی کیوں نہ تسلیم کریں کہ اس میں زندگی ہے؟

کلینیاس: ہمیں یہی کہنا چاہیے۔

اجنبی: میری درخواست ہے آپ ذرا غور کریں۔ آپ تسلیم کریں گے کہ اشیا کا علم تین طرح کا ہوتا ہے۔

کلینیاس: آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی: میرا مطلب ہے کہ ہم جوہر سے واقف ہیں اور ہمیں اس کی شناخت بھی ہے اور اس کا نام بھی جانتے ہیں ان کی تعداد تین ہے۔ ہر شے کے بارے میں دو سوالات کیے جا سکتے ہیں۔

کلینیاس: دو کیوں کر؟

اجنبی: کبھی کوئی نام بتا کر اس کی شناخت دریافت کرے گا۔ یا پھر شناخت بتا کر نام پوچھے گا۔ میں ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں کہ میرا مطلب کیا ہے۔

کلینیاس: کس طرح؟

اجنبی: عدد دیگر اشیا کی طرح مساوی حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح تقسیم ہونے کے بعد انھیں جفت کہا جاتا ہے اور جفت کی شناخت یہ ہے کہ وہ دو مساوی حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی: میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہم سے شناخت پوچھی جاتی ہے ہم نام بتاتے ہیں اور جب نام پوچھا جاتا ہے تو ہم شناخت بتاتے ہیں۔ ہر دو صورتوں میں ہم ایک ہی شے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جفت کو کہتے ہے کہ وہ عدد جو دو مساوی حصوں میں منقسم ہو۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی : اب بتایئے اس شے کی کیا شناخت ہے جسے ''روح'' کہا جاتا ہے۔ کیا اس کے علاوہ ہم کسی اور شے کا تصور کر سکتے ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یعنی وہ حرکت جو خود متحرک ہو۔

کلینیاس: آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ جوہر جسے خود متحرک کیا گیا ہے وہی ہے جسے ''روح'' کہا جاتا ہے۔

اجنبی : جی ہاں۔ اگر یہ درست ہے تو کیا پھر بھی ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس امر کے لیے کہ روح تمام موجود اشیا اور ان کی مخالف کا مبدا اور حرکی قوت ہے، بن چکی ہے، یا رہے گی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے اشیا میں تغیر اور حرکت کا ماخذ تصور کیا جاتا ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔ روح جو تمام حرکتوں کا مبدا ہے اسے بہت اچھی طرح ثابت کیا گیا ہے کہ وہ قدیم ترین ہے۔

اجنبی : اور جو حرکت دوسروں میں پیدا کی جاتی ہے۔ دوسروں کے سبب جس میں کوئی خود حرکت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ ایک غیر ذی روح جسم کی تبدیلی ہوتی ہے۔ اسے دوسرا یا کوئی اس سے بھی کمتر درجہ آپ اپنی ترجیح کے مطابق دے سکتے ہیں۔

کلینیاس: بالکل بجا ہے۔

اجنبی : یعنی ہم غلطی پر نہیں ہیں اور اس وقت مکمل اور حتمی حقیقت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ روح جسم پر مقدم ہے اور جسم مؤخر ہے اور اس کی باری بعد میں آتی ہے اور وہ روح کی اطاعت کے لیے پیدا ہوا ہے جو اس کی حاکم ہے۔

کلینیاس : سب سے سچی بات یہی ہے۔

اجنبی : آپ کو ہمارے قدیم اثبات کا علم ہے کہ اگر روح جسم پر مقدم ہے تو روحانی اشیا بھی جسمانی اشیا پر مقدم ہیں۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : پھر تو اگر روح جسم پر مقدم ہے تو کردار، اخلاق، آرزو، دلیل، اصل آرا اور غور و فکر، اور یادیں، اصل میں لمبائی، چوڑائی اور گہرائی اور جسمانی قوت، سے پہلے وجود میں آئے ہیں۔

کلینیاس : اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : اس کے بعد کیا ہمیں یہ نہیں چاہیے کہ ہم روح ہی کو نیکی، بدی، حقارت و شرافت، جائز و ناجائز اور دیگر تضادات کا سرچشمہ جانیں۔ بشرطیکہ ہم اسے تمام اشیا کی علت اولیٰ مان لیں۔

کلینیاس : ہمیں ماننا چاہیے۔

اجنبی : چونکہ روح ہر متحرک شے کو حکم دیتی ہے یا روکتی ہے تو کیا ہم یہ تسلیم نہ کریں کہ وہ آسمان کو بھی گردش کا حکم دیتی ہے۔

کلینیاس : بالکل۔

اجنبی : روح ایک ہی ہے یا متعدد ہیں؟ میں کہوں گا ایک سے زیادہ، تاہم ہمیں یہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے کہ روح کم از کم دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نیکی تخلیق کرنے والی اور دوسری بدی کی۔

کلینیاس : بالکل درست۔

اجنبی : جی ہاں۔ بالکل درست ہے۔ یہی روح عالم بالا اور اس دنیا اور سمندر کے تمام امور اپنی لہروں کے ذریعے چلاتی ہے۔ اس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ ارادہ، لحاظ، توجہ، غور وفکر، صحیح اور غلط رائے، راحت و رنج، اعتماد، خوف، نفرت، محبت اور اس جیسے دیگر اساسی جذبات و احساسات۔ اسے تمام جسمانی اشیا کی حرکات حاصل ہوتی ہیں اور ہر شے کی نشو و نما اور خلل، ترکیب و تحلیل اور ان کے ساتھ پیدا ہونے والی خصوصیات، مثلاً گرمی، سردی، وزن اور ہلکا پن، سختی اور نرمی، سیاہی اور سفیدی، تلخی اور شیرینی کا دارو مدار اسی پر ہوتا ہے اور اس جیسی تمام خصوصیات کو روح دیوی کی طرح اپنے کام میں لاتی ہے۔ اور الوہی ذہن کے حصول کے بعد وہ ہر شے کو سنوارتی ہے تا کہ انھیں سچ مچ کی مسرت حاصل ہو اور جب وہ حماقت کا ساتھ دیتی ہے تو جو کچھ آپ نے سنا اس کے برعکس عمل کرتی ہے کیا ہم اسے مان لیں اور یا تشکیک کا شکار رہیں؟

کلینیاس : یہاں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اجنبی : تو پھر کیا ہم یہ کہیں کہ یہ روح ہے جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کو چلاتی ہے یہ دانائی اور نیکی کا اصول ہے یا ایسا اصول ہے جس میں نہ نیکی ہے نہ دانائی؟ فرض کیجیے ہم مندرجہ ذیل جواب دیں۔

کلینیاس یہ جواب کیا ہوگا؟

اجنبی : دوست! اگر ہم یہ کہیں کہ آسمان کا تمام راستہ اور گردش اور جو کچھ اس میں ہے فطرتاً حرکت، گردش اور ذہنی تخمینہ سے مشابہ ہوتا ہے اور اس سے متعلق قوانین کے تحت جاری رہتا ہے۔ اسی لیے بات صاف ہے کہ ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ بہترین روح وہ ہے جو دنیا کا خیال رکھ کر اسے نیکی کی راہ دکھاتی ہے۔

کلینیاس : سچ ہے۔

اجنبی : لیکن اگر دنیا کی گردش بے ربط اور بے قابو ہو تو بدروح اسے چلاتی ہے۔

کلینیاس: یہ بات بھی سچ ہے۔

اجنبی : ذہن کی حرکت کی نوعیت کیا ہے؟ اس سوال کا دانائی سے جواب دینا آسان نہیں ہے۔ اس لیے جواب تیار کرنے میں آپ کی مدد کروں گا۔

کلینیاس: بہت خوب۔

اجنبی : چلیے پھر ہم اس سوال کا جواب اس طرح نہیں دیں گے کہ گویا ہم سورج کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس طرح دوپہر میں رات کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ گویا ہم اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں، اپنی آنکھوں سے دماغ کو دیکھ سکتے ہیں یا اس کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ صرف اس کی شبیہ کی طرف دیکھنا کافی ہے۔

کلینیاس: کیا مطلب ہے؟

اجنبی : آیئے ہم دس حرکتوں میں سے اس حرکت کو لیں جو ذہنی حرکت سے مشابہ ہو، میں آپ کو اس کی یاد دلاؤں گا پھر سب کی طرف سے اس کا جواب تیار کیا جائے گا۔

کلینیاس: یہ تو نہایت عمدہ بات ہوگی۔

اجنبی : آپ کو ہماری یہ بات یاد ہوگی کہ اشیا حالتِ سکون میں ہوتی ہیں یا متحرک۔

کلینیاس: جی ہاں۔ یاد ہیں۔

اجنبی : اور یہ کہ متحرک اشیا میں سے کچھ ایک ہی مقام پر حرکت کرتی ہیں اور دیگر متعدد مقامات پر۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : ان دو قسم کی حرکتوں میں سے جو حرکت ایک ہی مقام پر ہوتی ہے اور وہ اس کُرے کی طرح ہوگی جسے خراد مشین پر تیار کیا جاتا ہے اور یہ ذہن کی گردش سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

کلینیاس: بات ذرا سمجھا دیجیے۔

اجنبی : جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ذہن اور حرکت جو ایک ہی مقام پر ہوتے ہیں ان کا رخ ایک ہی ہوتا ہے ان کا طریق کار ایک ہوتا ہے تقریباً ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ ان میں باہمی تعلق بھی ایک ہی جیسا

ہوتا ہے اور ان کا تناسب اور ترتیب بھی یکساں ہوتی ہے۔ ہم نے ایک آسان سی مشابہت تیار کی ہے جو ہماری اختراع پسندی کے لیے باعث شرم نہیں ہے۔

کلینیاس : یہ تو باعث نیک نامی ہے۔

اجنبی : اور دوسری حرکت جو اس طرح کی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے متعلق ہے اور نہ اس کا حصہ ہے، نہ ہی ایک ہی مقام پر ہے، اور نہ ایک ہی ترتیب میں ہے، نہ اس کا کوئی قانون، نہ باہمی تناسب اور معقولیت اور عقل سے دور ہے۔

کلینیاس: بات بالکل درست ہے۔

اجنبی : جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کے بعد صاف صاف بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ چونکہ ہر شے کو چلانے والی روح ہے جو یا نیک ہوتی ہے یا بد۔ وہ گردش افلاک، اس کی ترتیب اور نظام کو ضرور تا اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔

کلینیاس : اور جو کچھ کہا گیا ہے، اجنبی، اس کے لحاظ سے یہ کہنا گناہ ہوگا کہ سوائے اکمل ترین روح کے کوئی اور روح یا ارواح گردش افلاک کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔

اجنبی : آپ نے میری بات بڑی اچھی طرح سمجھی ہے چلیے اب آپ سے ایک اور سوال کرتے ہیں۔

کلینیاس : پوچھیے کیا پوچھتے ہیں۔

اجنبی : اگر روح سورج، چاند، اور دیگر ستاروں کو چلاتی ہے تو کیا وہ اس میں ہر فرد کو نہیں چلاتی؟

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : اس لیے ہم صرف ایک کا ذکر کریں گے کیونکہ یہی دلیل دوسروں پر بھی صادق آئے گی۔

کلینیاس : کس کا ذکر کریں گے؟

اجنبی : سورج کو سب لوگ دیکھتے ہیں لیکن کوئی بھی نہ صرف اس کی روح بلکہ کسی جاندار یا بے جان اجسام کی روح کو نہیں دیکھتا تاہم اس بات پر یقین رکھنے کے بڑے شواہد موجود ہیں کہ فطرت جس کا حواس میں سے کوئی بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن جو چاروں طرف بکھری ہوئی ہے۔ اس کا ادراک صرف ذہن ہی کرتا ہے۔ لیکن صرف ذہن اور اس کے عکس ہی کے توسط سے ہم مندرجہ ذیل نکتے کو سمجھ لیں۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی : اگر سورج کو روح گردش دیتی ہے تو ہم تین صورتوں میں سے کسی ایک کو تسلیم کریں تو غلطی پر نہیں ہوں گے۔

کلینیاس : وہ کیا صورتیں ہیں؟

اجنبی : روح جو سورج کو ادھر ادھر حرکت دیتی ہے یا تو اس مدوّر اور نظر آنے والے جسم میں ہماری روح کی طرح جو ہمیں متحرک رکھتی ہیں، مقیم ہوتی ہے یا روح خود کے لیے آگ یا ہوا کے ایسے اجسام فراہم کرتی ہے اور ایک جسم سے دوسرے جسم تک تیزی سے حرکت دیتی ہے یا تیسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسے کسی جسم سے محروم ہے مگر کسی غیر معمولی اور حیرت انگیز قوت سے سورج کو متحرک رکھتی ہے۔

کلینیاس : یقیناً ان تینوں صورتوں میں سے روح کسی ایک صورت میں اپنا کام کرتی ہے۔

اجنبی : اور سورج کی یہ روح سورج سے بہتر ہے چاہے وہ سورج کو کسی گاڑی میں چلائے تاکہ انسانوں کو روشنی ملتی رہے یا خارجی طور پر کسی نہ کسی طرح عمل کرے۔ انسان کو چاہیے کہ اسی کو دیوتا تسلیم کرے۔

کلینیاس : جی ہاں ہر انسان کو جس میں ذرا برابر بھی عقل ہے یہ بات تسلیم کرنی چاہیے۔

اجنبی : اور چونکہ ایسی روح یا متعدد ارواح جو ہر طرح کے کمالات سے متصف ہیں۔ ان تمام کے وجود کا باعث ہیں تو یہی روحیں دیوتا ہیں۔ خواہ وہ زندہ ہیں اور اجسام میں قیام پذیر رہ کر افلاک یا وہ جہاں کہیں بھی ہوتی ہیں ان کے تمام معاملات چلانے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اور جو شخص اس حقیقت کو مانتا ہے کیا یہ انکار کر سکتا ہے کہ ہر شے کے دیوتا ہی دیوتا ہوتے ہیں؟

کلینیاس: ایسا پاگل بھلا کون ہو سکتا ہے۔

اجنبی : کلینیاس اور مجی لس آیئے اب ہم ان لوگوں سے شرائط طے کر کے اس بحث کا خاتمہ کریں جو دیوتاؤں کے وجود کے منکر ہیں۔

کلینیاس : کیسی شرائط۔

اجنبی : یا تو وہ ہمیں یہ بتادے کہ ہمارا یہ کہنا اور اس ضمن کی تمام دلیلیں غلط ہیں کہ ہر شے کا مبدا روح ہے۔ اور اگر وہ کوئی بات اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا ہے تو اسے ہماری بات مان لینی چاہیے اور اپنی بقیہ

زندگی اس عقیدے کے تحت گزارے کہ دیوتا موجود ہیں اور یہ بھی کہ وہ انسانی امور پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ اے بہترین انسانو! یہ مان کر کہ دیوتا موجود ہیں آپ میں ان کی مشابہت پیدا ہو چکی ہے۔ جو آپ کو اپنے جیسوں کی طرف کھینچتی ہے اور آپ ان کی تکریم کرتے ہیں اور ان پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن یہ کردار اور گناہ گار لوگوں کے نجی اور عام نوعیت کے امور جو دراصل خوشیوں کا باعث نہیں ہوتے مگر انسان انھیں غلطی سے پر مسرت مانتے ہیں اور شاعر اور نثر نگار دونوں ہی ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں جو آپ کو فطری پاکیزگی سے دور کر دیتے ہیں۔ غالباً آپ نے دیکھا ہوگا کہ گناہ سے آلودہ افراد عمر رسیدہ بھی ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کے بچوں تک کو اعلیٰ عہدوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ان کی خوشحالی دیکھ کر آپ کا ایمان ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔ آپ ان کی بڑی بڑی بداعمالیوں کو جانتے ہوں گے، سن رکھا ہوگا یا ان کے چشم دید گواہ ہوں گے اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ یہ بڑے بڑے بدکردار کس طرح معمولی انسان سے فرمانروائی اور عظمت کے اونچے میناروں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ یہ نہیں چاہتے کہ اس کا الزام دیوتاؤں کے سر ڈالا جائے کیوں وہ آپ کے اقربا ہوتے ہیں۔ اس لیے قوت استدلال کی کمی اور ان کی خامیوں کی نشاندہی پر راضی نہ ہونے کے سبب آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ان کا وجود ہے اور انھیں انسانی امور کا نہ خیال ہے اور نہ ہی کوئی فکر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا یہ خیالِ خام مزید بڑی بداعمالیوں کا سبب بن جائے اور یہ کہ ہم جہاں تک ہو سکے ایسے دلائل پیش کریں جو بدی کے تصور کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی دفع کر دیں۔ ہم اپنی پہلے سے پیش کی ہوئی دلیل کے علاوہ ایک اور دلیل کا اضافہ اس کے لیے کریں گے جو اب بھی دیوتاؤں کے وجود کا منکر ہے۔ مجی لس اور کلینیاس کیا آپ پہلے کی طرح اب بھی نوجوان کی طرف سے اس کا جواب دیں گے اور اگر آپ کوئی رکاوٹ محسوس کریں تو میں الفاظ آپ کے منھ سے چھین کر آپ کو اسی طرح دریا پار لے جاؤں گا جس طرح ابھی لے آیا ہوں۔

کلینیاس : بہت خوب۔ آپ وہی کریں جو کہہ رہے ہیں۔ ہم جہاں تک ہو سکا آپ سے تعاون کریں گے۔

اجنبی : ہمیں یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ دیوتا چھوٹی موٹی اشیا کے بھی ہوتے ہیں۔ اور بڑی بڑی اشیا کے بھی۔ کیونکہ ہم نے جو کہا ہے۔ اس نے سنا ہے۔ وہ موجود تھا۔ یہ بھی کہ وہ

سارے کے سارے نہایت عمدہ ہیں اور ہر شے کی دیکھ بھال ان کی فطرت میں شامل ہے۔

کلینیاس : بے شک اس نے یہ سب کچھ سنا ہے۔

اجنبی : آیئے اب ہم مل جل کر اس بات پر غور کریں کہ ہمارا اس نیکی کے بارے میں کیا خیال ہے جس سے ہم ان کو متصف کرتے ہیں۔ یقیناً ہم یہی کہیں گے کہ اعتدال پسندی اور عقل مندی نیکی کا جزو ہے۔ جو بدی کے برعکس ہوتی ہے۔

کلینیاس: اس میں کیا شک ہے۔

اجنبی : جی ہاں۔ اسی طرح ہمت نیکی کا اور بے ہمتی بدی کا جزو ہے۔

کلینیاس: درست ہے۔

اجنبی : ایک اشرف ہے اور دوسری ارذل۔

کلینیاس: یہ بھی سچ ہے۔

اجنبی : اور ایک دوسری حقیر باتوں کی طرح انسانی خصوصیت ہے لیکن اس طرح کسی بات سے دیوتاؤں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

کلینیاس: اس بات کو بھی سب ہی تسلیم کریں گے۔

اجنبی : کیا ہم غفلت، کسالت، اور تعیش کو بھی نیکی شمار کر سکتے ہیں؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

کلینیاس: قطعی نہیں۔

اجنبی : تو کیا ان کا تعلق اس کے برعکس طبقے سے ہے؟

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : اس لیے کہ تضادات بھی برعکس طبقے ہی سے متعلق ہوں گے۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : لیکن کیا ہمیں یہ مان لینا چاہیے کہ جو ان تمام عمدہ خوبیوں کا حامل ہوتا ہے وہ عیش پسند، بے پروا، سست ہوگا جسے شعرا بلا ڈنک والے بھونرے سے تشبیہ دیتے ہیں؟

کلینیاس: یہ موازنہ تو نہایت عادلانہ ہے۔

اجنبی : بھلا یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ دیوتا میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اسے ناپسند ہیں؟ جو

اس طرح کی بات کرتا ہے اسے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرنا چاہیے۔

کلینیاس: جی ہاں بالکل نہیں۔ بھلا وہ یہ بات کس طرح مانتا ہے؟

اجنبی: کیا ہم ایسے انسان کی تعریف وتوصیف میں ہر لحاظ سے غلطی پر نہیں ہیں جس کو کوئی ذمہ داری سپرد کی جاتی ہے مگر اس کی ذہنیت ایسی ہے کہ وہ بڑی باتوں پر توجہ دیتا ہے مگر چھوٹی باتوں پر نہیں؟ ذرا سوچیے جو اس طرح عمل کرتا ہے خواہ وہ دیوتا ہو یا انسان وہ دو میں سے ایک اصول پر کاربند ہوگا۔

کلینیاس: کون سے اصول۔

اجنبی: یا تو وہ یہ سوچتا ہے کہ چھوٹی باتوں کو نظرانداز کرنے سے کل پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ ان پر توجہ نہیں دیتا۔ اس کی اس غفلت کا سبب بے پروائی اور آرام طلبی ہے بھلا اس کی اس غفلت کی کوئی اور بھی توجیہ ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اگر ہر شے کی دیکھ بھال کرنا ان کے بس میں نہ ہو اور وہ چھوٹی بڑی تمام اشیا پر دیوتا یا اس سے کمتر درجے کی مخلوق، قوت یا انتظامی صلاحیت کی کمی کے سبب توجہ نہ دے سکے تو یہ غفلت نہیں کہلائے گی۔

کلینیاس: بلاشک نہیں۔

اجنبی: آیئے اب ان خطا کاروں کی چھان بین کریں جو دونوں ایک ہی طرح اعتراف کرتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک کہتا ہے کہ ان کی دلدہی ہو سکتی ہے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ انھیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی کوئی پروا نہیں۔ ہم یہاں تین ہیں اور وہ دو ہیں اور ہم ان سے کہیں گے کہ آپ دونوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دیوتا سب کچھ دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور جانتے ہیں۔ اور ان سے کوئی شے اوجھل نہیں ہو سکتی جس کا تعلق، حواس اور علم سے ہے۔ آپ یہ مانتے ہیں نا۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی: کیا آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے وہ تمام پاس قوتیں ہیں جو فانی اور لافانی کے پاس ہو سکتی ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔ وہ اسے بھی مان لیں گے۔

اجنبی: اب یہ بات یقینی ہے کہ ہم تین اور وہ دو یعنی پانچوں اعتراف کرتے ہیں کہ وہ نیک اور کامل ہیں۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : لیکن اگر وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہمارا خیال ہے کیا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ وہ غفلت اور کسالت کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے لیے بے عملی، بے ہمتی سے اور لاپروائی، بے عملی اور سستی سے پیدا ہوتی ہے۔

کلینیاس: بالکل سچ ہے۔

اجنبی : اس لیے کوئی بھی دیوتا بے عملی اور لاپرواہی سے کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بے ہمتی نہیں ہوتی۔

کلینیاس: درست۔

اجنبی : اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اگر دیوتا کائنات کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں وہ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں زیب نہیں دیتا کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر توجہ دیں۔ اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے سوائے دانش کی ضد کے؟

کلینیاس: کوئی نہیں ہے۔

اجنبی : آپ کو میں بہترین اور نہایت عمدہ انسانوں میں شمار کرتا ہوں۔ آپ ذرا یہ بتائیے کہ کیا وہ لاپروا اس لیے ہیں کہ وہ ناواقف ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ انھیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یا یہ کہ وہ جانتے ہیں لیکن حقیر ترین انسانوں کی طرح بہترین کو جانتے ہوئے بھی بدترین کا انتخاب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ مسرت اور غم سے متاثر ہو جاتے ہیں؟

کلینیاس: ناممکن ہے۔

اجنبی : کیا تمام انسان روح کی خصوصیات میں شریک نہیں ہیں؟ کیا انسان تمام جانوروں میں سب سے زیادہ مذہبی نہیں ہے؟

کلینیاس: اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔

اجنبی : ہم اس کے بھی معترف ہیں کہ تمام فانی ہستیاں دیوتا کی ملکیت ہیں۔ جو افلاک کا بھی مالک ہے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : اس لیے خواہ کوئی یہ کہے کہ دیوتاؤں کے لیے کچھ اشیا چھوٹی ہیں کچھ بڑی۔ ہر دو صورتوں میں یہ دیوتا ہمارے مالک ہیں اور ہم پر بہترین توجہ دیتے ہیں وہ بہترین مالک ہیں۔ ان کے لیے یہ فطری

امر نہیں ہوگا کہ وہ ہم سے غافل رہیں۔ایک اور بات قابل غور ہے۔

کلینیاس: وہ کیا ہے؟

اجنبی : حواس اور قوت اپنی آسایش اور دشواری کے لحاظ سے ان کا باہمی تناسب معکوس ہوتا ہے۔

کلینیاس: آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی : میرا مطلب یہ ہے کہ بڑی شے کے مقابلے میں چھوٹی شے کو دیکھنے اور سننے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔لیکن چھوٹی اور غیر اہم شے اور بڑی شے کے مقابلے میں ہلانے جلانے اور چلانے میں آسانی ہوتی ہے۔

کلینیاس: اس سے بھی بڑھ کر۔

اجنبی : فرض کیجیے ایک ایسا طبیب ہے جو کسی مریض کے پورے جسم کے علاج کی ذمہ داری لیتا ہے۔لیکن اگر وہ صرف بڑے بڑے اعضا ہی کی طرف توجہ دے تو پورے جسم کا کیا بنے گا۔

کلینیاس: یقیناً یہ اچھی بات نہیں ہے۔

اجنبی : اس سے بہتر ان کا حال نہیں ہو سکتا جو کشتی راں، فوجی افسر، صاحب خانہ، سیاست کار وغیرہ ہوتے ہوئے بھی چھوٹے معاملات کو نظر انداز کریں اور صرف اہم معاملات پر توجہ دیں۔معماروں کا یہ قول یاد رکھیے کہ بڑے پتھر چھوٹے پتھروں کے بغیر مستحکم نہیں ہوتے۔

کلینیاس: جی ہاں بالکل نہیں ہوتے۔

اجنبی : اس لیے ہمیں یہ نہیں چاہیے کہ ہم دیوتا کو انسانی محنت کش سے بھی کمتر تصور کریں جو چھوٹے بڑے ہر کام کو اپنی صلاحیت کے مطابق مکمل کرتے ہیں اور اس کے لیے ایک ہی طرح سے اپنے فن کا استعمال کرتے ہیں یا دیوتا جو عقل کُل ہے اور ہماری طرف توجہ دینے پر راضی بھی ہے اور اس کا اہل ہوتے ہوئے بھی سست اور ناکارہ ہے یا وہ ایسے ہجوم جیسا ہے جو محنت سے جی چراتا ہے اور چھوٹے اور آسان معاملات کو چھوڑ کر صرف بڑی باتوں کو مورد اعتنا سمجھتا ہے۔

کلینیاس: اجنبی! دیوتا کے بارے میں ایسی کوئی بات فرض نہ کریں جو غلط بھی ہو اور غیر مقدس بھی۔

اجنبی : چلیے ہم نے ان لوگوں پر اچھی خاصی بات کر لی ہے جو دیوتاؤں پر غفلت کا الزام لگا کر خوش ہوتے ہیں۔

کلینیاس: جی ہاں۔

اجنبی : اسے ہم نے یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرلیا ہے کہ وہ غلطی پر ہے۔اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اسے تشفی کے چند الفاظ کی ضرورت ہے۔

کلینیاس: آپ کیسی تسلی دینا چاہتے ہیں؟

اجنبی : نوجوانوں سے ہم کہیں گے'' کائنات کے حکمران نے ہر شے کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ وہ جزو کے ساتھ ساتھ کل کو بھی مع اس کی اعلیٰ خوبیوں کے صحیح وسالم حالت میں رکھے اور اسی کی مناسبت سے ان کے انفعال و جذبات کا بھی تعین کیا ہے۔ان کی تفصیلی نگرانی کے لیے ایسے نائبین مقرر کیے گئے ہیں جو چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے لحاظ سے بھی کامل بن چکے ہیں۔اس قسم کی کائنات کا ایک حصہ آپ کی یہ دنیا ہے۔یہ دکھوں کا مارا انسان ہے جو کم ترین حیثیت کے باوصف کُل میں شامل ہے اور آپ کو غالباً یہ احساس نہیں ہے کہ یہ اور اس جیسی تمام تخلیقات کل ہی کے لیے ہیں۔تا کہ کُل کا وجود قائم و دائم رہے۔اور خود آپ کا وجود بھی کُل ہی کے لیے ہے۔کُل آپ کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ ہر معالج اور ہر ماہر کاریگر ہر کام کُل کے لیے کرتا ہے۔اس کی تمام کوششوں کا مرکز و محور مشترکہ مفاد ہوتا ہے۔وہ جزو کو کُل کے لیے تیار کرتا ہے کُل کو جزو کے لیے نہیں۔آپ اس لیے بدمزہ ہوتے ہیں کہ کیونکہ آپ کو یہ علم نہیں ہے کہ جو امور آپ اور کائنات کے لیے مفید ہیں مشترکہ تخلیق کے تحت وہ کس طرح رونما ہوتے ہیں۔جب روح کبھی ایک جسم سے اور کبھی دوسرے سے مل کر خود یا دوسری روح کے زیر اثر طرح طرح کے روپ بدلتی ہے۔اب کھلاڑی کا صرف یہی کام رہ جاتا ہے کہ وہ مہروں کی جگہ تبدیل کرتا رہے۔نیک طینتوں کو نیک مقام پر اور بدترین کو بدترین مقام پر بھیجتا رہے۔اور اس طرح ان کے مناسب مقام کا تعین کرے۔

کلینیاس: کس طرح ؟

اجنبی : اس طرح جس سے دیوتاؤں کو مخلوقات پر توجہ دینے میں آسانی ہو۔اگر کوئی تمام اشیا کو کُل کا لحاظ کیے بغیر بناتا اور سنوارتا ہے۔مثال کے طور پر وہ آگ سے ایسا زندہ وجود تخلیق کرتا ہے جس کا تعلق پانی سے ہے۔باقاعدہ ترتیب کے تحت ایک شے سے متعدد اشیا یا متعدد اشیا سے ایک شے بناتا ہے جو ایک بار، دوبار، سہ بار پیدا ہو کر موجودہ شکل میں آتی ہیں تو یہ تبدیلی لامتناہی ہوگی لیکن دنیا

کے حکمران کا کام اب آسان ہو گیا ہے۔

کلینیاس: کیوں کر؟

اجنبی: میں سمجھتا ہوں جب حکمران نے دیکھا کہ ہمارے افعال میں زندگی موجود ہے اور ان میں بہت نیکیاں اور بدکاریاں ہیں اور یہ کہ جسم و روح اگرچہ دیوتاؤں سے متعلق عام تصورات کے مطابق ازلی اور دائمی نہیں ہیں تاہم ایک بار وجود میں آنے کے بعد وہ لافانی ہو گئیں (کیونکہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی فنا ہو جائے تو ذی حیات کی نسل آگے نہیں چلے گی) اور جب اس نے یہ دیکھا کہ روح کی نیکی ہمیشہ انسانوں کے لیے فطرت کے اصول کے مطابق فائدہ مند ہوتی ہے اور بدی مضرت رساں تو اس نے ان کو اس طرح یکجا کر دیا کہ نیکی ہمیشہ غالب آئے اور ناکامی بدی کا مقدر ہو۔ اور اس نے اشیا کو اس طرح ترتیب دیا کہ ایک قسم کی شے کو اس کے لیے مناسب جگہ ملے۔ لیکن خوبیوں کا حصول اس نے افراد کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اسی لیے ہم میں سے ہر شخص اپنی آرزوؤں، مزاج اور روح کی خصوصیت کے مطابق نشوونما پاتا ہے۔

کلینیاس: شاید بات ایسی ہی ہو۔

اجنبی: یعنی ہر شے جس میں روح ہے وہ تغیر پذیر ہوتی ہے۔ جس میں تبدیلی کا اصول جاگزیں ہوتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ایک ضابطے کے تحت مقررہ تقدیر کے مطابق رونما ہوتی ہے۔ جن مزاجوں میں کم تبدیلیاں آئی ہیں وہ زمین پر رہتے ہیں اور حرکت کم ہوتی ہے۔ لیکن جو زیادہ تبدیلیوں کی زد میں آتے ہیں اور زیادہ گنہگار ہوتے ہیں وہ دلدل میں غرق ہو جاتے ہیں یعنی دوزخ اور اسفل السافلین کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ جس کا نام سنتے ہی انسان کانپنے لگتا ہے اور جس کا خواب وہ زندگی میں اور موت کے بعد بھی دیکھتے ہیں۔ اور روح کو نیکی کی یا بدی کی مقدار اپنی بساط سے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے شدید زیر اثر آ جاتی ہے جب اسے الوہی سعادت کے حصول کے بعد الوہیت کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اسے دوسرے بہتر مقام پر منتقل کر دیا جاتا ہے جو تقدس ہی تقدس ہوتا ہے لیکن جب اس کا رابطہ بدی سے ہوتا ہے تو اپنی زندگی کا مقام بھی بدل لیتی ہے۔ یہی ان دیوتاؤں کا عدل ہے جو اولمپس (Olympus) پہاڑ پر جلوہ افروز ہیں۔

اے نوخیز یا نوجوان انسانوں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ دیوتا انھیں نظر انداز کرتا ہے تو

یاد رکھیے آپ کی حالت بدتر ہو جاتی ہے اور آپ کا واسطہ بھی بدتر روح سے پڑے گا اور اگر آپ بہتر ہوئے تو بہتر روح کے حصے میں آئیں گے اور موت و حیات کے ہر چکر میں آپ اپنے اعمال و افعال کو ایسے ہی اعمال والوں کی طرح بھگتیں گے۔ یہ الوہی عدل ہے جس سے آپ دوسرے بدنصیبوں کو فرار نصیب نہیں ہوگا۔ اور آپ کو وہی کچھ ملے گا جو آپ کو حکمران نے ودیعت کر رکھا ہے۔ آپ ان باتوں کو پورے ہوش و حواس سے سنیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ تو بہت ہی چھوٹی مخلوق ہیں اور زمین کے کسی کونے کھدرے میں دبک جائیں گے یا بلند ہونے کے سبب اُڑ کر آسمان کی وسعتوں میں گم ہو جائیں گے تو یاد رکھیے نہ آپ ننھے منے ہیں نہ بلند ہیں۔ آپ کو یہاں یا دوسری دنیا میں یا کسی خوفناک مقام پر جو آپ کا ٹھکانا ہوگا مناسب سزا بھگتنا ہوگی۔ یہی کچھ ان لوگوں کے بھی نصیب میں ہے جن سے آپ ملے ہیں۔ اور جو بدکاری اور گناہ میں ملوث رہے ہیں۔ اور جو چھوٹے مقام سے اٹھ کر اعلیٰ مناصب تک پہنچے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ وہ مصیبت سے نکل کر مسرت سے دوچار ہوئے ہیں اور ان کے آئندہ اعمال میں آپ کو دیوتاؤں کی غفلت کا عکس نظر آیا۔ اور آپ یہ نہیں سمجھے کہ وہ کائنات کا کارخانہ کس طرح چلا رہے ہیں۔ اور ''کل'' میں ان کا حصہ کیا ہے۔ اور اے حوصلہ مند دآپ یہ سوچتے رہے یہ سب کچھ جاننا آپ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ یاد رکھیے جس کو ان باتوں کا علم نہیں اسے نہ تو زندگی کی خوشیوں اور غموں کا درست احساس ہو سکتا ہے یا وہ ان دونوں مباحث پر معقول باتیں کر سکتا ہے۔ اگر کلینیاس اور ہمارے معزز ساتھی یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ آپ دیوتاؤں کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا علم آپ کو بالکل ہی نہیں ہے۔ اسی صورت میں دیوتا آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔ تاہم اگر آپ اس ضمن میں مزید معلوم کرنا چاہیں تو جو ہم تیسرے مخالف سے کہیں گے اسے آپ پوری توجہ سے سنیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہم نے دیوتاؤں کے وجود کا کافی ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ انسانوں کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ جو دوسرا خیال ہے کہ بدکردار انھیں راضی کر لیتے ہیں اور ان سے نذر و نیاز قبول کرتے ہیں اسے ہم کبھی تسلیم نہ کریں اور دوسروں کو بھی نہیں کرنا چاہیے۔

کلینیاس: بہت خوب۔ آیئے آپ کے کہنے پر عمل کریں۔

اجنبی : تو میں دیوتاؤں کی توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ آپ بتایئے کہ اگر ان کی رضا حاصل کرنی ہے تو اسے کیسے راضی کیا جائے۔ وہ لوگ کون ہیں اور ان کی نیت کیا ہے؟ کیا وہ یقینی طور پر ایسے حکمران نہیں ہیں جن کو تمام ساوی کام مسلسل انجام دینا ہوتا ہے؟

کلینیاس: سچ ہے۔

اجنبی : ان کا موازنہ کس ارضی حکمران سے کیا جاسکتا ہے اور کس کا ان سے؟ چھوٹے میں بڑے کی شبیہ کس طرح نظر آئے گی؟ کیا وہ مقابلے میں دوڑنے والے گھوڑوں کے سوار ہیں۔ یا جہاز ران؟ غالباً ان کا موازنہ فوج کے سالاروں سے کیا جاسکتا ہے یا انھیں معالجوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جو ان امراض کا مقابلے کرتے ہیں جو جسم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یا کاشتکاروں سے جو فصل کی نشوونما پر موسمی اثرات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ یا وہ گلہ بانوں سے بھی مشابہت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ دنیا نیکی اور بدی سے بھری ہوئی ہے۔ بلکہ بدی زیادہ ہے اور نیکی کم۔ اور ہمارے وجود میں ایک ابدی کشمکش جاری رہتی ہے جو اعلیٰ قسم کی چوکسی کی متقاضی ہے۔ اس کشمکش میں بڑے چھوٹے دیوتا ہمارے مددگار ہوتے ہیں اور ہم ان کی ملکیت ہیں۔ ناانصافی، بے ادبی اور کم عقلی میں ہماری تباہی مضمر ہے۔ جب کہ عدل، اعتدال اور دانائی ہماری نجات کے ضامن ہیں۔ اور ثانی الذکر کا مقام دیوتاؤں کی حیات میں ہوتا ہے۔ البتہ اس کی کچھ علامتیں گاہے بگاہے انسان میں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ اس زمین پر ایسے ذی روح بھی سانس لیتے ہیں، ناانصافی جن کی روح میں سمائی ہوئی ہے۔ جنھیں وحشی جانور کے مثل کہا جاسکتا ہے جو اپنے نگہبانوں کی خوشامد کرتا ہے خواہ وہ کتے ہوں یا گلہ بان یا بہترین قسم کے آقا ہوں۔ کیونکہ وہ اسی طرح بدکرداروں کی آواز میں اعلان کرتے ہیں جو خوشامد، دعاؤں اور التجاؤں سے کام نکالتے ہیں اور بڑی بے تکلفی سے اپنا مفاد حاصل کرتے ہیں اور یہ گناہ جسے بددیانتی کہا جاتا ہے اسی قسم کا عارضہ ہے جسے جسمانی لحاظ سے بیماری یا سال یا موسموں میں ہو تو وبا کہا جاتا ہے اور اگر شہروں کے اداروں اور حکومت میں ہو تو وہ ناانصافی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

کلینیاس: بالکل درست ہے۔

اجنبی : اگر وہ لوٹ مار کا مال آپس میں تقسیم کر دیں تو وہ جو یہ کہتے ہیں کہ دیوتا ہمیشہ ناانصافی کرنے والوں

سے نرمی برتتے ہیں سوائے اس بات کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے بھیڑیے اپنے شکار کا ایک ٹکڑا کتوں کے آگے ڈال دیں اور وہ اس نذر سے نرم ہو کر انھیں گلے میں تباہی پھیلانے دیتے ہیں۔ کیا ان کا ایسا ہی استدلال نہیں ہے جو دیوتاؤں کو راضی کر دینے کے قائل ہیں؟

کلینیاس: بالکل ایسا ہی ہے۔

اجنبی: سرپرستوں کے مذکورہ گروہوں میں سے کیا کوئی شخص دیوتاؤں کا موازنہ کرے اور وہ مہمل اور بے سروپا نہ ہو؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ وہ جہاز رانوں کی طرح ہوگا۔ جنھیں شراب کے ایک گھونٹ اور کباب کی خوشبو نے مست کر کے ان کے فرائض سے سبکدوش کر دیا گیا اور اس طرح جہاز بھی غرق ہوا اور ملاحوں کا بیڑا بھی؟

کلینیاس: ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

اجنبی: یقیناً وہ ان سواروں کی طرح نہیں جنھیں رشوت دی جاتی ہے تاکہ وہ کسی اور سوار کو فتح دلا دیں۔

کلینیاس: یہ تو دیوتاؤں کا بڑا ہی خوفناک تصور ہوگا۔

اجنبی: وہ نہ تو فوجی سالاروں کی طرح ہوتے ہیں اور نہ ہی معالجوں یا کاشتکاروں یا گلہ بانوں کی طرح اور کوئی فرد انھیں کتوں سے بھی تشبیہ نہیں دے سکتا جنھیں بھیڑیوں نے خاموش کر دیا ہو۔

کلینیاس: یہ بات تو زبان پر نہیں لانی چاہیے۔

اجنبی: اور کیا یہ سارے دیوتا سرپرستوں کے سرخیل نہیں ہیں اور کیا وہ ہمارے اعلیٰ ترین مفادات کے نگراں نہیں ہیں؟

کلینیاس: جی ہاں۔ وہ سرخیل ہیں۔

اجنبی: کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارے بلند ترین مقاصد کی حفاظت کرتے ہیں اور بہترین سرپرست ہیں وہ اور خوبیوں میں کتوں، کم فضیلت والے انسانوں سے بھی کمتر ہیں۔ جو بے انصاف اور گناہ گار آدمی نذرانہ دے کر عدل سے انحراف کرتے ہیں۔

کلینیاس: یقیناً نہیں۔ ایسا خیال برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو اس عقیدے کا حامل ہو اسے بڑی آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام گناہ گاروں میں سے بدترین ہے۔

اجنبی: اس طرح تین توثیقی عمل ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ دیوتاؤں کا وجود ہے۔ اور یہ کہ وہ انسانوں کی

سرپرستی کرتے ہیں مزید یہ کہ انھیں کبھی ناانصافی پر راضی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان باتوں کو تفصیل سے ثابت کیا جا چکا ہے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا وجود ہے؟

کلینیاس: ہم آپ کے ایک ایک لفظ سے متفق ہیں۔

اجنبی: میں نے یہ باتیں بڑے جوش سے ادا کی ہیں۔ کیونکہ میں بدکرداروں کے سخت خلاف ہوں۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ ایسا کیوں کرتا ہوں۔ چونکہ میرا استدلال افضل ہے اس لیے میں یہ نہیں چاہوں گا کہ بدکردار بھی ایسا ہی خیال کریں۔ وہ جیسا جی میں آئے کریں اور دیوتاؤں کے بارے میں اپنے تصور کے لحاظ سے عمل کریں۔ اسی جوش نے مجھے اتنے جذبے سے بات کرنے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن اگر ہم اس بات پر کامیاب ہوئے ہیں کہ ایسے انسانوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ خود سے نفرت کریں اور ان سے محبت کریں جو ان کے برعکس ہوں۔ اس طرح ہمارے قوانین کی تمہید پر گفتگو رائیگاں نہیں گئی۔

کلینیاس: چلیے ایسا ہوگا اگر بالفرض ہم ناکام بھی ہوئے تو بھی ہمارا طرز استدلال قانون سازوں کے لیے باعث ننگ نہیں ہوگا۔

اجنبی: تمہید کے بعد زبانی اظہار خیال کریں گے جو قانون کی تفسیر ہوگی۔ جو گناہ گاروں سے یہ علانیہ کہے گی کہ وہ اپنی راہ چھوڑ کر نیکی کی راہ اختیار کریں۔ اور جو سرتابی کریں ان کے لیے مندرجہ ذیل قانون ہوگا: اگر کوئی شخص اپنے قول و فعل سے گناہ کا ارتکاب کرے گا تو موقع پر موجود کوئی بھی فرد قانون کی معاونت کرتے ہوئے عدالتی عہدیدار کو مطلع کرے گا اور عدالتی عہدیدار اطلاع ملنے کے بعد اسے قانون کے مطابق مقررہ عدالت میں پیش کرے گا۔ اگر عدالتی عہدیدار اطلاع ملنے کے بعد کوئی اقدام سے انکار کرتا ہے تو اسے قانون کی بالادستی پر یقین رکھنے والا کوئی شخص بھی بدعقیدگی کے جرم میں اس کے خلاف مقدمہ دائر کر سکتا ہے اور جسے مقدمے میں شکست ہوگی، عدالت بدعقیدگی کے ہر جرم کی سزا علیحدہ علیحدہ معین کرے گی۔ اور ہر ایسے مجرم کو قید کر دیا جائے گا عدالت میں تین طرح کے قید خانے قائم ہوں گے۔ ایک کھلے میدان سے متصل عام قیدیوں کے لیے ہو گا۔ دوسرا شبانہ مجلس کے قریب ہوگا جسے ''اصلاح خانہ'' کہا جائے گا۔ تیسرا مملکت کے وسط میں کسی غیر آباد مقام پر ہوگا جسے ایسا نام دیا جائے گا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں قیدی اپنے اعمال کی پاداش

بھٹک رہے ہیں۔ لوگ عموماً تین اسباب سے بدعقیدگی کا شکار ہوتے ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان میں سے ہر سبب دوطرح کی بدعقیدگیوں کا ماخذ بنتا ہے۔ اس طرح ان چھ اقسام کی بدعقیدگیوں میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ ان کے لیے سزائیں بھی مختلف ہوں گی۔ کیونکہ ایک وجہ وہ ہے جو دیوتاؤں پر ایمان نہیں رکھتا لیکن نیک طینت ہے۔ بُرے لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ ناانصاف کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے اجتناب برتتا ہے۔ اور بدکرداروں کی صحبت سے گریزاں رہتا ہے اور نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دنیا دیوتاؤں سے خالی ہے اور بے اعتدال ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے حافظے اور حاضر جواب ہیں وہ بدترین ہوتے ہیں۔ اگرچہ دونوں ہی بتوں کے وجود کے منکر ہیں لیکن پہلے کے مقابلے میں دوسرا زیادہ نقصان رساں ہے۔ بتوں، قربانیوں، حلفوں، کے بارے میں بے پرکی اڑاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اگر انھیں سزا نہ دی جائے تو وہ دوسروں کی ہنسی اڑا کر انھیں ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن دوسرا جو اسی عقیدہ کا حامل ہے دھوکا اور فریب جس کی رگ و پے میں سمایا ہوا سے ہوشیار کہا جاتا ہے۔ اس قبیل کے لوگ پیش گوئی اور کرتب دکھانے کے ماہر ہوتے ہیں اکثر جابر و قاہر، اوتار، فوجی سالار، پُر اسرار مذہبی گروہوں کے پیشوا اور پیشہ ورانہ اساتذہ ان ہی کی صفوں سے پیدا ہوتے ہیں جن کا جرم ایسا ہے کہ انھیں بار بار موت کی سزا دی جانی چاہیے۔ لیکن دیگر ایسے ہی افراد کو قید و بند کی سزا کافی ہوگی۔ اس نہج پر یہ تصور کہ دیوتا انسانوں کا خیال نہیں رکھتے دو قسم کے جرائم کو جنم دیتا ہے اور اس خیال سے کہ انھیں راضی کیا جا سکتا ہے مزید دو جرائم سر اٹھاتے ہیں۔ اس تقسیم در تقسیم کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان لوگوں کو جو کسی بغض یا بدنیتی کے سبب نہیں بلکہ اپنی کم عقلی سے موجودہ سوچ کے قائل ہیں عدالت کو چاہیے کہ ایسے افراد کو اصلاح خانے میں بھیج دے اور کم از کم پانچ سال کے لیے وہاں قید کر دے۔ اس دوران انھیں کسی دوسرے شہری سے ملاقات کی اجازت نہیں ہوگی۔ البتہ ان سے شبانہ انجمن کے اراکین ملاقات کر سکتے ہیں۔ جس کا مقصد ان کی روحانی صحت کی بحالی ہوگا۔ اور قید کی مدت کے خاتمے کے بعد اگر اس کی دماغی صحت ٹھیک ہے تو اسے معاشرے میں شامل کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ دوبارہ یہی جرم کریں گے تو انھیں موت کی سزا دی جائے گی۔ جہاں تک ایسے انسانیت سوز گروہ کا تعلق ہے جن کا نہ

صرف یہ عقیدہ ہے کہ دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہے یا یہ کہ وہ غفلت کا شکار ہیں۔ یا ان کو نذر رندرانے سے راضی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن انسان سے حقارت آمیز سلوک کے سبب وہ روح کو مسحور کر دیتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ مردوں کو خوش کر سکتے ہیں۔ اور دیوتاؤں پر قربانیوں اور نذر و نیاز کے ذریعے اثر ڈال سکتے ہیں۔ اور لوگوں کیا بلکہ خاندان کے خاندان اور پوری ریاست کو افراتفری میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ جو کوئی ان جرائم کا مرتکب ہوتا ہے عدالت کو چاہیے کہ وہ ان کو ان کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مرکزی قید خانے میں قید کر دے۔ جہاں کسی آزاد شہری کو ان سے رابطے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ سرکاری غلاموں کے ہاتھوں سے قانون کی طرف سے مقرر کردہ غذائی سامان حاصل کریں گے اور موت کی صورت میں اس کی لاش کو بے گور و کفن ملک کی سرحد کے باہر پھینک دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی آزاد شہری اس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے تو اسے بدعقیدگی کی سزا اس صورت میں ملے گی جب کوئی فرد ان کے خلاف استغاثہ کرے گا۔ لیکن اگر اس کی اولاد ہے جنھیں شہریت کا حق حاصل ہے تو یتیموں کو دیگر یتیموں کی طرح ان کے والد کی سزا کے دن سے یتیموں کی نگہداشت کرنے والوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ان تمام معاملات کے لیے صرف ایک ہی قانون کافی ہوگا جس سے لوگ قول و فعل کے ذریعے اس حماقت اور قانون شکنی سے احتراز کریں گے کیونکہ انھیں خلاف قانون مذہبی رسومات پر عمل کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے لیے سیدھا سادہ سا قانون ہوگا کہ:

کوئی شخص کسی نجی مکان میں کوئی مذہبی رسم ادا نہیں کرے گا۔ قربانی کرے گا تو مندر جا کر اسے پجاریوں اور پجارنوں کے حوالے کرے گا۔ جو اس کے تقدس کا خیال رکھیں گے اور خود دعا کرے گا البتہ جو چاہے وہ اس دعا میں شریک ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوتا اور ان مندروں کا قیام کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس کو صحیح طریقے سے چلانا اور قائم رکھنا بڑے عاقل و دانا کا کام ہے۔ خصوصاً خواتین اور مرد بھی بیمار ہوں، خطرے میں ہوں، مصائب میں مبتلا ہوں یا خوش بختی حاصل ہوئی ہو۔ تو اس موقع کو تقدیس عطا کرنے، قربانی دینے، اور دیوتاؤں اوتاروں اور ان کے بیٹوں کے لیے مندر تعمیر کریں۔ جب خوفناک تصورات، خواب، اور خیالات سے ان کی نیند اچاٹ ہو جائے یا ایسے خواب یاد آئیں تو ان کے علاج کے لیے انھیں قربان گاہوں

یا مندروں سے رجوع کرنا چاہیے۔ ان دواؤں کو وہ گاؤں اور شہر کے گھر گھر پہنچائیں اور کھلی ہوا میں جہاں ایسے خواب نظر آئیں رکھیں۔ ان تمام معاملات کے حل کے لیے قانون کی پابندی ضروری ہے۔ قانون گناہ گاروں کو یہ موقع نہیں دے گا کہ وہ سوچیں بھی کہ نجی گھروں میں عبادت گاہیں اور قربان گاہیں بنا کر اور چھپ چھپا کر عبادت کر کے وہ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے گناہوں میں کئی گنا اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح آسمانی عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ جو ان کے لیے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی جو ان سے صرف نظر کرتے ہیں یا ان سے کہیں نیک دل اور بہتر ہوتے ہیں۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ ساری مملکت کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ایک لحاظ سے جس کی وہ اہل بن جاتی ہے۔ یقیناً دیوتا اس کا ذمہ دار اس قانون ساز کو نہیں گردانے گا جو قانون بنائے گا کہ:

کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نجی گھر میں دیوتا کا مندر تعمیر کرے۔ اور کوئی ایسا کرے گا اور ایسی مذہبی رسوم ادا کرے گا جس کی اجازت نہیں ہے اور ایسا مرد یا ایسی عورت وہ ہے جس نے کوئی بڑا گناہ نہ کیا ہو تو کوئی ایسا شخص انھیں مطلع کرے گا اور قانون کے نگرانوں کو بھی یہ خبر پہنچائے گا جو یہ حکم نافذ کریں گے کہ ایسے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی نجی رسوم عام مندروں میں ادا کرے اور سارا سامان وہیں پہنچا دے۔ اور اگر وہ قائل نہیں ہوتے تو جب تک وہ تسلیم نہ کرلیں انھیں سزا اور جرمانہ کیا جائے گا۔ اور کسی پر بدعقیدگی کا جرم ثابت ہو جائے اور وہ بچہ نہ ہو جس نے شرارتاً ایسا کیا ہے۔ اور بالغ آدمی ہو اور جس نے نجی جگہ پر یا عام مقام پر یہ رسوم ادا کی ہوں وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ جسے موت کی سزا ملے گی۔ یہ جرم سنجیدگی سے کیا گیا ہے یا شرارت سے، اس کا فیصلہ مجرم کو عدالت میں لانے اور مقدمہ چلانے سے قبل قانون کے نگران کریں گے۔

☆☆☆

گیارھویں کتاب

اب باری آ گئی ہے کہ افراد کے باہمی معاملات کی مناسب ترتیب پر توجہ دی جائے۔ ان کا اصول بہت سیدھا سادہ سا ہے کہ:

آپ جہاں تک ممکن ہے میری کسی شے کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ یا میری اجازت کے بغیر میری کسی چھوٹی سے چھوٹی شے کو بھی اس کی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے اور میں بقائمی ہوش وحواس دوسروں سے وہی برتاؤ کروں گا جو وہ میرے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم دفینے کی یافت کی بات کریں گے۔ میں کبھی دیوتاؤں کے حضور یہ دعائیں مانگوں گا کہ مجھے کوئی چھپا ہوا خزانہ مل جائے۔ جسے کسی اور نے خود اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے جمع کیا ہے اور وہ میرے اجداد میں سے نہیں ہے۔ اگر ایسا دفینہ مجھے مل جائے تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں۔ میں کبھی ان لوگوں سے رابطہ نہ کروں جو غیب داں ہوتے ہیں اور جو مجھے کسی نہ کسی طرح یہ مشورہ دیں کہ دفینہ زمین کی ملکیت ہے اسے حاصل کرلو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس طرح مجھے جو دولت ملے گی وہ اس روحانی عدل اور نیکی کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ جو مجھے انکار سے حاصل ہوگی اور یہ میرے لیے دوسری دولت سے زیادہ قیمتی ہوگی۔ کیونکہ روحانی عدل کا حصول دنیاوی دولت کے حصول سے افضل ہوتا ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ یہ کتنی سچی بات کہی گئی ہے کہ ''غیر منقولہ کو منقولہ نہ بناؤ اور ہمارے لیے بہتر ہوگا کہ ہم اس دیرینہ روایت کی پاسداری کریں ایسے کام انسان کو بال بچوں سے فارغ کر دیتے ہیں۔ وہ شخص جو بال بچے پیدا کرنے سے غافل اور قانون سازوں سے بے پروا ہے۔ ایسی دولت جسے نہ خود اس نے جمع کیا نہ ہی اس کے اجداد نے، اس کے جمع کرنے والے کی اجازت کے بغیر حاصل کرتا ہے تو وہ سب سے سادہ اور عمدہ قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے جسے کسی کمتر انسان نے وضع نہیں کیا تھا کہ:

"اس شے کو نہ اٹھاؤ جسے تم نے نہیں رکھا ہے"۔

ایسے آدمی کے بارے میں یہی کہوں گا کہ جو ان دونوں قانون سازوں سے نفرت کرتا ہے اور وہ چھوٹی سی چیز نہیں بلکہ ایک بڑا خزانہ اٹھا لیتا ہے جسے اس نے نہیں رکھا ہے تو وہ دیوتاؤں کے کسی عذاب کا مستحق ہوگا اس کا علم ان ہی کو ہو سکتا ہے لیکن میں تو چاہوں گا کہ وقوعہ دیکھنے والا پہلا شخص جا کر شہر کی صورت میں شہر کے، کھلے میدان کی صورت میں وہاں کے اور گاؤں کی صورت میں گاؤں کے نگران اور سالار کو اس کی اطلاع دے گا۔ اطلاع پاتے ہی وہ ڈیلفی سے مدد چاہے گا اور رقم اور رقم نکالنے والے کے بارے میں دیوتا کے جواب کے بعد پجاری کے کہنے پر عمل کرے گا اگر اطلاع دینے والا آزاد شہری ہے، اس کے اس درست فعل پر اعزاز ملے گا اور اطلاع نہ دینے والے کی غلط کاری کی بنا پر تحقیر کی جائے گی اور اگر اطلاع دینے والا غلام ہو، حکومت اس کے آقا کو رقم دے کر آزاد کرائے گی یہی اس کے اچھے کام کا انعام ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ مطلع نہ کرے گا تو اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد اسی قسم کا ایک اور قانون بڑی، چھوٹی ہر بات پر یکساں نافذ ہوگا۔ اگر کوئی شخص ارادی یا غیر ارادی طور پر کچھ ملکیت چھوڑ کر فوت ہوتا ہے۔ جو بھی اس کا وارث بنے گا اسے اپنے قبضے میں اس خیال سے رہنے دے کہ یہ تمام اشیا رسوم کی دیوی کی حفاظت میں ہوتی ہیں اور قانوناً اسی ہستی سے منسوب ہوتی ہیں لیکن اگر کوئی فرد اس قانون سے سرتابی کرتا ہے اور املاک کو اپنے ساتھ گھر لے جاتا ہے اور اگر یہ اشیا بہت معمولی ہیں اور لے جانے والا غلام ہے تو اسے وہ شخص کئی کوڑے مارے جس کی عمر تیس برس سے کم نہ ہو۔ اور اگر لے جانے والا آزاد شہری ہے تو اسے نہ صرف حقیر اور قانون سے متنفر سمجھا جائے گا بلکہ اسے اس خزانے کی اصل قیمت کا دس گنا ادا کرنا ہوگا جو اس نے اٹھائی ہے اور اگر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر کوئی شے اٹھانے کا الزام لگاتا ہے جو خود اس کی اپنی ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس کے پاس ہے لیکن انکار کرتا ہے کہ وہ دوسرے کی ملکیت ہے تو اگر وہ ملکیت عدالتی عہدیدار کے ہاں قانوناً درج ہے تو مدعی اس کے قابض کو بلائے گا جو اس ملکیت کو عدالت میں پیش کر دے گا۔ اس صورت میں عدالت اس فریق مقدمہ کے حق میں فیصلہ دے گی جس کے نام وہ ملکیت درج ہے اور وہ اسے گھر لے جائے گا۔ لیکن اگر یہ ملکیت کسی ایسے شخص کے نام درج ہے جو موجود نہیں ہے تو جو کوئی بھی

غیر حاضر شخص کی طرف سے یہ ضمانت مہیا کرے گا وہ ملکیت کو اس کے حوالے کر دے گا، وہ دوسرے کے نمائندے کی حیثیت سے اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ لیکن اگر ملکیت ایسی ہے جو عدالتی عہدیدار کے پاس درج نہیں ہے تو وہ مقدمے کے فیصلے تک عدالت کے پاس رہے گی جو تین بزرگ ترین عدالتی عہدیداروں پر مشتمل ہوگی اور اگر وہ ملکیت کوئی جانور ہے جو عدالت کی تحویل میں ہے تو جو مقدمہ ہارے گا اسے عدالت کو اس جانور کے چارے اور نگہداشت کا خرچ بھی ادا کرنا ہوگا۔ عدالت ایسے مقدمے کو تین دن میں طے کرنے کی پابند ہوگی۔

کوئی بھی صحیح الدماغ شخص اپنے غلام کو گرفتار کر سکتا ہے اور قانونی حدود میں رہ کر اسے جو سزا چاہے دے سکتا ہے اور وہ اپنے کسی دوست یا عزیز کے مفرور غلام کو حفاظت کے خیال سے اپنی تحویل میں رکھ سکتا ہے اور کوئی شخص کسی آدمی کو لے کر چھین لیتا ہے جسے کوئی دوسرا غلام سمجھ کر اسے آزادی دلانے کے خیال سے لے جا رہا ہو تو لے جانے والا شخص اسے جانے دے گا۔ لیکن جو شخص اسے لے جا رہا تھا اسے تین اطمینان بخش ضمانتیں مہیا کرنی ہوں گی۔ لیکن اگر وہ اسے کسی اور طریقے سے لے جائے گا تو اس پر تشدد کا الزام لگایا جائے اور جرم ثابت ہونے کی صورت میں غلام کے آقا کو مطلوبہ ہرجانے سے دوگنا ملے گا اگر کوئی شخص اس شخص کی عزت و تکریم نہیں کرتا جس نے اسے آزاد کرایا ہے تو اسے ایسے آزاد شہری کو اٹھا لے جانے کی اجازت ہوگی۔ عزت و تکریم کی شرط یہ ہوگی کہ غلطی کرنے والا آزاد شہری اسے آزادی دلانے والے شخص کے گھر مہینے میں تین بار جائے گا اور اس کا ہر کام کرنے کی پیشکش کرے گا۔ جو اس کے بس کا ہوگا اور وہ آزادی دلانے والے شخص کی مرضی سے اپنی شادی بھی کرے گا۔ وہ آزادی دلانے والے شخص کی ملکیت سے زیادہ جائیداد کا مالک بھی نہیں بنے گا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آقا کی ملکیت میں رہے گا۔ آزاد شہری مملکت میں بیس سال سے زیادہ قیام نہیں کرے گا لیکن دیگر تمام غیر ملکیوں کی طرح اپنی تمام املاک کے ساتھ ملک چھوڑ کر چلا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ عدالت اور اس کا آقا اسے قیام کی اجازت دے۔ اگر کسی آزاد شہری یا غیر ملکی باشندے کے پاس تیسرے درجے کی مردم شماری سے زیادہ کی ملکیت ہے۔ تو مقدمہ کے فیصلے کے تیس روز بعد وہ اپنی ملکیت لے کر چلا جائے گا اور اسے ملک میں مزید قیام کی اجازت نہیں ہوگی۔ کوئی اس قانون

کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس پر مقدمہ چلتا ہے اور سزا ہوتی ہے تو اسے موت کی سزا دی جائے گی اور جائیداد ضبط ہو جائے گی۔ اس قسم کے مقدمے پورے قبیلے کی موجودگی میں چلائے جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا اگر مدعی اور مدعا علیہ اپنے ہمسایوں یا اپنے منتخب منصفین سے تصفیہ کرا لیں۔ اگر کوئی شخص کسی جانور یا کسی اور شے کی ملکیت کا دعویدار ہو تو وہ اسے یہ معاملہ بیچنے والے یا کسی قابل اعتماد فرد تک لے جائے گا، اس نے یہ ملکیت کسی جائز طریقے سے اس کے حوالے کی ہے۔ اگر وہ کوئی شہری یا عارضی طور پر مقیم فرد ہے تو وہ تیس دن میں یا اگر وہ ملکیت کسی غیر ملکی سے حاصل کی ہے تو اسے پانچ ماہ میں حوالے کرے گا جس کا درمیانی ماہ میں راس جدی یا راس سرطان ہو۔ سامان کی خرید و فروخت کی صورت میں ایک سامان دے گا اور دوسرا اس کے دام۔ یہ سودا کھلے میدان میں ہوگا۔ کسی اور جگہ نہیں اور نہ ہی سودا قرض پر ہوگا۔ اگر کسی اور طریقے سے اور کسی اور جگہ اشیا کا تبادلہ ہوگا یا لین دین قرض پر ہوگا تو اسے یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ایسی تجارت کو کسی قسم کا قانونی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ جہاں تک چندے کا تعلق ہے تو ہر شخص اپنے دوست سے لے سکتا ہے۔ لیکن اگر اس ضمن میں کوئی قضیہ کھڑا ہو جائے تو اسے یہ خیال رکھنا ہوگا کہ وہ ہر طرح کے قانونی تحفظ سے محروم ہے۔ جو شخص پچاس نقرئی سکوں کی خرید و فروخت کرتا ہے اسے شہر میں دس روز قیام کرنا ہوگا اور خریدار کو بیچنے والے کے گھر کا پتا دے دیا جائے گا تا کہ ایسے معاملات میں پیدا ہونے والے الزامات کو قانونی لحاظ سے بحال کیا جائے جو مندرجہ ذیل طریقے سے تکمیل پذیر ہوگا۔ اگر کوئی ایسے غلام کو فروخت کرتا ہے جو تپ دق یا گردے کی پتھری یا مسلسل البول یا مرگی یا اسی طرح کے کسی شدید جسمانی یا دماغی مرض میں مبتلا ہو جس کا عام لوگوں کو پتا نہ چل سکے، اگر خریدار کوئی معالج یا غلاموں کی تربیت کرنے والا ہوا تو اسے کوئی ہرجانہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر بیچنے والے نے سودا کرتے وقت ان خرابیوں کا ذکر کر دیا ہو تو اس صورت میں بھی ہرجانے کا حق نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کوئی ہنرمند شخص کسی ایسے آدمی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے جو غیر ہنرمند ہے تو خریدار چھ ماہ کے اندر وہ سودا واپس کرنے کے لیے درخواست کر سکتا ہے۔ البتہ مرگی کی صورت میں اس درخواست کی مدت ایک سال ہو سکتی ہے۔ ان امراض کا فیصلہ ایسے معالج کریں گے جن پر فریقین متفق ہوں اور اگر مدعا علیہ مقدمہ ہارتا ہے تو وہ جس قیمت پر اس نے فروخت کیا ہے اس سے دوگنی

قیمت ادا کرے گا اگر کوئی غیر سرکاری شخص کسی غیر سرکاری شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو اسے سودے کی واپسی کا حق ہوگا جس کا فیصلہ مذکورہ طریقے سے ہوگا۔ لیکن مدعا علیہ فیصلے کی صورت میں غلام کی قیمت خرید ہی ادا کرے گا۔ اگر کوئی آدمی کسی قاتل کو فروخت کرتا ہے اور یہ بات دونوں کے علم میں ہے تو اس معاملے میں سودے کی واپسی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس سے لاعلم ہے تو سودے کی واپسی کا حق اسے اس وقت حاصل ہوگا جب اسے یہ بات معلوم ہو جائے اور اس کا فیصلہ قانون کے پانچ کم عمر ترین عہدیدار کریں گے اور اگر یہ فیصلہ ہو کہ بیچنے والے کو اس حقیقت کا علم تھا تو وہ خریدار کے مکان کی تطہیر قانون کے مفسرین کی رائے کے مطابق کرے گا۔ اور قیمت خرید کا تین گنا ادا کرے گا۔

اگر کوئی فرد رقم کے بدلے رقم یا ذی روح یا غیر ذی روح شے کے بدلے شے کا تبادلہ کرتا ہے۔ تو وہ یہ اشیا اصل اور خالص ہوں گی جس کی قانون اجازت دیتا ہے۔ آیئے اب ذرا ہر قسم کی شرارت اور دھوکے کے بارے میں دیگر قوانین کی طرح تمہید باندھیں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ ملاوٹ کو بھی جھوٹ اور دھوکے ہی کے زمرے میں شمار کرے، جن کے بارے میں متعدد افراد یہ کہنے کے شوقین ہیں کہ مناسب موقع و محل کے اعتبار سے ان کا استعمال جائز ہے۔ لیکن وہ اس کے لیے وقت اور مقام کا نہ تعین کرتے ہیں اور نہ ہی فیصلہ اور ان کے الفاظ میں اس کی وضاحت نہ ہونے کے سبب خود ان کو اور دوسروں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لیے قانون ساز کو چاہیے کہ وہ اس معاملے کو غیر طے شدہ نہ رکھیں۔

انھیں چاہیے کہ وہ کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کوئی نہ کوئی حد ضرور متعین کر دے۔ اس کے لیے یہی قاعدہ ہونا چاہیے کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ جب وہ کوئی غلطی، فریب، بددیانتی پر مبنی کوئی کام کرتا ہے تو دیوتاؤں کو بطور گواہ طلب کرے۔ اس طرح وہ ان کے لیے انسانوں میں سب زیادہ لائق نفریں ہوگا۔ ان کی نظر میں وہ شخص سب سے زیادہ ملعون ہے جو جھوٹی قسم اٹھاتا ہے اور دیوتاؤں کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اس کے بعد کا درجہ اس کا ہے جو بزرگوں کے حضور جھوٹ بولتا ہے۔ اسی لیے بدترین لوگوں کے بزرگ بہترین ہوتے ہیں اور عام طور پر نوجوانوں سے برتر معمر لوگ ہوتے ہیں۔ اسی کلیہ کے مطابق والدین اپنی اولاد سے، مرد، خواتین اور بچوں

سے اور حاکم رعایا سے برتر ہوتے ہیں۔ مردوں کو چاہیے کہ وہ صاحب اختیار خصوصاً سرکاری عہدیداروں کی عزت وتوقیر کریں۔ میری ان باتوں کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ جو کوئی بھی کھلے میدان کے کاروبار میں ملاوٹ کا مرتکب ہوتا ہے وہ دراصل جھوٹ بولتا ہے۔ دھوکا دیتا ہے اور جب وہ کھلے میدان کے نگرانوں کے کہنے اور رواج کے مطابق دیوتاؤں سے توفیق کا طالب ہوتا ہے تو دراصل ایسا کرتے ہوئے اس کے دل میں نہ دیوتاؤں کی عزت ہوتی ہے نہ انسانوں کی یقیناً یہ نہایت عمدہ ضابطہ ہے کہ بتوں کے نام کو عام لوگوں کی طرح رسوانہ کیا جائے جن کو اپنے دینی امور میں نہ تقدس کا لحاظ ہوتا ہے نہ خلوص کا۔ لیکن اگر انسان ان باتوں کی پروانہیں کرتا تو اس کے لیے ایک قانون وضع کرنا ہوگا کہ:

جو کوئی بھی کھلے میدان کے بازار میں کوئی شے فروخت کرتا ہے اس کی وہ دو قیمتیں نہیں بتائے گا بلکہ صرف ایک قیمت ہی بتائے گا اور اگر یہ قیمت اسے نہیں ملتی تو وہ اپنا سودا بازار سے اٹھا لے گا اور اس روز وہ اس کی قیمت میں کوئی کمی بیشی نہیں کرے گا۔ اور نہ تو کسی سودے کی تعریف کی جائے گی اور نہ ہی اس کے لیے قسمیں اٹھائی جائیں گی۔ اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو موقع پر حاضر کوئی بھی کم از کم تیس برس کے شہری کو اختیار ہوگا کہ وہ غلط قسم اٹھانے والے کو بے خوف ہو کر بُرا بھلا کہے اور زدوکوب بھی کرے۔ لیکن اگر کوئی فرد قانون کو نظر انداز کرتا ہے تو اس پر قانون کی خلاف ورزی کا جرم عائد ہوگا۔ اگر کوئی شخص ملاوٹ کیا ہوا مال فروخت کرتا ہے اور قانون کی پروانہیں کرتا تو جو اس سے واقف ہے اور ثبوت بھی فراہم کر سکتا ہے اور عدالت میں ثابت بھی کر دیتا ہے تو اگر وہ غلام یا عارضی طور پر مقیم ہے تو ملاوٹ والا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ شہری ہے اور اس الزام پر کوئی کارروائی نہیں کرتا تو اسے بدکردار کہا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کھلے میدان کے دیوتاؤں پر ڈاکا ڈالا ہے اور اگر وہ جرم ثابت کر دیتا ہے تو وہ یہ تمام مال دیوتاؤں کی نذر کر دے گا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی نے ملاوٹ والا مال فروخت کیا ہے تو اس کا مال ضبط کرنے کے علاوہ اسے فی نقرئی سکہ ایک کوڑا کے حساب سے کوڑے لگائے جائیں گے اور نقیب کھلے میدان میں اس جرم کا اعلان کرے گا جس کے سبب کوڑے لگائے جارہے ہیں۔ کھلے میدان کے بازار کے نگران اور قانون کے نگہبان تجربہ کار لوگوں سے ایسے افراد کے

بارے میں معلومات اکٹھی کریں گے جو ملاوٹ کا مال فروخت کر کے بدکرداری کے مرتکب ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں یہ تحریر کریں گے کہ تاجر کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں اور کھلے میدان کے نگرانوں کی عدالت کے سامنے ایک ستون پر ان ضوابط کو لکھ دیا جائے گا تا کہ اس بازار میں آنے والے سوداگروں کے لیے ہدایت ہو۔ شہر کے نگرانوں کے بارے میں اس سے قبل کافی باتیں ہو چکی ہیں۔ تاہم اگر کچھ باتیں رہ گئی ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ قانون کے نگہبانوں سے رابطہ کریں اور دفتر سے متعلق تمام ابتدائی اور ثانوی ضوابط شہر کے نگرانوں کی عدالت کے سامنے ایک ستون پر تحریر کر دیں۔ جس میں جو باتیں رہ گئی تھیں وہ بھی درج ہوں۔

ملاوٹ سے متعلق قوانین کے بعد فطری طور پر خوردہ تجارت کی باری آتی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم مشورے اور دلیل پر چند باتیں کریں گے۔ اس کے بعد قانون کا ذکر ہوگا۔ کسی شہر میں خوردہ تجارت کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ کیا وہ شخص ہمارا محسن نہیں ہے جو مالِ تجارت کو جن میں نہ یکسانیت ہوتی ہے نہ باہی تطابق ایک طرح کی یکسانیت پیدا کرتا ہے اور ایک وزن میں لے آتا ہے؟ یہ کام رقم کی قوت سے انجام پاتا ہے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ تاجر کا یہی فرض ہوتا ہے۔ مزدور اور اشیائے خورد و نوش کے دکاندار اور اسی طرح دیگر کاروبار والوں کا کم و بیش یہی مقصد ہوتا ہے۔ وہ ہماری روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور ہمارے ملکیت میں مساوات کے قیام کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ آیئے اب ہم اس امر پر غور کریں کہ وہ کیا وجہ ہے کہ خوردہ تجارت بدنام ہوگئی ہے اور اس کے حقیر اور بے فائدہ ہونے کا کیا سبب ہے تا کہ اس خرابی کا کلی نہ سہی جزوی علاج قانون کے ذریعے کریں۔ اس کی کامیابی کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے بہت زیادہ نیک چلنی کی ضرورت ہے۔

کلینیاس: آپ کا مطلب کیا ہے؟

اجنبی: میرے عزیز کلینیاس! ایسے لوگوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ بہت کم ایسے ہیں جو فطری طور پر لائق یا تربیت یافتہ یا تعلیم یافتہ ہوں۔ جو احتیاج اور آرزو کے طوفان میں بہہ کر زندہ رہتے ہیں، اعتدال سے کام لیتے ہیں اور جب دولت ان کے ہاتھ آ جاتی ہے تو وہ ان کی آرزوؤں میں سنجیدگی آ جاتی ہے اور وہ معمولی نفع کو بڑے منافع پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی بیشتر تعداد کا رویہ اس

کے برعکس ہوتا ہے۔ان کی آرزوؤں کی کوئی حد نہیں ہوتی اور معمولی منافع کے موقع پر بھی وہ بے حدوحساب منافع کو پسند کرتے ہیں۔ان سب کا تعلق خوردہ فروشی اور مالِ تجارت، خوردونوش کی دکانوں سے ہوتا ہے جنھیں قابل ملامت اور حقیر اشیا میں شمار کیا جاتا ہے۔کیونکہ اگر ہم ایسے کام پر مجبور کریں جو میرے خیال میں جس پر لوگ ہنسیں گے اور جو ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا وہ تجویز یہ ہے کہ ہر جگہ اچھے اور نیک لوگ کچھ عرصے کے لیے اشیائے خوردونوش کا کاروبار کریں۔ خوردہ فروشی یا اسی طرح کوئی اور تجارت کریں۔یا اگر حالات کی مجبوری کے تحت نیک خواتین کو موقع ملے تو وہ بھی یہ کام کریں۔اس کے بعد یہ تاثر ابھرے گا کہ ایسے کاروبار کتنے اچھے اور خوشگوار ہوتے ہیں۔اگر ایسے تمام کاروبار دیانتداری کے اصولوں پر چلائے جائیں تو ان کی ایسی ہی عزت کی جائے گی جیسی ہم ماں یا دایہ کی کرتے ہیں۔دیکھیے ایک آدمی ہے جو کسی ریگستان میں جا کر ایک مکان بناتا ہے جو طویل مسافت پر ہے اور وہاں خوردہ فروشی کرتا ہے اور وہاں ایسے اجنبی مسافر آتے ہیں جنھیں آرام دہ جگہ چاہیے۔وہ انھیں آندھی، طوفان میں پناہ دیتا ہے، سکون بخشتا ہے، جلتی ہوئی دھوپ میں ٹھنڈا سایہ فراہم کرتا ہے، لیکن ان کے ساتھ ایک ہمدرد کے بجائے دشمنوں جیسا سلوک کرتا ہے۔مہمان نوازی کی بجائے انھیں اس وقت تک جانے نہیں دیتا جب تک وہ اپنی مقرر کردہ غیر منصفانہ، انتہائی زیادہ بلکہ ظالمانہ قیمت ادا نہیں کر دیتا۔مسافر اس کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔یہی وہ حرکتیں ہیں جو مصیبت زدہ افراد کی اس طرح کی امداد کرنے والوں کے لیے باعث ننگ ہوتے ہیں۔ایک پرانی ضرب المثل ہے جو سچ بھی ہے کہ ”دو دشمنوں سے لڑنا نہایت مشکل ہوتا ہے“ بیماریوں اور اسی طرح کے دیگر معاملات میں اس کی صداقت نظر آتی ہے۔اس معاملے میں بھی دیکھیں۔دو دشمنوں یعنی دولت اور غربت کا مقابلہ کرنا ہے۔ان میں سے ایک تعیش کے سبب روح کو زخمی کرتی ہے اور دوسری تکلیف کی وجہ سے انسان کو بے حیائی پر راغب کرتی ہے۔اس بیماری کا شہری انتظامیہ کیا علاج کرسکتی ہے؟ اوّل یہ کہ خوردہ فروشوں کی تعداد کو محدود رکھا جائے۔دوم یہ کہ وہ اس تجارت کو ان کے سپرد کریں جن کی بدعنوانیوں سے ریاست کو کم سے کم نقصان کا اندیشہ ہو۔سوم یہ کہ کوئی ایسا طریقہ وضع کیا جائے جس کی رو سے یہ کاروبار کرنے والے خود کو بے لگام، ذلت اور بے حیائی کی دلدل سے دور رکھیں۔

خوش بختی ساتھ دے تو اس تمہید کے بعد ہمارا قانون ہونا چاہیے کہ:

بڑے جاگیرداروں میں سے کسی زمیندار کو جس کے شہر کو دیوتا دوبارہ آباد کر رہے ہوں اور جس کا تعلق ۵۰۴۰ خاندانوں سے ہو، ان میں سے کسی کو بھی خوردہ فروشی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ خواہ وہ یہ کاروبار ارادی طور پر کرنا چاہیں یا غیر ارادی طور پر۔ خوردہ فروش وہ بھی نہیں ہو سکتا جو تاجر ہو یا کسی غیر سرکاری شخص کے لیے کام کرتا ہو لیکن پہلا شخص اس کے لیے کام نہ کرتا ہو۔ البتہ اس کے ساتھ والد یا والدہ پر یہ پابندی نہیں ہوگی۔ عمومی طور پر وہ اپنے بزرگ کے لیے جو آزاد شہری ہوں، کام کرتا ہے اور اس کی اپنی حیثیت آزاد شہری کی ہو۔ وہ بھی اس پابندی سے مستثنیٰ ہو گا۔ یہ طے کرنا ذرا دشوار ہے کہ کون سی باتیں آزاد شہری کے شایانِ شان ہیں اور کون سی نہیں۔ لیکن جنھیں دیانت کا اعزاز مل چکا ہے وہی لوگ غلط اور صحیح کے اپنے معیار کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ جو کوئی خوردہ فروشی کی تنگ خیالی میں شرکت کرے گا۔ اس پر اپنی نسل کی تذلیل کے جرم میں کوئی بھی مقدمہ ان لوگوں کے حضور پیش کر سکتا ہے جو نیک ہیں اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایسا نامعقول پیشہ اختیار کر کے اپنے باپ دادا کی عزت خاک میں ملائی ہے تو اسے ایک سال کی قید کی سزا دی جائے گی اور وہ کاروبار ترک کرے گا اور جرم کے اعادے کی صورت میں سزا دو سال کی ہوگی اور ہر بار یہ سزا اسی طرح دوگنی ہوتی رہے گی۔ دوسرا قانون یوں ہوگا کہ:

خوردہ کاروبار وہ کرے گا جو عارضی طور پر مقیم یا غیر ملکی ہوگا اور تیسرے قانون کی رو سے خوردہ کاروباری شخص جو ہمارے شہر میں قیام کرے گا وہ نیک یا کم سے کم بد ہوگا۔ قانون کے نگہبانوں کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ ان کا فرض محض یہ نہیں ہے کہ وہ صرف اشخاص پر نظر رکھیں جن کی نگرانی آسانی سے ہو سکتی ہے اور جنھیں قانون شکنی سے روکا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ وہ ان کی نگرانی کریں جو دوسری نوعیت کے ہیں اور ایسے کام کرتے ہوں جو ان کو بدی کے طرف مائل کرتے ہو۔ خوردہ فروشی میں طرح طرح کے کاروبار شامل ہوتے ہیں ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو نہایت ضروری ہوتے ہیں اس لیے حکومت ان کی اجازت دیتی ہے۔ اس ضمن میں قانون کے نگہبانوں کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں سے مل کر مشورہ کریں جن کو مختلف قسم کے خوردہ کاروبار کا تجربہ ہے۔ جس طرح ہم نے ملاوٹ کے

سلسلے میں کیا تھا (جو اسی سے مشابہ ہے)۔ وہ اس ملاقات میں رسیدیں دیکھ کر یہ طے کریں گے کہ اس کاروبار میں مناسب منافع کیا ہوگا۔ وہ اسے تحریر میں لا کر اس کی پابندی کرائیں گے۔ اس کی نگرانی کھلے میدان کے، شہر کے اور دیہی علاقوں کے نگران کریں گے۔ اس طرح خوردہ کاروبار سے ہر شخص فائدہ اٹھائے گا اور یہ کاروبار کرنے والوں کو کم سے کم نقصان اٹھانا پڑے گا۔

جب کوئی شخص معاہدہ کر کے اس سے پھر جائے تو اگر وہ معاہدہ ایسا نہیں ہے جس کی قانون یا اسمبلی نے اجازت دی ہو اس نے کسی ناجائز مجبوری کے تحت کیا ہو۔ یا کسی غیر متوقع امر کے سبب اسے پورا کرنا ممکن نہ ہو تو فریق ثانی قبائلی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا کہ اس کے ساتھ معاہدے سے انحراف کیا گیا ہے بشرطیکہ فریقین اس سے قبل کسی ثالث یا اپنے ہمسائے سے اس معاملے کا تصفیہ نہیں کرا سکے ہیں۔ کاریگروں کی وہ جماعت جو انسانی زندگی کو اپنے فن سے گل و گلزار بناتے ہیں۔ وہ ہیفائیسٹس (Hephaestus) اور ایتھین سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ اور کاریگروں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو دفاعی فنون کے ذریعے تمام کاریگروں کی صناعیوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہیفائیسٹس اور ایتھین کے پرستار ہوتے ہیں اور وہ بھی ان ہی دیوتاؤں سے منسوب ہوتے ہیں۔ یہ تمام لوگ ملک اور عوام کی خدمت میں پوری عمر صرف کر دیتے ہیں۔ چند ایک تو جنگ کے ماہر اور قائد ہوتے ہیں۔ دوسرے کرایہ پر استعمال کے لیے آلات اور دیگر سامان تیار کرتے ہیں اور ان دیوتاؤں کی تکریم کے سبب جو ان کے اجداد ہیں انھیں مکر و فریب سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کاریگر اپنی سستی کی وجہ سے اپنا کام مقررہ وقت پر مکمل نہیں کرتا تو اس طرح وہ دیوتا کی عزت نہیں کرتا جو ان کی زندگی کا مالک ہے لیکن وہ احمق یہ سوچتا ہے کہ وہ اپنا دیوتا خود ہے جو انھیں آسانی سے معاف کر دے گا۔ ایسا آدمی پہلے تو دیوتا کے غضب کا شکار ہوگا اور پھر اسی جذبے کے تحت قانون بھی عمل فرما رہتا ہے۔ جس شخص نے اس کام کی اجرت ادا کی تھی جسے اس نے وقت پر مکمل نہیں کیا۔ اسے وصولی کا اختیار ہوگا۔ مزید برآں اسے وہ کام مکمل کر کے بلا قیمت دینا ہوگا۔ جب کوئی فرد کسی کام کو کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو قانون کے تحت اس پر وہی پابندی ہے جو بیچنے والے پر عائد ہوتی ہے۔ یعنی وہ دام بڑھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بلکہ اصل قیمت طلب کرے گا۔ یہی پابندی ٹھیکیداروں پر بھی عائد ہے۔ کیونکہ واقعی

کاریگر ہی کو پتا ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق کی اصل قیمت کیا ہے۔ جب سب سے آزاد ریاست کے کسی کاریگر کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے فن کو جو فطرت کی صحیح عکاسی ہے کسی فرد پر زبردستی ٹھونسے اور اس طرح کے معاملے میں اگر کسی کو کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو اسے اس فریق کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق ہوگا۔ جس نے اسے شکایت کا موقع دیا ہے۔ جو کوئی کسی کاریگر کا کام لے کر اسے قانون کے مطابق اس کی طے شدہ قیمت ادا نہیں کرتا تو وہ شہر کے نگراں دیوتا زیوس اور اتھینی کی تحقیر کا مرتکب ہوگا جو شہر کی سلامتی میں حصہ دار ہیں۔ یہ جرم ایسا ہے کہ وہ چند سکوں کے منافع کے لیے معاشرے کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دیوتا کے ساتھ مل کر ریاست کے مشترکہ رابطوں کو قائم و دائم رکھیں اور اگر کوئی فرد مقررہ وقت پر مال حاصل کرتا ہے مگر قیمت ادا نہیں کرتا تو اسے دوگنی قیمت ادا کرنی ہوگی اور اگر سودے کو ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو وہ ہر نقرئی سکے کے عوض چھوٹا نقرئی سکہ سود اپر پابندی کے باوجود بطور سود ادا کرے گا۔ اس قبیل کے مقدمات کا فیصلہ قبائلی عدالتیں کریں گی۔ بر سبیل تذکرہ چونکہ ہم نے کاریگروں ہی پر توجہ دی ہے، ہمیں دفاعی فنون کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جس کے کاریگر فوجی سالار اور حربی ماہرین ہوتے ہیں جو رضا کارانہ طور پر ہماری حفاظت کا بیڑا اٹھاتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے دوسرے کاریگر عوامی امور میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اگر وہ اپنا فریضہ بطریق احسن پورا کرتے ہیں تو قانون ان کو سراہتا ہے اور انھیں اعزازات سے نوازتا ہے۔ جو جانبازوں کے شایان شان ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص جن کی خدمات کے صلے کے حصول کے بعد اسے واپس نہیں کرتا تو وہ قانون کی نظر میں ملزم ہوگا۔ اس لیے قانون کارگزاری کو سراہتے ہوئے شہریوں کو مجبور نہیں کرے گا بلکہ انھیں مشورہ دے گا کہ بہادر لوگوں کی عزت و تکریم کریں جو ساری مملکت کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور یہ کارنامہ اپنی دلیری اور حربی مہارت سے انجام دیتے ہیں۔ اور ان کی دوسرے درجے میں تعریف و توصیف کریں کیونکہ درجۂ اوّل کی تعریف ان لوگوں کا حق ہے جو قانون سازوں کی باتوں کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

انسانوں کے مابین تعلقات کو ایک سمت عطا کر دی گئی ہے۔ اب صرف ایک بات رہ گئی ہے جس کا تعلق یتیموں اور ان کے سرپرستوں سے ہے۔ ان کی باری اب آئی ہے اور ان کو بھی

قانونی ضابطے میں لانا ہے۔ لیکن ضابطوں کے تعین کے لیے ضروری ہے کہ ہم متوفی کی وصیت یا اگر وصیت نہیں کی ہے تو بھی اسی سے آغاز کریں۔ جب میں نے ضابطے میں لانے کی بات کی تھی تو مجھے ان معاملات کی دشواریوں اور الجھنوں کا احساس تھا۔ آپ انھیں ضابطے کا پابند کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتے ورنہ لوگ متضاد خلاف قانون اور معاشرتی رواج کو پامال کرتے ہوئے ضابطے وضع کر ڈالیں گے۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فرد کو وہ جیسی چاہے اور جس طرح چاہے وصیت کرنے کی اجازت ہو جس کا اطلاق ان تمام ریاستوں میں ہوسکے جہاں وہ زندگی کے آخری ایام بسر کرے۔ کیونکہ جب کسی کو احساس ہو جائے کہ موت قریب ہے تو وہ ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور اس کی ہمت جواب دے دیتی ہے۔

کلینیاس: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

اجنبی : میرے دوست، جب انسان کو یقین ہو جائے کہ وہ مرنے والا ہے تو وہ بے قابو ہو کر ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو قانون سازوں کو الجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

کلینیاس: وہ کس طرح؟

اجنبی : وہ اپنی تمام ملکیت اپنے ہی پاس رکھنا چاہتا ہے اور برہمی کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔

کلینیاس: مثلاً کیسے؟

اجنبی : اے دیوتا! یہ کیسا ستم ہے کہ میں اپنی ملکیت جسے دینا چاہتا ہوں نہیں دے سکتا یا جسے نہیں دینا چاہتا دے رہا ہوں۔ کم اسے دینا چاہتا ہوں جس نے میرے ساتھ برائی کی ہے اور زیادہ اسے جس نے بھلائی کی اور جن کے برے اور بھلے سلوک کا اندازہ مجھے اپنی بیماری یا بڑھاپے میں یا دیگر مصائب کے دوران ہوا ہے۔ مگر ایسا نہیں کر سکتا!

کلینیاس: اجنبی کیا اس کی یہ بات حقائق پر مبنی نہیں ہے؟

اجنبی : میرا خیال ہے کہ پرانے زمانے کے قانون بڑی ہی نیک طینت ہوتے تھے اور قانون بناتے وقت انسان کے نرم گوشوں پر نہ غور کرتے تھے اور نہ ہی کوئی لحاظ رکھتے تھے۔

کلینیاس: بات سر سے گزر گئی !

اجنبی : میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ وصیت کرنے والے کی سرزنش سے ڈرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے یہ

قانون بنایا کہ فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی جائیداد جسے چاہے دے لیکن ہم اپنے دنیا سے سفر کرنے والے شہری سے بہتر سلوک کے متمنی ہیں۔ بات ٹھیک ہے نا۔

کلینیاس: کون سی ؟

اجنبی : ہم ان سے کہیں گے کہ آپ کی ملکیت کیا ہے یہ سمجھنا آپ کی فہم سے بالاتر ہے۔ جن کی صرف ایک دن کی زندگی ہے۔ ڈیلفی کے ہاتف کے قول کے مطابق اس مرحلے پر اپنے ہوش میں رہنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ میں ایک قانون ساز کی حیثیت سے نہ تو آپ کو یا آپ کے مال ومنال کو آپ کی ذاتی ملکیت قرار دیتا ہوں بلکہ یہ تو آپ کے گزرے ہوئے اور آنے والے اہل خاندان کی ہے۔ اس سے بڑھ کر میں خاندان اور اس کی املاک کو ریاست کی ملکیت مانتا ہوں۔ اسی لیے اس وقت جب آپ بیماری یا ضعیفی کی طوفانی لہروں میں ہچکولے کھا رہے ہوں ایک شخص آ کر خوش آمد در آمد سے آپ پر اس طرح ڈاکا ڈالتا ہے۔ کہ آپ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنی املاک کو اس طرح ٹھکانے لگانے پر تیار ہو جاتے ہیں جو آپ کے بہترین مفاد میں نہیں ہے۔ اگر میرے بس میں ہو تو میں اس کی کبھی اجازت نہیں دوں گا۔ لیکن میں مجموعی صورت حال کے پیش نظر یہ خیال رکھوں گا کہ قانون ایسا ہو جو ریاست اور خاندان دونوں کے بہترین مفاد میں ہو اور لوگوں کے جذبات کا کمتر درجے میں لحاظ رکھا جائے۔ میں چاہوں گا کہ جب آپ اس سفر پر کمر بستہ ہوں جس پر تمام انسانیت روانہ ہو چکی ہے تو اس وقت آپ نہایت اطمینان اور سکون سے روانہ ہوں۔ ہم آپ کے تمام تفکرات کی پورے انصاف سے نگرانی کریں گے۔ کسی پہلو کو حتی الوسع نظر انداز نہیں کریں گے۔ زندوں اور مردوں کے لیے تمہید اور الوہی الفاظ کافی ہوں گے۔ قانون مندرجہ ذیل ہوگا:

اگر کوئی والد وصیت میں اپنی جائیداد ہبہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے اپنے بیٹوں میں سے اسے وارث نامزد کرے گا جو اس کی نظر میں بہترین ہے۔ اور اگر وہ اپنی کسی اولاد کو کسی کو گود لینے کی اجازت دیتا ہے تو یہ بھی تحریر کیا جائے گا اور اگر اس کا کوئی بیٹا ہے جسے کسی نے گود نہ لیا ہو اور جسے قانون کے مطابق کسی دوسری بستی میں آباد کیا جائے گا تو اسے اس کا والد اپنی باقی جائیداد میں سے جتنا حصہ چاہے، اسے دے سکتا ہے۔ لیکن والدین کا حصہ اس میں شامل ذاتی ملکیت منقولہ اور

اگر مزید بیٹے ہوں تو وہ ان کے حصوں کے علاوہ جو کچھ بچے گا اسے حسب مرضی مختلف حصوں میں ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر کسی بیٹے کا اپنا مکان ہو تو اسے کوئی رقم نہیں دے گا اور نہ ہی اس بیٹی کو رقم دے گا جو شادی شدہ ہو گی۔ لیکن غیر شادی ہوئی تو اسے رقم ملے گی۔ اگر وصیت کے مطابق جائیداد کی تقسیم کے بعد کسی بیٹے یا بیٹی کی ملک میں کوئی اور بھی ملکیت حاصل ہوتی ہے تو اسے وصیت کے تحت حاصل ہونے والی ملکیت کو وصیت کرنے والے کے وارث کو واپس دینا پڑے گا۔ اگر وصیت کنندہ کی کوئی اولاد نرینہ نہ ہو اور صرف بیٹیاں ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دامادوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے گا اور اسی کو اپنا بیٹا اور وارث تحریر کرے گا۔ اگر کسی کا اپنایا گود لیا ہوا بیٹا بچپن میں بالغ ہونے سے قبل ہی فوت ہو چکا ہو تو وصیت کنندہ کو چاہیے کہ وہ اس واقعے کا ذکر کر کے نیک شگون کے لیے کسی اور کو دوسرے بیٹے کے طور پر نامزد کرے۔ اگر وصیت کنندہ لاولد ہے تو وہ اپنی جائیداد کا دسواں حصہ جسے وہ چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن وہ مورد الزام نہیں گردانا جائے گا اگر وہ باقی جائیداد قانون کے تحت موانست کے لیے اپنے گود لیے بیٹے کے حوالے کر دے۔ اگر متوفی کے بیٹوں کو سرپرست کی ضرورت ہو اور والد نے موت کے وقت وصیت میں سرپرستوں کی تقرری کر دی ہو تو جن کو بھی اور جس تعداد میں بھی سرپرست مقرر کیا گیا ہو گا تو اگر وہ بچوں کی ذمہ داری قبول کرنے پر راضی ہوں تو انھیں وصیت کے تقاضوں کے مطابق یہ ذمہ داری سونپ دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ بلا کوئی وصیت کیے ہی یا وصیت میں سرپرستوں کا تقرر کیے بغیر ہی انتقال کر جاتا ہے تو قانون کے نگران دو دوھیالی اور دو ننھیالی اور متوفی کے ایک دوست کو یتیموں کا سرپرست مقرر کریں گے۔ قانون کے پندرہ بزرگ ترین نگران یتیموں کے امور کے ذمہ دار ہوں گے ان کو تین تین کی پانچ جماعتوں میں بزرگی کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا۔ ہر جماعت ایک سال کے لیے یتیموں کی دیکھ بھال کرے گی۔ اس طرح یہ سلسلہ پانچ برس میں مکمل ہو جائے گا۔ لیکن یہ انتظام اسی طرح جاری رہے گا جو کوئی بلا وصیت کیے فوت ہو جائے اور اس کے پسماندگان میں بیٹوں کو سرپرست درکار ہوں تو وہ ان قوانین میں شامل تحفظات میں شریک ہوں گے۔

اگر کوئی شخص اتفاقاً فوت ہو جائے اور اس کی صرف بیٹیاں ہی ہوں تو وہ قانون سازوں کو ان کی شادی کر دینے کے ضمن میں معذور سمجھے گا۔ اس کے لیے تین میں سے دو شرائط کا لحاظ رکھنا

لازمی ہوگا۔ اول یہ کہ وہ قریبی رشتہ دار ہو۔ اور اس کا قانونی حصہ محفوظ رہے۔ تیسری شرط کا لحاظ ان کا والد کرتا اگر وہ زندہ رہتا یعنی وہ تمام شہریوں میں سے ان کی سیرت و کردار کو پرکھ کر اپنے لیے بیٹے اور اپنی بیٹی کے لیے شوہر کا انتخاب کرتا۔ اس شرط کو نظر انداز کرنے پر قانون سازوں کو والد درگزر کریں گے۔ کیوں کہ اس پر عمل درآمد ان کے لیے تقریباً ناممکن ہے۔ جہاں تک قابل عمل ہو اس سلسلے میں قانون کچھ اس قسم کا ہوگا کہ اگر کوئی شخص وصیت کیے بغیر فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے صرف بیٹیاں چھوڑ جاتا ہے تو وہ بھائی جو اسی کے باپ اور ماں کی اولاد ہے اور اس کا کسی جگہ جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے تو اس کی بیٹی سے شادی کرے گا اور متوفی کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن بھائی حیات نہیں بلکہ اس کا کوئی بیٹا ہے تو اگر اس کی عمر موزوں ہو تو وہ اسی طرح شادی کرے گا۔ اور اگر کوئی بھتیجا بھی نہ ہو بلکہ بہن کا بیٹا موجود ہو تو وہ بھی اسی طرح عمل کرے گا۔ چوتھے درجے میں وصیت کنندہ کا چچا یا پانچویں درجے میں چچا زاد بھائی اور چھٹے درجے میں اس کا پھوپھی زاد ہوگا۔ جدّی قرابت داروں کا اسی طرح لحاظ رکھا جائے گا۔ اگر کسی متوفی کی صرف بیٹیاں ہوں تو یہ رشتہ نیچے سے اوپر کی طرف بھائی بہنوں اور ان کی اولاد سے چلے گا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے مرد رشتے داروں اور پھر خواتین رشتہ داروں کی باری آئے گی۔ شادی کی عمر کے مناسب یا نامناسب ہونے کا فیصلہ منصفین کریں گے۔ وہ مرد کا معائنہ اسے مکمل طور پر برہنہ کر کے اور خاتون کو ناف تک برہنہ کر کے کرے گا۔ اگر خاندان میں بھائی یا دادا کے بیٹوں کے پوتوں، نواسوں تک کوئی مناسب مرد نہ ہو، لڑکی سرپرستوں کی اجازت سے کسی ایسے شہری کو بہ طیب خاطر قبول کرے گی۔ جو خود بھی راضی ہو۔ وہ متوفی کا وارث اور اس کی بیٹی کا شوہر بن جائے گا۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رشتہ داروں کی کمی ریاستی قانون کی حدود سے کہیں زیادہ ہو۔ اگر کوئی لاولد شخص بغیر وصیت کیے انتقال کر جائے تو عموماً اس پر پرانے قانون کا اطلاق ہوگا۔ جس کی رو سے خاندان سے ایک مرد اور ایک عورت خالی مکان پر قابض ہو کر وہاں مل کر رہنا شروع کر دیں گے۔ اور متوفی کا حصہ انھیں مل جائے گا۔ وراثت میں اول درجہ ہمشیرہ کا، دوسرا بھتیجی کا، تیسرا بھانجی کا، چوتھا پھوپھی کا پانچواں چچا زاد بہن کا، چھٹا پھوپھی زاد بہن کا ہوگا۔ یہ لوگ اپنے مرد رشتہ داروں کے ساتھ قرابت داری کے درجوں اور ان ضابطوں کے مطابق مکان میں

مقیم رہیں گے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ہمیں اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہیے کہ ایسے قوانین ظالمانہ بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس قانون ساز کو شدید رکاوٹ کا سامنا ہو جو لڑکی کو کسی رشتہ دار سے شادی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ سوچا جا سکتا ہے کہ اس نے ان متعدد موانعات کا لحاظ نہیں رکھا جو ایسی شادی کے سلسلے میں مرد کو پیش آ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فریقین اس شادی سے انکار کر دیں اور اس سے بچنے کے لیے کسی اقدام سے گریز نہیں کریں گے، خصوصاً اگر فریقین میں سے کوئی جسمانی یا دماغی بیماری میں مبتلا ہو۔ لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ قانون سازوں نے اس امکان پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن ان کی غلطی ہوگی جس کے باعث ہمیں چاہیے کہ ہم قانون سازوں اور اس موضوع سے متعلق افراد کی طرف سے ایک مشترکہ تمہید اُٹھائیں۔ قانون ثانی الذکر سے قانون سازوں کو درگزر کرنے کی استدعا کرے اس لیے کہ اسے مشترکہ مفاد کا خیال رکھنا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انفرادی معاملات کو بھی نمٹا نہیں سکتا۔ ان سے درگزر کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ وہ بسا اوقات ان معاملات پر عمل نہیں کر سکتا جو لاعلمی کے سبب ان کی ذمہ داری سمجھ لیا گیا ہے۔

کلینیاس: ان حالات میں ہم اپنی ذمہ داری انصاف سے کس طرح پوری کر سکتے ہیں؟

اجنبی: قانون اور اس کے موضوعات طے کرنے کے لیے ثالث مقرر کرنا چاہیے۔

کلینیاس: کیا مطلب؟

اجنبی: میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بھتیجا جس کا باپ امیر کبیر ہے متوفی کی بیٹی سے شادی سے انکار کر سکتا ہے۔ احساس غرور کے سبب وہ مزید آگے بڑھنا چاہے گا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قانون ساز اسے مصائب کا شکار بنا دے۔ وہ قانون سے سرتابی پر مجبور ہو جائے، مثلاً پاگل یا کسی مزمن یا ناقابل علاج بیماری میں مبتلا بیوی سر منڈھ دی جائے اور زندگی ناقابل برداشت ہو جائے۔ اسی لیے جو کچھ ہم نے ابھی کہا ہے اسے قانون میں سمونا ہوگا:

اگر کسی کو وصیت کے قوانین میں کوئی خامی نظر آئے خواہ اس کا تعلق دیگر امور سے یا بالخصوص شادی سے ہو اور یہ دعویٰ کرے کہ قانون ساز کو اگر وہ زندہ اور موجود ہو تو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسے قانون کی پابندی کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ یعنی قانون کی رو سے جن کو شادی کرنی ہے یا

جن سے شادی کرنی ہے دونوں ہی کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔ اگر وہ عزیز اس پر معترض ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ قانون سازوں نے پندرہ قانون کے نگرانوں کو اس کا ثالث اور یتیم بچوں یا بچیوں کا والد مقرر کیا ہے۔ معترضین کو ان سے ہی رجوع کرنا چاہیے اور ان کی مدد سے ایسے معاملات حل کرنا اور ان کے فیصلے کو حتمی سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی کو یہ خیال ہوتا ہے کہ قانون سازوں کو بہت زیادہ اختیارات دیے گئے ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مخالف فریقوں کو منتخب منصفین کی عدالت میں پیش کرے اور وہاں تصفیہ طلب امور کا فیصلہ ہوگا۔ اور جو کوئی مقدمہ ہارے گا قانون ساز اس کی سرزنش کریں گے جو کسی بھی صاحبِ فہم وذکا کے لیے کسی بڑی رقم کا نقصان سے بڑھ کر جرمانہ ہے۔

اس طرح گویا یتیم بچے دوبارہ پیدا ہوں گے۔ ان کی پہلی پیدائش کے موقع پر ہم نے ان کی تعلیم وتربیت کا ذکر کیا تھا۔ والدین سے محرومی کے بعد یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے اس عظیم نقصان سے پہنچنے والی ان کی اذیتوں میں جہاں تک ہو سکے کمی کریں۔ اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ قانون ساز ان کے لیے قانون بناتے ہیں اور وہ بمنزلہٗ والد ہیں۔ جو کسی طرح ان کے اصل والد سے کمتر نہیں ہیں۔ مزید برآں وہ سال بہ سال ان کی نگہداشت کی ذمہ داری اپنے عزیزوں کی طرح اٹھائیں گے اور ہم نے انھیں اور بچوں کے سرپرستوں کو یتیموں کے مزاج کے مطابق ہدایات جاری کر دی ہیں۔ ہم نے گزشتہ مباحث میں بڑی باموقع بات کہی تھی کہ مردوں کی روحوں کو موت کے بعد ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ انسانی امور میں بھرپور دلچسپی لینے لگتی ہیں۔ اس کے بارے میں متعدد کہانیاں اور روایتیں زبان زدِ عام ہیں جو طویل ہیں مگر سچ ہیں۔ ان کی قدامت اور تعداد کے پیش نظر ان پر یقین کر لینا چاہیے اور ہمیں قانون سازوں پر بھی یقین کرنا چاہیے جو ان کی صداقت کے قائل ہیں۔ وہ کوئی احمق نہیں ہوتے۔ اگر حقیقت یہی کچھ ہے تو سب سے پہلے تو آدمی کو دیوتاؤں سے ڈرنا چاہیے۔ جنھیں یتیموں کی کسمپرسی کی زیادہ فکر رہتی ہے۔ دوسرے فوت شدہ افراد کی روحوں سے خوف کھانا چاہیے۔ جو فطری طور پر اپنے بچوں کی نگرانی میں دلچسپی لیتے ہیں اور ان لوگوں سے خوش رہتے ہیں جو ان کی عزت کرتے ہیں اور ان سے ناخوش رہتے ہیں جو ان کی عزت کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں۔ زندہ لوگوں کی ارواح کو ان سے بھی ڈرنا

چاہیے جو عمر رسیدہ ہیں اور جو عزت دار ہیں۔ جہاں کہیں شہر کا انتظام معقول ہوتا ہے اور خوشحال ہوتا ہے تو آنے والی نسلیں اسے عزیز رکھتی ہیں اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرتی ہیں۔ عمر رسیدہ حضرات اپنے بارے میں باتیں سننے اور دیکھنے میں بہت تیز ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان سے بہت خوش رہتے ہیں جو مسکینوں اور یتیموں کی حق تلفی کرتے ہیں۔ وہ انھیں سزا دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ایسے افراد نہایت عظیم اور مقدس ذمہ داری سنبھالے ہوتے ہیں۔ یتیموں کے سرپرستوں اور عدالتی عہدیداروں کو چاہیے کہ وہ نہایت اہم امور پر بھرپور توجہ دیں اور یتیموں کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا خیال رکھیں اور ہر طرح سے ان کو آرام اور آسایش پہنچائیں۔ اس طرح وہ خود اپنے اور بچوں کے مفاد کو فروغ دیتا ہے۔ جو شخص قانون سے پہلے والی کہانیوں کو سنتا ہے اور یتیموں سے کوئی بدسلوکی نہیں کرتا اسے کبھی قانون سازوں کے غیض کا نشانہ نہیں بننا پڑے گا۔ لیکن جو سرکشی کرتا ہے اور کسی ایسے شخص کا حق مارتا ہے، جو باپ یا ماں سے محروم ہے تو وہ بطور تاوان اس رقم کا دوگنا ادا کرے گا جو ان بچوں سے بدسلوکی کے جرم میں ادا کرے گا جن کے والدین زندہ ہوں۔ سرپرستوں اور یتیموں کے تعلق اور عدالتی عہدیداروں کے یتیموں کی نگہداشت کے بارے میں قوانین کے لحاظ سے یہ دیکھنا ہوگا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان طور طریقوں سے ناواقف ہیں، جس طرح آزاد شہریوں کے بچوں کی پرورش ہوتی ہے۔ اور ان کی جائیداد کی اپنی جائیداد کی طرح نگہداشت نہیں کرتے یا وہ قوانین کی منصفانہ تشریح نہیں کرتے۔ تو اس صورت میں نئی قانون سازی اس خیال سے ضروری ہوگی کہ یہ قوانین خاص قسم کے ہوں گے اور ہمیں جو یتیم ہیں اور جو نہیں ہیں ان کے لیے علیحدہ علیحدہ ضابطے وضع کرنے چاہئیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہمارے لیے یتیموں کا حال ان سے مختلف نہیں ہے جس کے والد حیات ہیں۔ لیکن جہاں عزت اور بے عزتی اور توجہ کا تعلق ہے دونوں ایک ہی سطح پر نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ سے یتیموں کے امور سے متعلق قانون سنجیدہ لہجے میں ترغیب کا ذکر بھی کرتا ہے اور تہدید کا بھی۔ اور مندرجہ ذیل تہدید کا ذکر کسی طرح بے موقع نہیں ہوگا۔ جو کسی یتیم بچے یا بچی کا سرپرست ہے اور قانون کے نگرانوں میں سے ہے جسے یتیموں کی نگہداشت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور ان بدقسمت یتیموں کو اپنے ہی بچوں جیسا پیار دے گا۔ اور وہ اس کی املاک کی دیکھ بھال اپنی ملکیت کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

محنت سے کرے گا۔ جس کے بھی دل میں یتیموں کا درد ہے اسے چاہیے کہ وہ اس قانون کی پابندی کرے۔ لیکن اگر کوئی اس معاملے پر قوانین کی پابندی نہیں کرتا اور وہ یتیم کا سرپرست ہے تو عدالت کا عہدیدار اس کو جرمانے کی سزا دے گا اور اگر ایسا شخص عدالت کا عہدیدار ہو تو سرپرست اس کی پیشی منصفین کے حضور کرائیں گے اور اس کو سزا دلائیں گے۔ اگر وہ جرم میں ماخوذ ہوا تو وہ عدالت کے مقرر کردہ جرمانے سے دوگنی رقم وصول کرے گا اور اگر خود اس سرپرست پر یتیم کے عزیز یا کوئی شہری یہ الزام لگائے کہ وہ یتیم کی نگہداشت میں غفلت کا یا بددیانتی کا مرتکب ہوا ہے تو اسے اسی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور اس پر جتنا بھی ہرجانہ عائد کیا جائے گا وہ اس کا چار گنا ادا کرے گا۔ جس کا نصف یتیم کو ملے گا اور اس کا نصف اس کو ملے گا جس نے یہ معاملہ عدالت میں پیش کیا تھا۔ اگر کوئی یتیم ہوشمندی کی عمر کو پہنچ کر یہ محسوس کرے کہ اس کے سرپرستوں نے اس سے بدسلوکی کی ہے تو اسے سرپرستی کی مدت کے خاتمے کے پانچ برس تک سرپرست کے خلاف استغاثے کا حق حاصل ہوگا اور ان میں سے جو کوئی بھی مجرم ثابت ہوگا تو عدالت یہ طے کرے گی کہ اسے کیا سزا ملے یا وہ کتنی رقم ادا کرے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی عدالتی عہدیدار نے یتیم سے غفلت برتی ہے تو عدالت یہ فیصلہ دے گی کہ وہ کیا سزا بھگتے گا اور کتنی رقم یتیم کو ادا کرے گا۔ اور اگر غفلت کے علاوہ اس سے بددیانتی بھی برتی ہے تو ہرجانہ ادا کرنے کے علاوہ اسے اپنے عہدے سے معزول بھی کر دیا جائے گا اور حکومت اس کی جگہ کسی دوسرے کو عدالت کا عہدیدار شہری یا دیہی علاقے کے لیے مقرر کرے گی۔

ہو سکتا ہے کبھی والد اور بیٹوں کے مابین معمول سے زیادہ اختلافات رونما ہوں۔ والد کا یہ خیال ہوگا کہ قانون ساز کو چاہیے کہ وہ ایسا قانون وضع کرے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے بیٹے کو ایک اعلان عام کے ذریعے عاق کر دے۔ یا بیٹے یہ سوچیں کہ قانون انھیں اختیار دے کہ وہ اپنے والد کو بیماری اور بڑھاپے میں ضعیف العقلی کا ان پر مقدمہ چلائیں۔ ایسے امور اس وقت رونما ہوتے ہیں جب انسانی فطرت میں کلی طور پر بدی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ جہاں بدی انسانی فطرت کے صرف نصف حصے کو متاثر کرتی ہے، مثلاً والد برا نہیں ہے مگر بیٹا برا ہے یا اس کا برعکس ہو تو اس طرح کی نفرت سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی۔ دوسرا معاملہ یوں ہو سکتا ہے کہ باپ نے بیٹے کو عاق کر دیا مگر وہ

شہریت سے محروم نہیں ہوگا۔ لیکن ہماری مجوزہ ریاست میں جہاں ہمارے یہ قوانین نافذ ہوں گے عاق شدہ بیٹے کو ترک وطن ضرور کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہمارے یہاں ۵۰۴۰ گھرانوں میں کسی ایک گھرانے کا بھی اضافہ ممکن نہیں۔ کیونکہ جو اس سزا کا مستحق ہے اسے نہ صرف اس کا والد عاق کرے گا جو ایک انفرادی عمل ہوگا بلکہ پورا خاندان اس میں اس کا ساتھ دے گا، اس لیے اس طرح کے اقدام کو مندرجہ ذیل طریقے سے قانون کے تحت لانا ہوگا:

روحانی بداعمالی کے سبب جس کے دل میں یہ جائز یا ناجائز خیال جاگزیں ہو جائے کہ ایک بیٹے کو خاندان سے الگ کر دے حالانکہ اسے پیدا کیا، اس کی پرورش کی، اس لیے وہ اپنا یہ مقصد آسانی سے پورا نہیں کر سکے گا۔ پہلے وہ اپنے اہل خاندان کو جن میں اس کے چچازاد اور ننھیالی خاندان والے بھی شامل ہوں گے اور ان کے سامنے باپ اپنے بیٹے پر الزامات کا اعلان کرے گا اور کہے گا کہ سارا خاندان اسے عاق کرے۔ بیٹے کو بھی اپنی صفائی میں اسی طرح کا بیان دینے کی اجازت ہوگی اور کہے گا کہ وہ ایسی سزا کا مستحق نہیں ہے۔ اگر والد نصف سے زیادہ اہل خاندان سے اپنی بات منوالیتا ہے جس میں باپ، ماں اور مجرم بیٹا شامل نہیں ہوں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اسے خاندان کے بالغ مردوں اور عورتوں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو تو اسی صورت میں والد کو بیٹے کو عاق کرنے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر عاق شدہ بیٹے کو کوئی اور شہری گود لینا چاہے تو اس کی راہ میں کوئی قانونی رکاوٹ آڑے نہیں آئے گی۔ کیونکہ نوجوانوں کا کردار زندگی کے ہنگاموں میں تبدیلیوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر عاق ہونے کے دس برس کے اندر اندر اسے کوئی گود نہ لے تو وہ افراد جو ضرورت سے زائد آبادی کے انصرام کے ذمہ دار ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اسے کسی بستی میں آباد کر دیں۔ اور اگر مرض، عمر، سخت مزاجی، یا ان سب کے سبب کوئی آدمی ذہنی لحاظ سے دوسروں سے یکسر مختلف ہو جائے اور اس کا پتا صرف ان افراد کو ہو جو اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور یہ مخبوط الحواس شخص جائیداد کا مالک بھی ہو خاندان کی تباہی کا موجب بن جاتا ہے اور بیٹا باپ کی فاتر العقلی کی نشاندہی سے گریزاں ہوتا ہے۔ اس صورت میں قانون یہ حکم جاری کرے گا کہ وہ سب سے پہلے قانون کے سب سے بڑے نگراں سے رجوع کرے گا اور باپ کی اس بدنصیبی کی اطلاع دے گا۔ وہ اس معاملے کی چھان بین کریں گے اور اس پر مقدمہ چلانے کے بارے میں

باہمی مشورہ کریں گے اور اگر معاملہ عدالت میں لے جانے کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ اس کے گواہ بھی ہوں گے اور وکیل بھی۔ اور اگر والد کے خلاف عدالت فیصلہ دیتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے معمولی سے معمولی معاملات بھی طے نہیں کرے گا اور وہ بقیہ زندگی اس گھر میں ایک بچے کی طرح گزارے گا اور اگر بدقسمتی سے میاں بیوی کا مزاج ایک دوسرے سے نہیں ملتا تو سرپرستوں میں سے دس غیر جانبدار افراد اور دس ایسی خواتین جو رشتے ناطے کراتی ہیں اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر سلجھانے کی کوشش کریں گے۔ کامیابی کی صورت میں میاں بیوی میں مفاہمت کرادی جائے گی لیکن اگر ان کا دل جذبات سے تیز تیز دھڑک رہا ہے تو وہ ان کے لیے ہمراہی تلاش کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ان کے مزاج میں نرمی پیدا کرنا تو ممکن نہیں تاہم انھیں نرم مزاجوں کی صحبت سے آشنا کیا جا سکتا ہے۔ جن کے بیوی سے جدائی سے قبل بچے ہی نہ ہوں یا کم بچے ہوں تو وہ اپنے نئے ساتھی کا انتخاب اس خیال سے کرے گا کہ انھیں بچے پیدا کرنے ہیں۔ لیکن جن کے بچوں کی تعداد اچھی خاصی ہو تو انھیں چاہیے کہ وہ شادی کرلیں تاکہ بڑھاپے میں ان کا کوئی ساتھی ہو۔ اگر بیوی وفات پاجائے اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو قانون شوہر کو مجبور نہیں کرے گا فقط مشورہ دے گا کہ وہ گھر میں سوتیلی ماں لائے بغیر بچوں کی پرورش کرے۔ اگر اولاد کوئی نہ ہو تو اسے شادی کرنی پڑے گی تاکہ اس کے لیے ریاست کے لیے متعدد بیٹے حاصل ہوں۔ اگر کوئی اس طرح فوت ہوتا ہے کہ اس کی متعدد اولادیں ہیں۔ تو ماں ان کے ساتھ رہ کر ان کی پرورش کرے گی۔ لیکن اگر وہ اتنی کم عمر ہے کہ اس کے لیے شوہر کے بغیر پاکیزگی سے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو تو خاندان والے رشتے کرانے والی خواتین سے رابطہ قائم کریں گے اور وہ مل جل کر اس کے لیے وہی کریں جو اس کے بہترین مفاد میں ہو۔ اگر بچوں کی کمی ہو تو فیصلے میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ قانون کی نظر میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی اس مقصد کے لیے کافی ہوں گے جب کسی بچے کو کسی والدین کی اولاد تسلیم کرلیا جاتا ہے اور وہ بھی اس کی توثیق کردیتے ہیں تو اب یہ فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے کہ بیٹا کس ماں باپ کی پیروی کرے گا۔ جب کوئی لونڈی کسی غلام سے ہم بستری کرتی ہے یا کوئی غلام کسی لونڈی سے تو اس نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد غلام کے آقا کی ملکیت ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی آزاد شہری خاتون کسی غلام سے مباشرت کرتی ہے تو اس کی اولاد غلام کے آقا کی ملکیت ہوگی۔

لیکن اگر کوئی بچہ یا تو غلام ماں اور آزاد آقا کا ہو یا آزاد خاتون کا کسی غلام سے ہو اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو رشتہ کرنے والی خاتون اس عورت کے بچے اور اس کے آقا دونوں کو ملک بدر کر دے گی۔ اور قانون کے نگران مرد اور عورت کے بچے کو اس طرح سرحد پار بھیج دیں گے۔ نہ تو دیوتا ہی اور نہ ہی کوئی دانا شخص کسی کو یہ مشورہ دے گا کہ وہ اپنے والدین کو نظر انداز کرے۔ والدین کے احترام اور بے حرمتی اور دیوتا کی توفیق سے متعلق کسی بحث کے لیے مندرجہ ذیل تمہید مناسب ہو گی:

ان دیوتاؤں سے متعلق جو سب پر حاوی ہیں قدیم زمانے سے چند رسوم و روایات موجود ہیں۔ جو دو قسم کی ہوتی ہیں۔ چند دیوتاؤں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ جب کہ دوسروں کے مجسموں کی تقدیس کرتے ہیں۔ ان کے بت بناتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ زندگی سے عاری ہوتے ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عزت و تکریم سے زندہ دیوتا خوش ہو کر ہمیں اپنے فیوض سے نوازیں گے۔ اگر کسی شخص کے ماں یا باپ یا دونوں ضعیفی کے سبب بے دست و پا ہو کر اسی کے گھر میں پڑے ہوئے ہیں تو اسے یہ یقین رکھنا چاہیے کہ کوئی بت اس کی دعا اس طرح نہیں سنے گا جس طرح اس کے بوڑھے اور ناکارہ والدین سنیں گے شرط یہ ہے کہ وہ ان کی صحیح خدمت جانتا ہو۔

کلینیاس: ان کی صحیح خدمت کس طرح ہو گی؟

اجنبی: میں ابھی بتاتا ہوں۔ میرے دوست ان باتوں کو توجہ سے سننا بہتر ہوتا ہے۔

کلینیاس: فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔

اجنبی: اوڈی پس (Oedipus) کا واقعہ تو آپ نے سن رکھا ہے کہ جب اس کے بیٹوں نے اسے ذلیل کیا تو اس نے انھیں بد دعائیں دیں۔ سب مانتے ہیں کہ دیوتاؤں نے ان کی توثیق کی۔ اسی طرح ایمائنٹر (Amyntor) نے غیض میں آ کر اپنے بیٹے کو بد دعا دی، فونیکس (Phoenix)، اور تھیسیس (Theseus) نے ہپولیٹس (Hippolytus) پر لعنت بھیجی۔ دوسرے بے شمار لوگوں نے اسی طرح اپنے بچوں پر غیض و غضب کا اظہار کیا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دیوتا والدین کی بد دعاؤں کو سنتے ہیں۔ کیونکہ والدین کی بد دعائیں اپنے بچوں کے حق میں سم قاتل ثابت ہوتی

ہیں۔ کیا ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ ان والدین کی وہ دعائیں بھی ان کی نوعیت کے اعتبار سے دیوتا قبول کرتے ہیں، ان کی اولاد جن کی تذلیل کرتی رہے۔ اگر وہ والدین کا احترام کرتے ہیں اور وہ خوش ہوکر ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں تو وہ انھیں سنتے اور وہ اس کی التجا پر کوئی کارروائی نہیں کرتے؟ اگر ایسا نہیں کرتے تو وہ نیکی کرنے میں بڑی ناانصافی سے کام لیں گے اور ہم اسے ان کے مزاج کے خلاف سمجھیں گے۔

کلینیاس: یقیناً۔

اجنبی : کیا ہم یہ نہ سوچیں کہ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ دیوتاؤں کے نزدیک ہمارے پاس عمر رسیدہ باپ، دادا، ماں سے بہتر اور کوئی بت نہیں ہوسکتا؟ اس لیے کہ جب انسان ان میں سے کسی کا احترام کرتا ہے تو دیوتا اظہار مسرت کرتے ہیں اور وہ ان کی دعائیں سننے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حقیقتاً اپنے کسی بزرگ کا ہیولیٰ قابل توصیف ہوتا ہے جس کا درجہ بے جان بتوں سے کہیں بلند ہوتا ہے کیونکہ جب ہم ان زندہ ہستیوں کا احترام کرتے ہیں اور وہ ہماری دعاؤں میں شریک ہوجاتی ہیں اور جب ان کی تذلیل کی جاتی ہے تو بددعائیں ان کے لبوں سے جاری ہوجاتی ہیں۔ لیکن بے جان بت نہ دعا پر قادر ہوتے ہیں نہ بددعا پر۔ اس لیے جب کوئی اپنے باپ، دادا اور دیگر معمر عزیزوں کی موجودگی سے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس کے پاس ایسے بت ہوں گے جو سب سے بڑھ کر اس کے لیے دیوتاؤں کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنیں گے۔

کلینیاس: بہت ہی خوب!

اجنبی : ہر سمجھدار شخص اپنے والدین کی دعاؤں کا احترام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس سے بہت سے لوگوں نے بہت سے مواقع پر استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ فطرت نے ان باتوں کو اسی طرح مرتب کیا ہے، نیک لوگ اسے بڑی نعمت سمجھتے ہیں اگر ان کے والدین زندہ ہوں۔ اور اپنی پوری عمر ان کے ساتھ ہی گزاردیں۔ وہ اگر دنیا سے جلد رخصت ہو جائیں تو انھیں سخت صدمہ ہوتا ہے لیکن بداعمالیوں کے لیے والدین کا وجود کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین کی حتی الوسع عزت وتکریم قانون کی حدود میں رہ کر کرے۔ اور ان کی ناگفتہ بہ باتوں

کو بھی خوشدلی سے برداشت کرے۔ اگر یہ تمہید کسی کو بے معنی نظر آتی ہے تو جو قانون ان شرائط کو پورا کرے گا وہ کچھ اس طرح کا ہوگا۔ اگر اس شہر میں کوئی شخص والدین کے ضمن میں کافی چوکس نہیں رہے گا اور ان کی خواہشات اور مطالبات کی اسی طرح بلکہ اس سے بھی بہتر طریقے سے تکمیل نہیں کرے گا جس طرح وہ خود اپنی یا اپنے بیٹوں اور دیگر اولاد کی کرتا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ اس طریقے سے سلوک ہو رہا ہو انھیں چاہیے کہ وہ خود حاضر ہو کر یا کسی اور طریقے سے قانون کے تین معمر ترین نگرانوں کو اور شادی کرانے والی تین خواتین کو مطلع کریں۔ وہ اس معاملے کی چھان بین کریں گے اور اگر بدسلوکی کے مرتکب نوجوان تیس برس سے کم ہوئے تو انھیں کوڑے مارے جائیں گے اور قید کی سزا ملے گی خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اسی قسم کی سزا کا اطلاق چالیس سال کی عمر تک کے مجرموں پر بھی ہوگا۔ لیکن اگر ان کی عمر بھی زیادہ ہوگی اور وہ والدین کو اسی طرح نظر انداز کرتے رہے اور ان میں کسی کو زخمی بھی کر دیتے ہیں تو انھیں ایک ایسی عدالت میں پیش کیا جائے جس میں معمر ترین افراد منصف کے فرائض انجام دیں گے۔ اور اگر مجرم کو سزا ہوئی تو اس کی قید و جرمانے کا فیصلہ عدالت کرے گی۔ جو اتنا ہوگا جسے وہ ادا کر سکے۔ لیکن اگر مضروب عدالت کو مطلع نہیں کر سکے تو کوئی آزاد شہری جس نے واقعہ سنا ہے عدالت کو اطلاع فراہم کرے اور اگر وہ مطلع نہیں کرے گا تو وہ ذلیل اور کمتر درجے کا سمجھا جائے گا اور جو کوئی چاہے اس کے خلاف ہرجانے کا مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔ غلام مطلع کرے تو آزاد کر دیا جائے۔ اگر وہ مضروب یا مجرم فریق کا غلام ہو اسے عدالتی عہدیدار کے حکم سے آزادی نصیب ہوگی۔ اور اگر وہ کسی اور کا غلام ہوا تو عوام اس کے معاوضہ میں اس کی قیمت اس کے آقا کو ادا کریں گے۔ عدالتی عہدیدار نظر رکھیں گے کہ کوئی اسے اس لیے انتقاماً نقصان نہ پہنچائے کہ اس نے اطلاع فراہم کی تھی۔

زہر خورانی سے موت کے بارے میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ لیکن ایسے معاملات کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے جس میں کوئی شخص ارادتاً یا کہنے کے نتیجے میں گوشت، مشروبات، اور روغن وغیرہ کے استعمال سے کسی بھی دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ان معاملوں کا کوئی حل تجویز نہیں کیا گیا۔ کیونکہ لوگ دو قسم کے زہر سے کام لیتے ہیں۔ جن میں تمیز ذرا مشکل ہی ہوتی ہے۔ ایک قسم وہ

ہے جس کا ابھی وضاحت سے ذکر ہوا ہے۔ جو فطری قانون کے تحت دوسرے جسم کو ضرر پہنچانے کے لیے کسی جسم سے کام لیتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں نڈر لوگوں کو جادو منتر، پھونکی ہوئی گرہوں وغیرہ کے ساحرانہ عمل سے دوسروں کو نقصان پہنچانے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ یہ کسی جادوگر کی کارستانی ہے۔ ان تمام باتوں کا پتا چلانا آسان نہیں ہے۔ اور نہ اس علم کو جاننے والا دوسروں کو ہی اپنے کمال کا قائل کر سکتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے دروازے یا کسی تین راہے پر یا اجداد کی قبر پر موم کے چھوٹے پتلے رکھے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے تو بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے کہیں کہ ان پر یقین نہ کریں کیونکہ اس کے بارے میں ہمارا علم محدود ہے۔ لیکن ہمیں ایسا قانون درکار ہے جو دو حصوں میں ہو۔ جس کا تعلق ہر دو قسم کے زہروں سے ہو۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں کو التجا، پند و نصائح اور مشوروں سے کام لے کر اس قسم کی قبیح حرکات سے باز رکھیں جس سے بے شمار افراد بچوں کی طرح تھر تھر کانپتے رہتے ہیں اور اس طرح قانون سازوں اور منصفین کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اس خوف کا علاج کریں جو ساحروں نے پیدا کر دیا ہے اور اول تو انھیں یہ بتائیں کہ جو دوسروں کو زہر دیتا ہے یا ان پر جادو ٹونا کرتا ہے اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ جسمانی لحاظ سے (بشرطیکہ اسے ادویات کا علم نہ ہو) یا جادو کے ذریعے (بشرطیکہ وہ ساحر یا غیب دان نہ ہو) کتنا نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس لیے زہر یا جادو سے متعلق قانون اس نوعیت کا ہوگا کہ اگر کوئی شخص خود کو، دوسرے کو یا کسی نوکر کو زہر اس طرح دیتا ہے کہ وہ مضرت رساں ہو مگر جان لیوا نہیں۔ یا کسی کے مال مویشی اور شہد کی مکھیوں کو زخمی کرے مگر جان سے مارے نہیں۔ اگر وہ معالج ہو مگر اس پر زہر خورانی ثابت ہو جائے تو اسے پھانسی دی جائے گی۔ یا اگر وہ کسی شعبے سے متعلق ہوا تو اس کی سزا اور جرمانے کا فیصلہ عدالت کرے گی۔ لیکن اگر جادو منتر، پھونکی گرہوں وغیرہ سے لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور وہ ساحر ہوا تو اسے موت کی سزا ملے گی۔ اور اگر وہ ساحر یا غیب دان نہ ہوا اور اس پر جادو کرنے کا جرم ثابت ہو جائے تو عدالت گزشتہ معاملے کی طرح اس کی قید و جرمانے کی سزا متعین کرے گی۔

اگر کوئی کسی کو سرقہ یا تشدد کے ذریعے زخمی کرتا ہے تو بڑے زخم کے لیے وہ زخمی کو زیادہ ہرجانہ اور چھوٹے زخم کے لیے کم ہرجانہ ادا کرے گا۔ لیکن ہر معاملے میں ہرجانہ زخم کی مناسبت

سے ادا کیا جائے گا۔ جو نقصان پورا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ ہرجانے کی رقم کے علاوہ اسے جرم کے لیے اس کی سزا بھی ملے گی۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے بہکانے سے جوانی کی ترنگ میں آ کر کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کو ہلکا سا ہرجانہ کیا جائے گا۔ اور جو کوئی مسرت یا درد، بزدلانہ خوف، حرص، حسد یا سخت غصے سے مغلوب ہو کر اپنی حماقت سے کسی کو زخمی کرتا ہے تو وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ اسے سزا اس لیے نہیں دی جاتی کہ اس نے جرم کیا ہے کیونکہ کردہ کو ناکردہ نہیں بنایا جا سکتا ہے بلکہ سزا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجرم اور جنھوں نے اس کی اصلاح کے عمل کا مشاہدہ کیا ہے وہ مستقبل میں ناانصافی سے متنفر ہوں یا کم از کم اپنی مجرمانہ سرگرمیوں میں تخفیف کریں۔ ان تمام امور کے پیش نظر قانون کو چاہیے کہ وہ ایک اچھے تیرانداز کی طرح سزا کے مناسب ذرائع کو نشانہ بنائے اور تمام معاملات کے لیے ایک سزا متعین کرے۔ اس مقصد کے حصول میں منصف بھی قانون ساز کا اس وقت شریک کار بنے جب قانون کے تحت اسے سزا کا تعین کرنا ہوگا۔ اور قانون ساز ایک مصور کی طرح معاملات کا ایک ایسا خاکہ تیار کرے گا جس میں قانون کی رنگ آمیزی کی ضرورت ہوگی۔ دوستو ہمیں بھی یہی کچھ بہترین اور نہایت مناسب طریقے سے طے کرنا ہوگا کہ سرقہ اور تشدد کے جرائم کی کیا سزا ہوگی۔ اس کے لیے ایسا قانون وضع کرنا ہوگا۔ جیسا دیوتا اور ان کے بیٹے ہمیں دینا چاہتے ہوں گے۔

فاتر العقل شخص کو شہر میں کھلا نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس کے عزیز اس کو کسی نہ کسی طرح گھر کے اندر ہی رکھیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو انھیں جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ اعلیٰ ترین طبقے کے لوگ پاگل شخص کے لیے خواہ وہ آزاد شہری ہو یا غلام، ایک سو طلائی سکے، دوسرے درجے والے نقرئی سکے کا ایک تہائی، تیسرے طبقے والے $\frac{۳}{۵}$ اور چوتھے طبقے والے $\frac{۲}{۵}$ ادا کریں گے۔ پاگل پن کی متعدد اقسام ہوتی ہیں چند کسی بیماری سے جیسا کہ مذکور ہوا ہے پیدا ہوتی ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جو برے اور گرم مزاج والوں میں نشوونما پاتی ہیں۔ اور بری تعلیم ان میں اضافہ کردیتی ہے۔ پاگل پن کے ایسے شکار افراد ذرا سی بات پر بے انتہا شور وغل مچاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو گالم گلوچ دیتے ہیں جب کہ عمدہ نظام والی ریاست میں ایسے کسی کام کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس لیے گالیوں کے بارے میں قانون بنایا جائے گا کہ جو ایسے تمام معاملات کا احاطہ کرے گا:

یعنی کوئی کسی دوسرے کو گالی نہیں دے گا۔ اور جب کوئی شخص کسی دوسرے سے جھگڑا کرے گا تو وہ اپنے خلاف کچھ سکھائے گا اور کچھ اس سے بھی سیکھے گا لیکن گالی زبان پر لانے اور ایک دوسرے کو کوسنے دینے سے گریز کرے گا۔ ہوا جیسے سبک الفاظ استعمال کر کے کسی کی سبکی نہیں کرے گا۔ ایسا ہر عمل سخت دشمنی اور باہمی نفرت پر منتج ہوتا ہے۔ بولنے والا وہ غصہ ٹھنڈا کر لیتا ہے جو اس کے مزاج کا ناخوشگوار پہلو ہے۔ وہ اس قہر و غضب کی آگ کو برے برے خیالات سے تیز تر کرتا ہے۔ تعلیم کے ٹھنڈے چشمے سے سیراب روح کے مہذب جز و کو اشتعال کی گرمی سے ضائع کر دیتا ہے۔ وہ وحشت اور تیکھے پن کی حالت میں تلخ زندگی بسر کرتا ہے اسے غصے کی یہی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس حالت میں ہر شخص کی زبان سے مخالفین کے بارے میں ایسے الفاظ نکل آتے ہیں جو مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ ایسا کون ہے جو دوسروں کا مذاق اڑاتا ہے اور نیکی اور سنجیدگی سے دور نہیں ہوتا۔ یا اپنی نصف سے زیادہ فضیلت کا زیاں نہیں کرتا۔ اس لیے کسی کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ کسی مندر کے بارے میں عام قربانیوں کے مواقع پر، کھیلوں کے مقابلوں میں، کھلے میدان میں یا کسی عدالت میں یا کسی عوامی اجتماع میں طنزیہ الفاظ استعمال کرے۔ ذمہ دار عدالتی عہدیدار کو چاہیے کہ وہ ایسے مجرم کی سرزنش کر کے خود کو بے قصور ثابت کرے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ نیکی کے اعزاز سے محروم سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے قانون کو بلا ضرورت سمجھا اور قانون سازوں کے احکام سے غفلت برتی ہے۔ کسی دوسرے مقام پر اگر کوئی فرد اس قبیح عمل کا مظاہرہ کرتا ہے تو خواہ اس نے تنازع شروع کیا ہے یا جوابا وہ الفاظ ادا کرتا ہے تو جو بزرگ موقع پر موجود ہے اس کا فرض ہے کہ وہ قانون کی اعانت کرے اور جو اس تنازع میں ملوث ہیں ان پر ضرورت ہو تو ہاتھا پائی کر کے قابو پائے۔ اور ان کے غصے کو ٹھنڈا کرے جو ایک بڑی برائی ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ یہاں میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ جو دوسروں کے خلاف گالم گلوچ کے معاملے کا تصفیہ کرتا ہے وہ سرزنش کرتے وقت طنز سے نہیں بچ سکتا۔ اگر وہ غصے کے عالم میں اس کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بھی اس جرم میں ماخوذ سمجھا جائے گا۔ لیکن ہماری ریاست میں طنز و مزاح نگاروں کا کیا بنے گا جو پورے انسانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ نیک نیتی اور بڑے سلیقے سے ہمارے شہریوں کی ہنسی اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا ہمیں دل لگی اور دل

جمعی سے کہی ہوئی باتوں میں امتیاز کر کے غصے کے بغیر محض مذاق میں کسی مقصد کے تحت تضحیک کی اجازت دینی چاہیے؟ ہم اس معاملے میں سنجیدگی یعنی ایسے جذبے کی اجازت نہیں دیں گے جو مستقل ہو اور تبدیل نہ کیا جائے۔ تاہم ہمیں طے کرنا ہوگا کہ غیر مجرمانہ تضحیک کے لیے کسے اجازت دی جائے اور کسے نہیں۔ مزاحیہ شاعر یا طنز نگار کو اجازت نہیں ہوگی کہ وہ کسی شہری کی الفاظ یا نقل کے ذریعے غصے میں یا یونہی ہنسی اڑائے۔ اگر کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو مصنفین یا تو اسے فوری طور پر جلا وطن کر دیں گے یا اسے تین نقرئی سکوں کا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔ جو اس دیوتا کی نذر کر دیا جائے گا جو کھیلوں کے مقابلے کی نگرانی کرتا ہے۔ جن کو اجازت ملے گی وہی ایک دوسرے سے متعلق نظمیں کہہ سکیں گے جو غصے میں نہیں کہی جائیں گی اور ان کا مقصد محض مذاق ہوگا۔ اس اجازت کا غصہ اور سنجیدگی سے کہے ہوئے کلام پر اطلاق نہیں ہوگا۔ ان امور کے فیصلے کی ذمہ داری نوجوانوں کے عام تعلیم کے نگران پر عائد ہوگی۔ اور وہ جس تحریر کی بھی اجازت دے گا مصنف وہی لکھے گا۔ اور جس کی اجازت نہیں ہوگی وہ کہیں پیش نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی کو پڑھائے گا۔ خواہ وہ آزاد شہری ہو یا غلام۔ اس کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی تحقیر کی جائے گی اور وہ خلاف قانون عمل کا مرتکب قرار پائے گا۔

کسی بھوکے یا بیمار پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن قابل رحم وہ ہوگا جو اعتدال پسند ہو یا اس میں کوئی نہ کوئی خوبی ہو اور اس پر برے دن آ گئے ہوں۔ بڑی افسوس ناک بات ہوگی کہ ایسا شخص خواہ وہ آزاد شہری ہو یا غلام کسی ایسے شہر یا حکومت میں کسمپرسی کا شکار ہو۔ جہاں کا نظم و نسق نہایت عمدہ ہے۔ اسی لیے قانون مندرجہ ذیل نہج پر بہت آسانی سے ایک قانون بنا سکتا ہے کہ ہماری مملکت میں کوئی بھکاری نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص بھیک مانگے گا اور مندر میں دعاؤں سے فائدہ نہ اٹھا کر مانگ کر روزی کا سامان فراہم کرے گا۔ تو کھلے میدان کے نگران اسے وہاں سے نکال دیں اور شہر کے نگران شہر بدر کر دیں اور دیہی علاقوں کے نگران اسے سرحد پار کسی علاقے میں جلا وطن کر دیں تاکہ ملک اس طرح کے حیوانوں سے پاک ہو جائے۔

اگر کوئی غلام یا لونڈی کسی ایسی شے کو جو اس کی نہیں ہے اپنی ناتجربہ کاری یا کسی غلط کاری سے نقصان پہنچاتا ہے اور اس میں نقصان اُٹھانے والے کا تھوڑا بہت قصور نہ ہو تو

نقصان پہنچانے والے غلام کا آقا اس نقصان کی مکمل تلافی کرے گا یا غلام اس کے حوالے کر دے گا۔ لیکن اگر آقا یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ الزام دراصل نقصان کرنے اور نقصان اٹھانے والوں کے مجرمانہ تعاون سے ہوا ہے تاکہ وہ غلام کی ملکیت حاصل کر لے۔ تو اسے چاہیے کہ وہ نقصان اٹھانے والے شخص کی بداعمالی کے خلاف عدالت سے چارہ جوئی کرے۔ اور اگر اسے سزا ہو جاتی ہے تو غلام کے آقا کو عدالت کی مقرر کردہ غلام کی قیمت کا دو چند ملے گا اور اگر مقدمہ ہار جاتا ہے تو وہ نقصان کی تلافی بھی کرے گا اور غلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اگر بار برداری کا کوئی جانور، یا گھوڑا یا کتا یا کوئی اور جانور ہمسایے کی ملکیت کو نقصان پہنچاتا ہے تو اسی طرح مالک کو نقصان پورا کرنا ہوگا۔

اگر کوئی شہادت دینے سے انکار کرتا ہے تو جسے اس کی ضرورت ہے اسے طلب کر سکتا ہے اور جس کو طلب کیا جائے اسے عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔ اور اگر اسے وقوعہ کا علم ہے اور شہادت دینے پر راضی ہو تو اسے شہادت دینے دیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ اسے وقوعہ کا کوئی علم نہیں ہے تو اسے زیوس، اپالو، تھیمس (Themis) کی قسم کھا کر یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ وہ وقوعہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جسے شہادت کے لیے طلب کیا جائے اور اس کا کوئی جواب نہ دے تو وہ قانون کی رو سے ہونے والے نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور اگر کسی ایسے شخص کو جو منصف کے فرائض انجام دے رہا ہے شہادت کے لیے طلب کیا جائے گا۔ وہ شہادت دے گا لیکن مقدمے کے فیصلے میں اس سے کوئی رائے نہیں لی جائے گی۔ اگر کوئی خاتون جو آزاد شہری ہے چالیس سال سے زائد عمر کی ہو تو وہ شہادت دے سکتی ہے مقدمہ کی پیروی کر سکتی ہے اور اگر شوہر نہ ہو تو مقدمہ بھی دائر کر سکتی ہے لیکن اگر شوہر زندہ ہو تو اسے صرف شہادت دینے کی اجازت ہوگی۔ صرف قتل کے معاملات میں غلام، لونڈی اور بچے کو شہادت دینے اور پیروی کرنے کی اجازت ہوگی۔ غلط گواہی پر انھیں اطمینان بخش ضمانت بھی فراہم کرنی ہوگی کہ وہ مقدمے کے دوران حاضر رہیں گے۔ کسی بھی معاملے کے فریقین گواہوں پر غلط گواہی کا الزام لگا سکتے ہیں۔ خواہ یہ الزام پوری گواہی پر ہو یا اس کے کسی جزو پر۔ لیکن یہ الزام فیصلے سے قبل لگانا ہوگا۔ عدالتی عہدیدار گواہی کو محفوظ رکھے گا۔ جس پر فریقین کی مہریں ثبت ہوں گی اور جسے وہ دروغ حلفی کے مقدمہ کے روز اسے پیش کرے

گا۔ اگر کسی کو جھوٹی گواہی پر دو بار سزا ہوئی تو اس کی شہادت ضروری نہیں ہوگی اور اگر اسی جرم میں تین بار کا سزا یافتہ ہوا تو اسے شہادت دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ لیکن پھر بھی وہ شہادت کے لیے پیش ہو جائے تو ہر کسی کو حق ہوگا کہ وہ عدالت کے عہدیدار کو اس کی نشاندہی کرے۔ اور عدالتی عہدیدار اسے عدالت کے حوالے کر دے گا اور درست ثابت ہونے کی صورت میں اسے موت کی سزا ملے گی اور اگر کسی مقدمے میں جائز طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ شہادت جھوٹی ہے اور اسی بنا پر مقدمہ جیتا گیا ہے اور شہادت کی اکثریت اسی نوعیت کی تھی تو یہ فیصلہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ لیکن اس پر بحث ہوگی کہ کیا مقدمے کا فیصلہ ان جھوٹی گواہیوں کی بنیاد پر ہوا تھا یا نہیں اور اس پر جو بھی فیصلہ ہوگا۔ پہلے مقدمے کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔

انسانی زندگی میں نیکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن ان میں سے بیشتر کے ساتھ بدکاریاں اس طرح منسلک ہیں کہ بدعنوانی اور تباہی ان کا مقدر بن چکی ہیں۔ کیا عدل ایک اعلیٰ قدر نہیں ہے جس نے انسانیت کو مہذب بنایا ہے؟ اس لیے عدل کا پرچم بلند کرنے والے شریف النفس کے علاوہ اس کے برعکس کس طرح ہو سکتے ہیں؟ تاہم اس پیشے کو بھی جو ہنرمندی کے پاکیزہ نام کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ بدنامی کا داغ لگ چکا ہے اول تو ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی وکیل کی خوش تدبیری اور مدد سے قانون کسی بھی مقدمہ کو جائز یا جائز طریقے سے جیتنا ممکن بنا دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس عمل میں کام آنے والی ہنرمندی اور طاقت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اسے خریدنے کی سکت رکھتا ہو۔ ہماری مجوزہ ریاست میں اس نام نہاد ہنرمندی کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔ جو فی الواقع ہنرمندی ہوتی ہے یا ہنرمندی سے عاری تجربہ اور معمول ہوتا ہے اور اگر ایسی ہنرمندی موجود رہے تو ہم قانون ساز کی درخواست پر ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن عدل کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔ اگر مجرم قانون کی پابندی کریں تو ہم خاموش رہیں گے۔ لیکن جو خلاف ورزی کریں گے ان کے لیے قانون تجویز کیا جاتا ہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ منصفین کے ذہن سے عدل کی قوتِ عمل مٹا دے گا اور موقع، بے موقع مقدمہ بازی یا اس کی پیروی کرتا رہے گا تو ہر کوئی اس کے خلاف قانون اور وکالت میں بدعنوانی کے الزام میں مقدمہ چلا سکتا ہے۔ جس کا فیصلہ منتخب منصفین کریں گے۔ اور اگر الزام ثابت ہو جائے تو عدالت یہ فیصلہ کرے گی کہ اس کا یہ

عمل دولت کی طمع یا کسی تنازع کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ تو عدالت ایک خاص مدت تک اسے مقدمہ دائر کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روک دے گی۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ دولت کی طمع کے سبب ایسا کرتا ہے تو اگر وہ غیر ملکی ہے تو وہ ملک بدر ہو جائے گا۔ اور دوبارہ آنے کی صورت میں موت کی سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن شہری ہونے کی صورت میں اسے پھانسی ملے گی کیونکہ اسے دولت سے محبت ہے اور ہر جائز ناجائز طریقے سے کمانا ہی اس کا مقصد حیات ہے۔ اس طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے یہ حرکت کسی تنازع کے سبب کی ہے پھر بھی اسے پھانسی ہوگی۔

☆☆☆
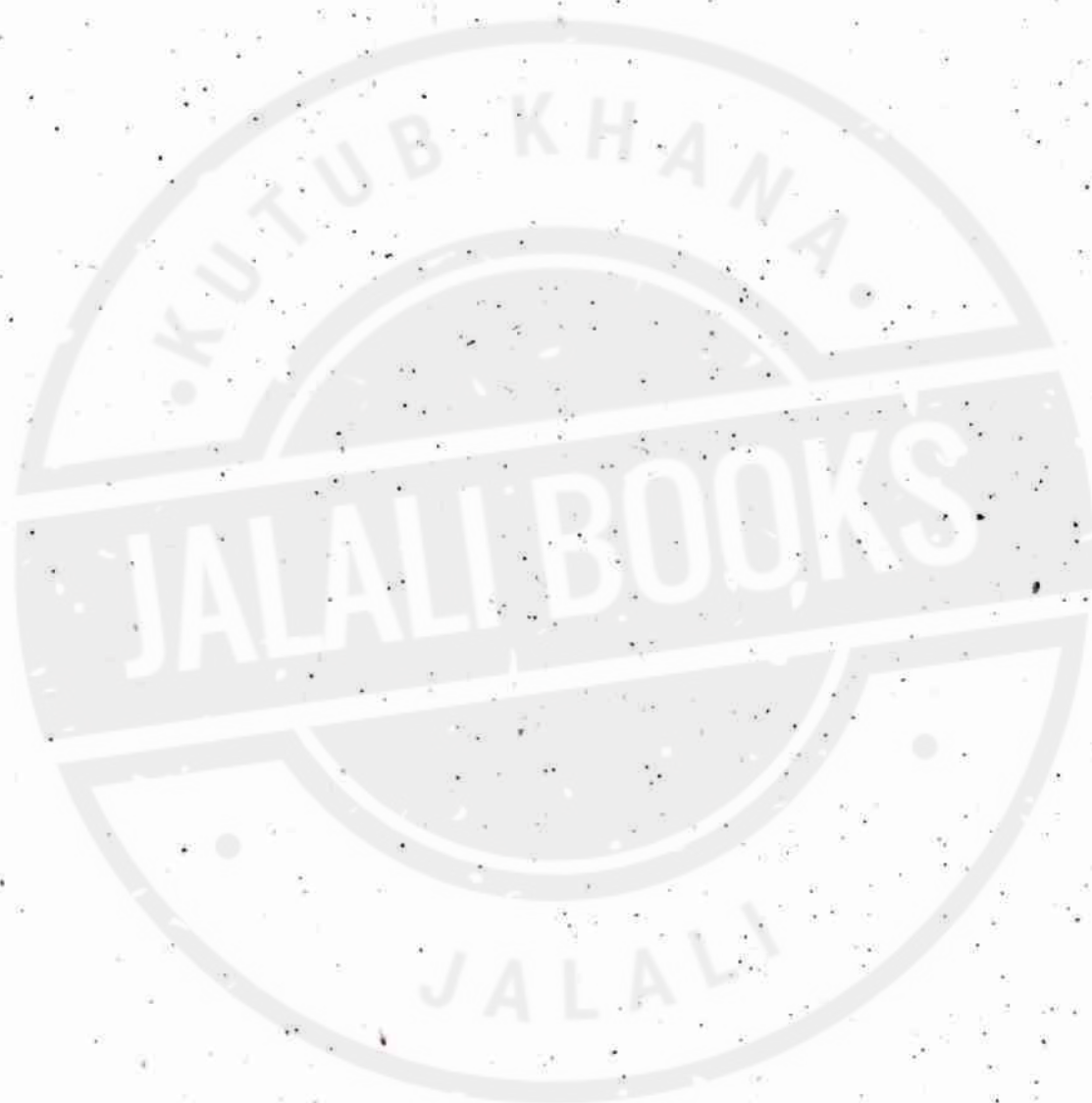
بارھویں کتاب

اگر کوئی نقیب یا سفیر ہمارے ملک سے غلط پیغام کسی دوسرے ملک میں لے جاتا ہے یا دوسرے ملک سے غلط پیغام لاتا ہے، جہاں وہ بھیجا گیا تھا یا یہ ثابت ہو جائے کہ وہ دوست یا دشمن سے ایسا پیغام نقیب یا سفیر کی حیثیت سے لایا جو انھوں نے دیا ہی نہیں تھا تو اس کو اس جرم میں ماخوذ کیا جائے گا۔ اس نے قانون کے خلاف ان فرائض اور احکام سے صرف نظر کیا ہے جو دیوتا ہرمیس اور زیوس کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اور جرم ثابت ہونے کی صورت میں قانون میں اس کے لیے سزا تجویز کرنی چاہیے۔

سرقہ، کمینگی ہے اور ڈاکا مذموم فعل ہے۔ اور زیوس کے کسی بیٹے کو بھی فریب اور تشدد پسند نہیں ہوتا۔ کیونکہ انھوں نے کبھی اس کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ کوئی فرد بھی شاعروں یا دیومالا کے شیدائیوں کی باتوں میں آ کر ان باتوں پر یقین نہ لائے۔ اور جب وہ چوری کرے یا کسی پر تشدد کرے تو اس خیال خام میں مبتلا نہ رہے کہ وہ کوئی غلط کام نہیں کر رہا ہے بلکہ ایسے کام تو دیوتاؤں سے بھی سرزد ہوئے ہیں۔ ایسی کہانیاں بے بنیاد اور جھوٹی ہوتی ہیں اور جو بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرقہ یا ڈاکے کا ارتکاب کرتا ہے وہ نہ تو دیوتا ہوتا ہے اور نہ ہی ان کا بیٹا۔ قانون سازوں کو تمام شاعروں سے کہیں زیادہ ان باتوں کا علم ہونا چاہیے جو ہماری باتوں پر کان دھرنے پر راضی ہو، وہ اصل مسرت کا حقدار ہوگا بلکہ پوری زندگی ہنسی خوشی گزارے گا۔ لیکن ہماری باتوں سے روگردانی کرنے والوں کے لیے ایک قانون کی ضرورت ہے کہ:

اگر کوئی شخص ایک شے چراتا ہے جو عوام کی ملکیت ہے خواہ وہ بڑی ہو یا معمولی۔ اس سے سزا میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ چھوٹی سی چیز کی چوری کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے جو بڑی شے کی چوری کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس میں محنت کم صرف ہوتی ہے۔ جو شخص ایسی بڑی رقم حاصل کرتا ہے جو اس نے خود جمع نہ کی ہو تو یہ بہت ہی ناجائز فعل ہوگا۔ اسی لیے قانون سزا کے معاملے میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ سزا دینے کے حق میں نہیں ہے۔ لیکن رعایت اس بنیاد پر ہو سکتی ہے کہ کوئی چور اصلاح کے قابل ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

اگر کسی غیر ملکی یا غلام کو عوامی ملکیت کی کوئی شے چرانے کی سزا ملتی ہے تو یہ عدالت کا کام ہوگا کہ وہ چور کی سزا اور جرمانے کا تعین اس لحاظ سے کرے کہ چور نا قابل اصلاح نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی آزاد شہری پر ثابت ہو جائے کہ اس نے اپنے وطن کو فریب اور تشدد سے لوٹا ہے خواہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو یا نہ ہو، اسے موت کی سزا دی جائے گی کیونکہ وہ نا قابل اصلاح ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جنگی مہموں کے ضمن میں بہت غور وفکر اور متعدد قوانین کی ضرورت ہے اس کا سب سے بڑا اصول یہ ہوگا کہ خواہ مرد ہو یا عورت کوئی بغیر سالار کے نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی وہ جنگ اور امن دونوں زمانوں میں چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی اپنے قائد سے ہدایت لے گا اور اس کا حکم مانے گا۔ یہ مانا کہ اسے تفریحاً یا سنجیدگی سے اپنی من مانی کرنے کی عادت رہی ہے، مثلاً وہ حکم ملنے پر کھڑا ہوگا۔ حرکت کرے گا۔ ورزش کرے گا۔ نہائے دھوئے گا، کھانا کھائے گا، رات میں پہرا دینے کے لیے بیدار ہوگا، اور حکم ملنے پر پیغام رسانی کے فرائض انجام دے گا۔ اور خطرے کے موقع پر اپنے افسر کے حکم کے بغیر وہ نہ تو کسی کا پیچھا کرے گا اور نہ ہی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے گا۔ مختصراً یہ ہے کہ وہ اپنی روح کو نہ یہ بتائے گا اور نہ ہی عادی بنائے گا کہ کوئی بات بنہ جانے، نہ سمجھے جسے اس کے اعلیٰ افسر نے نہ بتائی ہو۔ تمام سپاہیوں کی طرح زندگی ہمیشہ ہر حال میں مشترکہ طور پر ہی بسر کرنی ہوگی۔ جنگ میں نجات اور فتح حاصل کرنے کا اس سے اعلیٰ تر، بہتر اور معقول کوئی اور اصول نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیں جوانی سے آگے تک زمانہ امن میں بھی دوسروں پر حکم چلانے اور دوسروں کا حکم ماننے کا عادی ہونا چاہیے۔ انسان اور انسان کے تحت رہنے والے مویشیوں کا شیوہ افراتفری نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ رقص بھی ایسے ہوں جو جنگی ضروریات پوری کریں۔ اور مستعدی اور حرکات میں روانی کے علاوہ گوشت اور شراب کی طلب، سرما کی سردی، گرما کی گرمی اور بستر کی سختی برداشت کرنے کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے۔ مزید برآں یہ احتیاط ضروری ہے کہ سر اور پیر کے لیے حفاظتی پوشش کسی طرح سر یا پیر کی مخصوص خوبیوں پر اثر انداز نہ ہو اور سر کے بالوں اور پاؤں کی جلد کی نشو ونما کو نقصان نہ پہنچائیں۔ کیونکہ یہ اعضا بدن کے انتہائی سروں پر واقع ہیں اس لیے دیگر اعضا سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک تو پورے جسم کا خادم ہے اور دوسرا آقا ہے جس میں حکمرانی کے تمام حواس فطری طور پر موجود ہیں۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ ہم نے فوجی زندگی کو جس طرح سراہا ہے اس سے آگاہی حاصل کریں۔ اس لیے اس ضمن میں قانون ہوگا کہ:

وہ شخص جنگی خدمات انجام دے گا جو بھرتی ہو یا کسی خاص قسم کی ملازمت پر ہو اور اگر کوئی بزدلی کی

بنا پر غیر حاضر ہو جائے اور سالار سے کوئی رخصت نہ لے تو فوج کی واپسی پر اس کے خلاف فوجی سالاروں کے حضور مقدمہ چلایا جائے گا جس کا فیصلہ تمام سپاہی کریں گے۔ بھاری اسلحہ، پیدل اور فوج کے دیگر دستوں کی اپنی علیحدہ عدالتیں ہوں گے۔ اس طرح بھاری اسلحہ والے بھاری اسلحہ کی عدالت میں، پیدل والے پیدل دستے کی عدالت میں اور دیگر دستوں کے سپاہی اپنے اپنے دستوں کی عدالتوں میں پیش ہوں گے۔ اور جس پر جرم ثابت ہو جائے اسے کبھی شجاعت کے اعزاز کے لیے کسی مقابلے میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ یا کسی فوجی مہم میں غیر حاضری پر کسی کو سرزنش نہیں کرے گا۔ یا کسی بھی عسکری معاملے میں مدعی بنے گا۔ علاوہ بریں عدالت یہ بھی طے کرے گی کہ اسے کیا سزا دی جائے یا وہ کتنا جرمانہ ادا کرے۔ جب فوجی خدمت سے جی چرانے کا مقدمہ مکمل ہو جائے گا تو مختلف فوجی دستوں کے سالار ایک اجلاس منعقد کریں گے اور وہ شجاعت کے لیے انعامات اور اعزازات کا فیصلہ کریں گے۔ اور جو بھی چاہے اپنے دستے کے بارے میں اپنی رائے دے سکتا ہے۔ وہ ماضی کی کسی مہم کا نہ تو ذکر کرے گا اور نہ ہی اپنی بات کا کوئی ثبوت پیش کرے گا۔ وہ صرف حالیہ مہم پر ہی بات کرے گا۔ فتح کا تاج زیتون کی شاخوں سے تیار کیا جائے گا جسے اعزاز پانے والے اپنے کسی پسندیدہ دیوتا کی خدمت میں نذر کر دے گا۔ وہ اس پر ایسی توثیقی عبارت ثبت کر دے گا جو عرصے تک قائم رہے گی۔ جس میں تحریر ہو گا کہ فلاں فلاں کو اول، دوم، سوم انعام سے نوازا گیا ہے۔ اگر کوئی مہم پر جاتا ہے اور مقررہ وقت سے قبل واپس آ جاتا ہے حالانکہ سالاروں نے فوج کو واپسی کا حکم نہیں دیا تھا۔ تو اس پر ان لوگوں کی عدالت میں فوج سے مفرور ہونے کا مقدمہ چلایا جائے گا جنھوں نے اس کی غیر حاضری کا پتا چلایا تھا۔ جرم ثابت ہونے کی صورت میں اسے مذکورہ سزا ہی دی جائے گی۔ جو بھی ان مقدمات میں ملوث ہوں انھیں چاہیے کہ وہ جھوٹے گواہوں سے ہوشیار رہیں۔ اور انھیں دانستہ اور نادانستہ کسی کے خلاف پیش نہ کریں۔ کیونکہ عدل ایک باعصمت دوشیزہ کی طرح ہے اور جھوٹ فطری طور پر عزت اور انصاف کے منافی ہوتا ہے۔ گواہ کو محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں کوئی غلط بات اس کے منہ سے نہ نکل جائے۔ اس کی مثال اسلحہ پھینک دینا ہے۔ اس کا ایک وقت ہوتا ہے جب ایسا ضرور تا کرنا پڑتا ہے اور یہ لائق سرزنش نہیں ہوتا۔ یا کسی بے گناہ پر اس جرم میں مقدمہ چلا دیا جائے اس میں امتیاز کرنا دشوار ہو گا۔ تاہم قانون کو چاہیے کہ ان کا مختلف طریقوں سے تعین کر دے۔ میں اپنا مطلب ایک پرانی کہانی کے ذریعے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اگر پٹروکلس (Patroclus) کو خیمے میں زندہ حالت میں غیر مسلح لایا جاتا (ایسا بے شمار افراد کے ساتھ ہو چکا ہے) بقول شاعر اصل اسلحہ تو

پیلیئس (Peleus) کو دیوتاؤں نے اس کی تھیٹس (Thetis) سے شادی کے موقع پر تحفے میں عطا کیا تھا۔ یہ اسلحہ اس وقت ہیکٹر (Hector) کے پاس تھا۔ اس موقع پر اس روز کی بدروحوں نے مینوٹیئس (Menoetius) کے بیٹے کی سرزنش کی ہوگی کہ اس نے اپنا اسلحہ کیوں پھینک دیا تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ لوگوں نے اسلحہ کسی گھاٹی سے گرادیا اور وہ گم ہو گیا۔ جو افراد سمندر میں اور طوفانی مقامات پر ہوں اور اچانک انھیں لہروں نے گھیر لیا ہو اور وہ اسلحہ سے محروم ہو گئے۔ اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں جو ان کے جرم کی شدت کو کم کرسکتی ہیں۔ اور ایسے حادثات کے جواز کو بہانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ کوشش کرکے اپنی پوری قوت سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اور خطرناک برائی کو اپنے آپ سے علیحدہ کر لینا چاہیے اور سرزنش کے الفاظ میں واقعہ کی مناسبت سے ضروری تبدیلی کر دی جائے۔ ہم کسی فرد کو ہمیشہ اپنا اسلحہ پھینکنے والے نہیں کہہ سکتے۔ وہ صرف اپنے اسلحہ سے محروم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو شدید قوت کی وجہ سے اپنے اسلحہ سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ جو جان بوجھ کر اپنی ڈھال پھینک دیتا ہے دونوں میں بہت زیادہ اور ناقابل تردید فرق ہے۔ آیئے ایسا قانون بنائیں کہ اگر کوئی مسلح شخص دشمن کے نرغے میں آجاتا ہے اور اس کا مقابلہ نہیں کرتا بلکہ اسلحہ کو پھینک دیتا ہے دشمن کے حوالے کر دیتا ہے اور اس طرح ذلت کی زندگی کا انتخاب کرتا ہے، اور تیزی سے راہ فرار اختیار کرتا ہے اور شجاعانہ، باعزت اور بابرکت موت سے گریز کرتا ہے، اسلحہ پھینکنے کے اس معاملے میں انصاف کو اپنا تقاضا پورا کرنا ہوگا۔ لیکن منصف کو مذکورہ معاملے پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بداعمال شخص کو ہمیشہ اس توقع پر سزا ملنا چاہیے کہ اس کی اصلاح ہو جائے لیکن بدنصیب میں کسی اصلاح کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے سزا کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سوچیے کہ اس شخص کی کیا سزا ہوگی جس نے جانتے بوجھتے اپنا اسلحہ پھینک دیا ہو؟ روایات کے مطابق تھیسالی کے کینیئس (Caeneus) کو کسی دیوتا نے مرد سے عورت بنا دیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس کوئی معجزہ رونما نہیں ہوسکتا۔ یا اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا نہیں ہوسکتی کہ مرد کو عورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ تاہم یہ ناممکن بات ہے۔ اس لیے ہمیں تقریباً اسی جیسا قانون تجویز کرنا چاہیے کہ: تھیسالی کے کینیئس (Caeneus) جسے اپنی زندگی بہت زیادہ پیاری ہے وہ بقیہ زندگی بڑے آرام سے گزارے گا لیکن اس پر ہمیشہ بزدلی کا داغ جگمگاتا رہے گا۔ اور قانون کی دفعات کچھ اس طرح کی ہوں گی:

جب کوئی شخص جنگ میں نہایت بزدلی سے اپنا ہتھیار پھینکنے کے جرم کا ارتکاب کرے گا تو کوئی سالار یا فوجی افسر اسے سپاہی کا کام کرنے کی اجازت نہیں دے گا یا سپاہیوں کے کسی دستے میں اسے کوئی جگہ

دے گا۔ اور جو افسر اس بزدل کو کوئی جگہ دے گا تو اسے وہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا جو سرکاری جائزہ کار اس پر عائد کرے گا اور وہ اگر اعلیٰ ترین طبقے کا ہوا تو ایک ہزار طلائی سکے ادا کرے گا اور دوسرے طبقے کا ہوا تو پانچ نقرئی سکے یا تیسرے طبقے کا ہوا تو تین نقرئی اور چوتھے درجے والے کو ایک نقرئی سکہ ادا کرنا ہوگا۔ اور جس پر بزدلی کا جرم ثابت ہو جائے گا اسے نہ صرف مردانگی سے مقابلہ کرنے والے خطرات سے جو اس کی فطرت کے لیے مناسب تحقیر ہے دور رکھا جائے گا بلکہ وہ اعلیٰ ترین طبقے کا ہوا تو ہزار طلائی سکہ، دوسرے طبقے کا ہوا تو پانچ تیسرے طبقے کو تین اور چوتھے طبقے والے کو ایک نقرئی سکہ پہلے کی طرح ادا کرنا ہوگا۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ کچھ عدالتی عہدیداروں کو ایک سال کے لیے، کچھ کو اس سے زیادہ مدت کے لیے منتخب افراد میں سے قرعہ اندازی کے ذریعے مقرر کیا جاتا ہے۔ جائزہ کاروں کے لیے کس قسم کے ضوابط وضع کیے جائیں؟ ان عدالتی عہدیداروں کے لیے کیا قانون ہوگا جو جائزہ کار یا محتسب کے بھی فرائض انجام دیتا ہے اور کام کی زیادتی یا اپنی نالائقی کے سبب اپنے عہدے کا وقار برقرار نہیں رکھ سکتا اور بداعمالیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے عدالتی عہدیدار کو دریافت کر لینا کسی صورت آسان نہیں ہے جو تمام عدالتی عہدیداروں سے زیادہ دیانت دار ہے۔ اس سے بھی زیادہ دشوار اس جائزہ کار اور محتسب کی دریافت ہے جو انسان سے بھی بڑھ کر ہو۔ کیونکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ مملکت میں، بحری جہاز یا چوپایوں کی طرح تباہی کے متعدد عناصر ہوتے ہیں۔ ان سب میں اپنی ڈوریاں، شہتیر، عضلات ہوتے ہیں۔ جنھیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جسے فطرت نے جا بجا پھیلا رکھا ہے۔ اور ریاست کے استحکام اور اضمحلال میں محتسب کے دفتر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر محتسب عدالتی عہدیداروں سے بہتر ہو اور اپنے فرائض بطریق احسن دیانتداری سے ادا کرتا ہو تو تمام ملک ترقی کرتا ہے اور خوش و خوشحال ہوتا ہے۔ لیکن اگر عدالتی عہدیداروں کا احتساب غلط طریقے سے ہو، انصاف کے عمل میں جو تمام دساتیر میں اتحاد کا بنیادی اصول ہے رعایت دے کر ریاست کے تمام اختیارات کے ٹکڑے اڑا دیے ہیں۔ ان کا جھگڑا ایک ہی طرف نہیں ہوتا۔ اور شہر گروہوں میں بٹ جاتا ہے اور ایک شہر کے کئی شہر بن جاتے ہیں اور جلد ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ احتساب کو ہر لحاظ سے منصفانہ اور شفاف ہونا چاہیے۔ آیئے اس مقصد کے حصول کے لیے قانون وضع کریں کہ ہر سال جون کے بعد ہیلیوس (Helios) اور اپالو دیوتاؤں کے مشترک احاطوں میں تمام شہر جمع ہوتا ہے اور دیوتاؤں کے حضور اپنے میں سے تین افراد کو درج ذیل طریقے سے پیش کرے گا ہر شخص اپنے سوا کسی اور کو جسے وہ بہترین سمجھتا ہے اور جس کی عمر پچاس برس

سے کم نہ ہو منتخب کرے گا اور اس طرح منتخب لوگوں میں سے اکثریت والوں کو چنا جائے گا جن میں مزید منتخب کیے جائیں گے تا آنکہ ان کی تعداد نصف رہ جائے۔ اگر یہ تعداد جفت ہوگی اور اگر جفت نہ ہوگی تو سب سے کم رائے پانے والے کو فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد ان نصف کو رکھا جائے گا جن کو زیادہ رائے ملی ہوگی۔ اگر دو کو یکساں تعداد میں رائے ملی ہو تو ان میں سے جو نسبتاً کم عمر ہوگا اسے خارج کر دیا جائے گا تا کہ مجموعی تعداد جفت ہی رہے۔ اس کے بعد دوبارہ رائے شماری اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک تین ایسے نہ بچ جائیں جن کی رائے کی تعداد مساوی ہو۔ لیکن اگر تینوں یا کم از کم دو کی حاصل شدہ آرا کی تعداد مساوی ہوئی تو ان لوگوں کا انتخاب مبارک ہوگا۔ اور مسرتیں لائے گا۔ اور آخر میں قرعہ اندازی سے اوّل، دوم اور سوم کا تعین کیا جائے گا۔ ان کو زیتون کی شاخ کا تاج پہنایا جائے گا اور انھیں افضلیت کے انعام سے نوازا جائے گا اور ساری دنیا میں اعلان کر دیا جائے گا کہ میگنیٹس (Magnetes) کا شہر دیوتاؤں کے فضل سے ایک بار پھر محفوظ ہو گیا ہے۔ اور سورج دیوتا اور اپالو کی خدمت میں اپنے تین ثمر نورس نذر کر رہا ہے۔ یہ پرانے قانون کے مطابق ایک مشترکہ نیاز اس وقت سمجھی جائے گی جب تک ان کی زندگی ان نے حاصل شدہ عدل سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ یہ منتخب افراد پہلے سال میں بارہ محتسبوں کا تقرر کریں گے۔ یہ لوگ اس وقت تک یہ فرض ادا کرتے رہیں گے جب تک وہ پچھتر (۷۵) برس کے نہیں ہو جاتے۔ اس تعداد میں ہر سال تین کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور یہ لوگ تمام عدالتی عہدیداروں کو بارہ حصوں میں تقسیم کریں گے۔ اور اس عہدہ پر فائز افراد کی اہلیت کو آزاد شہریوں کی آزمائش کا ہر طریقہ استعمال کر کے ثابت کریں گے اور وہ جب تک اس عہدہ پر رہیں گے ہیلیوس اور اپالو کے مندر کے اس مشترکہ احاطے میں قیام پذیر رہیں گے۔ جہاں وہ منتخب ہوئے تھے۔ ان کے فیصلے کچھ تو انفرادی ہوں گے اور کچھ اجتماعی اور کھلے میدان میں اپنی ہر عدالت کے دائرۂ کار کے بارے میں تحریر رکھی جائے گی۔ جس میں یہ وضاحت کی جائے گی کہ عدالتی عہدیدار کو کیا سزا اور جرمانہ ہو سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ محتسب کریں گے۔ اگر عدالتی عہدیدار یہ تسلیم نہ کریں کہ ان کے ساتھ انصاف ہوا ہے۔ تو وہ محتسب کو منتخب منصفین کی عدالت میں پیش کر سکتا ہے اور اگر فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں ہوا تو وہ محتسب پر بھی مقدمہ چلا سکتا ہے۔ تاہم اگر جرم ثابت ہو جاتا ہے اور موت کی سزا ملی ہے تو اسے مرنا ہی ہوگا۔ (ظاہر ہے وہ ایک ہی بار مرے گا) لیکن اگر کوئی جرمانہ ہوتا ہے تو اسے اس کا دوگنا ادا کرنا ہوگا۔

آیئے اب محتسب کی کارگزاری کا جائزہ لیں کہ ان کا احتساب کیا ہوگا، کس طرح کا ہوگا؟ ان

حضرات کی حیات میں جنھیں تمام ریاست نیک چلنی کے اعزاز کا مستحق تسلیم کرتی ہے۔ وہ تمام عوامی اجتماعات، یونانی قربانیوں، مقدس سفارت اور دیگر مذہبی رسومات میں پہلی نشست کے حق دار ہوں گے۔ جس میں وہ شرکت کرتے ہیں۔ ہر مقدس سفارت کی سربراہی کے لیے ان میں سے ایک کا انتخاب ہوگا۔ اور شہریوں میں سے صرف وہی زیتون کے تاج کے مستحق ہوں گے اور سب کے سب اپالو اور ہیلیوس کے پجاری بھی ہوں گے۔ اور ان میں سے جسے سالانہ انتخاب میں اول قرار دیا گیا ہو بڑا پجاری بنے گا۔ اور ہر سال اس کا نام اس طرح تحریر کیا جائے کہ جب وہ شہر باقی رہے گا اس کی عمر کا پیمانہ بنا رہے گا۔ موت کے بعد ان کا جنازہ تیار کر کے جلوس کی صورت میں قبرستان لے جایا جائے گا۔ ان کی تجہیز و تکفین اس طرح کی جائے گی کہ جو عام شہریوں سے مختلف اور نمایاں ہوگی۔ انھیں سفید براق کفن دیا جائے گا اور ان پر کوئی نوحہ ماتم نہیں کرے گا۔ اس کے تابوت کے ایک طرف پندرہ لڑکے اور دوسری جانب پندرہ ناکتخدا لڑکیاں ہوں گی جو باری باری متوفی پجاری کی شان میں اشعار پڑھیں گے اور تمام دن ان کی خیر و برکات کا بیان جاری رکھیں گے اور علی الصبح ایک صد (۱۰۰) ایسے نوجوان جو ورزش کی مشق کرتے ہیں اور جنھیں ان کے عزیزوں نے اس موقع کے لیے نامزد کیا ہو تابوت کو مزار تک لے جائیں گے۔ فوجی وردی میں ملبوس نوجوان ہوں گے۔ سوار گھوڑوں پر، بھاری اسلحہ والے سرتاپا مسلح ہو کر دیگر اسی طرح آگے آگے ہوں گے۔ جو بچے تابوت کے قریب اور آگے ہوں گے ان کے لبوں پر قومی نغمات ہوں گے۔ لڑکیاں ان کے پیچھے ہوں گی۔ اور ان کے ساتھ وہ عورتیں ہوں گی جو بچے جننے کی عمر سے گزر چکی ہیں۔ ان کے بعد پجاری اور پجارنیں ہوں گی جن کو دیگر جنازوں میں شرکت سے منع کیا گیا ہے۔ وہ اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب پائتھی (Pythian) کے ہاتف انھیں اجازت نہ دیں۔ کیونکہ اس تدفین کی رسم کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہونا چاہیے۔ یہ قبر زیرزمین مستطیل جوف پر مشتمل ہوگی۔ جسے آتش فشانی چٹان سے تعمیر کیا جائے گا۔ جو عرصہ دراز تک قائم رہے گی۔ اس کے اطراف میں پتھر کی نشستیں بھی ہوں گی۔ جس پر اس متبرک جسم کو رکھیں گے۔ اور قبر کو گنبد کی شکل میں مٹی سے ڈھک دیں گے۔ اور اس کے تین اطراف میں درختوں کے جھنڈ لگائیں گے جدھر مزید قبریں بنائی جا سکتی ہیں۔ جن پر کسی نئے گنبد کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہر سال موسیقی، جسمانی کرتب، اور شہ سواری کے مقابلے متوفی کے اعزاز میں منعقد ہوا کریں گے۔ اعزازات ان لوگوں کو ملیں گے جو احتساب کے بعد پاک صاف ثابت ہوں گے۔ لیکن کوئی احتساب کے فیصلے کے اعلان کے بعد اس خیال سے کہ احتساب کا عمل مکمل ہو چکا ہے کج فطرتی کا اظہار کرتا

ہے تو قانون کا یہ حکم ہوگا کہ جو چاہے وہ اسے الزام میں ماخوذ کر سکتا ہے اور مقدمہ درجہ ذیل طریقے سے چلایا جائے گا۔ اول تو عدالت قانونی نگرانوں پر مشتمل ہوگی اور وہ محتسب ان کے ساتھ شریک ہوں گے جو ابھی زندہ ہیں۔ اس کے علاوہ منتخب منصفین کی عدالت بھی اس معاملے میں شرکت کرے گی اور مدعی اپنا مقدمہ اس انداز سے پیش کرے گا:

وہ بیان میں کہے گا کہ فلاں فلاں نیکی کے اعزاز اور اپنے عہدے کا اہل نہیں ہے اور اگر مدعا علیہ کو سزا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے عہدے سے فارغ کر دیا جائے گا اور تجہیز و تکفین اور دیگر اعزازات سے بھی محروم ہو جائے گا۔ لیکن اگر مدعی کو عدالت کے پانچویں حصے کی بھی حمایت حاصل نہیں ہوتی تو اسے اگر وہ اعلیٰ طبقہ کا ہوا تو بارہ، دوسرے طبقے کا ہوا تو آٹھ، تیسرے طبقے کا ہوا تو چھ اور چوتھے طبقے کا ہوا تو دو نقرئی سکے ادا کرنے ہوں گے۔

رادامینتھس (Rhadamanthus) کا نام نہاد فیصلہ قابل تحسین ہے۔ اسے علم تھا کہ اس کے زمانے کے لوگوں کو یہ یقین تھا اور انھیں کوئی شک نہیں تھا کہ دیوتاؤں کا وجود ہے جو اس دور میں بڑی معقول بات تھی۔ کیونکہ بیشتر لوگ دیوتاؤں کے بیٹے تھے۔ اور روایت کے مطابق وہ خود ان میں شامل تھا۔ یہ نظر آتا ہے کہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ انصاف انسانوں سے نہیں بلکہ دیوتاؤں سے ہونا چاہیے۔ اور اس خیال کے پیش نظر وہ مقدمات کا فیصلہ کیا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ فریقین سے دیوتا کے نام پر متنازع امور پر حلف لیتا تھا اور اس طرح معاملہ تیزی اور صفائی سے نمٹ جاتا تھا۔ لیکن فی زمانہ جب ایسے لوگ بھی ہیں جو دیوتاؤں کے وجود کے قائل نہیں۔ کچھ یہ خیال کرتے ہیں وہ انسانوں سے ہمدردی نہیں رکھتے اور بیشتر اور برتر افراد کی یہ رائے ہے کہ چھوٹی موٹی قربانیوں اور چند چکنی چپڑی باتوں سے انھیں خوش کر کے بڑی بڑی رقوم ہضم کی جا سکتی ہیں اور انھیں دیوتاؤں کے فضل سے کوئی سزا بھی نہیں ملے گی۔ اس صورت میں رادامینتھس کا طریقہ کار حصول انصاف کے لیے موزوں نہیں رہا۔ کیونکہ دیوتاؤں کے بارے میں لوگوں کی رائے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قوانین میں بھی تبدیلی آنا چاہیے۔ مقدمات کی منظوری کے ضمن میں فریقین کے حلف کی بجائے کسی معقول قانون کی ضرورت ہوگی۔ جو شخص مقدمہ چلانا چاہتا ہے وہ پہلے الزامات تحریر کرے گا لیکن اس میں کسی قسم کے حلف کا اضافہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح مدعا علیہ بھی الزام سے انکار کا تحریری بیان عدالتی عہدیدار کے حوالے کرے گا اور کوئی قسم نہیں اٹھائے گا کیونکہ ریاست میں متعدد قانونی مقدمات کی کارروائیوں کے پیش نظر اس بات کا علم

بڑا ہی بھیانک ہوگا کہ لوگ جو عوامی ضیافتوں اور دیگر اجتماعات میں ایک دوسرے سے بلا تکلف ملتے جلتے ہیں اور نجی زندگی میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہیں ان میں سے تقریباً نصف جھوٹی گواہی دینے کے عادی ہیں۔ اس کے لیے قانون کی شکل درج ذیل ہوگی:

منصف فیصلہ دینے سے قبل حلف اٹھائے گا اور جو فرد ریاست کے لیے عدالتی عہدیداروں کا انتخاب کرے گا وہ یا تو اپنی رائے کا حلف کے بعد یا کسی مندر سے لائی ہوئی تختی پر اظہار کرے گا۔ اس طریقے پر رقص، موسیقی، شہ سواری، جسمانی کرتب اور کسی ایسے معاملے کے منصفین بھی عمل پیرا ہوں گے جن کے فیصلے پر جھوٹی گواہی کا کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ لیکن ایسے تمام معاملات میں جب حلفیہ انکار سے حلف لینے والے کو فائدہ پہنچتا ہے تو اس کا فیصلہ فریقین کے حلف کے بغیر ہی کیا جائے گا اور معاملے کے منصفین فریقین کو اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ کسی کو ترغیب دینے یا خود یا اپنے قبیلے کو کوسنے دینے اور زنانہ انداز میں بیہودہ قسم کی منت سماجت کے لیے حلف کو استعمال کریں۔ لیکن انھیں ہمیشہ یہ بتایا اور جتایا جائے گا کہ منحوس قسم کے الفاظ کیا اور کیسے ہوتے ہیں۔ اور جو ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھے گا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ غیر متعلق بیان دے رہا ہے۔ اور منصفین اس کی توجہ اصل موضوع کی طرف مبذول کریں گے دوسری جانب غیر ملکی کسی دوسرے غیر ملکی سے اپنے معاملات میں موجودہ رواج کے مطابق حلف اٹھاتے رہیں گے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر و بیشتر اس شہر میں بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچیں گے اور نہ ہی ان کے بچے یہاں ہوں گے جو اس سرزمین کے وارث بنیں گے۔

جہاں تک نجی مقدمات چلانے کا تعلق ہے تو تمام شہریوں کے باہمی امور کا فیصلہ اسی طرح کیا جائے گا جس طرح ریاست اور کسی آزاد شہری کے مابین چھوٹے موٹے مقدمات کا کیا جاتا ہے۔ جن کی سزا کوڑے، قید یا پھانسی نہیں ہوتی۔ لیکن اجتماعی موسیقی، جلوس، یا دیگر جلسوں میں حاضری، زمانہ قربانی کی رسموں اور زمانہ جنگ میں اخراجات کے لیے چندہ ایسے معاملات ہیں جن میں ضروری ہے کہ پہلے نقصان کی تلافی کے لیے اقدام کیے جائیں جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس سے مطلوبہ رقم کی وصولیابی کا اختیار ایسے عہدیداروں کو حاصل ہوگا جو شہر کی عدلیہ اور قانون کو اس امر کی ضمانت فراہم کریں گے۔ اگر ان کی ضمانت ضبط ہوگی جس مال کو انھوں نے رہن رکھا ہے وہ فروخت کر کے اس کی رقم شہری انتظامیہ کے حوالے کر دی جائے گی۔ لیکن اگر انھیں اس سے زیادہ رقم ادا کرنی پڑے تو متعدد عدالتی عہدیدار نافرمان افراد پر جرمانے کریں گے

اوران کو عدالت میں پیش کر دیا جائے گا تا آنکہ وہ عدالتی حکم پر عمل درآمد نہ کر لیں۔

جس ریاست کی آمدنی کا انحصار کاشت کاری پر ہے۔ اس کی کوئی غیر ملکی تجارت نہیں ہے اسے یہ سوچنا ہوگا کہ وہ اپنے باشندوں کی دوسرے ممالک میں ہجرت اور غیر ملکیوں کے استقبال کے لیے کیا اقدام کرے۔ ان معاملات پر بھی قانون ساز کو غور کرنا ہوگا اور اس کا آغاز وہ لوگوں کو اس کی ترغیب دے کر ہی کر سکتا ہے۔ مملکتوں کے درمیان باہمی رابطوں سے طریق کار میں افراتفری پیدا ہو سکتی ہے۔ غیر ملکی ہمیشہ غیر ملک والوں کو نئی نئی باتیں سمجھاتے رہتے ہیں۔ جب کسی ریاست کا نظام عمدہ قوانین کے طفیل اچھی طرح چل رہا ہو تو ان نئی باتوں سے بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اس امر کے پیش نظر کہ بیشتر مملکتوں کا نظام اچھی طرح نہیں چل رہا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ غیر ملکیوں کی آمد اور خود اپنے شہریوں کی بڑی تعداد میں ہجرت اور ہر جوان اور بوڑھا ہر کہیں اور ہر وقت جانے پر کمر بستہ ہو تو افراتفری پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ریاست غیر ملکیوں کے داخلے سے اور خود اپنے شہریوں کو ملک سے باہر جانے سے انکار کرتی ہے تو یہ امر غیر ممکن ہوگا اور دنیا کی نظر میں یہ فعل ظالمانہ اور غیر مہذب ہوگا۔ یہ کام تو وہ لوگ کرتے ہیں جو سخت الفاظ کے استعمال کے عادی ہوتے ہیں۔ غیر ملکیوں کو ملک بدر کر دیتے ہیں اور جو سخت گیر اور اکھڑ ہوتے ہیں ان کے بارے میں لوگوں کا یہی تاثر ہوتا ہے۔ یہ دنیا کا خیال اچھا ہے یا برا کوئی معمولی بات نہیں ہے نیک و بد کا فیصلہ کرنے میں اکثریت غلطی نہیں کر سکتی خواہ وہ خود اپنی نیک طبعی سے دور ہو۔ بد کرداروں میں بھی صحیح اندازہ لگانے کا وجدان موجود ہوتا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بداخلاق ہوتے ہوئے بھی درست طریقے سے بدی اور نیکی کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ اس لیے شہروں کے عام باشندے اپنے اس مطالبے میں حق بجانب ہیں کہ دنیا میں نیک نامی کمانے کو اہمیت دی جائے۔ کیونکہ کوئی حقیقت اس سے زیادہ عظیم تر اور اہم تر نہیں ہے کہ جو دراصل نیک ہوتا ہے (میرا اشارہ اس شخص کی طرف ہے جو کامل ہے) وہ شہرت کی تلاش نیکی کے ساتھ کرتا ہے اس کے بغیر نہیں۔ ہماری مجوزہ مملکت کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے اپنی نیک نامی کا خراج وصول کرے۔ یہ بات بھی قابل یقین ہے کہ یہ خیال حقیقت میں تبدیل ہو جائے تو یہ شہر ان معدودے چند شہروں میں شمار ہوگا جو سورج اور دیگر دیوتاؤں کی نظر میں بہترین نظم و نسق کا حامل قرار پائے گا۔ اس لیے ہم بیرون ملک سفر اور غیر ملکیوں کی آمد سے متعلق درج ذیل قانون کا نفاذ کرتے ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ چالیس برس سے کم عمر کے کسی شخص کو غیر ملکی سفر کی اجازت نہیں ہوگی۔ کوئی نجی حیثیت میں نہیں بلکہ صرف سرکاری حیثیت میں

سفیر، قاصد، یا کسی مقدس سفارت پر بیرونی سفر کر سکے گا۔ کسی مہم یا جنگ کے سلسلے میں باہر جانے پر یہ پابندیاں عائد نہیں ہوں گی۔ ڈیلفی میں اپالو، اولپمیا میں زیوس، اور نیمیا (Nemea) اور استھمس (Isthmus) کے مندروں میں ان دیوتاؤں سے منسوب قربانیوں، کھیلوں کے مقابلوں میں شرکت کے لیے شہریوں کو موقع فراہم کیا جائے گا۔ بہترین اور باصلاحیت شہریوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو ان مقدس اجتماعات میں بھیجا جائے گا تاکہ امن کے زمانے میں ملک کا نام روشن ہو یہ وہ اعزاز ہو گا جو جنگی اعزازات کے برعکس ہو گا اور وطن واپسی پر وہ نوجوانوں کو یہ بتائیں گے کہ دوسرے ملکوں کا معیار ان کے معیار سے کمتر ہے۔ وہ دوسری قسم کے تماشائی بھی قانون کے نگرانوں کی اجازت سے بھیجیں گے جو اس قابل ہوں گے کہ دوسرے ملکوں کی کارکردگی کا صحیح جائزہ لے سکیں۔ کوئی قانون اس میں مانع نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس مملکت کو اچھے بُرے لوگوں کا تجربہ یا ان سے رابطہ نہ ہو۔ تو وہ پوری طرح مہذب نہیں کہلائے گی اور نہ ہی کسی ریاست کے شہری عادتاً بغیر سوچے سمجھے قانون کی پیروی کر سکتے ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ دو چار ایسے روحانی تاثیر والے افراد ہوتے ہیں جن سے شناسائی بے بہا ہوتی ہے۔ ایسے افراد ان ممالک میں بھی پیدا ہوتے ہین جہاں نظم و نسق عمدہ ہے اور وہاں بھی جہاں انتظام و انصرام میں خامی ہی خامی ہوتی ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہوتی ہیں جن کی اچھی مملکت کے شہریوں کو ہمیشہ تلاش کرنی چاہیے۔ وہ بحری سفر کریں، بری سفر کریں اور اسے تلاش کریں جن کی دیانتداری پر کبھی کوئی حرف نہ آیا ہو۔ تاکہ وہ اپنی ریاست کے عمدہ اداروں کو مزید مستحکم بنا سکیں۔ اور ان کی خامیاں دور کریں۔ ریاست صاف ستھرے احتساب اور چھان بین کے بغیر مکمل ہو سکتی ہے نہ کہ بدنیتی پر مبنی احتساب سے۔

کلینیاس : بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ احتساب بھی ہو اور صاف ستھرا بھی؟

اجنبی : اس طرح: اوّل تو ہمارے تماشائیوں کی عمر کم از کم پچاس برس ہو گی۔ وہ حرب و ضرب میں شہرت کا حامل ہو۔ اور اسے دوسرے ملک میں خود کو قانون کے پاسدار کی حیثیت سے پیش کرنا چاہیے۔ لیکن ساٹھ سال کا ہونے کے بعد وہ تماشائی کے عہدے سے فارغ کر دیا جائے گا اور جب وہ دس سال کی مدت میں جتنے چاہے اتنے احتساب کر چکا ہو تو وہ فارغ ہونے کے بعد خود کو قانون کا جائزہ لینے والوں کے ادارے میں پیش کرے گا جو نوجوان اور معمر حضرات پر مشتمل ہو گا۔ روزانہ علی الصبح اپنا اجلاس منعقد کریں گے۔ ان میں اول تو وہ پجاری شامل ہوں گے جنھیں نیک چلنی کا اعزاز مل چکا ہے۔ اس کے بعد قانون کے نگرانوں کی باری ہو گی جن میں دس معمر ترین منتخب کیے جائیں

گے۔آخری رکن تعلیم کا نگران ہوگا۔مزید برآں دفتر سے فارغ ہونے والے بھی ان میں شامل ہوں گے۔ان میں سے ہر رکن اپنے ہمراہی کی حیثیت سے کسی بھی نوجوان کا انتخاب کرسکتا ہے۔ جن کی عمریں تیس اور چالیس سال کے درمیان ہوں گی۔ یہ لوگ پابندی سے ملک کے قوانین اور دیگر ان قوانین کو زیرِ غور لائیں گے جو ان کی اطلاع کے مطابق دوسرے ملکوں میں رائج ہیں۔وہ ان کے علاوہ طرح طرح کی ان معلومات پر بھی غور کریں گے جو احتساب کے کام پر روشنی ڈالتی ہیں یا جن کی کمی سے قانون کا موضوع انھیں غیر واضح اور مشکوک محسوس ہوتا ہے ایسی کسی بات کو جس کی یہ معمر حضرات تصدیق کرتے ہیں نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اسے تندہی سے سیکھیں اور وہ لوگ جو مدعو کیے گئے ہیں ان میں کوئی نااہل ثابت ہوتا ہے تو سارا اجلاس اس رکن کو ایک نااہل کو مدعو کرنے کا الزام لگائے گا۔جو نوجوان اس طرح منتخب ہوں گے سارا شہر ان پر نظر رکھے گا اور کامیابی کی صورت میں ان کا خصوصی طور پر احترام کرے گا۔لیکن اگر وہ کمتر ثابت ہوئے تو ان کی تحقیر میں کسر نہ چھوڑی جائے گی ۔ یہ وہی اجلاس ہوگا جہاں ایسے لوگ وطن واپس ہوتے ہی حاضری دیں گے ۔اور اگر کوئی ایسا ہے جس کے ذہن میں قانون کے نفاذ، تعلیم و تربیت کے بارے میں کوئی نیا خیال ہے۔کوئی بات مشاہدے میں آئی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ انھیں بھرے اجلاس میں بیان کر دے۔لیکن اگر نظر آئے کہ وہ جیسا گیا تھا ویسا ہی لوٹ آیا ہے تو کم از کم اس کے جوش اور جذبے کو سراہنا چاہیے۔اور اگر اس میں بہتری کے آثار نظر آئیں تو اس کی مزید توصیف نہ صرف اس کی زندگی میں بلکہ موت کے بعد بھی اسے ایسا اعزاز دیں جو یادگار رہے۔ لیکن اگر وہ وطن اس طرح واپس آئے کہ وہ بدعنوان نظر آئے، عقل کا دعویٰ کرے جس سے وہ عاری ہو۔تو وہ کسی نوجوان سے بوڑھے سے، کوئی ربط و ضبط نہیں رکھے گا۔اور اگر وہ حکمرانوں کا حکم مانے تو اسے غیر سرکاری شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی اجازت مل جائے گی۔لیکن اگر سرتابی کرے گا تو تعلیم اور قوانین میں مداخلت کے جرم میں عدالت کے فیصلے کے مطابق اس مرنا پڑے گا۔اور اگر وہ مقدمے میں ماخوذ ہو سکتا ہے اور کوئی عدالتی عہدیدار اسے ماخوذ نہیں کرتا تو نیک چلنی کے انعامات طے کرتے وقت انھیں لائق تحقیر تسلیم کیا جائے گا۔

باہر جانے والے کا یہی کردار ہونا چاہیے۔اور وہ انھی شرائط کے تحت غیر ملکی سفر پر نکلے

گا۔اس طرح جو غیر ملکی ملک میں آئے اس کا دوستانہ استقبال ہونا چاہیے۔دیکھیے نا یہ غیر ملکی چار قسم کے ہوتے ہیں ان کا تذکرہ ضروری ہے۔ پہلے وہ لوگ ہیں جو آ کر گرمیاں یہاں گزارتے ہیں۔ یہ موسمی پرندوں کی طرح ہوتے ہیں جو تجارت کے لیے رخت سفر باندھتے ہیں اور سمندروں کو پار کرتے ہوئے شہر میں وارد ہوتے ہیں اور تجارتی سرگرمیاں جاری رہنے تک قیام کرتے ہیں۔اس کا استقبال منڈیوں، بندرگاہوں، اور شہر کے مضافات کی سرکاری عمارتوں میں وہ اہلکار کریں گے جن کی یہ ذمہ داری ہے۔ وہ یہ یقینی بنائیں گے کہ ہر معاملے میں ان کے ساتھ انصاف ہو۔لیکن اسے کسی نئی بات کے آغاز کی اجازت نہیں ہوگی وہ اس سے حسب ضرورت مذاکرات کریں گے جو مختصر سے مختصر ہوں گے۔ دوسری قسم میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو بطور سیاح آتے ہیں اور موسیقی کے میلوں کو دیکھنے اور سننے آتے ہیں۔فلاحی کام کرنے والے، پجاری اور مذہبی قائدین کو چاہیے کہ وہ مندروں میں ان مہمانوں کی شایان شان میزبانی کریں لیکن ان کا قیام زیادہ طویل نہیں ہو گا۔وہ جو کچھ دیکھنے اور سننے آتے ہیں۔اسے ضرور دیکھیں اور سنیں اور کسی قسم کے نقصان یا اذیت کا سبب نہ بنیں۔اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہوگی تو پجاری اس کا فیصلہ کریں گے۔لیکن اگر معاملہ پچاس طلائی سکوں سے زیادہ کا ہوا تو یہ مقدمہ کھلے میدان کے نگران کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو کسی سرکاری کام کے لیے آتے ہیں۔سرکاری طور پر ان کا استقبال ہوگا۔اعلیٰ فوجی افسر، سوار اور پیدل دستوں کے سالار اور اس کی میزبانی کا ذمہ دار فرد پرائیٹینس (Prytanes) کے تعاون سے ان کا استقبال کریں گے اور اس کے تمام امور کی نگہداشت کا فریضہ انجام دیں گے۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو ہمارے تماشائیوں کا ایک طرح جواب ہے اور یہ لوگ بھی ہمارے ملک کے مشاہدے کے لیے آتے ہیں۔اولاً تو ایسے دورے شاذ و نادر ہی ہوں گے اور یہ تماشائی کم از کم پچاس برس کے ہوں۔وہ غالباً ان باتوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے جو دوسرے ملکوں میں کمیاب یا نایاب ہیں۔ ایسے لوگوں کو دانشوروں اور دولتمندوں سے ملاقات پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ مثلاً وہ ناظم تعلیمات کے گھر اس اعتماد کے ساتھ جائے کہ وہ اس میزبان کا موزوں مہمان ہے۔ یا وہ ایسے افراد کے مکان پر بھی جائے گا جنھیں دیانتداری کے اعزاز ملے ہیں۔ان سے مذاکرات کریں گے۔جن سے فریقین سبق حاصل کریں

گے اور سب سے ملاقاتیں کرنے اور سننے سنانے کے بعد وہ اسی طرح رخصت ہوں گے جس طرح دوست اپنے کسی دوست کو رخصت کرتا ہے۔ انھیں تحفے بھی دیے جائیں گے اور ان کی تعریف بھی کی جائے گی۔ یہی وہ طریقے ہیں جس کے تحت ہماری ریاست غیر ملکی خواتین وحضرات کو خوش آمدید کہے گی۔ اور اپنے شہریوں کو باہر بھیجے گی۔ اور میزبانی کے دیوتا زیوس کا احترام ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور ہم فرزندانِ نیل (Nile) کی طرح غیر ملکیوں کو ضیافتوں اور قربانیوں کی رسوم میں شرکت سے باز رکھیں گے۔ نہ ہی انھیں سفاکانہ احکام دے کر ملک بدر کرتے ہیں۔

جب کوئی ضامن بنتا ہے تو چاہیے کہ وہ جو ضمانت پیش کرے وہ نمایاں اور یقینی ہو اور اگر رقم ایک ہزار سے کم ہو تو تین گواہ اور ہزار سے زائد طلائی سکوں کی صورت میں پانچ گواہوں کی موجودگی میں تحریر کی جائے۔ بددیانت اور بے اعتماد تاجر کا کارندہ خود بھی اس کا ذمہ دار مانا جائے گا۔ اور مالک اور کارندہ دونوں ہی ماخوذ کیے جائیں گے۔ اگر کسی کو کسی دوسرے شخص کے مکان میں کوئی شے دیکھنا ہو تو وہ وہاں برہنہ داخل ہوگا یا ایک چھوٹی سی کرتی پہنے گا اور کوئی کمر بند نہیں ہوگا اور پہلے اپنے رسمی دیوتا کا حلف اٹھائے گا کہ اسے توقع ہے کہ وہ شے اسے وہیں ملے گی۔ اس کے بعد وہ مکان کی تلاشی شروع کرے گا۔ دوسرا شخص اپنا مکان کھول دے گا اور اسے ہر کھلی اور مقفل شے دیکھنے کی اجازت دے گا۔ اگر کوئی متلاشی کو تلاشی لینے کی اجازت نہیں دے گا۔ جسے تلاشی سے روکا جائے گا وہ اسے عدالت میں لے جائے گا۔ وہ اس سامان کی قیمت کا تخمینہ بھی بتائے گا جس کی اسے تلاش ہے اور اگر دوسرا جرم میں ماخوذ ہوا تو اسے اس قیمت کا دوگنا ادا کرنا پڑے گا۔ اگر مالک مکان سے غیر حاضر ہوا تو اس مکان کے مکین اسے تمام غیر مقفل اشیا دیکھنے کی اجازت دیں گے اور مقفل املاک پر متلاشی اپنی مہر ثبت کردے گا اور وہ کسی قابل اعتماد آدمی کو پانچ روز کے لیے اس کی حفاظت پر مامور کرے گا اور اگر مالک مکان اس سے زیادہ عرصے کے لیے غائب رہے تو وہ شہر کے نگرانوں کے ہمراہ کھلی اور مقفل املاک میں بھی اپنا گمشدہ مال تلاش کرے گا اور اس کے بعد اہل خاندان اور قانون کے نگرانوں کے ساتھ مل کر انھیں حسب سابق مقفل کردے گا۔ متنازعہ اموال سے متعلق کسی مدت کا تعین ضروری ہے اور اگر وہ شے کسی کے پاس ایک خاص مدت تک رہ جائے تو پھر کسی کو اسے تنگ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ رہ گیا مکان اور زمین کا معاملہ تو

یادر کھیے ہماری مجوزہ ریاست میں اس کا کوئی تنازع کھڑا نہیں ہوگا۔لیکن اگر کسی کی کوئی اور ملکیت ہوئی جس کا اس نے شہر میں یا کھلے میدان یا مندر میں کھلم کھلا اظہار کرتا رہا ہے اور کسی نے اس پر دعویٰ نہیں جتایا ہو اور کوئی آ کر یہ کہتا ہے کہ اس عرصے میں وہ انھیں تلاش کرتا رہا ہے اور یہ ثابت ہو جائے کہ قابض نے انھیں کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ معاملہ ایک برس تک اس طرح جاری رہا کہ قبضہ کسی کا تھا اور تلاش کسی اور کو تھی تو سال گزر جانے کے بعد بھی متلاشی کا دعویٰ ناقابل تسلیم ہوگا۔ یا اگر گمشدہ املاک کو نہ تو اس نے استعمال کیا ہو اور نہ ہی بازار یا شہر میں ظاہر کیا ہو اور پانچ سال تک کوئی اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتا تو پانچ سال کی مدت کے خاتمے پر املاک، پر ہر کسی کا دعویٰ ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار پائے گا۔لیکن وہ اسے صرف شہر میں اپنے گھر ہی میں زیر استعمال رکھتا ہے تو اس کے مطالبے کی مدت صرف تین سال اور دیہی علاقے کی صورت میں دس سال ہوگی اور اگر وہ مال کسی غیر ملک میں ہو تو نہ کوئی مدت کی حد ہوگی اور نہ ہی کوئی مقررہ طریق کار بلکہ جب بھی مالک کو پتا چلے وہ اس پر دعویٰ کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو خواہ وہ اصل فریق ہو یا گواہ مقدمے میں پیش ہونے سے روکتا ہے اور اگر وہ آدمی خود اس کا یا کسی دوسرے کا غلام ہو تو مقدمہ نامکمل اور بے ضابطہ مانا جائے گا۔لیکن جسے روکا گیا ہے وہ آزاد شہری ہوا تو مقدمہ نامکمل ہونے کے علاوہ روکنے والے کو سال بھر کی قید ہوگی اور کوئی بھی فرد اس پر اغوا کا استغاثہ دائر کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص جسمانی کرتب یا موسیقی یا کسی دیگر مقابلے میں اپنے کسی حریف کو شرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو جسے اس کا علم ہو اسے چاہیے کہ وہ متعین منصفین کو اس کی اطلاع دے جو شرکت کے متمنی کو آزادی دلائیں گے۔اگر وہ اس میں ناکام ہوں اور روکنے والا مقابلے میں انعام کا مستحق ہوتا ہے۔تو یہ انعام اسے دیا جائے گا جسے روکا گیا تھا اور اس کا نام اس کی پسند کے مندر میں درج کیا جائے گا۔اور جس نے اسے روکا تھا اسے مندر میں نہ کوئی قربانی دینے اور نہ ہی اپنا نام درج کرانے کی اجازت ہو گی۔بہر صورت خواہ وہ جیتے یا ہارے اسے ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔

اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے چوری کی شے حاصل کرتا ہے تو اس کو وہی سزا ملے گی جو چور کو ملی ہے۔اگر کوئی کسی ملک بدر شخص کی میزبانی کرتا ہے تو اسے موت کی سزا ملے گی۔ہر شخص کو

چاہیے کہ وہ مملکت کے دوست کو اپنا دوست اور مملکت کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھے اور کوئی خود اپنی طرف سے مملکت کی بغیر اجازت کسی سے جنگ یا صلح کرتا ہے تو وہ موت کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر شہر کا کوئی گروہ کسی کے خلاف اعلان جنگ یا صلح کرتا ہے تو فوج کے اعلیٰ افسران اس حرکت کا ارتکاب کرنے والوں پر مقدمہ چلائیں گے اور جرم ثابت ہونے کی صورت میں ان کی سزا موت ہوگی۔ جو ملک کی خدمت کرتے ہیں انھیں تحفے تحائف کی طمع نہیں ہونی چاہیے۔ اس کو نہ تو معاف کیا جائے گا نہ ہی اس اصول کی خلاف ورزی ہوگی کہ لوگوں کو تحفہ اچھے کام کا ملے، برے کا نہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہم کرر ہے ہیں اس کا علم ہونا اور پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہنا آسان کام نہیں ہے۔ محفوظ ترین بات یہ ہے کہ ہم اس قانون پر عمل کریں کہ "رشوت لے کر کوئی کام انجام مت دو" اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور سزا یافتہ ہے تو اسے پھانسی ملے گی جہاں تک سرکاری واجبات کی ادائیگی کا تعلق ہے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی ملکیت کا تخمینہ لگائے اور قبائلی لوگ ہر سال اپنی پیداوار کا رجسٹر شہر کے نگرانوں کے حضور پیش کریں گے۔ گویا اسی طرح دو قسم کے تخمینے ہوں گے اور سرکاری عہدیداران دونوں میں سے جسے مناسب سمجھیں گے قبول کریں گے یہ ان کی صوابدید پر منحصر ہوگا کہ وہ ملکیت کی تخمینہ شدہ قیمت کا یا سالانہ پیداوار کا کچھ حصہ مشترکہ ضیافت کے اخراجات وضع کر کے وصول کریں۔

اب ہم دیوتاؤں کی نیاز کی بات کریں گے۔ اعتدال پسند شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی نذر و نیاز میں بھی اعتدال سے کام لے۔ یاد رکھیے کہ لوگوں کی زمین اور ان کے مکانات دیوتاؤں کی نظر میں محترم ہیں اس لیے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ انھیں دوبارہ دیوتاؤں کی نذر کرے۔ سونا اور چاندی خواہ نجی قبضے میں ہو یا کسی عبادت گاہ کے، ہمیشہ رشک وحسد کی بنیاد بنتے ہیں۔ اور ہاتھی دانت جو مردہ جسم سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح پیتل اور فولاد سے آلات جنگ بنائے جاتے ہیں، اس لیے یہ سب نذرانے میں دینے کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ ہاں البتہ آپ لکڑی جو ایک کندے کی شکل میں ہو اور اسی طرح پتھر کو بھی جس قدر چاہیں عوامی مندروں کی نذر کر سکتے ہیں۔ جہاں تک پارچہ جات کا تعلق ہے وہ صرف اتنا نذر کریں جتنا کوئی خاتون ایک ماہ میں تیار کر سکتی ہے۔ بنے ہوئے پارچہ جات میں خصوصاً سفید رنگ، دیوتاؤں کو بہت پسند ہوتا ہے۔ رنگ صرف

جنگ میں سجاوٹ کے لیے استعمال کیے جائیں، ملکوتی اور پاکیزہ نذرانہ چڑیوں اور تصویروں کا ہوتا ہے یہ بھی ایسے ہوں جیسے ایک مصور دن بھر میں تیار کر لیتا ہے۔ دیگر نذرانوں پر بھی ان ہی اصولوں کا اطلاق ہوگا۔

جب کہ سارا شہر حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور ان کی خصوصیات اور تعداد کا احاطہ کیا جا چکا ہے۔ اور جہاں تک ہو سکا ہے تمام اہم ترین معاہدات سے متعلق قوانین وضع کر دیے گئے ہیں۔ اگلے مرحلہ انصاف دلانے کا ہے۔ ابتدائی عدالتیں منصفین پر مشتمل ہوں گی۔ جن کو مدعی اور مدعا علیہ مل کر منتخب کریں گے۔ ان کو منصفین نہیں بلکہ ثالث کہا جائے گا۔ اس کے بعد کی عدالت میں سرزمین کے بارہ حصوں کی مناسبت سے منصفین گاؤں اور قبائل سے لیے جائیں گے۔ مقدمہ والے ان کے حضور بڑی رقوم کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے جن کا فیصلہ ابتدائی عدالت میں نہیں ہو سکا۔ مدعا علیہ کو اگر دوسری بار شکست نصیب ہو تو وہ مقدمے میں مذکورہ ہرجانے کا پانچ گنا ادا کرے گا۔ اور اگر وہ منصفین میں خامی کی نشاندہی کر کے تیسری بڑی عدالت سے رجوع کرتا ہے تو یہ مقدمہ وہ مخصوص منصفوں کے حضور لے جائے گا اور اگر پھر ہار جائے تو وہ مکمل ہرجانے کے علاوہ اس کا نصف بطور اضافی ہرجانہ ادا کرے گا۔ لیکن اگر مدعی پہلی عدالت میں ناکامی کے بعد دوسری عدالت میں جانے پر مصر ہوا اور وہاں وہ مقدمہ جیت جاتا ہے تو اسے ہرجانے کے علاوہ اس کا پانچواں حصہ مزید ملے گا اور ہارنے کی صورت میں وہ اتنی ہی رقم ادا کرے گا۔ لیکن اگر وہ سابقہ فیصلوں سے مطمئن نہ ہوا اور تیسری عدالت سے رجوع کرنے پر مُصر رہا تو کامیابی کی صورت میں وہ مدعا علیہ سے ہرجانے کی پوری رقم کے علاوہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اس کا نصف مزید وصول کرے گا۔ اور اگر مدعی ہار جائے تو وہ ہرجانے کا نصف ادا کرے گا۔ عدالت میں منصفین کی قرعہ اندازی سے تقرری، ان کی تعداد کو پورا کرنا اور مختلف عدالتی عہدیداروں کے لیے ملازمین کا بندوبست اور مختلف مقدمات کی پیشی کے اوقات، رائے شماری، تاخیر، مقدمات سے متعلق تمام امور، ان کی پیشی کی ترتیب اور جوابدہی کے لیے فریقین کی حاضری کی مدت کا تعین اور اسی طرح کے دیگر امور کے بارے میں پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے تاہم درست بات کا بار بار اعادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ان تمام معمولی اور آسان امور کو جنھیں پہلے قانون سازوں نے

نظر انداز کر دیا تھا ان کا ذکر بعد کے لوگوں کو کر دینا چاہیے اسی طرح نجی عدالتوں کو بڑی حد تک باضابطہ بنایا جاسکتا ہے۔اور جن کو عدالتی عہدیدار متعدد دفاتر کے لیے استعمال کرنے پر مجبور ہیں وہ بے شمار دوسری ریاستوں میں بھی موجود ہیں۔اس طرح متعدد معزز ادارے نیک چلن لوگوں نے قائم کیے ہیں جن سے قانون کے نگراں کئی مفید باتیں اخذ کر سکتے ہیں۔تاکہ ہماری جدید مملکت کا نظام صاف ستھرے طریقے سے چلے۔ان باتوں کو سمجھے،اصلاح کرے،اور آزمائش کر کے انھیں اطمینان بخش بنائے اور ان کو حتمی بنا کر نا قابل تغیر بنا دے اور پھر انھیں ہمیشہ زیر استعمال رکھے۔ منصفین کی خاموشی اور بدشگونی کے الفاظ سے اجتناب یا اس کی ضد اور عدل، نیکی اور وقار کے وہ تصورات جو ہمارے ذہن میں مرتسم ہیں اور دوسری مملکتوں سے مختلف ہیں۔ایسے موضوعات میں جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اور بحث کے ختم ہوتے ہوتے اس کے دیگر پہلوؤں کے ذکر کی باری آ گئی ہو تو ان امور پر اسی درجے کے منصف کی طرح منصفانہ نظر ڈالیں گے اور ان کے بارے میں تحریریں جمع کر کے ان کا مطالعہ کریں گے کیونکہ ہر قسم کے علوم میں سے اچھے قانون سے واقفیت کی طاقت نئے سیکھنے والوں کے لیے بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی ہے ورنہ اس قانون کی کیا حیثیت ہوگی جس کا نام ملکوتی قانون ہے۔اور جو عقل سے مشابہ ہوتا ہے۔کسی کی تعریف اور تنقیص کے الفاظ جو نظم اور نثر میں بھی مستعمل ہیں خواہ وہ لکھے جائیں یا عام گفتگو میں برتے جائیں۔خواہ لوگ ان کی زور و شور سے مخالفت کریں یا بے دلی سے ان کی تائید کریں ان تمام میں سے اصل آزمائش قانون سازوں کی تحریریں ہوتی ہیں۔اور منصف کو چاہیے کہ وہ ان کے الفاظ کو دیگر الفاظ کے تریاق کے طور پر استعمال کرے تاکہ اس کی اور ریاست کی انصاف پسندی کے لیے شہرت ہو۔اور نیکوکاروں کے انصاف کو جاری رہنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔اور بدکاروں کے لیے جہالت اور بے اعتدالی سے نجات کا ذریعہ بنے اور ان کے بُرے خیالات کو کسی نہ کسی حد تک بدل ڈالے۔لیکن جن کی زندگی کا تانا بانا آخری دموں پر ہو انھیں مر جانا ہوگا۔کیونکہ ان کی روح جس بدحالی میں مبتلا ہے اس کا یہی شافی علاج ہے۔میں یہ بات بار بار دوہرا تا رہا ہوں ایسے ہی منصفین اور اعلیٰ منصفین تمام شہر کی طرف سے تعریفوں کے مستحق ہیں۔

سال بھر کے مقدمات کے خاتمے کے بعد مندرجہ ذیل قانون انھیں باضابطہ بنائے گا:

اوّل یہ کہ منصف کامیاب ہونے والے فریق کو وہ تمام ملکیت سوائے ضروریات کے دے دے گا جو ہارنے والے کے قبضے میں ہوگی۔ منصف کے فیصلے کے فوراً بعد ہی نقیب اس کا اعلان کرے گا۔ اور جب منصفوں کی عدالت جس ماہ میں بیٹھے گی اس کے بعد والا مہینہ آئے گا (جب تک کہ مقدمہ جیتنے والا مطمئن نہ ہو جائے) تو عدالت مقدمے کو جاری رکھے گی اور ہارنے والے کی ملکیت جیتنے والے کے حوالے کر دی جائے گی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ تمام رقم ادا کرنے کے قابل نہ ہو اور کمی ایک طلائی سکے سے کم ہو تو دیوالیہ شخص کو کسی اور معاملے میں عدالت میں اس وقت تک جانے کی اجازت نہیں ہوگی جب تک وہ یہ قرض ادا نہ کر دے۔ لیکن دوسروں کو اس پر مقدمہ چلانے کا اختیار ہوگا۔ اگر کوئی سزا یافتہ ہونے کے بعد عدالت کا اختیار استعمال نہ کرے تو عدالتی عہدیداران اپنا حق ساقط ہونے کے بنا پر اسے قانون کے نگرانوں کی عدالت میں پیش کریں گے اور مقدمہ ہارنے کی صورت میں اسے پوری مملکت اور قانون کی بیخ کنی کے جرم میں موت کی سزا ملے گی۔

انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس کی پرورش کی جاتی ہے بڑا ہو کر وہ بچے پیدا کرتا ہے۔ اور خود اپنے بچوں کی پرورش کی ذمہ داری نباہتا ہے اور دیگر افراد سے ربط وضبط میں شریک ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو اسے سزا ملتی ہے۔ اور اس سے زیادتی ہوئی ہو تو اس کی دادرسی ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ قانون کی چھتری تلے وہ بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھتا ہے اور وہ فطری نظام کے مطابق دنیا سے رختِ سفر باندھ لیتا ہے مرد اور عورتوں کی تجہیز و تکفین کی مذہبی رسوم چاہے ان کا تعلق عالم اسفل ہی سے کیوں نہ ہو۔ کس طرح ادا کی جائیں گی اس کا فیصلہ حتمی اختیار رکھنے والے مفسرین کریں گے۔ ان کی قبریں کسی قابلِ کاشت زمین میں نہیں بنائی جائیں گی اور وہاں چھوٹی اور بڑی کوئی بھی یادگار نہیں بنائی جائے گی۔ بلکہ قبریں ایسی زمین میں بنائی جائیں گی جو لاشوں کو ڈھانپنے اور پوشیدہ رکھنے کے لیے مناسب ہوگی اور اس سے زندہ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ کوئی زندہ یا مردہ شخص کسی بھی زندہ شخص کو زمین کی جو بمنزلہ ہماری ماں ہے، زندگی بخش پیداوار سے محروم نہیں کرے گا۔ اور اس پر جو مٹی کا ڈھیر ہوگا وہ اس سے بڑا اور اونچا نہیں ہوگا جسے پانچ آدمی پانچ روز میں بنا دیں۔ قبر کا سنگی کتبہ اتنا بڑا ہو کہ اس پر متوفی کی شان میں چار سطریں لکھی جاسکیں۔

لاش گھر میں صرف اتنی دیر تک رکھی جائے کہ یہ تصدیق ہو جائے کہ متوفی کو سکتہ نہیں ہوا ہے بلکہ واقعی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ عموماً تین دن کی مدت اس کام کے لیے کافی ہوگی۔ اس کے بعد لاش کو قبر کے سپرد کر دیا جائے۔ اب ہمیں قانون ساز کی رائے سے متفق ہونا چاہیے کہ روح ہر لحاظ سے جسم سے برتر ہے۔ زندگی میں بھی جو کچھ بن جاتے ہیں وہ بھی روح کا ہی کارنامہ ہوتا ہے اور جسم ہماری مخصوص صورت میں ہمارے تعاقب میں رہتا ہے۔ اس لیے انتقال کے بعد یہ کہنا درست ہوتا ہے کہ جسم ہمارا سایہ یا تصور ہوتا ہے کیونکہ ہمارا حقیقی اور فنا ناآشنا وجود جسے روح کہتے ہیں دیگر دیوتاؤں کے حضور حاضر ہو کر ہمارے اعمال کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ جو نیک افراد کے لیے ثواب کی امید کو اجاگر کرتی ہے اور بدکرداروں کے لیے شدید عذاب کا پیام بن جاتی ہے۔ ہمارے اجداد کے قوانین نے ہمیں یہی بتایا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ موت کے بعد کسی کی مدد کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن زندہ کی مدد تو اس کے عزیز و اقارب کر سکتے ہیں۔ اگر وہ زندگی میں بہت زیادہ متقی اور پاکباز ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایسے گناہ قابل معافی ہوں اور اس کی کوئی گرفت نہ ہوگی۔ اگر یہ بات درست ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے انسان کو اپنی تمام صلاحیتیں اس تصور پر صرف نہیں کر دینی چاہئیں کہ بے جان عضلات کا یہ ڈھیر جسے ہم سپرد خاک کر رہے ہیں وہ ہمارے وجود کا حصہ ہے۔ اسے یہ سوچنا ہوگا کہ بیٹا بھائی یا کوئی عزیز جسے وہ قبر میں دبا رہے ہیں وہ اس عمل کی تکمیل کے لیے دوسرے جہان میں گیا ہے جو تقدیر نے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ وہ حال کو بنائے سنوارے اور دنیا میں دیوتاؤں کی قربان گاہ پر اعتدال سے خرچ کرے۔ لیکن قانون ساز اس میانہ روی کو جزرسی میں تبدیل نہیں ہونے دے گا۔ اس لیے قانون کے تقاضے درج ذیل ہوں گے:

اعلیٰ ترین طبقے سے متعلق شخص کی تجہیز و تدفین پر پانچ، دوسرے طبقے والے پر تین، تیسرے طبقے پر دو اور چوتھے طبقے والے پر ایک نقرئی سکے کا خرچ مناسب رہے گا۔ قانون سازوں کو چاہیے کہ وہ زندگی کے مختلف مراحل کو یعنی بچپن، جوانی، یا کسی اور کو نظر میں رکھیں اور ہر مرحلے کے خاتمے کے لیے قانون کا کوئی نہ کوئی نگران مقرر ہونا چاہیے جسے متوفی کے احباب منتخب کریں گے تاکہ وہ اس سے متعلق تمام امور اس طرح انجام دیں گے جو مردے کے لیے باعث رحمت اور

نیک نامی ہوگا۔ بصورت دیگر اس کی بدنامی کا موجب بنے گا۔ تکفین و تدفین کی تمام رسوم روایات کے مطابق انجام دی جائیں گی۔ لیکن جو سیاستدان رواج کو قانون تسلیم کرتا ہے اس کو رعایتیں نہیں دی جائیں گی۔ کہ یہ بہت عظیم ظلم ہوگا کہ وہ کسی کو یہ حکم دے، وہ لاش پر نوحہ اور بین کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ با آواز بلند ماتم پر پابندی لگا دے تاکہ اس کی آواز گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور وہ جنازے کو باہر شاہراہ پر لانے کی بھی اجازت نہیں دے گا۔ اور یہ حکم دے گا کہ جنازہ طلوع آفتاب سے قبل شہر کی حدود سے نکال لیا جائے۔ یہی ہمارا قانون ہونا چاہیے۔ اور جو اس کی پابندی کرے گا اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔ لیکن جو کوئی قانون کے کسی ایک نگران کی بھی حکم عدولی کرے گا وہ انھیں فوری طور پر مناسب جرمانے کی سزا دے گا۔ اسی طرح مندروں کو لوٹنے والوں، غداروں اور عزیزوں کو قتل کرنے والوں کی تدفین کے طریقے یا تدفین کے امتناع کے لیے قانون کی تشکیل پہلے ہو چکی ہے۔ اس طرح قانون سازی کا ہمارا کام ختم ہی ہونے والا ہے۔ لیکن کسی کام کے ختم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی بات کی جائے، کسی بات کو حاصل کیا جائے۔ کسی بات کو قانونی حیثیت دی جائے۔ خاتمے کے حصول اور تکمیل کے لیے لازمی ہے کہ ہم اپنے اداروں کے پائیدار تسلسل کا اہتمام کریں۔ جب تک یہ اہتمام نہیں ہوتا ہمارے ادارے نامکمل ہی رہیں گے۔

کلینیاس : بہت خوب۔ لیکن آپ ذرا بات کی مزید وضاحت کر دیں۔

اجنبی : دیکھو نا بہت سی قدیم باتیں بہت اچھی طرح بیان ہوئی ہیں اور ان کی تعریف و توصیف بھی پسند آئی ہے۔ ان ہی میں سے ایک ''تقدیر'' بھی ہے۔

کلینیاس : وہ کیا ہے؟

اجنبی : یہ قول کہ ان میں اول ''لاچی سس'' (Lachesis) ہے جو قرعہ اندازی کا دیوتا ہے اور ''کلوتھو'' (Clotho) یا دوشیزہ کا درجہ اس کے بعد کا ہے اور ''ایٹروپوس'' (Atropos) یا ''غیر تغیر پذیر'' تیسرے درجے میں شمار ہوتا ہے اور یہی دوشیزہ ہمارے ذکر کردہ باتوں کی محافظ بھی ہے۔ انھیں ایک تصویر میں ایسی اشیا سے تمثیل دی گئی جو آگے سے بنی ہوئی ہوں (یعنی ایٹروپوس اور آگ) جس سے غیر تغیر پذیری کا تاثر ابھرتا ہے۔ میں یہاں ان باتوں کا ذکر کر رہا ہوں جو کسی ریاست یا حکومت میں نہ صرف جسم کو صحت و سلامتی عطا کرتی ہیں۔ بلکہ روح کی گہرائیوں میں قانون یا یوں

کہہ لیں قانون کی سلامتی کی ضامن ہیں۔

کلینیاس : یہ معلوم کرنا بڑی معمولی بات ہوگی کہ ایسا مزاج کسی میں کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اجنبی : یقیناً ایسا ہوسکتا ہے مجھے اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا۔

کلینیاس : اگر یہ بات ہے تو بہتر ہوگا کہ ہم اس وقت تک اس کام سے باز نہ رہیں جب تک قانون میں یہ خوبی پیدا نہیں کر لیتے۔ کیونکہ یہ بات تو بڑی مضحکہ خیز ہوگی کہ اتنی محنت صرف کرنے کے بعد ہم کسی شے کو کمزور بنیاد پر قائم کریں۔

مجی لس: آپ کی تجویز کی میں تائید کرتا ہوں میری بھی بالکل یہی رائے ہے۔

کلینیاس : بہت خوب۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے خیال میں ہماری حکومت اور ہمارے قوانین کا تحفظ کس طرح ممکن ہے اور اس کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔

اجنبی : کیا ہم پہلے یہ نہیں کہہ چکے ہیں کہ ریاست میں اسی مقصد کے لیے ایک ادارہ ہوگا قانون کے دس معمر ترین نگران اور نیکی کے اعزاز سے سرفراز ہونے والے تمام افراد اسی ادارے کے اجلاس میں شرکت کریں گے۔ مزید یہ کہ اس اجلاس میں ان لوگوں کی باتیں بھی سنی جائیں گی جو غیر ملکوں کے سفر سے واپس آئے ہیں۔ اور ان سے ایسی باتیں اخذ کی جائیں گی جو قانون کے قیام میں ممد و معاون ہوں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو وطن بحفاظت واپس آئے ہیں۔ اور ان امور کی آزمائش میں کامیابی سے گزرے ہیں اور اس اجلاس میں شرکت کے اہل ثابت ہوئے ہیں۔ ہر رکن کو کم از کم ایک ایسے نوجوان کو منتخب کرنا تھا جو کم از کم تیس (۳۰) برس کا ہو اور اسے خود یہ طے کرنا ہوگا کہ اس کا پسندیدہ نوجوان اپنے مزاج اور تعلیم کے مطابق اس کا اہل ہے یا نہیں۔ اس کے بعد ہی وہ اس کا نام دوسروں کو تجویز کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ دوسروں پر بھی اپنی اہلیت ثابت کرتا ہے تو اسے اجلاس میں شریک کیا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو فیصلہ عام شہریوں خصوصاً مسترد نوجوان سے خفیہ رکھا جائے گا۔ یہ اجلاس علی الصبح منعقد ہوگا جب لوگ دیگر نجی اور سرکاری کاموں سے یکسر فارغ ہوتے ہیں۔ کیا یہ باتیں پہلے نہیں ہو چکی ہیں؟

کلینیاس : ہو چکی ہیں!

اجنبی : اس ادارے کی طرف پھر آتا ہوں کہ اگر ہم اسے ریاست کا ایک ستون تسلیم کر لیں جس میں ہر وہ

شے موجود ہے جو اس کے لیے موزوں ہے تو اس طرح ہم جن باتوں کو تحفظ دینا چاہتے ہیں وہ محفوظ رہیں گی۔

کلینیاس : بات سمجھ میں آئی نہیں۔

اجنبی : وقت آ گیا ہے کہ میں پوری سنجیدگی سے حق بات کہوں۔

کلینیاس : بات اچھی ہے۔امید ہے آپ اپنے قول پر عمل کریں گے۔

اجنبی : میرے دوست کلینیاس۔یاد رکھو کہ ہر شے جو بھی کام کرتی ہے اس میں فطری طور پر ایک بچانے والا عنصر ضرور موجود ہوتا ہے۔جاندار ہی کو لے لو۔اس کی روح اور اس کا ذہن اس کو بچانے والے ہوتے ہیں۔

کلینیاس: ذرا دوہرایئے گا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

اجنبی: ان دونوں کی فلاح ہر زندہ شے کے تحفظ میں پوشیدہ ہے۔

کلینیاس : وہ کس طرح؟

اجنبی : روح دیگر باتوں کے علاوہ عقل اور ذہن کی بھی حامل ہوتی ہے۔وہ دیکھتی بھی ہے اور سنتی بھی ہے۔اور ذہن اشرف ترین حواسوں کے ساتھ مل کر یکجان ہو جاتا ہے جسے ہر شے کا حقیقی محافظ کہا جا سکتا ہے۔

کلینیاس : جی ہاں۔بات کچھ ایسی ہی ہے۔

اجنبی : بالکل درست ہے لیکن آخر اس عقل کا مقصد کیا ہے جو حواسوں کے ساتھ یکجان ہو کر طوفان اور صاف موسم میں بھی جہازوں کو حفاظت میں رکھتا ہے۔جہاز میں جب جہاز راں اور ملاح اپنی اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہیں تو کیا وہ خود کو اور جہاز کو محفوظ نہیں رکھتے؟

کلینیاس : درست۔

اجنبی : ایسی باتوں کے ثبوت کے لیے متعدد مثالوں کی ضرورت نہیں۔اگر ان کا مقصد تحفظ کا حصول ہو تو فوج کے سالار اور کسی معالج کا کیا مقصد ہوگا۔

کلینیاس : بہت اچھی بات ہے۔

اجنبی : کیا فوجی سالار کا مقصد جنگ میں فتح کا حصول نہ ہوگا۔اسی طرح معالج اور اس کے معاونین کا

ہدف جسم کو بیماری سے نجات دینا نہ ہوگا۔

کلینیاس : یقیناً یہی ہوگا۔

اجنبی : اگر کسی معالج کو جسم کا علم نہ ہو یعنی اسے پتا ہی نہ ہو کہ صحت کیا ہوتی ہے یا ایک فوجی سالار فتح سے نا آشنا ہو۔ یا دیگر جوان فنون سے لاعلم ہوں جن کا ذکر ابھی ذرا دیر قبل ہوا تھا تو یہی کہا جائے گا کہ انھیں ان امور کی کوئی سمجھ نہیں ہے۔

کلینیاس : ان کو سمجھ نہیں ہے۔

اجنبی : ایسی ریاست کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ سیاستدان اپنے مقاصد سے ناواقف ہیں تو پہلی بات یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو حکمران کہا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ اس شے کی حفاظت کر سکتا ہے جس کے مقاصد کا اسے علم نہ ہو؟

کلینیاس : یہ ناممکن ہے۔

اجنبی : اس لیے اگر ہم ملک کے انتظام کو بے عیب بنانا چاہتے ہیں تو کوئی نہ کوئی ایسا ادارہ ہونا چاہیے جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے۔ بتائیے کہ ریاست کا مقصد کیا ہے۔ اور ہمیں یہ بھی بتائے کہ اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے ہمیں کس قانون یا کیسے فرد کی ضرورت ہوگی جس ریاست میں ایسا کوئی ادارہ نہ ہوگا وہ عقل و شعور سے محروم ہوگی۔ اس کے تمام کام محض اتفاقیہ طور پر انجام پائیں گے۔

کلینیاس : سچ ہے۔

اجنبی : دیکھنا یہ ہے کہ ریاست کے کن اداروں یا حصوں میں ایسا محافظ جز و پایا جاتا ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے؟

کلینیاس : مجھے یقین تو نہیں ہے لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کا اشارہ اس ادارے کی طرف ہے جس کا اجلاس رات میں ہوتا ہے۔ آپ نے یہی بتایا تھا نا؟

اجنبی : میری بات اچھی طرح آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ ہمیں اپنے ہی دلائل کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ ادارہ نیکیوں سے پُر ہے۔ اور نیکی کی ابتدا اس سے نہیں ہوتی کہ متعدد باتوں کا اندازہ لگانے میں غلطیاں سرزد ہوں۔ بلکہ نیکی تو شروع ہی اس طرح ہوتی ہے کہ ایک شے پر توجہ مرکوز رہے جو سارے مقاصد کی حامل ہو۔

کلینیاس : بالکل درست ہے۔

اجنبی : ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ غلط کار قسم کے ممالک آخر راہِ راست سے کیوں بھٹک جاتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہر قانون ساز کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی خوبی نہیں ہے کہ کچھ لوگ اپنے لیے انصاف کے ضابطے خود مقرر کریں کہ جس کا جی چاہے اچھے برے جیسے چاہے ضابطے وضع کرے۔ کوئی یہ طے کرے کہ شہری کو خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اُسے دولت مند ہونا چاہیے۔ دوسروں کا رجحان آزادی کی جانب ہوتا ہے۔ کچھ لوگ قانون بناتے وقت دو باتوں کا بیک وقت لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں آزاد بھی رہنا چاہتے ہیں اور دوسری ریاستوں کے حکمران بھی، لیکن عقل مند لوگ جیسا وہ خود کو سمجھتے ہیں ان تمام باتوں اور اسی طرح کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی وہ عزت و تکریم کریں۔ وہ یہ چاہیں گے کہ وہ ہی تمام چیزوں کی نگرانی کریں۔

کلینیاس : پھر تو ہماری پہلی بات سچ ثابت ہوگی کہ قانون کی نظر عموماً ایک ہی امر پر جمی رہنی چاہیے اور ہم نے اسے نیکی کا نام دے کر صحیح بات کی تھی۔

اجنبی : جی ہاں۔

کلینیاس : ہم نے تو یہ بھی کہا تھا کہ نیکی چار قسم کی ہوتی ہے؟

اجنبی : بالکل درست ہے۔

کلینیاس : اور یہ بھی کہ ان چاروں کی قیادت عقل کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے دیگر تین اقسام یعنی نیکیوں اور دیگر خوبیوں کا لحاظ رکھنا چاہیے؟

اجنبی : آپ میری بات بڑی اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ میں چاہوں گا آپ آخر تک میری تمام باتوں کو سمجھتے رہیں۔ کیونکہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جہاز راں، معالج اور فوجی سالار کے دماغ ایک ہی جیسے ہوتے ہیں جو اس ایک شے پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہم سیاسی دماغ کی بات کریں گے۔ جس کے بارے میں آدمی زادہ ہونے کے سبب ایک سوال پوچھوں گا۔ اے قابل ستائش ہستی تمہاری نظر کس شے پر ہے؟ معالج اپنی زندگی کے مقصدِ وحید کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن آپ تو خود کو تمام دانش مندوں سے زیادہ ہی برتر اور افضل

سمجھتے ہوں گے مگر جب پوچھا جائے تو وہ کچھ بتانے سے قاصر ہوتا ہے۔ بجی لس اور کلینیاس ذرا یہ تو بتاؤ کہ میں نے جو آپ کے سامنے متعدد وضاحتیں کی ہیں ان کی روشنی میں سیاسی ذہن کا ہدف کیا ہوتا ہے؟

کلینیاس : ہم نہیں بتا سکتے۔

اجنبی : بہت خوب۔ لیکن ہم اسے دیکھنے کی تمنا نہیں رکھتے اور یہ بھی دیکھیں کہ وہ کہاں سے حاصل ہوگا؟

کلینیاس : مثلاً کہاں سے؟

اجنبی : مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ ہم یہ کہہ رہے تھے کہ نیکی چار قسم کی ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت بھی ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : ان چاروں کو ملا کر بھی ہم ایک ہی سمجھتے ہیں، کیونکہ کہتے ہیں شجاعت ایک نیکی ہے۔ دانائی بھی ایک نیکی ہے۔ یہی کیفیت باقی دو کی بھی ہے۔ گویا وہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی ہیں جسے نیکی کہتے ہیں۔

کلینیاس : یہ درست ہے۔

اجنبی: یہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ دونوں کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کے دو نام ہیں۔ یہی حال دیگر دو کا بھی ہے۔ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں ہوسکتی کہ ہم ان دونوں اور باقی دو سب کو نیکی سے کیوں موسوم کرتے ہیں۔

کلینیاس : کیوں ذرا بتایئے نا!

اجنبی : مجھے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ آیئے اس مسئلے کو سوال و جواب میں تبدیل کریں۔

کلینیاس : پھر بتایئے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

اجنبی : آپ پوچھیں کہ وہ ایک بات کون سی ہے جسے میں نیکی کہتا ہوں۔ اس کے بعد اس کا دو خوبیوں یعنی شجاعت اور دانائی کی حیثیت سے تذکرہ کروں گا۔ اب میں بتاتا ہوں کہ یہ کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ایک کا تعلق خوف ہے جس میں حیوان اور معصوم بچے بھی شریک ہوتے ہیں۔ میرا مطلب شجاعت سے ہے کیونکہ نڈر مزاج فطرت کا انعام ہوتا ہے عقل کا نہیں۔ لیکن عقل کے بغیر

حالات کو سمجھنے والی روح نہ پہلے تھی نہ اب ہے اور نہ آیندہ موجود ہوگی۔ اس کی فطرت ہی مختلف ہوتی ہے۔

کلینیاس : بات ٹھیک ہے۔

اجنبی : میں نے یہ بتا دیا ہے کہ یہ دونوں کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دونوں کس لحاظ سے ایک ہی جیسے ہیں۔ فرض کیجیے میں یہ دریافت کروں کہ یہ چاروں کس لحاظ سے یکساں ہیں۔ اور جواب دینے کے بعد آپ کو یہ پوچھنے کا حق ہوگا کہ میں ان کو چار کیوں سمجھتا ہوں۔ اب یہ تحقیق کرنا ہوگا کہ جن اشیا کے نام بھی ہیں اور علیحدہ شناخت بھی ہے ان کی اصل حقیقت کیا نام سے ظاہر ہوتی ہے، شناخت سے نہیں۔ جہاں تک عظیم اور معروف حقائق کا تعلق ہے علم کسی نکمے شخص کو نہ ہو تو وہ اس کے لیے باعث ننگ ہوگا؟

کلینیاس : میرے خیال سے نہیں۔

اجنبی : ہم اس وقت شجاعت، تحمل، دانائی اور عدل جیسی خوبیاں کا ذکر کر رہے ہیں۔ کیا قانون سازوں، قانون کے نگرانوں اور لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ چونکہ انھوں نے نیکی کے سبب زیتون کی شاخ کے تاج کا اعزاز حاصل کیا ہے اس لیے ان سب کی نظر میں ان خوبیوں سے بڑھ کر بھی کچھ خوبیاں ہیں؟

کلینیاس : ان سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے؟

اجنبی : کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ مفسرین، اساتذہ، قانون ساز، دیگر شہریوں کے نگران، خود کو تمام انسانوں سے بڑھ کر تصور کریں اور صاف صاف یہ بتائیں کہ کون ہے جو علم سیکھنے کی آرزو رکھتا ہے یا جس کی بدکاریاں سزا اور سرزنش کی متقاضی ہیں اور نیکی اور بدی کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ کیا کوئی شاعر شہر میں کسی نہ کسی طرح داخل ہو گیا ہے یا کوئی موقع پرست جو خود کو نوجوان کا اُستاد کہتا ہے۔ خود کو ان لوگوں سے افضل سمجھتا ہے جنھیں نیکی کا اعزاز مل چکا ہے؟ کیا ہمارے لیے یہ کوئی انوکھی بات ہوگی کہ ہمارے نگران قول و فعل کے دھنی نہ ہوں اور انھیں نیکی کی ضروری پہچان نہ ہو۔ مملکت میں کوئی نگرانی نہ ہو۔ اور پھر ہماری مملکت آج کل کی دیگر مملکتوں کی طرح نہ ہو؟

کلینیاس : بالکل نہیں۔

اجنبی : تو پھر کیا ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہیے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنے نگرانوں کو تقریر و عمل میں نیکی کا واضح علم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا عموماً پایا جاتا ہے؟ کیا ہم نگرانی کی ایسی قوت نہیں تیار کر سکتے جس کے سبب ہماری مملکت ذہن اور حواس کے اعتبار سے کسی دانشمند شخصیت سے مشابہ نظر آئے؟

کلینیاس : آخر اس موازنے کا رخ کیا ہے؟

اجنبی : کیا ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ ریاست بمنزلۂ دھڑ ہے جس کا سر کیا نوجوان نگران نہیں ہیں۔ جنھیں ان کی فطری خوبیوں کی بنا پر منتخب کیا جاتا ہے۔ ان کی روح آنکھیں ہوتی ہیں جو پوری مملکت کو دیکھتی رہتی ہیں؟ وہ شہر کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور وہ جو دیکھتے ہیں اسے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں اور شہر کے بزرگوں کو اس سے مطلع کرتے ہیں۔ اور جن کو ہم دماغ سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیالات بہت زیادہ معقول ہوتے ہیں۔ یہ معمر حضرات ہوتے ہیں۔ ان سے صلاح لیتے ہیں اور نوجوانوں کو اپنا معاون مانتے ہیں۔ اور مشوروں میں ان کو شریک کرتے ہیں۔ اور پوری ریاست کا تحفظ کرتے ہیں۔ کیا یہ یا کوئی اور طریقہ ہی ریاست چلانے کا معمول ہوگا؟ کیا تمام شہری حصول علم میں مساوی ہوں گے یا ان میں ایسے افراد بھی ہوں گے جنھوں نے عمدہ اور دوسروں سے بہتر تعلیم و تربیت پائی ہے؟

کلینیاس : جناب عالی ایسے لوگ دوسروں کے مساوی ہوں۔ ناممکن ہے۔

اجنبی : اس لیے ہمیں کسی ایسی تربیت سے کام لینا ہوگا جو انھیں پہلے ملی ہوگی۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : تو کیا ابھی ہم نے جس کا حوالہ دیا ہے وہی ہمارے لیے ضروری نہیں ہوگی؟

کلینیاس : کیوں نہیں؟

اجنبی : کیا ہم نے یہ نہیں کہا ہے کہ کاریگر ہو یا نگران جو بھی اپنے کام کا ماہر ہے کیا مختلف مقاصد اس کی نگاہ میں نہیں ہوں گے۔ لیکن وہ صرف ایک ہی کو پیش نظر رکھے گا؟ اسے اس کا علم بھی ہونا چاہیے اور اس سے واقفیت کے بعد ہر کام اسی مقصد کے تحت ادا کرے گا۔

کلینیاس : بجا ارشاد۔

اجنبی : کیا کسی بات کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کا اس سے زیادہ جچا تلا اور کوئی طریق کار ہو سکتا ہے کہ آدمی مختلف باتوں سے اخذ کیے ہوئے ایک ہی خیال پر پوری توجہ مرکوز رکھے؟

کلیناس : غالباً نہیں!

اجنبی : نہیں نہیں۔ غالباً نہیں بلکہ یقیناً نہیں۔ میرے عزیز اس کا یہی جواب ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ درست اور کوئی طریقہ انسان نے دریافت نہیں کیا ہے۔

کلینیاس : اجنبی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ آیئے آپ ہی کے بتائے ہوئے راستے پر آگے بڑھیں۔

اجنبی : آیئے اب ہم اپنی مملکت کے نگرانوں کو مجبور کریں کہ وہ اوّل تو اس اصول ادراک کریں جو چاروں نیکیوں شجاعت میں، عدالت میں، اعتدال پسند اور دانائی میں مشترک ہو اور جنھیں ہم نیکی سے موسوم کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے۔ دوستو! ہمیں چاہیے کہ ہم اس اصول کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ اور اس وقت تک ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے جب تک ہم پوری طرح یہ طے نہ کر لیں کہ آخر ہمارا مطمح نظر کیا ہے۔ خواہ اسے ہم کسی بھی طرح سے جز و تسلیم کریں یا کُل۔ یا ہر دو۔ اگر ہم یہ طے نہ کر پائیں کہ نیکی کئی قسم کی ہوتی ہے، چار ہوتی ہے یا صرف ایک۔ تو کیا ہم ہمیشہ نیک چلن ہی رہیں گے۔ اگر ہم باہمی مشورے کر لیں تاکہ ہم کوشش کر کے اس اصول کو اپنا رہنما بنا لیں۔ لیکن اگر آپ نے یہ طے کر لیا ہے معاملے پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ تو ہم ایسا کریں گے۔

کلینیاس : ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ غیر ملکیوں کو دیوتا کی قسم ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ سچائی سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ آپ مقصد کس طرح حاصل کریں گے۔

اجنبی : سوال کرنے سے قبل آپ ذرا انتظار کر لیں۔ پہلے ہم آپس میں متفق ہو جائیں کہ ہمیں مقصد حاصل کرنا ہے۔

کلینیاس : یقیناً۔ اگر ہو سکے تو ضرور ہونا چاہیے۔

اجنبی : چلئے یہ تو طے ہوا۔ اب ذرا یہ بتایئے کہ نیک لوگوں اور شرفا کے بارے میں ہماری یہی رائے ہونی چاہیے۔ کیا ہمارے نگرانوں کو یہ جاننا کافی ہو گا کہ ان میں سے ایک، ایک نہیں بلکہ متعدد ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کس طرح یکساں ہیں۔

کلینیاس : انھیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہ کس معنوں میں ایک ہے۔

اجنبی : انھیں صرف اس پر غور ہی کرنا ہے یا غور کے بعد اس پر عمل نہیں کرنا ہے؟

کلینیاس : بالکل نہیں۔ یہ تو غلام کی صورت حال ہوگی۔

اجنبی : کیا یہی بات تمام خوبیوں کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی ہے؟ قانون کے اصل نگرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصلیت سے آگاہ ہوں اور ان کو الفاظ میں ڈھالیں اور عملی جامہ پہنائیں اور یہ بھی فیصلہ کریں کہ فطرت کے مطابق کس کا کام بہتر ہے اور کس کا نہیں۔

کلینیاس : یقیناً۔

اجنبی : کیا دیوتاؤں کا علم تمام علوم سے افضل ترین ہوتا ہے جسے ہم نے بڑی تن دہی سے بیان کیا ہے اور یہ علم انسانوں کے لیے کتنا طاقتور ہوتا ہے۔ اور اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ اس ضمن میں شہریوں کی اکثریت کو معافی کے قابل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ تو صرف قانون کے الفاظ سنتے ہیں لیکن نگران کی حیثیت سے ہم کسی ایسے کو تسلیم نہیں کرتے جو اس امر کے ہر ممکنہ ثبوت کی فراہمی کی جدوجہد نہیں کرتے کہ یہ الفاظ دیوتاؤں کی نمایندگی کرتے ہیں۔ ہماری ریاست میں کسی ایسے شخص کو قانون کا نگران منتخب کرنے یا نیکوکاروں کے حلقے میں شامل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جس کا دل اس جذبے سے سرشار نہ ہوا اور جس نے اس کے لیے محنت نہ کی ہو۔

کلینیاس : آپ جو کہہ رہے ہیں ویسے ہی ہونا چاہیے یعنی جو ان امور سے بے حس اور نااہل ہو تو اسے مسترد کر دینا چاہیے۔ اور اسے ہر قسم کے اعزاز سے دور ہی رکھا جائے۔

اجنبی : کیا ہمیں یہ یقین ہے کہ ہمارے کہنے کے مطابق دو باتوں سے انسان بتوں کے وجود کا قائل ہو جاتا ہے؟

کلینیاس کون کون سی۔

اجنبی : اوّل تو روح کے بارے میں دلائل ہیں جس کا ذکر پہلے ہی ہو چکا ہے کہ یہ تمام باتوں میں سے سب سے قدیم اور ملکوتی ہے۔ جسے وہ حرکت لازوال بناتی ہے جو خود کار ہوتی ہے۔ دوسری اس دلیل پر مبنی ہے کہ ستاروں میں ایک نظم و ضبط ہے اور عقل کے تحت وہ تمام اشیا اس میں شامل ہیں جو کائنات کو ایک نظام عطا کرتی ہیں۔ اگر کوئی دنیا پر اچٹتی اور اجنبی سی نظر نہیں ڈالتا تو دنیا میں اس

سے بڑھ کر دیوتاؤں سے بے بہرہ کوئی نہیں ہوگا جس نے وہ تاثر قبول کیا جس کے برعکس بے شمار لوگ قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ ان معاملات کو ستارہ شناسی اور اس سے پیدا ہونے فنی اظہار سے چلاتے ہیں وہ بے دیوتا ہو سکتے ہیں کیونکہ جہاں تک ان کی نظر جاتی ہے انھیں ہر شے کسی معقول ذہن سے نہیں بلکہ ضرورتاً کام کرتی دکھائی پڑتی ہے۔

کلینیاس : لیکن حقیقت کیا ہے؟

اجنبی : اس کے برعکس میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ایک زمانہ تھا جب لوگوں میں یہ عقیدہ عام تھا کہ چاند اور سورج روح سے عاری ہیں۔ اس زمانے میں بھی لوگوں کو ان پر حیرت ہوئی تھی۔ اور آج جسے سب تسلیم کرتے ہیں اس وقت صرف چند ایسے لوگ ہی قیاس کر سکتے تھے۔ ان کے بارے میں جن کا علم زیادہ واضح تھا کہ اگر وہ بے روح اور عقل سے عاری اشیا ہوتیں تو وہ اس حساب سے حرکت نہ کرتیں۔ جو حیرت انگیز طور پر درست ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں بھی ایسے باہمت لوگ تھے کہ جنھوں نے یہ کہنے کا خطرہ مول لیا تھا کہ کائنات کو چلانے والی عقل ہے۔ لیکن لوگ بھی روح کے بارے میں اس غلطی کا ارتکاب کرتے تھے کہ وہ جسم سے کم عمر ہے، اس سے قدیم نہیں۔ اس طرح انھوں نے دنیا کو بلکہ میں تو کہوں گا خود کو زیروزبر کر دیا۔ کیونکہ جن اجسام کو وہ آسمان پر گردش کرتا دیکھتے تھے ان میں بجز کنکر پتھر کے انھیں کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ اور یہ سب بے جان ہوتے ہیں۔ اور اسی کو انھوں نے زندگی کی علت مان لیا تھا۔ اس قسم کے نظریات سے دہریت اور ذہنی افراتفری کو فروغ ملا۔ اور شعرا کو برا بھلا کہنے کا خوب موقع ملا۔ انھوں نے فلسفیوں کو ایسی کتیا سمجھا جو بس بھونکتی ہی رہتی ہے۔ وہ اسی طرح کا اول فول بکتے رہے۔ لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں صورت حال بالکل ہی برعکس ہو چکی ہے۔

کلینیاس : وہ کس طرح۔

اجنبی : وہ شخص بتوں کا صحیح معنوں میں پجاری نہیں ہو سکتا جو ان دو اصولوں سے ناواقف ہو۔ کہ روح تمام مخلوقات سے قدیم ترین ہے۔ لازوال ہے اور اس کا حکم سب پر چلتا ہے۔ علاوہ بریں جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ فطرت کی عقل ستاروں میں موجود ہے اور اس کی پہلے سے تربیت ہو چکی ہے۔ اور موسیقی اور ان اشیا کے درمیان تعلق سے آگاہ ہے۔ اور ان تمام کو قوانین اور اداروں سے

ہم آہنگ بناتی ہے۔ جو اس حقیقت پر غور نہیں کرتا۔ وہ عقل رکھنے والی اشیا کے لیے دلیل دینے کے قابل نہیں رہتا۔ اور جو شہریوں کی عام خوبیوں کے علاوہ اس خوبی سے محروم رہتا ہے۔ وہ بمشکل تمام پوری ریاست کا حکمراں ہونے کے قابل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس طرح وہ حکمرانوں کا ماتحت ہوگا۔ کلینیاس اور مجی لس۔ آیئے ہم یہ بھی غور کرلیں کہ کیا ہم قوانین کے ہوتے ہوئے بھی ان قوانین کو ان میں شامل کرالیں۔ جن پر ہم اب تک بحث کر چکے ہیں۔ اور عدالتی عہدیداروں کی مجلس شبانہ جو ہماری مجوزہ تعلیمی منصوبے میں شریک ہے وہی مملکت کی فلاح کے لیے قوانین کی نگرانی بھی کرے گی۔ کیا ہم یہ تجویز پیش کردیں؟

کلینیاس : عزیز دوست کیوں نہیں؟ اگر یہ بات قابل عمل ہو تو ہم ضرور پیش کریں گے۔

اجنبی : آیئے اس مقصد کے حصول کے لیے ہم سب مل کر کوشش کریں۔ میں بھی بخوشی آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ ان امور کا مجھے بہت تجربہ ہے۔ اور اکثر ان پر غور بھی کیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

کلینیاس : اجنبی! میں آپ سے متفق ہوں آیئے اس راہ پر قدم آگے بڑھائیں دیوتا نے جس کی نشاندہی کی ہے۔ ہم کس طرح آگے بڑھیں۔ طے کرنے کی یہی بات ہے۔

اجنبی : ان معاملات پر مزید کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی جب تک اس مجلس کی تشکیل نہ ہو جائے۔ اس کی تشکیل کے بعد ہم یہ بھی طے کریں گے کہ اس کے اختیارات کیا ہوں گے۔ اس بات کے جواب کے لیے ان سب کو کس طرح منظم کیا جائے گا۔ ایک طویل بحث درکار ہوگی۔

کلینیاس : کیا مطلب؟ یہ نئی بات کہاں سے ٹپک پڑی؟

اجنبی : سب سے پہلے تو ان لوگوں کی ایک فہرست تیار کی جائے گی جو، اپنی عمر، مطالعے، مزاج اور عادات کے لحاظ سے نگرانوں کے فرائض ادا کرنے کے قابل ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے لیے یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوگا کہ انھیں کس طرح کی تربیت کی ضرورت ہوگی۔ یا جو لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں ان کی شاگردی حاصل کی جائے۔ علاوہ بریں تربیت حاصل کرنے کے لیے وقت کا تعین بھی کرنا ہوگا۔ ان کا تحریر کرنا کارلا حاصل ہوگا۔ کیونکہ سیکھنے والے کو خود اس وقت تک یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیا سیکھے کہ جو اس کے لیے مفید ہو۔ جب تک یہ تربیت اس کی روح میں اچھی طرح

جاگزیں نہ ہو جائے اگرچہ ایسی تفصیلات خفیہ نہیں ہوتیں تاہم ان کا پیشگی تذکرہ ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیان کر دینے کے بعد وہ بے معنی سی ہو جائیں گی۔

کلینیاس : اجنبی آخر ان حالات میں کیا کرنا ہوگا؟

اجنبی : یہ بات زبان زد خاص و عام ہے کہ جواب خفیہ نہیں ہے۔ سب اس سے واقف ہیں ہمیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تین چھکوں اور تین یکّوں کی امید میں کل کو داؤ پر لگانا ہی پڑتا ہے۔ اور میں یہ تعلیم اور فطرت پر اپنی رائے کا تفصیل سے آپ کے ساتھ اظہار کرنے کا خطرہ مول لینے کو تیار ہوں۔ یہ سوال دوبارہ سر اٹھا رہا ہے۔ یہ خطرہ ہلکا اور معمولی نہیں اور کلینیاس میں آپ سے خاص طور پر ملتمس ہوں کہ آپ اس معاملہ پر سوچ بچار کریں۔ کیونکہ آپ اس طرح اپنے شہر میگنیٹس کو دیوتا جو بھی نام دیں۔ شان و شوکت عطا کریں گے۔ کچھ بھی ہو آنے والی نسلوں کی نظر میں آپ بڑے دل گردے والے مانے جائیں گے۔ عزیز دوستو اگر ہمارا یہ مقدس ادارہ کسی طرح قائم ہو جائے تو ہم ریاست کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ قانون سازوں میں سے کوئی ایک بھی اس میں لیت و لعل سے کام لے گا۔ ریاست مکمل اور بیدار بن جائے گی۔ جس کا کچھ عرصے قبل ہم نے خواب دیکھا تھا۔ اور یہ تصور اور تعقل محض ایک ہیولیٰ تھا۔ اس کی تشکیل اس توقع پر ہو رہی ہے کہ شہری صحیح طریقے سے متحد ہوں گے ان کو صحیح تعلیم ملے گی اور تعلیم یافتہ اور مستحکم ملک کی پناہ میں مقیم ہونے کے سبب ایسے بے عیب نگران بن جائیں گے اور اپنی نیکی کی وجہ سے گزشتہ زندگی سے مختلف ہوں گے۔

مجی لس : عزیزم کلینیاس! ان تمام باتوں کے بعد ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اجنبی دوست کو یہاں روک لیں اور التجاؤں اور دیگر کسی طریقے سے شہر کی بنیاد رکھنے میں انھیں شریک کر لیں یا پھر اس کام کو ترک کر دیں۔

کلینیاس : آپ کی بات بالکل درست ہے۔ مجی لس! آیئے آپ ان کو روکنے میں میرا ساتھ دیں۔

مجی لس : میں ساتھ دوں گا۔

☆☆☆